صور من حیاۃ التابعین کا آسان اردو ترجمہ

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے واقعات

اس کتاب میں حضرات تابعینؒ کے ایمان افروز حالات و واقعات کو عام فہم اور آسان انداز میں جمع کیا گیا ہے، جس کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ تابعینؒ سے محبت، ان کے حالات سے آگہی اور ایمانی کیفیات میں اضافے اور ترقی کا ذریعہ ہوگا۔

تقریظ

حضرت مولانا محمد انور بدخشانی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تالیف

الدکتور عبد الرحمن رافت الباشا

ترجمہ وتلخیص

محمد حنیف عبد المجید

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

دار الہدیٰ

اردو بازار کراچی

صور من حیاۃ تابعین کا آسان اردو ترجمہ

تابعین رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات

اس کتاب میں حضرات تابعینؒ کے ایمان افروز حالات و واقعات کو عام فہم اور آسان انداز میں جمع کیا گیا ہے، جس کا مطالعہ ان شاء اللہ تعالیٰ تابعینؒ سے محبت، ان کے حالات سے آگہی اور ایمانی کیفیات میں اضافے اور ترقی کا ذریعہ ہوگا۔

تقریظ

محمد انور بدخشانی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

تالیف

الدکتور عبدالرحمٰن رافت الباشا

ترجمہ وتلخیص

محمد حنیف عبدالمجید

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن

دار الہدیٰ

اردو بازار کراچی

11030609

کتاب کا نام .... تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے واقعات

مترجم .... محمد حنیف عبدالمجید

تاریخ اشاعت .... جون ۲۰۰۹ء

باہتمام .... احباب دارالہدیٰ

کمپوزنگ .... فاروق اعظم کمپوزرز کراچی

ملنے کے پتے

زم زم پبلشرز، اردو بازار، کراچی	021-2761671
دارالاشاعت، اردو بازار کراچی	021-2213768
مدرسہ بیت العلم، گلشن اقبال، کراچی	021-4976073
صدیقی ٹرسٹ، لسبیلہ چوک، کراچی	021-2224291
بیت القرآن، اردو بازار، کراچی	021-2630744
مرکز القرآن، کراچی	021-2624608
بیت القرآن، چھوٹی گھٹی، حیدرآباد	022-2630744
حافظ اینڈ کو، لیاقت مارکیٹ، نواب شاہ	0244-360623
مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور	042-7355743
مکتبۃ الحسن، اردو بازار، لاہور	042-7241355
ادارہ اسلامیات، لاہور	042-7353255
کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی	051-5771798
دارالقرآن اکیڈمی، محلہ جنگی، پشاور	091-2665956
مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ	081-2662263

مکتبہ بیت العلم:

موبائل: 2583199-0322-92+

فون: 4972636-21-92+

ناشر

مکتبہ دارالہدیٰ

G-30 اسٹوڈنٹ بازار، گراؤنڈ فلور، اردو بازار کراچی

موبائل: 2179295-0322-92+

موبائل: 7816019-0321-92+

فون: 2726509-21-92+

Website: www.mbi.com.pk

email: info@mbi.com.pk

V.P کی سہولت موجود ہے۔ آج ہی آرڈر ناشر کے پتہ پر SMS کریں۔

بہترین تحفہ

محترم قاری! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنے دوست کو بہترین تحفہ پیش کرے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لیے بہترین تحفہ کیا ہے؟

ایک مسلمان کے لیے بہترین تحفہ ''دین کا شوق، عمل کا جذبہ، اخلاق میں درستگی'' ہے۔ آپ یہ کتاب اپنے دوستوں ...... رشتہ داروں کو ہدیۃً دے کر اس ''بہترین تحفہ'' کے حصول میں ان کے مددگار بن سکتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان باتوں پر بھی عمل کرنے والے بن سکتے ہیں۔

1. اس حدیث پر عمل کرنے والے بن سکتے ہیں:

''تَهَادَوْا تَحَابُّوْا'' (موطا مالك: ص۷۰۷)

تَرْجَمَۃ: ''آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو اس سے محبت بڑھے گی۔''

2. نیکی کے پھیلانے، علمِ دین اور کتابوں کی اشاعت کا ثواب حاصل کر سکتے ہیں۔

3. آپ خود بھی علم دوست بن سکتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی بنا سکتے ہیں، اس لیے یہ کتاب جہاں کہیں بھی رکھی جاتی ہے وہ لوگوں کو پڑھنے کی طرف دعوت دیتی ہے۔

لہٰذا آپ یہ کتاب اپنے دوستوں ..... رشتہ داروں کو تحفہ میں پیش کریں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو استطاعت دی ہے تو اپنی حیثیت کے مطابق یہ کتاب لے کر مدرسہ یا اسکول یا محلّہ کی لائبریری میں صدقۂ جاریہ کی نیت سے رکھ دیں۔

هَدِيَّةٌ مِنْ .... Gift From

اِلٰی .... To

ضروری گزارش

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم قارئین! ہم نے اس کتاب میں حتی الامکان تصحیح کی پوری کوشش کی ہے، لیکن اس کے باوجود بھی یہ گزارش ہے خصوصاً اہلِ علم حضرات سے کہ اگر کوئی غلطی نظر سے گزرے تو ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں یہ غلطی باقی نہ رہے۔ ادارہ اس تعاون پر آپ کا بہت ممنون ہوگا اور آپ اس آیت کے مصداق بن جائیں گے۔

﴿وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى﴾ (اَلْمَآئِدَۃ: ۲)

ترجمہ: ''آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیزگاری پر۔''

اسی طرح آپ سے ایک گزارش یہ بھی ہے کہ آپ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں جن کے حالات آپ آگے پڑھیں گے اور مؤلف، مترجم اسی طرح وہ حضرات جنہوں نے اس کتاب کی تیاری میں کسی طرح بھی حصہ لیا ہو یاد رکھیں، اور خاص طور پر ان کے لیے دعائیں کریں۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الدَّارَیْنِ.

—— از ——

احباب دارالہدیٰ

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

کلمات تحسین

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ اَمَّابَعْدُ:

بچوں کی تعلیم وتربیت دوسرے الفاظ میں قوم وملت کی اصلاح وتعمیر ہے، اگر ان بچوں کی بچپن ہی سے علمی وعملی تربیت ہوگی تو آگے جاکر دین داری ان کی طبیعت کا حصہ بن جائے گی۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ ان باتوں کو صرف کتابوں اور علمی واصلاحی باتوں تک ہی محدود نہ رکھا جائے بل کہ ان کے سامنے اکابرِ سلف اور بزرگوں کی زندگی، ان کی عادات ومزاج، حصولِ علم کی صعوبتیں، انہماک ویکسوئی، آداب واخلاق کا عملی نمونہ بھی پیش کرنا ضروری ہے۔ تاکہ بچے ہمارے ان بزرگوں کو اپنا آئیڈیل بنائیں اور ان جیسا بننے کی کوشش کریں۔

ان ہی اغراض کی خاطر یہ کتابیں ترتیب دی گئی ہیں۔ ① صحابہ کے واقعات ② تابعین کے واقعات۔

اگر پرنسپل حضرات یہ کتابیں اپنے نصاب میں شامل کرلیں تو مذکورہ مقاصد کے حصول میں حیرت انگیز حد تک پیش رفت ہوگی اور جہاں بچوں کے اندر اظہار مافی الضمیر کا ملکہ پیدا ہوگا وہاں ان میں دعوت وتبلیغ اور اپنی قوم کی اصلاح کا جذبہ بھی بیدار ہوگا۔

اس کی ترتیب یوں بنالیں کہ:

- یہ کتاب بچوں کو مطالعہ کے لیے دی جائے۔
- ہر طالب علم سے ایک ہفتہ میں ایک واقعہ زبانی سنانے کو کہیں۔
- طالب علم اگر کلاس میں ایک واقعہ سنادے تو پھر اسے پابند کریں کہ وہ یہ واقعہ اپنے دس رشتہ داروں کو بھی سنائے۔
- والدین سے کہیں کہ بچوں کو بزرگوں کی مجلس میں لے کر جائیں۔

قارئین کرام سے نہایت ہی ادب کے ساتھ عاجزانہ گزارش ہے کہ اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے بچے، بچیوں کو اس کتاب کے مطالعے کی رغبت دلائیں اور دعا بھی کرتے رہیں، تاکہ وہ اپنے اسلاف کو پہچانیں اور

اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوانوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام احباب و مخلصین ادارہ ھٰذا کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ہم سب کو دین پر چلنے اور اپنی قوم کی اصلاح و تربیت کا موقع عنایت فرمائیں۔ آمین

مولانا محمد عثمان صاحب نو وی والا

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

تقریظ

استاذ الحدیث مولانا محمد انور بدخشانی صاحب دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ أَمَّا بَعْدُ!

دنیاوی مشاغل ہوں یا دینی تعلیم و تدریس...... وعظ و تبلیغ ہو...... خواہ تصنیف و تالیف، غرض زندگی کے کسی بھی پہلو پر اور کسی بھی حیثیت سے کام کیا جا رہا ہو، اگر ان کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم...... تابعین...... و تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے نیک و مقرب بندوں کے واقعات اور ائمہ امت کے علمی و عملی حالات کا مطالعہ بھی شامل کر لیا جائے، تو یہ خدمتِ دین اور عملِ صالح کے جذبات کو نئے سرے سے بیدار کرنے کا باعث بنتی ہے۔

اور تجربہ یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم...... تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات اور ان کی روحانی حکایات و قصص کے مطالعے سے مقصدِ حیات کے تعین میں آسانی اور انابت و توجہ الی اللہ حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ مذکورہ بالا تمام حضرات شریعت کے اصل مزاج، قرآن مجید اور حدیثِ نبویہ کے لبِ لباب اور علم و عمل کے ذوق سے بخوبی واقف تھے۔

اور ان واقعات میں دل چسپی کے بھی تمام پہلو موجود ہوتے ہیں، ظاہر ہے کہ عام سرگزشت...... سوانح حیات...... اور آپ بیتیاں...... دل چسپی سے خالی نہیں ہوتیں، چہ جائیکہ ایسے عظیم الشان انسانوں کے واقعات، جن کی فضیلت کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی ہو، ارشاد باری ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ [1]

تَرجَمہ: ''اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لیے

[1] التوبة: ۱۰۰

ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جن میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کام یابی ہے۔“

اور جن حضرات کے بارے میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ“ [1]

اور جن کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہو، وہ صحابہ جنہوں نے نورِ نبوت سے براہِ راست روشنی حاصل کی، اور جن کے زمانے کو اسلامی تاریخ میں خصوصی اہمیت حاصل ہے، کیوں کہ یہی وہ حضرات تھے جن کے توسط سے احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم آج ہم تک پہنچی ہیں۔

(فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ)

بندے نے اس کتاب کا جستہ جستہ مقامات سے مطالعہ کیا، ماشاء اللہ تمام واقعات بے حد مفید...... دل نشین اور ان حضرات کے دور کی عظمت کا پتہ دیتے ہیں۔

ہر مسلمان کے لیے ان واقعات کا مطالعہ بہت سود مند ہے...... ہر واقعہ دل میں ایمان کی حرارت کو مزید بڑھانے والا اور اللہ اور اس کے رسول کی خالص محبت پیدا کرنے والا ہے۔

مترجمین نے ان واقعات کی جمع و ترتیب اور ترجمے میں جس جاں فشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، اس کا صحیح اندازہ قارئین کو کتاب کے پڑھنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے، نیز کمپوزنگ اور اہتمامِ تصحیح بھی معیاری ہے اور واقعات کا طرزِ تحریر بھی سادہ مگر دل چسپ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مترجمین اور ملخصین کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور ان حضرات کو زیادہ سے زیادہ دینی خدمات کے لیے موفق فرمائیں، اور اپنی رحمتِ خاصہ سے کتاب کو نافع اور مقبول بنادے۔

اور ان واقعات کو ہمارے لیے باعثِ تشجیع بنادے۔ اور دینِ اسلام و احکامِ اسلام کو روئے زمین پر عملاً قائم کرنے والا بنادے۔

محمد سلمان شاہ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

یکم جمادی الثانی ۱۴۲۷ھ

---

[1] بُخَارِيْ، كِتَابُ الْمَنَاقِبِ، بَابُ فَضَائِلِ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ۵۱۵/۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

مقدمہ

محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تین ساتھیوں کے ساتھ اُردن کا بہت مختصر سفر ہوا۔ کوشش یہ تھی کہ اس مبارک سفر میں کچھ کتب خانے دیکھے جائیں تاکہ وہاں سے کچھ علمی مواد مل جائے اور بچوں کا جو نصاب تیار ہو رہا ہے اس میں عرب علماء کی تصنیفی خدمات سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

الحمدللہ ان کتابوں کی تلاش کے دوران "صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ التَّابِعِيْنَ" نامی کتاب پر نظر پڑی اور یہ کتاب خرید لی۔ ویسے اس سے قبل بھی "صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ الصَّحَابَةِ" دیکھی تھی اور ہمارے دوست مفتی محمد عاصم ذکی صاحب نے مکتبہ غفوریہ سے شائع بھی کی۔ لیکن اس وقت اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ نہ ہوسکا اور "كُلُّ شَيْءٍ رَهِيْنٌ بِوَقْتِهٖ" کے تحت ہی ہمارے اُردن کے رفیقِ سفر حافظ منیر صاحب نے اس کتاب کی بہت تعریف کی اور یہ فرمایا کہ مراکش کے پورے سفر میں ہم لوگوں کو مولانا فاروق شاہ صاحب اس کا ترجمہ سناتے تھے جس سے ہم سب نے ایمانی کیفیت میں تازگی محسوس کی۔ کاش کوئی اس کا اردو میں ترجمہ کردے، بات آئی گئی ہوگئی۔

الحمدللہ بقیہ سفر میں اس کتاب کا مطالعہ کیا اور بہت فائدہ ہوا۔ واپس آنے کے بعد مولانا حسین احمد نجیب صاحب اور مولانا زبیر صاحب کی خدمت میں درخواست کی کہ وہ اس کا ترجمہ بل کہ ترجمانی اس طرح کریں کہ آسان سے آسان الفاظ میں صاحبِ کتاب کا مطلوب ومفہوم امت کے سامنے آجائے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ یہ سعادت مولانا حسین نجیب صاحب (فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاون) کے مقدر میں آئی اور الحمدللہ مولانا نے اس کا ترجمہ شروع فرمایا لیکن ان کی بعض ناگہانی مصروفیات کی بنا پر یہ سلسلہ چار تابعین کے احوال سے آگے جاری نہ رہ سکا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بندہ کے مقدر میں یہ سعادت آئی اور تابعی حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے حالات سے بندہ نے ترجمہ کرنا شروع کیا۔

برسبیل تذکرہ بتاتے چلیں کہ اس کام کو شروع کرنے سے پہلے کوشش کی گئی تھی کہ اگر کسی نے اس کتاب کا

ترجمہ اس سے پہلے کیا ہے تو دوبارہ اس پر محنت نہ کی جائے، مگر اس وقت تک اس کا ترجمہ نہ مل سکا۔ پھر کام کے دوران ہمارے دوست مولانا عمر فاروق صاحب نے مولانا محمود احمد غضنفر صاحب کے ترجمے کی طرف راہ نمائی فرمائی پھر بعد کے ترجمے میں مولانا کے ترجمے سے کافی زیادہ راہ نمائی بھی حاصل ہوئی۔ (اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عنایت فرمائے اور یہ محنت بھی ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے کہ اَلْفَضْلُ لِلْمُتَقَدِّمِ)

تاہم اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر تابعی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی کے حالات میں مناسب مقامات پر عنوانات لگائے گئے اور پھر حالات مکمل ہونے پر ''فوائد و نصائح'' کے نام سے ایک سبق اور ''مذاکرہ'' کے عنوان سے سوالات دیئے گئے ہیں۔

جس میں ہمارے ساتھی مولانا خلیل الرحمٰن صاحب (فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن) اور بھائی محمد اجمل صاحب نے بہت تعاون فرمایا، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو بھی جزائے خیر عطا فرمائے۔

ان سوالات کا ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ گھر کے افراد آپس میں یا پھر بھائی، بہن، بچے آپس میں ان سوالات کی مدد سے علمی مذاکرہ کر سکتے ہیں یا پھر یہ کتاب اگر مختصر کورس کے نصاب میں داخل کی جائے یا اسکولوں کی جون، جولائی کی چھٹیوں میں مساجد وغیرہ میں چالیس روزہ کورس میں یا پھر فہم قرآن کورس یا خواتین کے مختصر کورس میں شامل کی جائے تو اس سے درسی فوائد بھی حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

یہ کتابیں جہاں آپ کو سیرت، معاشرت، تاریخ اور آداب و اخلاق سے روشناس کرائیں گی، وہاں اِنْشَاءَ اللّٰه تعالٰی امید ہے نئی نسل کی دینی و اصلاحی تربیت بھی کریں گی، دعوت و تبلیغ کا ڈھنگ سکھائیں گی اور اظہار ما فی الضمیر کی صلاحیت میں چار چاند لگا دیں گی۔ لہٰذا خود بھی ان کتابوں کا مطالعہ کریں اور اپنی اولاد کو بھی ان کتابوں کا مطالعہ کروائیں۔

آخر میں قارئین کرام سے نہایت ادب سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں ان تمام علماءِ کرام کو جن کی محنت و ترغیب سے یہ کتاب آج آپ کے ہاتھوں میں ہے اور ادارے کے تمام اساتذہ کرام کو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور ہمیں اپنے دین اور اعلاء کلمۃ اللہ قبول فرمائے کے لیے پوری زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

آپ کی دعاؤں کا طالب

محمد حنیف عبدالمجید

آپ اس کتاب کو کیسے پڑھیں؟

❶ یہ کتاب ان بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہے جنہوں نے ان ہستیوں کی زیارت فرمائی جو حضور اکرم ﷺ کی مجالس میں بیٹھتے تھے، وہ خمیر تھے جن کی براہ راست جناب رسول اکرم ﷺ نے تربیت فرمائی، پھر آگے جا کر پوری دنیا میں انہوں نے دین کو پھیلایا۔ ان کے حالات کا مطالعہ نہایت عظمت و احترام کے ساتھ کرنا چاہئے۔

❷ کتاب شروع کرنے سے پہلے وضو کرلیں ہو سکے تو دو رکعت نفل نماز پڑھ لیں اور یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مطالعے سے ہماری راہ نمائی فرمائے۔ اور جن بزرگوں کے حالات پڑھ رہے ہیں ہمیں بھی ان جیسا دین کو پھیلانے والا بنائے اور ہم سے دین کا کام لے۔

❸ کتاب میں جہاں کہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام آئے وہاں "جَلَّ جَلَالُهُ عَمَّ نَوَالُهُ" یا "رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ" یا "تَعَالٰی" ضرور کہیں۔ اور جہاں کہیں حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک آئے وہاں "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" ضرور پڑھیں اس سے آپ کو دس نیکیاں ملیں گی، آپ کے دس گناہ معاف ہوں گے، اور آپ کے دس درجات بلند ہوں گے۔ اور اگر کسی صحابی کا نام مبارک آئے تو وہاں: "رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ" کہنا چاہئے، اگر صحابہ کی تعداد دو ہو تو "رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا" کہیں اور اگر صحابہ کے ناموں کی تعداد دو سے زیادہ ہو تو "رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ" کہنا چاہئے۔

جب کسی تابعی کا نام مبارک آئے تو "رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى" کہنا چاہئے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے۔ جتنی مرتبہ آپ ان کے نام پر "رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى" پڑھتے جائیں گے اتنی مرتبہ فرشتے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ سے رحمت کی دعائیں مانگ رہے ہوں گے۔

❹ ہر واقعہ پڑھنے کے بعد اس واقعہ سے آپ نے جو سبق حاصل کیا ہے اسے کتاب کے آخر میں لکھئے یا علیحدہ کاپی میں اس تابعی کا نام لکھ کر اس کے تحت نوٹ کر لیجئے، پھر وہ واقعہ دوستوں کی محفل میں یا گھر والوں کی بیٹھک میں دو تین مرتبہ بیان کیجئے، آخر میں وہ سبق بیان کیجئے جو آپ نے متعلقہ واقعہ سے سیکھا تھا۔

اس کے دو فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو آپ کی ذہنی استعداد بڑھے گی، آپ کے اندر بیان کا ملکہ

پیدا ہوگا۔ دوسرا: آپ غیر محسوس طریقے سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہوں گے۔

❺ ہم نے بارہا اپنے اساتذہ کرام اور بزرگوں سے سنا کہ ادب اور توجہ کے ساتھ جو علم حاصل کیا جائے اور سچی طلب اس میں شامل ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور مدد فرماتے ہیں۔ یعنی اس کتاب کا مطالعہ خالص علمی سیر کی طرز پر ہرگز نہ کیا جائے، بل کہ محض اللہ تعالیٰ کی پہچان، اس کی محبت، مضبوط ایمان اور کامل یقین حاصل کرنے کی نیت سے کیا جائے۔

اس لیے باادب اور سچی طلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی مدد کی جائے گی اور ایمان کی مضبوطی اور کامل یقین عطا کیا جائے گا۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ

"مَا رَأَيْتُ أَحَدًا يُرِيْدُ بِالْعِلْمِ وَجْهَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ غَيْرَ هٰؤُلَاءِ الثَّلَاثَةِ: عَطَاءٌ ...... وَطَاوُسٌ ...... وَمُجَاهِدٌ"

(سلمة بن كهيل)

ترجمہ: "سلمہ بن کہیل رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ان تینوں بزرگوں میں خصوصیت سے یہ بات دیکھی کہ یہ تینوں اپنے علم سے صرف اور صرف اللہ کی رضا کے طالب تھے یعنی عطاء بن ابی رباح ...... طاوس ...... اور مجاہد رحمہم اللہ تعالیٰ۔"

خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کا مسائل پوچھنا

۹۷ھ ماہ ذوالحجہ کے آخری عشرے کی بات ہے کہ بیت اللہ شریف حاجیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے جس میں پیدل چل کر آنے والے بھی ہیں اور سوار ہو کر آنے والے بھی، بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی ...... مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی ...... ان میں کالے بھی ہیں اور گورے بھی ...... عرب بھی ہیں اور عجم بھی ...... بادشاہ اور سردار بھی ہیں اور عوام ورعایا بھی۔ یہ سب لوگ اپنے خالق ومالک کے سامنے اپنی عاجزی، حاضری، امیدیں اور تمنائیں لے کر آئے ہیں۔

انہی لوگوں میں سے ایک سلیمان بن عبدالملک خلیفۃ المسلمین ہیں جو وقت کے تمام بادشاہوں سے بڑے بادشاہ ہیں اور ننگے سر، ننگے پاؤں صرف دو چادروں میں بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں۔

طواف کی حالت میں یہ بادشاہ بھی اپنی رعایا اور عام مسلمان بھائیوں کی طرح نظر آ رہے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے ان کے دو بیٹے بھی چل رہے ہیں اور وہ دونوں خوب صورتی اور صفائی میں چودھویں کے چاند کی طرح ہیں، جب کہ نزاکت اور تروتازگی میں گلاب کی کلی کی طرح ہیں۔

طواف سے فارغ ہو کر بادشاہ نے اپنے ایک خاص آدمی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا:

"اَيْنَ صَاحِبُكُمْ؟"

ترجمہ: "کہاں ہے تمہارا ساتھی؟"

اس نے مسجدِ حرام کے مغربی کونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں پر نماز پڑھ رہا ہے۔

خلیفہ اور اس کے دونوں بیٹے اس طرف جانے کے لیے متوجہ ہوئے جس طرف اشارہ کیا گیا تھا۔ خلیفہ کا لٹھ بردار (لاٹھی اٹھانے والا) خصوصی دستہ آگے بڑھا تا کہ وہ خلیفہ کے ساتھ رہ کر ان کے لیے راستہ بنائے اور

لوگوں کے رش اور بھیڑ کی تکلیف سے خلیفہ کو بچائے۔

لیکن خلیفہ نے انہیں وہیں روک دیا کہ یہ مقام (مسجد حرام) ایسا ہے کہ یہاں بادشاہ اور فقیر سب برابر ہوتے ہیں، یہاں اگر کسی کو فضیلت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے تو وہ صرف قبولیت اور تقویٰ کے اعتبار سے ہے، نہ کہ حکومت اور خلافت کے اعتبار سے، اور بہت سارے پراگندہ بالوں والے غبار آلود لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا تھوڑا سا عمل بھی اتنا مقبول ہو جاتا ہے کہ بادشاہوں کا بڑے سے بڑا عمل اتنا مقبول نہیں ہوتا۔

پھر خلیفہ اس آدمی کی طرف چلے، تو ان کو نماز کی حالت میں ایسا پایا کہ وہ اپنے رکوع اور سجدے میں گویا کہ غرق ہیں اور لوگ ان کے پیچھے اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ہیں، تو خلیفہ بھی مجلس میں ان کے قریب جا کر بیٹھ گئے اور اپنے دونوں بیٹوں کو بھی ساتھ بٹھا لیا۔

(خلیفہ کے) یہ دونوں قریشی جوان (لڑکے) اس آدمی کے بارے میں سوچنے لگے، جس کے پاس امیر المؤمنین خود چل کر آئے تھے اور عام لوگ بھی ان کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ ایک حبشی بوڑھا شخص ہے، سیاہ چہرہ، گھنگریالے بال اور چپٹی ناک ہے۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اس طرف متوجہ ہوئے جہاں خلیفہ بیٹھے تھے، (خلیفہ) سلیمان بن عبدالملک نے ان کو سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر خلیفہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور مناسک حج کے بارے میں ایک ایک عبادت کے متعلق پوچھتے رہے اور وہ ہر مسئلے کے بارے میں جواب دیتے رہے، ان کی ہر بات اور ان کا ہر جواب اتنا واضح ہوتا کہ مزید وضاحت کی گنجائش ہی نہیں رہتی تھی۔

اور ہر قول کی دلیل میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتے تھے۔ جب خلیفہ اپنے مسائل سے فارغ ہوئے تو ان (شیخ) کو بھلائی کی دعا دی اور اپنے دونوں بیٹوں سے کہا:

اٹھو! تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے اور تینوں مسعیٰ (صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کی جگہ) کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی وہ راستے میں ہی تھے کہ ان دو لڑکوں نے سنا کہ کوئی پکارنے والا پکار رہا ہے:

''يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ......''

تَرْجَمَۃ: ''اے مسلمانوں کی جماعت!''

''لَا يُفْتِي النَّاسَ فِيْ هٰذَا لْمَقَامِ إِلَّا عَطَاءُ بْنُ أَبِيْ رَبَاحٍ......

فَإِنْ لَمْ يُوْجَدْ فَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أَبِيْ نَجِيحٍ.''

تَرْجَمَۃ: ''یہاں پر عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے علاوہ کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہیں

ہے، اگر وہ نہ ہوں تو پھر عبداللہ بن ابی نجیح سے فتویٰ پوچھا جائے۔''

یہ آواز سن کر خلیفہ کے دو بیٹوں میں سے ایک نے اپنے والد کی طرف متوجہ ہو کر کہا: امیر المؤمنین کا عامل (مقرر کردہ آدمی) کیسے لوگوں کو کہہ رہا ہے کہ عطاء بن ابی رباح اور ان کے ساتھی کے علاوہ کسی سے فتویٰ طلب نہ کریں (مسائل نہ پوچھیں) جب کہ ہم تو ایسے آدمی سے مسائل پوچھنے گئے جس نے نہ تو خلیفہ کو کوئی اہمیت دی اور نہ ہی اس کی تعظیم کا حق ادا کیا۔

یہ سن کر سلیمان اپنے بیٹے سے کہنے لگا:

اے میرے بیٹے! وہ شخص جن کو آپ نے دیکھا اور ان کے سامنے ہماری تواضع اور عاجزی دیکھی یہی تو ہیں عطاء بن ابی رباح، جو مسجد حرام کے مفتی ہیں اور اس بڑے مرتبے میں عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے جانشین (وارث) ہیں۔

پھر اپنے بیٹوں سے کہنے لگے:

''یَا بَنِيَّ ......''

تَرْجَمَۃ: ''اے میرے بیٹو!''

''تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ ......''

تَرْجَمَۃ: ''علم حاصل کرو۔''

کیوں کہ علم ہی کے ذریعے ذلیل اور کمتر شخص باعزت اور مشرف بنتا ہے اور گمنام (غیر مشہور) نامور اور مشہور ہوتا ہے اور غلام بادشاہوں کے مراتب پر فائز ہوتا ہے۔

علم میں اونچا مقام

سلیمان بن عبدالملک نے علم کی شان میں اپنے بیٹوں کے سامنے کوئی مبالغہ نہیں کیا بل کہ ان کو حقیقت ہی بتلائی۔

کیوں کہ عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ بچپن میں مکہ کے اندر ایک عورت کے مملوک غلام تھے، یہ تو اللہ تعالیٰ نے اس حبشی غلام کو عزت اور شرف عطا کیا کہ بچپن ہی سے علم کا شوق ان کے دل میں پیدا کیا اور وہ بچپن ہی سے علم سیکھنے کے راستے پر چلنے لگے۔

انہوں نے اپنا وقت تین حصوں پر تقسیم کیا تھا، ایک حصہ تو اپنے آقا کی خدمت کے لیے متعین کیا تھا اور اس میں آقا کی خدمت بہتر سے بہتر انداز میں کیا کرتے تھے اور اس کے جو حقوق تھے وہ مکمل ادا کرتے تھے۔

اور ایک حصہ اپنے پروردگار کے لیے متعین کیا تھا، اس میں عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کرتے تھے اور ذہن ایک طرف کر کے مکمل اخلاص کے ساتھ اپنے ربّ کی عبادت کرتے تھے۔

اور ایک حصہ طلبِ علم اور حصولِ علم کے لیے متعین کیا تھا کہ اس میں حضور ﷺ کے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ میں سے جو زندہ تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہو کر علم حاصل کرتے اور ان کے گہرے، صاف شفاف حوضوں سے سیراب ہونے لگتے (یعنی ان صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کے پاس جا کر اپنی علمی پیاس بجھاتے)۔

چناں چہ بہت سارے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے انہوں نے روایات نقل کیں اور قرآن وحدیث کا علم حاصل کیا، جن میں حضرت ابو ہریرہ...... حضرت عبداللہ بن عمر...... حضرت عبداللہ بن عباس...... حضرت عبداللہ بن زبیر وغیرہم جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ شامل ہیں۔

یہاں تک کہ قرآن، حدیث اور فقہ کے اعتبار سے ان کا سینہ علم سے بھر گیا۔ جب ان کی سیدہ یعنی مالکہ نے دیکھا کہ ان کے غلام نے اپنی جان اللہ تعالیٰ کو بیچ دی ہے اور اپنی زندگی طلبِ علم کے لیے وقف کر دی ہے، تو اپنا حق (یعنی غلام کے ذمے آقا کی جو خدمت اور حقوق ہوتے ہیں) ان کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حضرت عطاء رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی گردن آزاد کر دی۔ (یعنی ان کو آزاد کر دیا) تاکہ اللہ تعالیٰ اس غلام سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع پہنچائیں۔

اُسی دن سے حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مسجد حرام کو اپنا مسکن (یعنی اپنا ٹھکانہ) بنا لیا۔

اُن کے رہنے کا گھر بھی یہی مسجد حرام۔
اُن کے علم حاصل کرنے کا مدرسہ بھی یہی۔
اور ان کی نماز کی جگہ (مسجد) بھی یہی تھی۔

جس میں تقویٰ اور اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے، یہاں تک کہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ بیس سال تک مسجد حرام ہی ہیں حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا بچھونا رہا۔

اس طرح سے یہ جلیل القدر تابعی حضرت عطا بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ علم میں بلند مقام اور اونچے درجے پر فائز ہوگئے اور انہوں نے وہ بلند مرتبہ حاصل کیا، جو اس دور کے لوگوں میں سے بہت کم لوگ حاصل کر سکے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ تشریف

لائے تو لوگ ان کی طرف بڑھے اور مسائل پوچھنے لگے تو انہوں نے فرمایا:

"إِنِّيْ لَأَعْجَبُ لَكُمْ يَا أَهْلَ مَكَّةَ"

ترجمہ "اے مکہ والو! مجھے تو تم پر تعجب ہو رہا ہے۔"

"أَتَجْمَعُونَ لِيَ الْمَسَائِلَ لِتَسْأَلُوْنِيْ عَنْهَا وَفِيْكُمْ عَطَاءُ بْنُ أَبِيْ رَبَاحٍ؟"

تَرْجَمَہ: "تم لوگ مجھ سے مسائل معلوم کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہو جب کہ تمہارے درمیان عطاء بن ابی رباح موجود ہیں۔"

محمد بن سوقہ (جو کہ کوفہ کے اکابر علماء اور نیک لوگوں میں سے ہیں) ایک مرتبہ اپنی زیارت کے لیے آنے والوں سے فرمانے لگے:

کیا میں آپ کو ایک ایسی بات نہ بتاؤں جو آپ کو بھی فائدہ پہنچا دے جیسے مجھے اس بات سے فائدہ پہنچا ہے؟

ان لوگوں نے کہا: آپ ضرور بتائیے!

فرمایا: "ایک دن عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ہم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں وہ فضول باتوں کو ناپسند کرتے تھے" (برا سمجھتے تھے)۔ میں نے پوچھا کہ کس بات کو فضول سمجھتے تھے، یعنی ان کے نزدیک فضول کلام کیا تھا؟

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"كَانُوْا يَعُدُّوْنَ كُلَّ كَلَامٍ فُضُوْلًا مَا عَدَا كِتَابَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَنْ يُقْرَأَ وَيُفْهَمَ......

وَحَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُرْوٰى وَيُدْرٰى......

أَوْ أَمْرًا بِمَعْرُوْفٍ وَنَهْيًا عَنْ مُنْكَرٍ......

أَوْ عِلْمًا يُتَقَرَّبُ بِهٖ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى......

أَوْ أَنْ تَتَكَلَّمَ بِحَاجَتِكَ وَمَعِيْشَتِكَ الَّتِيْ لَابُدَّلَكَ مِنْهَا"

وہ پانچ قسم کے کلام کے علاوہ باقی ہر کلام کو فضول (یعنی بے فائدہ) شمار کرتے تھے، وہ پانچ قسم کے کلام یہ ہیں۔

1. قرآن کریم جو کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس کو پڑھا جائے اور اس کو سمجھا جائے۔
2. رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی روایت کی جائے اور ان کو سیکھا جائے۔
3. ہر اچھائی اور بھلائی کی طرف لوگوں کو بلایا جائے اور برائی سے روکا جائے۔

❹ ایسا علم حاصل کیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنے۔
❺ اپنی حاجت اور ضرورت کے مطابق بات کی جائے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔

(ان پانچ باتوں کے علاوہ باقی تمام باتیں اور تمام کلام ان کے نزدیک ناپسندیدہ اور فضول تھے) پھر حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی میری طرف متوجہ ہو کر فرمانے لگے: کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سمجھتے ہو؟

﴿اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝﴾ [1]

تَرجَمَہ: ''یقیناً تم پر نگہبان عزت والے، لکھنے والے مقرر ہیں۔''

پھر حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

اگر ہمارا وہ اعمال نامہ جو صبح کے وقت لکھا گیا ہے وہ ہمارے سامنے کھول دیا جائے اور اس میں اکثر (اعمال واقوال کی) چیزیں ایسی ہوں کہ نہ تو دین کی باتوں اور دین کے کاموں سے ان کا تعلق ہو اور نہ دنیاوی معاملات سے تو ہمارے لیے کتنی شرمندگی اور ندامت کی بات ہوگی۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے علم سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی مختلف جماعتوں اور طبقوں کو نفع پہنچایا۔

ان میں اہلِ علم یعنی علماء کا مخصوص طبقہ بھی ہے۔

اور اربابِ صنعت وحرفت (کاریگر اور کاروباری لوگ) بھی ہیں۔

اور ان کے علاوہ عام لوگوں نے بھی ان کے علم سے فائدہ اٹھایا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ مناسک حج کے پانچ مسائل میں مجھ سے غلطی ہوئی جو مجھے مکہ مکرمہ کے ایک حجام (یعنی بال مونڈھنے والے) نے بتلا دیئے وہ ایسے کہ میں نے سر منڈھانے کا ارادہ کیا کہ احرام سے نکل جاؤں تو میں ایک حلاّق (نائی) کے پاس آیا اور میں نے اس سے پوچھا کہ کتنے میں میرے بال کاٹ لو گے؟ (یعنی اجرت معلوم کی)۔

❶ تو اس نے کہا:

''هَدَاكَ اللّٰهُ ...... النُّسُكُ لَا يُشَارَطُ فِيهِ، اِجْلِسْ وَأَعْطِ مَا يَتَيَسَّرُ لَكَ.''

تَرجَمَہ: ''اللہ آپ کو ہدایت دے عبادت میں اجرت کی شرط نہیں لگائی جاتی، تشریف رکھئے اور

[1] الانفطار: ۱۰، ۱۱

سہولت کے ساتھ جتنی اجرت دے سکیں اتنی دے دیجئے۔"

میں شرمندہ ہوکر بیٹھ گیا۔ (لیکن بیٹھنے میں بھی میں نے غلطی کی)

❷ قبلہ سے رخ دوسری طرف موڑ کر بیٹھ گیا تو اس حجام نے مجھے اشارہ کیا کہ میں قبلہ کی طرف رخ کروں تو میں نے ایسا ہی کیا لیکن مجھے شرمندگی پر مزید شرمندگی ہوئی۔

❸ پھر میں نے بائیں طرف سے سر آگے بڑھایا تاکہ وہ حلق کرے (یعنی سر کے بال مونڈھ دے) تو اس نے کہا کہ دایاں طرف ادھر کرو تو میں نے دایاں طرف اس کی طرف کرلیا وہ میرا سر مونڈھ رہا تھا اور میں خاموشی اور تعجب سے اس کو تکتا رہا۔

❹ اس نے مجھے کہا: آپ خاموش کیوں بیٹھے ہیں؟

تکبیر پڑھتے رہیے! میں نے تکبیر کہنی شروع کی یہاں تک کہ جب فارغ ہوکر میں اٹھا اور جانے لگا تو اس نے کہا: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟

میں نے جواب دیا کہ اپنے سامان اور مکان کی طرف جارہا ہوں۔

❺ اس نے کہا: پہلے دو رکعت نماز پڑھئے! پھر جہاں جانا چاہیں جائیں، میں نے دو رکعتیں پڑھیں اور اپنے دل میں کہا حجام تو ایسا ہی ہونا چاہئے جو عالم بھی ہو۔ پھر میں نے اس سے پوچھا:

"آپ نے جو مسائل مجھے بتائے یہ آپ نے کہاں سے سیکھے؟"

وہ کہنے لگا: میں نے حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو ایسا ہی کرتے دیکھا، تو یہ میں نے ان سے سیکھ لیے اور اب میں لوگوں کو اس طرح بتلاتا ہوں۔

دنیا سے دوری اور بے رغبتی

یہ دنیا (یعنی دنیا کی دولت اور جاہ وجلال) تو حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی طرف کھنچی کھنچی چلی آئی، لیکن انہوں نے ہمیشہ اس سے دوری اختیار فرمائی اور اس کو قبول کرنے سے ہمیشہ انکار کیا۔ اور اپنی ساری زندگی ایسی گذار دی کہ ان کی قمیص کی قیمت کبھی پانچ درہم سے زیادہ نہیں ہوئی (یعنی پانچ درہم سے زیادہ قیمت کی قمیص کبھی نہیں پہنی)۔

ان کے دور میں جتنے بھی خلفاء (مسلمانوں کے امیر) تشریف لائے ان سب نے حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو اپنے ساتھ رہنے کی دعوت دی، لیکن انہوں نے کسی کی دعوت قبول نہیں کی۔ کیوں کہ ان کو خطرہ تھا کہ کہیں میں دنیوی مال ودولت، عیش وراحت میں پڑ کر اپنا وقت ضائع نہ کردوں۔

لیکن اس کے باوجود بھی جب وہ خلفاء کے پاس جانے میں اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ دیکھتے تو ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔ ایسا ہی ایک قصہ عثمان بن عطاء خراسانی نے بیان کیا ہے کہتے ہیں:

ایک مرتبہ میں اپنے والد کے ساتھ ہشام بن عبدالملک کے پاس جانے کے لیے چلا، صبح کے وقت جب ہم ''دِمشق'' کے قریب پہنچے تو اچانک ہمیں ایک بوڑھا شخص کالے (رنگ کا) گدھے پر سوار آتا ہوا نظر آیا جس کے جسم پر ایک موٹی (کھردری) قمیص، ایک بوسیدہ جبہ، اور سر پر ایک ٹوپی تھی جو سر کے ساتھ چپکی ہوئی تھی اور اس کے جوتے لکڑی کے بنے ہوئے تھے مجھے تو اس کو دیکھ کر ہنسی آگئی، میں نے اپنے والد سے پوچھا!

مَنْ هٰذَا؟ یہ کون ہے؟

تو میرے والد نے کہا:

''أُسْكُتْ، هٰذَا سَيِّدُ فُقَهَاءِ الْحِجَازِ عَطَاءُ بْنُ أَبِيْ رَبَاحٍ.''

تَرجَمَہ: ''خاموش! یہ تو حجاز کے فقہاء کے سردار عطاء بن ابی رباح ہیں۔''

جب وہ ہمارے قریب آئے تو میرے والد اپنی سواری بغلہ (خچر کو کہتے ہیں جو گھوڑے سے چھوٹا اور گدھے سے تھوڑا بڑا ہوتا ہے) سے نیچے اُترے اور وہ بھی اپنی سواری سے اُترے اور دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ معانقہ کیا (یعنی گلے ملے) اور ایک دوسرے کی خیریت دریافت کی، اور پھر دونوں پلٹ کر اپنی اپنی سواریوں پر سوار ہوگئے، اور چلنے لگے یہاں تک کہ ہشام بن عبدالملک کے محل کے دروازے پر دونوں ٹھہر گئے۔

ابھی تھوڑا ہی ٹھہرے ہوں گے کہ ان کو اندر جانے کی اجازت دی گئی اور دونوں اندر چلے گئے۔

کچھ دیر بعد جب میرے والد محل سے باہر تشریف لائے تو میں نے ان سے پوچھا کہ آپ دونوں کے ساتھ اندر جاتے وقت جو حالات پیش آئے وہ مجھے بھی بتا دیجئے! تو میرے والد صاحب کہنے لگے:

جب ہشام کو پتہ چلا کہ دروازے پر عطاء بن ابی رباح ہیں تو جلدی سے دوڑ کر آئے اور ان کو اجازت دی۔ اللہ کی قسم! میں تو ان ہی کی وجہ سے اندر جا سکا (مطلب یہ ہے کہ اگر عطاء بن ابی رباح نہ ہوتے تو نہ معلوم مجھے اندر جانے کی اجازت ملتی یا نہیں)۔

جب ہشام نے عطاء بن ابی رباح کو دیکھا تو ''مَرحبًا مَرحبًا'' کہا (یعنی بار بار خوش آمدید کہا) اور مسلسل ''یہاں'' ''یہاں'' تشریف رکھیئے کہتے رہے یہاں تک کہ ان کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھایا اور اپنے گھٹنے ان کے گھٹنوں سے ملا کر بیٹھ گئے (یہ انتہائی ادب واحترام کے طور پر ہوتا ہے)

اس مجلس میں بڑے بڑے (عہدوں کے اعتبار سے) لوگ تھے جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے وہ بھی خاموش ہوگئے۔

پھر ہشام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے: اے ابومحمد! (یہ ان کی کنیت تھی کیونکہ ان کے بیٹے کا نام محمد تھا) آپ کس حاجت کے لیے تشریف لائے؟

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے امیر المؤمنین! حرمین والے لوگ (یعنی مکہ اور مدینہ والے) اہل اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں آپ خوراک وعطیات ان پر بھی تقسیم کیا کریں۔

ہشام نے کہا: ٹھیک ہے اور غلام (منشی) سے کہا کہ اہل مکہ اور اہل مدینہ کے لیے ایک سال کی خوراک وعطیات لکھ لو۔

پھر کہنے لگے: ابومحمد! اس کے علاوہ اور کوئی حاجت ہو تو بتائیں۔

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! جی ہاں اے امیر المؤمنین!

''اہل حجاز اور اہل نجد'' اصلی عرب اور اسلام پسند روشن دماغ لوگ ہیں آپ ان میں زائد صدقات لوٹا دیا کریں۔

تو ہشام نے کہا: ٹھیک ہے اے غلام! لکھ لو کہ ان کے زائد صدقات ان کو واپس کر دیئے جائیں گے۔

پھر ہشام نے پوچھا، اس کے علاوہ کوئی اور حاجت؟

تو انہوں نے فرمایا: جی ہاں! اہل ثغور (وہ مجاہدین اور فوجی جو ملک کی خطرناک سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں) تمہارے دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے ہیں اور جو بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے ساتھ لڑتے ہیں ان دشمنوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

آپ ان کے لیے وافر مقدار میں خوراک (کی مدد) مسلسل بھجوانے کا انتظام کریں، کیوں کہ اگر وہ ہلاک ہوگئے تو سرحدوں کی حفاظت کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

ہشام نے کہا ٹھیک ہے اے غلام! لکھ لو سرحدوں کے محافظین کے لیے خوراک روانہ کر دی جائے۔

پھر ہشام نے پوچھا اے ابومحمد! اس کے علاوہ کوئی اور حاجت؟

تو فرمانے لگے: جی ہاں اے امیر المؤمنین! آپ کے ذمّی (یعنی وہ کافر جو ٹیکس دے کر اسلامی ملک میں رہتے ہیں) جتنے بھی ہیں، ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کسی کام کی تکلیف نہ دی جائے، کیوں کہ ان کے ساتھ جتنی بھی رعایت ہوگی وہ آپ کے دشمن کے مقابلے میں آپ کے لیے معاون بنیں گے۔

ہشام نے کہا: اے غلام! لکھ لو، ذمیوں کو ''تَکْلِیْفُ مَالَا یُطَاقُ'' (ایسی مشکل جو برداشت نہ ہو) سے بری کر دیا جاتا ہے، ذمیوں کو ان کے بس سے زائد کام کی تکلیف نہ دی جائے۔

ہشام نے پھر سوال کیا اے ابو محمد! اس کے علاوہ اور کوئی حاجت ہو تو بتایئے؟

عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

"نَعَمْ ...... اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْ نَفْسِكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ......"

تَرجَمَہ: "جی ہاں اے امیر المؤمنین! اپنے بارے میں بھی اللہ سے ڈریئے۔"

"وَاعْلَمْ أَنَّكَ خُلِقْتَ وَحْدَكَ ......

وَتَمُوْتُ وَحْدَكَ ......

وَتُحْشَرُ وَحْدَكَ ......

وَتُحَاسَبُ وَحْدَكَ ......"

تَرجَمَہ: "اور اچھی طرح جان لیں کہ جب آپ پیدا ہوئے تو اکیلے تھے ...... اور جب مریں گے تو اکیلے ہی جائیں گے ...... اور میدان حشر میں بھی اکیلے ہی ہوں گے اور حساب کتاب کے وقت بھی اکیلے ہی ہوں گے۔"

اللہ کی قسم! یہ (جتنے لوگ نوکر چاکر یا مال ودولت، عہدہ ومنصب) جو کچھ آپ کو نظر آرہا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آپ کے ساتھ نہیں ہوگا۔

یہ سن کر ہشام نیچے زمین کی طرف نظریں جھکا کر رونے لگے:

پھر عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اٹھے اور میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔

جب ہم دروازے کے قریب پہنچے تو ایک آدمی ان کے پیچھے پیچھے ایک تھیلی (جس کے بارے میں مجھے علم نہیں کہ اس میں کیا تھا) لے کر آرہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ امیر المؤمنین نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔

عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اس لیے میں قبول نہیں کر سکتا۔

﴿وَمَآ أَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۚ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [1]

تَرجَمَہ: "میں تم سے اپنی اس وعظ ونصیحت کے بدلے کچھ نہیں مانگتا میرا اجر تو میرے پروردگار کے ذمے ہے جو تمام مخلوقات کے رب ہیں۔"

اللہ کی قسم! عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی خلیفہ کے دربار میں داخل ہوئے اور وہاں سے فارغ ہوکر باہر نکلے لیکن انہوں نے وہاں پر ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پیا۔

[1] الشعراء: ۱۰۹

حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے لمبی (بابرکت) عمر نصیب فرمائی جو ایک سو سال تک پہنچی اور ان کی تمام عمر علم وعمل، نیکی اور پرہیزگاری سے بھرپور تھی۔

اور انہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کی محبت اور اللہ کے خزانوں میں رغبت کی وجہ سے لوگوں کے مال ودولت کی حرص سے پاک وصاف بنا رکھا تھا۔

یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہوا تو دنیا کے مال واسباب کے اعتبار سے تو وہ بہت ہلکے تھے، لیکن اعمال آخرت کا بہت بڑا توشہ اپنے لیے تیار کر چکے تھے اس کے ساتھ ساتھ تمام اعمال سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے ستر (۷۰) حج کئے تھے اور ہر بار حج کے دوران وہ ستر (۷۰) بار عرفات پر کھڑے ہو کر اللہ کی رضا اور جنت طلب کر چکے تھے اور اس کی ناراضگی اور جہنم کی آگ سے پناہ مانگ چکے تھے۔

حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ جو جلیل القدر اور مشہور تابعی ہیں، اپنے وقت کے بہت بڑے عالم وزاہد تھے ان کے جو حالات یہاں ذکر کئے گئے ان سے یہ سبق ملتا ہے:

فوائد ونصائح

طلبہ کے لیے چند مفید نصیحتیں

❶ بادشاہ اور خلفاء باوجود اپنی سج دھج اور شان وشوکت کے دین کے علم کے بارے میں علماء کے محتاج ہوتے ہیں، مسائل معلوم کرنے کے لیے ان کو بھی علماء کی خدمت میں ادب واحترام سے بیٹھنا پڑتا ہے تو معلوم ہوا کہ بادشاہت بھی ہمیشہ علم کی محتاج رہتی ہے۔

❷ علم اور تقویٰ اور ورع (خدا کے خوف) کی بنا پر ایک حبشی بدصورت غلام کو اللہ تعالیٰ نے مسجد حرام کا مفتی بنایا اور علم ہی کی وجہ سے وہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنہُمَا جیسے جلیل القدر اور فقیہہ صحابی کے منصبِ افتاء کے وارث بنے، تو اس سے پتہ چلا کہ علم ہی متر اور ادنیٰ لوگوں کو اونچے درجات اور اعلیٰ درجات کا حق دار بنا دیتا ہے۔

❸ حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ دو عادتیں ایسی ہیں جن کے اختیار کرنے سے انسان مراتب وکمال کو پہنچتا ہے اور اختیار نہ کرنے سے بڑے بڑے باکمال لوگ ضائع ہو جاتے ہیں۔ وہ دو عادتیں یہ ہیں۔

(الف) اپنے نفس پر قابو، یعنی نفس کو غیر ضروری لذتوں، خواہشوں سے بچائے رکھنا۔

(ب) اپنے وقت کی حفاظت، یعنی اپنا قیمتی وقت فضول باتوں اور کھیل کود میں ضائع نہ کرنا۔ حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ہمت کر کے اپنے آپ کو ان دو مبارک خصلتوں کا عادی بنالیا تھا جن کی بناء پر وہ اتنے بڑے عالم اور فقیہ بنے۔

ہمیں بھی اپنے وقت کی حفاظت کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

① اَلْوَقْتُ عَمَّارٌ اَوْ دَمَّارٌ

② قِیْمَۃُ الزَّمَنِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ

③ اَلْوَقْتُ أغْلٰی مِنْ ذَھَبٍ.

یہ تینوں کتابیں عربی میں ہیں۔

اردو میں ایک بہت اچھی کتاب ہے "متاعِ وقت اور کاروانِ علم" یہ کتاب مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کی ہے۔ اس کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے۔

④ یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک صحیح عالم دین سے اللہ تعالیٰ مخلوق کو نفع عطا فرماتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی دنیا اور آخرت دونوں کے کام سنور جاتے ہیں۔

⑤ یہ بھی معلوم ہوا کہ علم دوسروں تک پہنچانے کے لیے اور خود علم کو محفوظ رکھنے کے لیے قوت حافظہ کی بھی ضرورت ہے، دیکھیں حلاق (بال کاٹنے والے شخص) نے امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو یہ مسائل بتلائے۔ اس لیے طالب علم کو چاہئے کہ قوت حافظہ کے لیے دعا بھی کرے اور قوت حافظہ جن چیزوں سے کمزور ہوجاتی ہے ان سے بچے، قوت حافظہ کے لیے مندرجہ ذیل امور کی پابندی کرے۔

قوتِ حافظہ کے لیے چند نصیحتیں

(الف) گناہوں سے اپنے آپ کو بچائے۔

(ب) والدین اور اساتذہ کی دعائیں لے۔

(ج) جو سیکھا ہے وہ دوسروں کو سکھائے، جتنا دوسروں کو سکھائیں گے اتنا ہی علم بڑھے گا۔

(د) بادام اور شہد کا استعمال کرے۔

(ہ) عشاء کے بعد جلدی سوجائے، فجر سے پہلے اٹھ کر مطالعہ تکرار کرے۔

(و) کھانا آہستہ آہستہ چبا چبا کر کھائے۔

(ز) گندگی، بدبو سے دور رہے اپنا کمرہ، بیت الخلا، باورچی خانہ، بستر، کتابیں صاف ستھری رکھے اور خوشبو

استعمال کرے، ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنے کے لیے طلبہ ''مجالس ابرار'' مرتبہ حضرت مولانا ابرار الحق صاحب رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ، ''روح کی بیماریاں اور ان کا علاج'' مرتبہ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم اور ''مواعظ اشرفیہ'' حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ ان کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں۔

ایک سیاہ رنگ حبشی حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کے پاس کوئی مسئلہ دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوا، تو حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ نے اس کی تسلی کے لیے فرمایا:

تم اپنے کالے ہونے پر غم نہ کرو، کیوں کہ کالے لوگوں میں تین بزرگ ایسے ہیں جو لوگوں میں سب سے بہتر تھے۔

(الف) حضرت بلال حبشی رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ۔

(ب) حضرت مہجع رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ جو حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

(ج) حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَامُ۔

حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَامُ ایک روز ایک بڑی مجلس میں لوگوں کو حکمت کی باتیں سنا رہے تھے، ایک شخص آیا اور اس نے سوال کیا کہ کیا تم وہی نہیں جو میرے ساتھ فلاں جنگل میں بکریاں چرایا کرتے تھے؟

حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا: ہاں! میں وہی ہوں۔

اس شخص نے پوچھا کہ پھر آپ کو یہ مقام کیسے حاصل ہوا کہ تمام لوگ آپ کی تعظیم کرتے ہیں اور آپ کے کلمات سننے کے لیے دور دور سے جمع ہوتے ہیں؟

حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا: اس کا سبب میرے دو کام ہیں۔

ایک ہمیشہ سچ بولنا،

دوسرے فضول باتوں سے اجتناب کرنا۔

اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت لقمان عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا: چند کام ایسے ہیں جنہوں نے مجھے اس درجہ پر پہنچایا، اگر تم اختیار کرلو تو تمہیں بھی یہی درجہ اور مقام حاصل ہوجائے گا۔ وہ کام یہ ہیں:

① اپنی نگاہ کو پست رکھنا۔

② زبان کو بند رکھنا۔

③ حلال روزی پر قناعت کرنا۔

④ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا۔

⑤ بات میں سچائی پر قائم رہنا۔

⑥ عہد کو پورا کرنا۔
⑦ مہمان کا اکرام کرنا۔
⑧ پڑوسی کی حفاظت کرنا۔
⑨ فضول کام اور کلام کو چھوڑ دینا۔[1]

طلبہ کو چاہئے کہ ہر نماز کے بعد اس دعا کو عاجزی اور طلب کے ساتھ گڑگڑا کر مانگیں۔

علم نافع کے حصول کی دعا

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَّرِزْقًا وَّاسِعًا وَّشِفَآءً مِّنْ كُلِّ دَآءٍ﴾[2]

تَرجَمَہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں نفع دینے والا علم کشادہ روزی اور ہر بیماری سے پوری شفا۔“

ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ مذکورہ بالا چیزوں کا بھی خوب اہتمام کرے اور علم حاصل کرنے کے لیے خوب محنت بھی کرے۔ (ہر طالب علم میں علم کا شوق پیدا کرنے اور علم میں ترقی حاصل کرنے کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید رہے گا۔ ① آداب المتعلمين ② مطالعہ کی اہمیت ③ کام یاب طالب علم (ناشر دارالہدیٰ)

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں سب سے بڑے مفتی کون تھے؟

سُؤال: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے زندگی کے اوقات کو کتنے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور ان حصوں میں آپ کی کیا مشغولیت رہتی تھی؟

سُؤال: حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی بیان کردہ وہ پانچ باتیں کون سی ہیں جن کے علاوہ وہ ہر کلام کو فضول شمار فرماتے تھے۔

سُؤال: حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے دنیا میں کتنا عرصہ گذارا اور کتنے حج کئے اور ان کی کنیت کیا تھی؟

[1] معارف القرآن: ۳۴/۷، ۳۵
[2] الحزب الاعظم: ص ۶۰

حضرت عامر بن عبداللہ تمیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

"اِنْتَهَى الزُّهْدُ إِلٰى ثَمَانِيَةٍ. فِيْ مُقَدِّمَتِهِمْ عَامِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ التَّمِيْمِيُّ" (علقمة بن مرثد نَوَّرَ اللّٰهُ مَرْقَدَهُ)

تَرجَمَہ: "علقمہ بن مرثد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر میں سب سے بڑھنے والے آٹھ بزرگ گذرے ہیں جن کے امام (قائد) عامر بن عبداللہ تمیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ تھے۔"

علم سیکھنے اور سکھانے کا شوق

یہ ۱۴ ہجری کی بات ہے کہ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے حکم پر بڑے بڑے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ اور جلیل القدر تابعین رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ "شہر بصرہ" کے حدود یعنی سرحدوں کی تعین کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

ان کا ارادہ تھا کہ اس نئے شہر کو مسلمانوں کے ان لشکروں کے لیے لشکر گاہ بنادیں جو فارس کے علاقوں میں جہاد، تبلیغ اور اعلاء کلمۃ اللہ (اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلندہ کرنے) کے لیے نکلنے والے تھے۔

کیوں کہ یہی "بصرہ" ایسا مقام تھا جس میں جزیرہ عرب کے مختلف علاقوں یعنی علاقہ نجد، حجاز، یمن وغیرہ سے ہجرت کر کے مسلمان آ کر یہاں جمع ہوتے تھے اور اسلام پھیلانے کی جماعت میں شمولیت کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

چناں چہ ہجرت کر کے آنے والے نجد کے مہاجرین میں قبیلہ بنوتمیم کا ایک نوجوان تھا جو عامر بن عبداللہ تمیمی عنبری کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

عامر بن عبداللہ اس زمانے میں انتہائی خوب صورت...... چڑھتی جوانی چمکتا دمکتا چہرہ...... پاکیزہ نفس اور پاکیزہ دل تھے۔

جب کہ "بصرہ" اس وقت مسلمانوں کے شہروں میں سے سب سے زیادہ مال و دولت والا شہر تھا، کیوں کہ جنگوں میں حاصل ہونے والا مال غنیمت یہیں پر آتا تھا اور یہیں پر خالص سونے کے ڈھیر تھے۔

لیکن اس تمیمی نوجوان عامر بن عبداللہ کو ان تمام چیزوں میں کوئی دل چسپی نہیں تھی وہ ان تمام اشیاء (یعنی مال ، دولت) سے مستغنی (اعراض کرنے والے) تھے جو لوگوں کے پاس تھیں بل کہ وہ ان تمام نعمتوں کے

شوقین تھے جو اللہ تعالیٰ کے پاس تھیں۔

وہ دنیا اور اس کی ظاہری زیب و زینت (سج دھج) سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ اور اس کی رضا مندی کی طرف آگے بڑھنے والے تھے۔

اس زمانے میں بصرہ کے گورنر نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہوا کرتے تھے (اللہ تعالیٰ ان کے چہرے کو جنت میں تروتازہ رکھے) وہی اس خوب صورت شہر کے والی (حکمران) تھے اور جہاں بھی مسلمانوں کا لشکر جاتا تو وہ مسلمانوں کے لشکر کے (امیر) بھی ہوتے تھے۔

اور بصرہ والوں کے امام و استاذ بھی تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کرنے والے بھی تھے۔

عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی مکمل صحبت اختیار کر لی، حالت جنگ میں بھی اور حالت امن میں بھی، حالت سفر میں بھی اور حالت حضر میں بھی، اسی وجہ سے انہوں نے اُن سے کتاب اللہ کا علم ایسا تازہ تازہ حاصل کر لیا جس طرح حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے قلب مبارک پر نازل ہوا تھا۔

اور ان سے احادیث صحیحہ روایت کیں جن کی سند براہ راست نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تک پہنچتی تھی اور انہی سے تعلیم حاصل کر کے دین اسلام کے عالم اور فقیہ بنے۔

پھر جب انہوں نے اس تعلیم کو مکمل کر لیا جس کا انہوں نے ارادہ کیا تھا تو انہوں نے اپنی زندگی کو تین حصوں پر تقسیم کر لیا۔

1. حصہ اول: لوگوں کو دین سکھانے کے لیے، جس میں بصرہ کی مسجد میں لوگوں کو قرآن مجید پڑھاتے تھے۔
2. حصہ دوم: عبادت کے لیے، جس میں وہ عبادت کرتے اور اپنے ربّ کے سامنے اس قدر کھڑے رہتے کہ ان کے دونوں پاؤں تھک کر کمزور پڑ جاتے۔
3. حصہ سوم: دین کو پھیلانے کے لیے اور اللہ کے راستے میں جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے، جس میں کافروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے اور جو لوگ نہ مانتے ان کو جزیہ کی طرف دعوت دیتے اور جو یہ بھی نہ مانتے تو ان کے لیے تلوار سونت کر اللہ کے راستے میں جہاد کرتے۔

(ان تین کاموں کے علاوہ ان کے پاس کسی اور کام کے لیے کوئی وقت نہیں تھا) انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی وقت اس کے علاوہ کسی کام کے لیے نہیں چھوڑا تھا، یہاں تک کہ وہ بصرہ کے سب سے بڑے عابد اور متقی کہلائے۔

یک سوئی کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغولیت

حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے بارے میں بصرہ کے ایک نوجوان بیان کرتے ہیں:

''میں ایک قافلے میں عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے ہمراہ تھا جب ہم پر رات آئی تو ہم نے پانی کے قریب ایک جھاڑی نما (کثیر درختوں والے) مقام پر پڑاؤ ڈالا۔

تو عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنا سامان سمیٹا اور اپنا گھوڑا ایک درخت کے ساتھ باندھ کر اس کی رسی کو لمبا چھوڑ دیا اور گھاس پھوس جمع کر کے اس کے سامنے ڈالا تاکہ وہ سیر ہو جائے اور خود جھاڑی میں داخل ہو کر اوجھل ہو گئے۔

میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے ان کے پیچھے جا کر دیکھنا چاہیے کہ وہ اس رات کے وقت جھاڑیوں میں گھس کر کیا کرتے ہیں۔

وہ چلتے رہے یہاں تک کہ ایک ایسی جگہ جا کر رک گئے جس کے چاروں طرف بہت سارے درخت تھے اور وہ جگہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی تھی (یعنی دور سے وہ جگہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی)۔

پھر انہوں نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔

"فَمَا رَأَيْتُ أَحْسَنَ مِنْ صَلَاتِهِ وَلَا أَكْمَلَ وَلَا أَخْشَعَ."

تَرْجَمَہ: ''میں نے ان کی نماز سے زیادہ اچھی، کامل اور خشوع والی نماز کبھی نہیں دیکھی۔''

پھر جب وہ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے تو اللہ تعالیٰ سے دعا اور سرگوشی شروع کر دی، جو کلمات وہ دعا میں کہتے رہے ان میں سے بعض کلمات یہ ہیں:

إِلٰهِي لَقَدْ خَلَقْتَنِي بِأَمْرِكَ،

وَأَقَمْتَنِي فِي بَلَايَا هٰذِهِ الدُّنْيَا بِمَشِيْئَتِكَ، ثُمَّ قُلْتَ لِي: إِسْتَمْسِكْ......

فَكَيْفَ أَسْتَمْسِكُ إِنْ لَمْ تُمْسِكْنِي بِلُطْفِكَ يَا قَوِيُّ يَا مَتِيْنُ؟

إِلٰهِي إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّهُ لَوْ كَانَتْ لِي هٰذِهِ الدُّنْيَا بِمَا فِيْهَا، ثُمَّ طُلِبَتْ مِنِّي مَرْضَاةً لَكَ، لَوَهَبْتُهَا لِطَالِبِهَا ......

فَهَبْ لِي نَفْسِي يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ......

إِلٰهِي إِنِّي أَحْبَبْتُكَ حُبًّا سَهَّلَ عَلَيَّ كُلَّ مُصِيْبَةٍ، وَرَضَّانِي بِكُلِّ قَضَاءٍ......

فَمَا أُبَالِي مَعَ حُبِّي لَكَ مَا أَصْبَحْتُ عَلَيْهِ، وَمَا أَمْسَيْتُ فِيْهِ

تَرْجَمَہ: ''اے میرے مولا! تو نے اپنے حکم سے مجھے پیدا فرمایا اور اپنی مشیّت سے مجھے دنیا کی آزمائشوں میں ڈالا، پھر مجھے حکم دیا کہ میں اپنے نفس پر قابو پایا کروں۔

اے میرے زبردست قوت اور طاقت والے مولا! اگر آپ کی مہربانی شامل حال نہ ہو تو میں کیسے اپنے نفس پر قابو پاسکتا ہوں؟

اے میرے مولا! آپ تو جانتے ہیں کہ اگر یہ دنیا ومافیہا (یہ پوری دنیا اور جو کچھ اس کے درمیان ہے تمام خزانے) میرے ہو جائیں اور پھر آپ کی رضا کے بدلے مجھ سے مانگ لیے جائیں تو آپ کی رضا کے حاصل کرنے کے لیے میں یہ سب کچھ قربان کر دوں گا۔

اے ارحم الرحمین! مجھے میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے (یعنی وہ مجھے گناہوں کی طرف نہ لے جائے)۔

اے میرے مولا! میں آپ سے محبت کرتا ہوں، مجھ پر ہر مشکل آسان کر دیجئے اور مجھے اپنے ہر فیصلے پر رضا نصیب فرما دیجئے آپ کے ساتھ محبت ہے اس لیے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میری صبح اور میری شام کس حالت میں گزر رہی ہے۔''

وہ بصری آدمی کہتے ہیں کہ پھر مجھے اونگھ (نیند) آگئی اور میں نے اپنی دونوں پلکیں جھکا لیں۔ (یعنی دونوں آنکھیں بند کر کے سو گیا) میں سوتا رہا یہاں تک کہ جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ عامر اسی طرح اپنی جگہ نماز اور دعا میں مشغول تھے یہاں تک کہ صبح ہونے لگی، جب ان کو فجر کا وقت معلوم ہونے لگا تو انہوں نے فجر کی فرض نماز ادا کی اور پھر دعا میں لگ گئے دعا میں یہ کہہ رہے تھے

''اللّٰهُمَّ قَدْ أَصْبَحَ الصُّبْحُ، وَطَفِقَ النَّاسُ يَغْدُوْنَ وَيَرُوْحُوْنَ، يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِكَ ......

وَإِنَّ لِكُلٍّ مِنْهُمْ حَاجَةً ......

وَإِنَّ حَاجَةَ عَامِرٍ عِنْدَكَ أَنْ تَغْفِرَ لَهُ ......

اللّٰهُمَّ فَاقْضِ حَاجَتِي وَحَاجَاتِهِمْ يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِيْنَ ......

اللّٰهُمَّ إِنِّيْ سَأَلْتُكَ ثَلَاثًا، فَأَعْطَيْتَنِيْ اثْنَتَيْنِ، وَمَنَعْتَنِيْ وَاحِدَةً ......

اللّٰهُمَّ فَأَعْطِنِيْهَا حَتّٰى أَعْبُدَكَ كَمَا أُحِبُّ وَأُرِيْدُ......''

تَرْجَمَہ: ''اے میرے مولا! اب تو صبح ہوگئی اور لوگ صبح سے شام تک تیرے فضل (روزی) کی تلاش میں لگ گئے ان میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی حاجت اور ضرورت ہے اور عامر کی حاجت یہ

ہے کہ آپ اس کی مغفرت کر دیں۔

اے اللہ! میری اور ان سب کی حاجتیں پوری فرما دیجئے اے کرم کرنے والے مالک!

اے اللہ! میں نے آپ سے تین چیزیں مانگیں! دو تو آپ نے عطا فرما دیں اور ایک روک دی؟

اے اللہ! وہ ایک چیز بھی عطا فرما دیجئے! تاکہ میں آپ کی ایسی عبادت اور بندگی کروں جیسے میں چاہتا ہوں اور جیسے میرا ارادہ ہے۔"

دعا سے فارغ ہو کر اپنی جگہ سے اٹھے تو مجھے دیکھ لیا اور سمجھ گئے کہ میں نے یہ پوری رات اس جگہ گذاری ہے، تو وہ بہت غم زدہ ہو گئے (کیوں کہ میں نے ان کی پوری کیفیت دیکھ لی تھی) اور ناراضگی وافسوس کے ساتھ کہنے لگے:

اے بصری بھائی! میرا خیال ہے آپ رات بھر مجھے دیکھتے رہے ہیں۔

میں نے کہا: جی ہاں!

تو کہنے لگے: آپ نے میری جو حالت دیکھ لی ہے اس کو پردے میں رکھیں۔

اللہ تعالیٰ آپ پر پردہ ڈالیں گے (یعنی آپ کے عیوب پر)

میں نے کہا اللہ کی قسم! اگر آپ نے مجھے وہ تین چیزیں نہیں بتائیں جو آپ نے اپنے ربّ سے مانگی ہیں، تو میں آپ کی اس حالت کے بارے میں تمام لوگوں کو بتا دوں گا جو میں نے دیکھی ہے۔ تو کہنے لگے خدا کے لیے ایسا مت کریں۔

تو میں نے کہا پھر میری شرط وہی ہے جو میں نے آپ کو بتا دی ہے۔

جب انہوں نے میرا اصرار دیکھا تو کہنے لگے:

اچھا میں آپ کو بتاتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اللہ کو گواہ بنا کر میرے ساتھ وعدہ کریں کہ آپ کسی اور کو نہیں بتائیں گے۔

میں نے کہا اللہ کی ذات کی قسم! آپ کے ساتھ پکا وعدہ ہے کہ جب تک آپ زندہ رہیں گے میں آپ کا راز فاش نہیں کروں گا۔

تو کہنے لگے:

"مجھے اپنے دین کے بارے میں سب سے زیادہ خوف عورتوں کی طرف سے تھا" (یعنی مجھے دین کے لیے سب سے بڑا خطرہ عورت لگ رہی تھی، کیونکہ عورتوں کی آزمائش سے آدمی بے دین اور گنہگار ہو جاتا ہے)

تو میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ عورتوں کی محبت میرے دل سے نکال دے!

میرے رب نے میری یہ دعا قبول فرمالی اب میری یہ حالت ہے کہ جب میں (نامحرم) عورت کو (غلطی سے بھی) دیکھ لوں تو مجھے یہ پرواہ نہیں ہوتی کہ یہ عورت ہے یا دیوار ہے (یعنی عورت کو دیکھنے سے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا)۔

میں نے کہا: ایک چیز تو یہ ہوگئی اب دوسری بتائیں۔

کہنے لگے: دوسری یہ کہ میں نے اپنے رب سے دعا کی کہ "مجھے ایسا بنادے کہ میں تیرے علاوہ کسی سے نہ ڈروں۔"

میرے رب نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی اللہ کی قسم! اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا میں کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔

میں نے کہا تیسری چیز کیا تھی؟

کہنے لگے: میں نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ "مجھ سے نیند ختم کر دے" تاکہ میں رات دن جیسے چاہوں اپنے رب کی عبادت کروں، تو میرے رب نے یہ تیسری چیز مجھے عطا نہیں فرمائی، (یعنی میری یہ تیسری دعا اور درخواست قبول نہیں ہوئی)۔

جب میں نے ان کی یہ باتیں سنیں تو میں نے ان سے کہا:

(خدا کے لیے) اپنے اوپر ترس کھائیں (نرمی کریں) کیوں کہ آپ ساری رات نماز میں کھڑے ہو کر اور سارا دن روزے کی حالت میں گذارتے ہیں حالاں کہ جنت تو آپ کے اس عمل سے بھی کم عمل کے ساتھ مل سکتی ہے۔

اور آگ سے بچاؤ آپ کی اس جدو جہد (کوشش) سے بھی کم کوشش کے ساتھ ممکن ہے۔

یہ سن کر کہنے لگے:

"إِنِّيْ لَأَخْشٰى أَنْ أَنْدَمَ حَيْثُ لَا يَنْفَعُ النَّدَمُ......"

تَرجَمَۃ: "مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں ایسی جگہ مجھے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے جہاں شرمندگی کوئی فائدہ نہ دے۔"

اللہ کی قسم! میں عبادت میں اس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا جب تک میرے اندر کوشش اور جدو جہد کی طاقت باقی رہے گی۔

پھر اگر مجھے نجات مل جائے تو وہ اللہ کی مہربانی ہوگی اور اگر جہنم میں داخل ہو جاؤں تو وہ میری ہی کوتاہی

اور گناہ کی وجہ سے ہوگا۔

غزوہ میں جانے سے پہلے تین باتوں کا معاہدہ

حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ صرف رات کے راہب (یعنی رات کے وقت خوف خداوندی کی وجہ سے اپنے آپ کو اللہ کی عبادت میں مشغول رکھنے والے) ہی نہیں تھے بل کہ دن کے شہسوار (مجاہد) بھی تھے جب بھی جہاد کے لیے اعلان ہوتا تو سب سے پہلے لبیک کہنے والے یہی حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ہوتے تھے۔

ان کی عادت مبارکہ تھی کہ جب بھی کسی غزوہ میں مجاہدین کے ساتھ جاتے تو کھڑے ہوکر اپنا تعارف کراتے، تاکہ یہ کسی جماعت کے ہمراہ ہوکر جائیں (یعنی لوگ ان کی رفاقت اختیار کریں) تو جب یہ کسی جماعت کی رفاقت (دوستی) میں آجاتے تو سب سے پہلے ان کے ساتھ تین باتوں کا معاہدہ کرتے تھے۔

اگر آپ لوگ میری ان تین شرائط کو مان لیں گے تو میں آپ کے ساتھ چلوں گا ورنہ نہیں، لوگ پوچھتے کہ آپ کی وہ تین شرائط کیا کیا ہیں؟

تو یہ کہتے: ''پہلی بات'' تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کی خدمت میں کروں گا اور خدمت کے معاملے میں مجھ سے کوئی نہیں الجھے گا (یعنی خدمت کے لیے مجھے کوئی یہ نہیں کہے گا کہ آپ چھوڑیں میں کرتا ہوں) بل کہ میں ہی خدمت کرتا رہوں گا۔

''دوسری بات'' یہ ہے کہ آپ لوگوں کا مؤذن میں ہی ہوں گا نماز کے لیے اذان دینے میں آپ میں سے کوئی بھی مجھ سے نہیں الجھے گا۔

''تیسری بات'' یہ کہ میں اپنی طاقت اور وسعت (گنجائش) کے مطابق آپ لوگوں پر خرچ کروں گا۔

پھر اگر وہ لوگ ان کی باتیں تسلیم کر لیتے اور کہہ دیتے کہ ''ٹھیک ہے'' تو یہ ان کے ساتھ ہو جاتے۔

اور جب ان میں سے کوئی ایک ان باتوں میں سے کسی ایک کو تسلیم نہ کرتا تو یہ ان کی صحبت اور رفاقت (ساتھ چلنے کو) چھوڑ کر دوسرے لوگوں کے ساتھ ہو جاتے (اور ان سے بھی یہی تین باتیں منوا کر ان کے ساتھ چلتے)۔

دنیا سے بے رغبتی

حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ان مجاہدین میں سے تھے جو زیادہ تر مشکل مراحل، سخت جنگوں

اور پر خطر جگہوں میں مجاہدہ اور قربانیوں کے مواقع پر نظر آتے تھے۔

غنیمت کی تقسیم کے موقع پر بہت کم دکھائی دیتے تھے (کیوں کہ ان میں دنیاوی مال واسباب کی حرص اور لالچ بالکل نہیں تھی)۔

وہ جنگ کے شعلوں میں ایسے کودتے اور ایسے گھستے تھے کہ ان کے علاوہ کوئی اس طرح نہیں گھستا تھا لیکن مالِ غنیمت سے اس طرح دور رہتے تھے کہ کوئی اور اس طرح دور نہیں رہتا تھا۔

یہ اس زمانے کی بات ہے کہ ''جنگ قادسیہ'' کے بعد جب حضرت سعد بن ابی وقاص رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کسریٰ کے محل میں پہنچے اور ''عمرو بن مقرن'' کو مالِ غنیمت جمع کرنے اور حساب لگانے کا حکم دیا، تاکہ خمس (پانچواں حصہ) نکال کر مسلمانوں کے بیت المال کے لیے بھیج دیا جائے اور بقیہ مالِ غنیمت مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے۔

چناں چہ انہوں نے (یعنی عمرو بن مقرن نے) مال اور تمام قیمتی اشیاء وہیں پر جمع کر دیں ایسی بہترین پاکیزہ اور عمدہ چیزیں کہ جن کی تعریف کرنا مشکل اور اس قدر کثیر تعداد میں کہ ان کا گننا مشکل تھا۔

ایک طرف بڑے بڑے صندوق جو سونے چاندی کے برتنوں سے بھرے ہوئے تھے جن میں فارس کے بادشاہ کھاتے پیتے تھے۔

دوسری طرف عمدہ لکڑی کے صندوق تھے، جن میں کسریٰ کے بادشاہوں کے کپڑے، قیمتی ہار و موتی اور جواہرات سے جڑے ہوئے سونے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ نیز عمدہ خوشبو اور پسندیدہ زیورات سے بھرے ہوئے تھال بھی پڑے تھے۔

اور بہترین قیمتی نیام (میان) بھی جن میں فارس کے سابقہ بادشاہوں کی بہترین تلواریں رکھی ہوئی تھیں۔ ان بادشاہوں اور حکمرانوں کی تلواریں بطور یادگار رکھی جاتی تھیں جنہوں نے اپنے وقت میں تاریخی کارنامے سرانجام دیئے ہوں۔

بہرحال جب ذمہ دار لوگ تمام حاضرین مسلمانوں کے سامنے مالِ غنیمت کی تقسیم میں لگے ہوئے تھے، تو اچانک ایک غبار آلود پراگندہ بالوں والا ایک شخص نمودار ہوا جس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑا وزنی تھیلا اٹھایا ہوا تھا۔

اس آدمی کو آتے ہوئے دیکھ کر تقسیم کرنے والوں نے غور سے دیکھا تو اس کے پاس ایسا تھیلا تھا کہ ان لوگوں نے ایسا تھیلا کبھی نہیں دیکھا تھا، اور ان لوگوں نے جتنا مالِ غنیمت جمع کیا تھا اس میں سے کوئی چیز بھی قیمت کے اعتبار سے) اس تھیلے کے برابر یا اس کے قریب بھی نہیں تھی۔

کیوں کہ جب انہوں نے کھول کر دیکھا تو وہ اعلیٰ اور نادر ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا انہوں نے اس لانے والے شخص سے پوچھا۔

"أَيْنَ أَصَبْتَ هٰذَا الْكَنْزَ الثَّمِيْنَ؟!"

تَرجَمَہ: "ایسا قیمتی خزانہ آپ کو کہاں سے ملا؟"

انہوں نے جواب دیا:

"فَقَالَ: غَنِمْتُهُ فِيْ مَعْرَكَةِ كَذَا ...... فِيْ مَكَانِ كَذَا ......"

تَرجَمَہ: "فلاں لڑائی میں فلاں جگہ پڑا ہوا ملا!"

انہوں نے پھر پوچھا۔

کیا آپ نے اس میں سے کچھ لیا ہے تو وہ کہنے لگے:

"وَاللّٰهِ إِنَّ هٰذَا الْحَقَّ، وَجَمِيْعَ مَا مَلَكَتْهُ مُلُوْكُ "فَارِسَ" لَايَعْدِلُ عِنْدِيْ قُلَامَةَ ظُفُرٍ......"

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! یہ تھیلا کیا چیز ہے، فارس کے بادشاہوں کے تمام خزانے اور ان کے سارے مال ودولت کی میرے نزدیک ناخن کے اُس ٹکڑے کی طرح بھی حیثیت نہیں ہے جو ناخن سے کٹ کر گر جائے۔"

اور اگر مجھے مسلمانوں کے بیت المال کے حق کا خیال نہ ہوتا تو میں کبھی بھی یہ اٹھا کر تمہارے پاس نہ لاتا۔

ان لوگوں نے پھر پوچھا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر دے، آپ کون ہیں؟

تو وہ کہنے لگے:

اللہ پاک کی قسم! نہ تو تمہیں اپنا تعارف کراؤں گا کہ تم میری تعریف کے گیت گاؤ اور نہ تمہارے علاوہ کسی کو بتاؤں گا کہ وہ مجھے شاباش دے بل کہ میں تو اپنے رب کی تعریف کروں گا اور اسی سے اجر وثواب کی امید رکھوں گا۔

یہ کہہ کر وہاں سے اٹھے اور چل دیے تو ان لوگوں نے اپنا ایک آدمی ان کے پیچھے لگا دیا کہ اس آدمی کی خبر لائے وہ آدمی ان کے پیچھے چپکے چپکے چلتا رہا، تاکہ ان کو خبر نہ ہو یہاں تک کہ یہ اپنے ساتھیوں میں پہنچ گئے۔

وہ آدمی بھی پیچھے پیچھے پہنچ گیا اور اس نے ان لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا:

"أَلَا تَعْرِفُهُ؟

إِنَّهُ زَاهِدُ الْبَصْرَةِ...... عَامِرُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ التَّمِيمِيُّ"

تَرجَمَہ: ''کیا آپ ان کو نہیں جانتے؟
یہ تو بصرہ کے زاہد (پرہیزگار) عامر بن عبداللہ تمیمی ہیں۔''

لوگوں کی اذیتیں برداشت کرنا

لیکن حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی زندگی باوجود ان پاکیزہ اور بہترین صفات اور اس قدر زہد وتقویٰ اور امانت وایمان داری کے پریشانیوں تلخیوں اور رنجشوں سے خالی نہیں رہی۔

چناں چہ حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے لیے بصرہ کے ایک آدمی بڑی پریشانی اور اذیت کا سبب بنے واقعہ یہ ہوا:

بصرہ کا ایک محافظ ذمیوں (مسلمانوں کے ملک میں ٹیکس ادا کر کے رہنے والے کافر) میں سے ایک آدمی کو گردن سے مضبوط پکڑے ہوئے گھسیٹ گھسیٹ کر لے جارہا تھا۔

اور وہ ذمی لوگوں کو مدد کے لیے پکار پکار کر کہہ رہا تھا:

''أَجِيْرُوْنِيْ أَجَارَكُمُ اللّٰهُ ......''

تَرجَمَہ: ''مجھے بچایئے! مجھے بچایئے! اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو بچائے گا۔''

اے مسلمانو! اپنے نبی کے ذمہ کی حفاظت کرو۔

اتنے میں حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا وہاں سے گزر ہوا تو انہوں نے یہ سارا واقعہ دیکھ لیا اور آگے بڑھ کر ذمی سے پوچھا۔

''هَلْ أَدَّيْتَ جِزْيَتَكَ؟''

تَرجَمَہ: ''کیا تم نے جزیہ (ٹیکس) ادا کر دیا ہے؟''

اس نے جواب دیا: جی ہاں! میں نے ادا کر دیا ہے۔

پھر حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوئے جنہوں نے اس ذمی کو پکڑا ہوا تھا اور ان سے پوچھا۔

آپ ان سے کیا چاہتے ہیں؟ (یعنی آپ نے اس ذمی کو کیوں پکڑا ہوا ہے)

اس نے کہا:

میں اس کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں تاکہ یہ افسر صاحب کا باغیچہ صاف کرے۔

حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ذمی سے کہا:

کیا تم خوشی سے اس کام کے لیے تیار ہو؟

اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میں بالکل تیار نہیں ہوں۔

کیوں کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے، اس سے میری توانائی ضائع ہو جائے گی اور یہ کام مجھے اپنے بال بچوں کی روزی کمانے سے روک دے گا۔

یہ سن کر حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سرکاری محافظ کو کہنے لگے: ''اس ذمی کو چھوڑ دیجئے''!

اس نے کہا: میں اس کو نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے جب دیکھا کہ سرکاری محافظ ذمی کو ایسے نہیں چھوڑے گا، تو انہوں نے اپنی چادر ذمی کے اوپر ڈال دی اور پولیس والے کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

''وَاللّٰہِ، لَا تُخْفَرُ ذِمَّۃُ مُحَمَّدٍ وَأَنَا حَيٌّ.''

تَرْجَمَۃ: ''اللہ پاک کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں (میرے سامنے) حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا عہد (ذمہ) کوئی نہیں توڑ سکتا۔''

اس کے بعد لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے سرکاری محافظ کے مقابلے میں عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی حمایت کی اور ذمی کو محافظ کے ہاتھ سے زبردستی چھڑوا دیا۔

لیکن محافظ کے حامی اور ساتھیوں نے حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ پر قانون شکنی (حاکم وقت کی نافرمانی) اور ''اہل سنت والجماعت'' سے بغاوت کا الزام لگا دیا اور یہ چرچا کرنے لگے کہ:

عامر بن عبداللہ تو ایک عجیب آدمی ہے جو عورتوں سے شادی نہیں کرتا اور جانوروں کا گوشت اور دودھ استعمال نہیں کرتا اور اپنے آپ کو وقت کے حکمرانوں کے ہاں جانے سے مستثنیٰ سمجھتا ہے۔ اور یہ باتیں انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ تک پہنچا دیں۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے والیٔ بصرہ کو حکم دیا کہ عامر بن عبداللہ کو اپنے پاس بلا کر ان تمام الزامات کے متعلق ان سے تحقیق کر کے مجھے اطلاع کر دیں۔

چناں چہ بصرہ کے حاکم نے حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو بلا کر بتا دیا کہ امیر المؤمنین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے مجھے ان باتوں کی تحقیق وتفتیش کا حکم دیا ہے جو لوگوں نے آپ کی طرف منسوب کی ہیں۔

حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا: بالکل آپ مجھ سے پوچھیں میں آپ کو صاف صاف بتا دوں گا۔

والیٔ بصرہ نے پوچھا:

کیا وجہ ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے اعراض کر رہے ہیں؟

یعنی آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟

انہوں نے جواب دیا: میں نے شادی کو اس لیے نہیں چھوڑا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت سے انکاری ہوں، کیوں کہ میں خود گواہی دیتا ہوں کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے (رہبانیت کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی حلال کردہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر دیا جائے)۔

بل کہ میں نے شادی اس لیے نہیں کی کہ:

"وَ إِنَّمَا أَنَا امْرُؤٌ رَأَى أَنَّ لَهُ نَفْسًا وَاحِدَةً، فَجَعَلَهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَخَشِيَ أَنْ تَغْلِبَهُ الزَّوْجَةُ عَلَيْهَا ......"

تَرجَمَہ: "میں نے سوچا میرا ایک ہی نفس ہے اور اسے بھی میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے، اگر شادی کر لوں گا تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں بیوی اس نفس پر غالب نہ آ جائے (اور اس کو عبادت سے نکال نہ دے)۔"

والیٔ بصرہ نے پھر سوال کیا:

آپ گوشت کیوں نہیں کھاتے؟

انہوں نے جواب دیا: میں تو گوشت کھاتا ہوں جب جی چاہتا ہے ہاں جب جی نہیں کرتا یا جی چاہتا ہے مگر ملتا نہیں تو اس صورت میں نہیں کھاتا۔

والیٔ بصرہ نے سوال کیا: "آپ پنیر (کھیر) کیوں نہیں کھاتے؟

انہوں نے جواب دیا: "میں جہاں رہتا ہوں وہاں مجوسی پنیر بناتے ہیں اور وہ ایسے لوگ ہیں جو حلال اور مردار میں تمیز نہیں کرتے، تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ کہیں انہوں نے پنیر کے اندر مردار بکری کا مِنفَحَۃٌ (بکری کے دودھ پیتے بچے کو ذبح کر کے ایک چیز نکالی جاتی ہے جس سے پنیر بنایا جاتا ہے) نہ ڈال دیا ہو، البتہ جب بھی دو مسلمان مردوں نے مجھے یہ بتایا کہ یہ پنیر مذبوحہ (یعنی ذبح کی ہوئی) حلال بکری کے منحہ سے بنا ہوا ہے تو میں نے کھایا ہے۔

والیٔ بصرہ نے پھر پوچھا کہ آپ حکمرانوں کے پاس ان کی مجالس میں کیوں نہیں آتے؟

انہوں نے جواب دیا: آپ (حکمرانوں) کے دروازوں پر بہت سارے ضرورت مند کھڑے رہتے ہیں آپ ان کی ضروریات اور حاجتیں پوری کریں اور جن کو آپ کے پاس آنے کی ضرورت نہ ہو ان کو (اپنے حال پر) چھوڑ دیں۔

شام کی طرف ہجرت اور لوگوں کو معاف کرنا

اس تحقیق و تفتیش کے بعد والیٔ بصرہ نے رپورٹ امیر المؤمنین کے پاس بھیج دی، حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو اس میں نہ تو کوئی بغاوت نظر آئی اور نہ ہی اہل سنت والجماعت سے کنارہ کشی۔

لیکن جب اس کے باوجود بھی شرارت کی آگ نہ بجھ سکی اور حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بارے میں بہت زیادہ چہ میگوئیاں (مخالف باتیں) ہونے لگیں اور قریب تھا کہ ان کے موافقین اور مخالفین کے درمیان جنگ اور دشمنی کا فتنہ پیدا ہوجائے، تو حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ان کو شام کی طرف جانے اور علاقہ شام ہی کو اپنا ٹھکانہ بنانے کا حکم صادر فرمادیا۔

اور ساتھ ساتھ والیٔ شام حضرت معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کو بھی پیغام بھیجا کہ جب عامر بن عبداللہ شام پہنچیں تو ان کا زبردست استقبال کیا جائے اور ان کے مقام اور مرتبے کے مطابق ان کا لحاظ رکھا جائے۔

پھر جس دن حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بصرہ کو چھوڑ کر جانے لگے تو اس دن ان کے دوستوں شاگردوں اور تعلق داروں کی ایک بہت بڑی تعداد ان کو رخصت کرنے کے لیے جمع ہوگئی۔ اور وہ الوداع کہنے کے لیے کافی دور مقام ''مربد'' تک ساتھ چلتے رہے، وہاں پہنچ کر عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ان لوگوں سے فرمایا:

''میں دعا مانگتا ہوں اور آپ لوگ میری دعا پر آمین کہتے جائیں!''

اس وقت وہ سب لوگ ان کو دیکھنے لگے اور سب نے خاموش ہوکر سکون کے ساتھ اپنی نگاہیں ان پر جمالیں، پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کرنے لگے:

''اَللّٰهُمَّ مَنْ وَشٰى بِيْ وَكَذَبَ عَلَيَّ ......
وَكَانَ سَبَباً فِيْ إِخْرَاجِيْ مِنْ بَلَدِيْ ......
وَالتَّفْرِيْقِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ صَحْبِيْ......
اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ صَفَحْتُ عَنْهُ فَاصْفَحْ عَنْهُ ......
وَهَبْهُ الْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِهٖ وَ دُنْيَاهُ ......
وَتَغَمَّدَنِيْ وَ إِيَّاهُ وَسَائِرَ الْمُسْلِمِيْنَ بِرَحْمَتِكَ ......
وَعَفْوِكَ وَ إِحْسَانِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.''

تَرْجَمَہ: ''اے میرے پروردگار! جن لوگوں نے بھی میری غیبت کی اور مجھ پر جھوٹے الزامات لگائے اور مجھے میرے شہر سے نکالنے کا اور اپنے دوستوں ساتھیوں سے جدا کرنے کا سبب بنے، اے اللہ! میں نے ان سب کو معاف کردیا ہے تو بھی ان کو معاف فرما دے اور دین و دنیا دونوں میں ان کے ساتھ عافیت کا معاملہ فرما اور اے ارحم الراحمین مجھے اور ان کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی رحمت، بخشش اور احسان میں ڈھانپ لے۔''

اس دعا سے فارغ ہو کر انہوں نے اپنی سواری کا رخ شام کی طرف موڑ دیا اور چل دیئے۔

انتقال کے وقت رونا

حضرت عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنی بقیہ زندگی شام میں گذاری، انہوں نے بیت المقدس کو اپنا ٹھکانہ بنایا اور امیرِ شام'' حضرت معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا'' کی صحبت میں رہ کر ان کی نیکی، بزرگی اور احترام سے انہوں نے بہت کچھ سیکھا۔

جب وہ مرض الموت (یعنی جس بیماری میں ان کا انتقال ہوا) میں مبتلا تھے تو ان کے کچھ ساتھی ان کے پاس آئے اور ان کو روتا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگے: آپ کیوں روتے ہیں؟

آپ تو اس قدر نیک صالح اور متقی و پرہیزگار ہیں اللہ تعالیٰ ضرور آپ کے ساتھ بھلائی کا معاملہ فرمائیں گے، تو انہوں نے کہا:

''وَاللّٰہِ مَا أَبْکِيْ حِرْصًا عَلَی الدُّنْیَا ...... اَوْ جَزَعاً مِنَ الْمَوْتِ وَ إِنَّمَا أَبْکِيْ لِطُوْلِ السَّفَرِ وَقِلَّۃِ الزَّادِ ......

وَلَقَدْ أَمْسَیْتُ بَیْنَ صُعُوْدٍ وَ ھُبُوْطٍ ......

إِمَّا إِلَی الْجَنَّۃِ ...... وَإِمَّا إِلَی النَّارِ ......

فَلَا أَدْرِيْ إِلٰی أَیِّھِمَا أَصِیْرُ ......''

تَرْجَمَہ: ''اللہ کی قسم! میں اس لیے نہیں روتا کہ مجھ سے دنیا رہ جائے گی یا موت کا ڈر ہے، بل کہ میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ میرا اگلا سفر کافی لمبا ہے اور میرے پاس توشہ بہت کم ہے اور میری مثال تو اس شخص کی سی ہے جو بلندی اور گھاٹی کے درمیان پھنس جائے۔

میں بھی اسی طرح جنت اور جہنم کے درمیان پھنسا ہوا ہوں اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ ان دونوں میں سے کس کی طرف جاؤں گا۔''

اس کے بعد ان کی روح نکل گئی، اس وقت بھی ان کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر سے تر تھی۔ اور ان کا انتقال قبلۂ اوّل، حرمِ ثالث اور رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے مقامِ معراج (یعنی بیت المقدس) میں ہوا اور وہیں دفن کیے گئے۔

اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت کے دائمی باغات میں ان کو ہمیشہ کی تازگی نصیب فرمائے۔ آمین

فوائد و نصائح

حضرت عامر بن عبداللہ تمیمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے حالات پر غور کرنے کے بعد مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

1. جب آدمی علماء اور اچھے لوگوں کی صحبت اختیار کرے گا تو اس کے اندر بھی اچھے لوگوں والی صفات پیدا ہوں گی اور علم کا وافر حصہ نصیب ہوگا جیسے عامر بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی صحبت سے ملا۔
2. بالعموم ہر انسان کو اور بالخصوص علماء و طلباء کو اپنے اوقات کی حفاظت کرنی چاہیے فضول اور لایعنی کاموں کے لیے ان کے پاس وقت نہیں ہونا چاہیے بل کہ ذکر و عبادت، تعلیم و تعلّم، تبلیغ اور جہاد میں مشغول ہو کر اپنے اوقات قیمتی بنانے چاہئیں۔
3. عبادت میں بھرپور کوشش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے رب سے عافیت اور استقامت کی دعا ضرور کرنی چاہیے اور جن چیزوں سے گم راہ ہونے کا خطرہ ہو اپنے رب کی ان چیزوں سے پناہ مانگ لینی چاہیے۔
4. مظلوم کی مدد کرنی چاہیے لیکن معاملے کو سمجھ کر اور پھر مظلوم کی مدد کی وجہ سے کسی بھی مصیبت یا پریشانی کا سامنا ہو جائے تو اس پر صبر کرنا چاہیے۔
5. قصور وار کا قصور معاف کر دینا چاہیے، اگر خدا نہ کرے ہم کو کسی نے ستایا ہو یا تکلیف پہنچائی ہو تو معاف کر دینا چاہیے جیسے حضرت عامر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو جن لوگوں نے اتنا ستایا تھا کہ ان کو اپنے وطن سے بھی نکلنا پڑا لیکن اس کے باوجود بھی ان لوگوں کو معاف کر دیا۔

اگر ہم سے بھی کسی کو تکلیف پہنچی ہو تو اس سے معاف کروالینا چاہیے، اور اگر معاف نہ کرا سکیں یا وہ زندہ نہ ہو تو اس کے لیے ایصالِ ثواب کرتے رہنا چاہیے، اگر اس کا کوئی مالی حق ہو تو ضرور ادا کر دینا چاہیے، ادا نہ کر سکیں تو اپنی وصیت میں لکھ لیں کہ اگر میری اولاد کو اللہ تعالیٰ استطاعت دیں تو فلاں کا مجھ پر قرضہ

ہے یا فلاں کا میرے اوپر یہ حق ہے چناں چہ اس کا یہ حق ادا کر دیں۔

❻ مظلوم کی آہ سے بچنا چاہئے مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ بعض مسلمانوں کی طرف سے کم زور اور بے بس، بے کس لوگوں پر ظلم ہوا جیسا کہ اس سرکاری محافظ نے ایک کافر ذمی پر ظلم کیا۔

ظلم سے بچنے کے لیے اس دعا کا صبح وشام اہتمام کرنا چاہئے:

''اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَضُدِيْ وَنَصِيْرِيْ بِكَ اَحُوْلُ وَبِكَ اَصُوْلُ وَبِكَ اُقَاتِلُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِكَ''

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! تو ہی میرا قوت بازو اور میرا مددگار ہے تجھ سے ہی قوت حاصل کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے (دشمن پر) حملہ کرتا ہوں اور تیری ہی مدد سے جنگ کرتا ہوں اور مجھ میں نہ تو بھلائی کرنے کی طاقت ہے اور نہ برائی سے بچنے کی قوت سوائے تیری مدد کے۔''

لہٰذا ہمیں خود بھی کسی پر ظلم کرنے ...... کسی کو ستانے ...... کسی کا حق دبانے سے خوب بچنا چاہئے اور دوسروں کو بھی اس چیز کی فکر دلانی چاہئے۔

اور ظلم سے بچنے کے لیے اس دعا کا بھی اہتمام کرنا چاہئے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْاَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ''[1]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں کہ میں کسی کو بہکاؤں یا مجھے کوئی بہکائے، یا میں خود لغزش کھاؤں یا کسی دوسرے کو لغزش دوں، خود کسی پر ظلم کروں یا مجھ پر کوئی ظلم کرے، اور خود کسی کے ساتھ نادانی کی بات کروں یا کوئی دوسرا میرے ساتھ کرے۔''

ان شاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ ہر شخص کے لیے بہت مفید ہوگا۔

① ''مظلوم کی آہ'' ② ''کسی کو تکلیف نہ دیجئے'' بیت العلم ٹرسٹ۔

[1] اَبُوْدَاوٗدُ، کِتَابُ الْاَدَبِ، بَابُ مَا یَقُوْلُ الرَّجُلُ اِذَا خَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ: ۳۳۹/۲

سوال: حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ جب کسی کے ساتھ سفر پر جاتے تو ان کی تین شرائط کیا ہوتی تھیں؟

سوال: حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زندگی کو کتنے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا؟

سوال: حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ سے کون سی تین چیزیں مانگی تھیں؟

سوال: حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کون کون سی باتیں پوچھیں؟

سوال: حضرت عامر بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال کہاں ہوا اور انہیں کہاں دفن کیا گیا؟

حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

"مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلَى رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَلْيَنْظُرْ إِلَى عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ" (عبد الملك بن مروان)

تَرجَمۂ: "عبدالملک بن مروان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہتے ہیں کہ جس کسی کو جنتی آدمی دیکھ کر خوشی ہوتی ہو تو وہ عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو دیکھ لے۔"

عالم باعمل بننے کی تمنا

ایک دن عصر اور مغرب کے درمیان جب سورج اپنی سنہری کرنوں کو بیت اللہ میں جمع کر رہا تھا اور خوش گوار تر و تازہ ہواؤں سے بیت اللہ کے پاک صحن میں لوٹ پوٹ ہونے کی اجازت طلب کر رہا تھا...... اور نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صحابہ میں سے باقی رہنے والے صحابہ کرام اور جلیل القدر تابعین رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ بیت اللہ کا طواف شروع کر کے تکبیر و تہلیل (اللّٰہ اکبر، لا الہ الا اللّٰہ) کے نعروں سے فضا کو معطر کر رہے تھے اور اچھی اچھی دعاؤں سے اپنی امیدوں کے دامن بھر رہے تھے۔

پھر طواف سے فارغ ہو کر ٹولیوں ٹولیوں کی صورت میں حلقے بنا کر کعبہ معظمہ کی عظمت کے سامنے بیٹھ گئے۔

اور اپنی آنکھوں کو اس کے خوب صورت اور دل کش نظارے سے لطف اندوز کرنے لگے اور آپس میں ایسی گفتگو کرنے لگے جس میں نہ تو کوئی فضول بات تھی اور نہ ہی گناہ کی بات۔

اس دوران رکنِ یمانی کے قریب چار نوجوانوں کا ایک حلقہ نظر آیا جو سب کے سب خوب صورت، چمکتے دمکتے چہروں، اعلیٰ نسب اور کھلی معطر آستینوں والے تھے۔

جو اپنے سفید کپڑوں سے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے ایسے لگ رہے تھے کہ گویا وہ مسجد حرام کے کبوتر ہیں۔

درحقیقت یہ نوجوان عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ان کے بھائی اور عبدالملک بن مروان رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ تھے۔

ان کے درمیان نرم نرم لہجے اور پست آواز میں گفتگو ہو رہی تھی کہ ان میں سے ایک کہنے لگا:

''آؤ ہم میں سے ہر ایک اپنی پسند اور خواہش کی چیز مانگے! یہ کہنا ہی تھا کہ یہ نوجوان خیالات کی وسیع دنیا میں گم ہوگئے۔ اور ان کی عقلیں امیدوں کے سبز باغات کی سیر کرنے لگیں۔''

تو حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کہنے لگے:

''أُمْنِيَتِي أَنْ أَمْلِكَ "الْحِجَازَ" وَأَنْ أَنَالَ الْخِلَافَةَ ......''

تَرْجَمَۃ: ''میری تمنا اور چاہت یہ ہے کہ میں ''ملکِ حجاز'' کا مالک بن جاؤں اور خلافت مجھے مل جائے۔''

اور ان کے بھائی مصعب کہنے لگے:

''أَمَّا أَنَا فَأَتَمَنّٰى أَنْ أَمْلِكَ الْعِرَاقَيْنِ، فَلَا يُنَازِعُنِي فِيهِمَا مُنَازِعٌ.''

تَرْجَمَۃ: ''میری تمنا اور خواہش یہ ہے کہ میں ''عراقین'' یعنی کوفہ اور بصرہ کا والی بن جاؤں اور خلافت مجھے مل جائے۔''

عبدالملک بن مروان کہنے لگے:

"إِذَا كُنْتُمَا تَقْنَعَانِ بِذَاكَ، فَأَنَا لَا أَقْنَعُ إِلَّا بِأَنْ أَمْلِكَ الْأَرْضَ كُلَّهَا وَأَنْ أَنَالَ الْخِلَافَةَ بَعْدَ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ. ......''

تَرْجَمَۃ: ''اگر آپ دونوں اسی پر صبر اور قناعت کرتے ہیں تو اچھی بات ہے، البتہ میری چاہت تو یہ ہے کہ پوری دنیا کی بادشاہت مجھے مل جائے اور میں معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے بعد تمام مسلمانوں کا خلیفہ بن جاؤں۔''

جب یہ تینوں اپنی اپنی تمناؤں کا اظہار کر چکے تو انہوں نے دیکھا کہ عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بالکل خاموش ہیں اور ابھی تک انہوں نے اپنی کسی خواہش اور تمنا کا اظہار تک نہیں کیا، اس وجہ سے ان سب نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

''اے عروہ! تمہاری کیا چاہت ہے؟''

تو حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کہنے لگے:

''بَارَكَ اللّٰهُ لَكُمْ فِيمَا تَمَنَّيْتُمْ مِنْ أَمْرِ دُنْيَاكُمْ......

أَمَّا أَنَا فَأَتَمَنّٰى أَنْ أَكُوْنَ عَالِمًا عَامِلًا، يَأْخُذُ النَّاسُ عَنِّي كِتَابَ رَبِّهِمْ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ، وَأَحْكَامَ دِيْنِهِمْ...... وَأَنْ أَفُوْزَ فِي الْآخِرَةِ بِرِضَى اللّٰهِ، وَأَحْظٰى بِجَنَّتِهٖ......''

تَرجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ تمہاری دنیوی تمناؤں اور چاہتوں میں برکت ڈالے، بہر حال میری تمنا یہ ہے کہ میں ایک ایسا عالم باعمل بن جاؤں کہ لوگ مجھ سے قرآن وحدیث اور دین کے احکام سیکھیں اور پھر اللہ کی رضامندی سے مجھے آخرت میں کامیابی ملے اور جنت کا مستحق بن جاؤں۔''

پھر زمانہ گذرتا رہا، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آیا کہ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی خلافت پر ان سے بیعت ہوئے اور حجاز، یمن، اور عراق پر ان کی حکومت قائم ہوگئی۔

پھر کعبۃ اللہ کے قریب اسی جگہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو شہید کردیا گیا جہاں بیٹھ کر انہوں نے اپنی اس تمنا اور خواہش کا اظہار کیا تھا۔

اور حضرت مصعب بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا قصہ یہ ہوا کہ وہ چوں کہ اپنے بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی طرف سے عراق کے والی مقرر کیے گئے تھے، تو وہ بھی اپنی ولایت اور حکومت کا دفاع کرتے ہوئے وہاں شہید ہوگئے۔

اور حضرت عبدالملک بن مروان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ یزید کی وفات کے بعد مسلمانوں کے خلیفہ بنے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور ان کے بھائی حضرت مصعب بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے شہید ہو جانے کے بعد، تمام مسلمانوں نے اتفاق اور رضامندی کے ساتھ ان کی خلافت کو تسلیم کرلیا اور پھر وہ اپنے زمانے کے بادشاہوں میں سب سے بڑے بادشاہ شمار ہونے لگے۔

یہ تو ان تین حضرات کی تمناؤں کی مختصر سی داستان تھی، اب حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی تمنا کا کیا بنا؟

تو آیئے ان کا قصہ شروع سے پڑھتے ہیں۔ پڑھنے سے پہلے آپ دعا کرلیجیے، ہو سکے تو دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگیے اے اللہ! مجھے بھی حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی طرح دین کی خدمت کے لیے دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لیے قبول فرمالے۔

تعارف

حضرت عروہ بن زبیر (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی شہادت سے ایک سال قبل مسلمانوں میں سب سے زیادہ شریف اور اونچے گھرانے میں پیدا ہوئے۔

ان کے والد حضرت زبیر بن العوام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے حواری (خاص ساتھی) اور

اسلام میں پہلے شخص تھے جس نے اسلام کی حفاظت کے لیے تلوار سونت لی تھی اور ان دس حضرات ''عشرہ مبشرہ'' میں سے ایک تھے، جن کو دنیا میں جنت کی خوش خبری دی گئی تھی۔

اور ان (عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ) کی والدہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا تھیں جو ''ذات النطاقین'' کے لقب سے مشہور تھیں۔

اور ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ تھے جو نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خلیفہ اور غار کے ساتھی تھے۔

اور ان کی دادی حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا تھیں جو رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی پھوپھی تھیں۔

اور ان کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا تھیں جن کی تدفین کے وقت خود یہی عروہ ان کی قبر میں اترے تھے اور لحد کو اپنے ہاتھوں سے درست کیا تھا۔

کیا آپ کے خیال میں اس سے بڑھ کر اور کوئی اعلیٰ نسب ہوسکتا ہے؟

اور اس سے بڑھ کر اور کوئی شرف ہوسکتا ہے سوائے ایمان اور اسلام کے شرف کے؟

یقیناً ان کے ساتھیوں میں اس سے بڑا اور اعلیٰ نہ کوئی نسب ہے اور نہ ہی کوئی شرف و عزت۔

تحصیلِ علم

حضرت عروہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کعبہ معظمہ کے پاس اللہ تعالیٰ سے جس چیز کی تمنا کی تھی، اس کو حاصل کرنے کے لیے وہ مکمل طور پر طلبِ علم کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور نبی پاک صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے جو صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ اس وقت موجود تھے، ان کو اپنے لیے غنیمت سمجھ کر ان کے گھروں پر جانے لگے۔ ان کے پیچھے نماز پڑھتے اور ان کی مجالس ڈھونڈ کر ان میں شریک ہوتے۔

یہاں تک کہ انہوں نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت اسامہ بن زید، حضرت سعید بن زید، حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت نعمان بن بشیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام سے احادیث نقل کیں۔ اور اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے علمِ دین کا ایک بڑا حصہ سیکھا۔

اور پھر وہ وقت بھی آیا جب حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ مدینہ منورہ کے ''فُقَہَاءِ سَبْعَہ'' (مسائلِ دینیہ جاننے والے سات بڑے علماء) میں سے ایک شمار ہونے لگے اور لوگ اپنے دین کے معاملات

میں ان کی طرف بھاگے بھاگے چلے آتے تھے۔ اور نیک صالح حکمران بھی لوگوں کے دینی اور دنیاوی معاملات نمٹانے میں ان سے مدد لیا کرتے تھے۔

ان حکمرانوں میں سے ایک نیک و صالح حکمران حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بھی ہیں کہ جب وہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے مدینہ منورہ کے والی بن کر آئے تو لوگ ان کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ظہر کی نماز پڑھی تو مدینہ کے دس فقہاء (علماء) کو بلایا ان میں سے پہلے حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ تھے۔

جب وہ علماء ان کے پاس پہنچے تو انہوں نے ان علماء کو مرحبا (خوش آمدید) کہا اور بہت عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہنے لگے:

"إِنِّيْ دَعَوْتُكُمْ لِأَمْرٍ تُؤْجَرُوْنَ عَلَيْهِ وَتَكُوْنُوْنَ لِيْ فِيْهِ اَعْوَانًا عَلَى الحَقِّ ...... فَإِنْ لَا أُرِيْدُ أَنْ أَقْطَعَ أَمْرًا إِلَّا بِرَأْيِكُمْ اَوْ بِرَأْيِ مَنْ حَضَرَ مِنْكُمْ

فَإِنْ رَاَيْتُمْ أَحَدًا يَتَعَدَّى عَلٰى أَحَدٍ، أَوْ بَلَغَكُمْ عَنْ عَامِلٍ لِيْ مَظْلَمَةٌ فَأَسْأَلُكُمْ بِاللّٰهِ أَنْ تُبْلِغُوْنِيْ ذٰلِكَ."

تَرجَمَہ: "میں نے آپ حضرات کو ایک ایسے کام کے لیے بلایا ہے کہ جس میں آپ کو اجر و ثواب ملے گا، اور آپ حضرات حق بات پر میرے مددگار بنیں گے، میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ کوئی بھی کام، کوئی بھی معاملہ آپ کے مشورے اور رائے کے بغیر کروں، اگر آپ کسی کو کسی پر زیادتی کرتے ہوئے دیکھیں یا آپ کو میرے لوگوں میں سے کسی کے ظلم اور زیادتی کی خبر پہنچے، تو میں آپ حضرات کو اللہ کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے اس کے بارے میں اطلاع دیں۔

پھر حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے خیر اور ہدایت کی دعا فرمائی۔

تلاوت میں مشغولیت

حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے علم اور عمل کو یک جا جمع کیا ہوا تھا وہ (دن کی) روشنیوں میں روزہ رکھتے اور (رات کی) تاریکیوں میں اپنے رب کے سامنے کھڑے رہتے تھے، ان کی زبان ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے تر رہتی تھی اور قرآن مجید کو ہر وقت اپنے پاس رکھتے اور اس کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے۔

وہ روزانہ قرآن مجید کے ایک چوتھائی حصہ کی تلاوت دیکھ کر کرتے اور پھر رات کو نماز میں کھڑے ہو کر زبانی اس کی تلاوت فرماتے۔

یہ معمول ان کا ابتداءِ جوانی سے وفات کے دن تک رہا، اس دوران سوائے ایک مرتبہ کے کسی کو نہیں معلوم کہ اس میں ناغہ ہوا ہو، وہ بھی ایک عجیب واقعہ ہے جس کا ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر آئے گا۔

نماز میں نفس کی راحت محسوس کرنا

حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نماز ہی میں نفس کی راحت، آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس کرتے تھے اور نماز کی حالت میں ایسا محسوس کرتے کہ وہ دنیا میں رہ کر بھی جنت کی زمین پر ہیں۔

اسی وجہ سے وہ بہت اچھی نماز پڑھتے تھے اور نماز کے تمام ارکان اور شعائر کی ادائیگی مکمل یقین کے ساتھ کرتے تھے اور انتہائی لمبی لمبی نمازیں پڑھتے تھے۔

ان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے ایک آدمی کو تیز تیز نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو ان کو بلا کر کہنے لگے:

''أَمَا كَانَتْ لَكَ عِنْدَ رَبِّكَ جَلَّ وَعَزَّ حَاجَةٌ؟! ......''

تَرجَمہ: ''بیٹے! کیا تمہیں اپنے رب سے کوئی چیز مانگنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

پھر خود ہی کہنے لگے:

''وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَسْأَلُ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فِيْ صَلَاتِيْ كُلَّ شَيْءٍ حَتَّى الْمِلْحَ.''

تَرجَمہ: ''اللہ کی قسم! میں تو اپنے رب سے اپنی نماز میں ہر چیز مانگتا ہوں یہاں تک کہ نمک بھی۔''

سخاوت

حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ بہت زیادہ کھلے ہاتھ والے تھے، ان کی سخاوت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ میں ان کا میٹھے پانی، سایہ دار، پھل دار درختوں اور عمدہ کھجوروں والا ایک بہت بڑا باغ تھا۔

اور وہ سال بھر باڑھ کے ذریعے اس کی حفاظت کرتے تھے، تاکہ چلنے والے اور بچے درختوں اور پھلوں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

لیکن جب پھلوں کے پکنے کا موسم آتا اور دیکھنے والوں کے دل ان پھلوں کے کھانے کی طرف مائل ہوتے، تو یہ اس حفاظتی باڑھ کو مختلف اطراف سے ہٹا دیتے تاکہ لوگوں کے لیے داخل ہونا آسان ہو۔ پھر تو ہر آنے جانے والا اس باغ میں داخل ہوتا اور اس باغ کے پھلوں میں سے جس کو بھی لذیذ سمجھتا کھا لیتا اور جتنا

چاہتا اپنے ساتھ گھر لے جاتا اور خود یہ حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جب بھی اپنے اس باغ میں داخل ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تلاوت کرتے جاتے:

﴿وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾[1]

خلاصہ تفسیر: ''تو تو جس وقت اپنے باغ میں پہنچا تھا تو تو نے یوں کیوں نہ کہا کہ جو اللہ کو منظور ہوتا ہے وہی ہوتا ہے (اور) بدون اللہ کی مدد کے (کسی میں) کوئی قوت نہیں (جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا یہ باغ قائم رہے گا اور جب چاہے گا ویران ہو جائے گا)''

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کوئی چیز دیکھے اور وہ اس کو پسند آئے تو اگر اس نے یہ کلمہ کہہ لیا ''مَاشَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' تو اس کو کوئی چیز نقصان نہ پہنچائے گی (یعنی وہ پسندیدہ محبوب چیز محفوظ رہے گی) اور بعض روایات میں ہے کہ جس نے کسی محبوب و پسندیدہ چیز کو دیکھ کر یہ کلمہ پڑھ لیا تو اس کو نظر بد نہ لگے گی۔[2]

اللہ کی طرف سے آزمائش اور اس میں ثابت قدمی

ولید بن عبدالملک کے دور خلافت کے دوران ایک سال اللہ تعالیٰ نے حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو ایک ایسے امتحان میں ڈال دیا کہ جس میں وہی آدمی ثابت قدم رہ سکتا ہے جس کا دل ایمان اور یقین کی دولت سے آباد ہو۔ ہوا یوں کہ:

امیر المؤمنین (ولید بن عبدالملک) نے حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو دمشق آنے کی دعوت دی تاکہ ملاقات اور زیارت ہو سکے، چناں چہ انہوں نے دعوت قبول کر لی اور اپنے ساتھ اپنے بڑے بیٹے کو لے کر دمشق پہنچ گئے۔

جب امیر المؤمنین (ولید بن عبدالملک) کے پاس پہنچے تو انہوں نے بڑا شاندار استقبال کیا اور شاہی مہمان کی طرح ان کی عزت کی گئی۔

پھر اس کے بعد اللہ کی مرضی اور مشیت سے ایک ایسا حادثہ پیش آیا جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ اور واقعی یہ کہاوت دیکھنے کو ملی:

''تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَاتَشْتَهِي السُّفُنُ'' ''ہوا کشتی کی مخالف سمت چلنے لگی۔''

واقعہ اس طرح پیش آیا کہ حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بیٹا ولید بن عبدالملک کے اصطبل کی طرف گیا (جہاں گھوڑے اور دوسرے قیمتی جانور رکھے گئے تھے) تاکہ کسی عمدہ گھوڑے کو سواری کے لیے منتخب کر لے،

[1] الکہف: ۳۹ [2] معارف القرآن: ۵/۵۹۱

وہاں اصطبل میں ان کو ایک گھوڑے نے ایسی لات ماری کہ وہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔

اور ابھی غم زدہ والد نے بیٹے کی قبر کی مٹی سے ہاتھ بھی نہیں جھاڑے تھے کہ ان کے ایک پاؤں میں ایک خطرناک پھوڑا نکل آیا، جس نے ان کے پاؤں کو کھوکھلا کرنا شروع کر دیا، ان کی پنڈلی سوج گئی اور بہت تیزی سے یہ ورم بڑھتا گیا اور تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا۔

امیر المؤمنین نے ہر طرف سے اپنے مہمان کے علاج کے لیے طبیبوں اور حکیموں کو بلالیا اور ان کو تاکید کی کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان کا علاج کیا جائے۔

لیکن کافی علاج معالجے اور سوچ بچار کے بعد تمام حکیم اور طبیب اس بات پر متفق ہو گئے کہ حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ٹانگ کے کاٹنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔ قبل اس کے کہ یہ ورم پورے بدن میں پھیل جائے اور ان کی موت کا سبب بن جائے ان کی مفلوج ٹانگ کا ٹنا ہی اس کا علاج ہے۔

حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی حکیموں کی اس تجویز سے اتفاق کے علاوہ کوئی راستہ نہیں پایا۔

جب جراح ان کی ٹانگ کاٹنے کے لیے اپنے تمام آلات لے آئے، گوشت کے کاٹنے کی قینچیاں اور ہڈی کو الگ کرنے کے لیے آرے وغیرہ، تو انہوں نے حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے کہا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ آپ کو ایک گھونٹ شراب پلا دیں تا کہ پاؤں کے کاٹنے کی تکلیف آپ کو محسوس نہ ہو۔

تو حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہنے لگے: ہرگز نہیں! ایسا کبھی نہیں ہوسکتا، میں حرام چیز سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ میرے لیے عافیت کا سبب بنے گی۔

پھر انہوں نے کہا کہ چلیں شراب کے علاوہ کوئی اور نشہ آور چیز پلا دیتے ہیں۔

تو حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر الگ کیا جائے اور مجھے اس کی تکلیف نہ ہو، بل کہ آپ بغیر نشہ کے میری ٹانگ کاٹیں تا کہ مجھے درد ہو اور اللہ کی طرف سے اس پر مجھے اجر و ثواب ملے۔

چناں چہ جب طبیبوں نے حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ٹانگ کاٹنے کا ارادہ کیا تو مضبوط اور طاقت ور مردوں کی ایک جماعت آگے بڑھی۔

حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا، کیا بات ہے؟ یہ کون لوگ ہیں؟ کس لیے آرہے ہیں؟

تو ان کو بتایا گیا کہ ان لوگوں کو اس لیے بلایا گیا ہے کہ یہ آپ کو پکڑ کر رکھیں، تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ زیادہ درد اور تکلیف کی وجہ سے آپ اپنی ٹانگ کھینچ لیں اور اس کی وجہ سے آپ کو مزید کوئی نقصان اٹھانا پڑے۔

یہ سن کر حضرت عروہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا:

ان لوگوں کو واپس کر دو، مجھے ان کی ضرورت نہیں، مجھے امید ہے کہ ذکر اور تسبیح ہی میرے لیے کافی ہے اور جب تک میں ذکر و تسبیح میں مشغول رہوں گا ایسی کوئی نوبت نہیں آئے گی کہ مجھے پکڑنے کی ضرورت پڑ جائے۔

پھر طبیب نے قینچی سے گوشت کاٹنا شروع کیا، گوشت کاٹ کر ہڈی تک پہنچ گئے اور ہڈی پر آری رکھ کر چلانے لگے اور ہڈی کو کاٹتے رہے۔ جب کہ حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مسلسل لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے رہے۔ جراح آری سے ہڈی کاٹتے رہے حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ تکبیر و تہلیل کہتے رہے یہاں تک کہ پنڈلی کٹ کر الگ ہوگئی۔

پھر لوہے کی ایک کڑھائی میں تیل کو ابالا گیا اور حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی زخمی ٹانگ کو اس میں ڈبو دیا گیا تاکہ وہ ابلتا ہوا خون رک جائے اور زخم کو داغ لگے۔

اس کے بعد حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کافی دیر بے ہوش رہے اور اس دن بے ہوشی کی وجہ سے وہ قرآن مجید کا اتنا حصہ تلاوت نہ کر سکے جو ان کے روزانہ کی ترتیب تھی (یعنی ایک منزل)۔

ان کی جوانی کے بعد سے وفات تک یہی ایک دن ایسا گذرا کہ جس میں وہ قرآن مجید کی تلاوت معمول کے مطابق نہیں کر سکے تھے۔

جب حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس زخم سے صحت یاب ہوئے تو انہوں نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ منگوائی۔ ان لوگوں نے لا کر دے دی، تو حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اس کو اپنے ہاتھوں میں الٹتے پلٹتے جاتے اور کہتے جاتے:

"أَمَا وَالَّذِيْ حَمَلَنِيْ عَلَيْكِ فِيْ عَتَمَاتِ اللَّيْلِ إِلَى الْمَسَاجِدِ."

تَرْجَمَۃ: "قسم ہے اس ذات کی! جو مجھے تجھ پر لاد کر رات کی تاریکیوں میں مسجدوں کی طرف لے جاتی تھی۔"

وہ ذات جانتی ہے کہ میں کبھی بھی تجھ پر چل کر کسی حرام کام کی طرف نہیں گیا، پھر انہوں نے معن بن اوس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے یہ اشعار پڑھے جس میں وہ کہتے ہیں:

لَعَمْرُكَ مَا أَهْوَيْتُ كَفِّيْ لِرِيْبَةٍ

❶ "(اے اللہ میں حلفیہ کہتا ہوں) کہ میں نے اپنا ہاتھ کبھی کسی مشکوک چیز کی طرف نہیں بڑھایا۔"

وَلَا حَمَلَتْنِيْ نَحْوَ فَاحِشَةٍ رِجْلِيْ

❷ "اور نہ میری ٹانگ مجھے کسی گناہ کی طرف اٹھا کر لے گئی ہے۔"

وَلَا قَادَنِيْ سَمْعِيْ وَلَا بَصَرِيْ لَهَا

❸ ''اور نہ ہی میرے کان اور میری آنکھوں نے مجھے کسی برائی کی طرف ہنکایا۔''

وَلَا دَلَّنِيْ رَأْيِيْ عَلَيْهَا وَلَا عَقْلِيْ

❹ ''نہ ہی میری عقل اور میری ضرورت و حاجت نے کسی برائی پر میری رہنمائی کی۔''

وَأَعْلَمُ أَنِّيْ لَمْ تُصِبْنِيْ مُصِيْبَةٌ

❺ ''اور میں جانتا ہوں کہ مجھے زمانے میں کوئی مصیبت ایسی نہیں پہنچی۔''

مِنَ الدَّهْرِ إِلَّا قَدْ أَصَابَتْ فَتًى قَبْلِيْ

❻ ''جو مجھ سے پہلے کسی جوان کو نہ پہنچی ہو (بل کہ مجھ سے پہلے یہ مصیبت کسی نہ کسی کو ضرور پہنچی ہوگی)۔''

بڑی مصیبت میں مبتلا لوگوں کو دیکھ کر اپنی مصیبت چھوٹی معلوم ہوتی ہے

ولید بن عبدالملک کو اپنے معزز مہمان پر آنے والے مصائب اور تکالیف سے بہت صدمہ ہوا کہ ایک تو چند دن کے اندر اندر اس مہمان کے بیٹے کا انتقال ہوگیا، دوسرا ان کی ٹانگ ضائع ہوگئی۔

اس لیے ولید سوچنے لگا کہ کس طرح عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے تعزیت کی جائے اور انہیں پہنچنے والی تکلیفوں پر تسلّی دی جائے اور صبر کی تلقین کی جائے۔

اسی دوران ولید کے دارالخلافہ میں ''بنی عبس'' کے لوگوں کی ایک جماعت پہنچی، جس میں ایک نابینا آدمی تھا۔ (یعنی اس کی آنکھیں صحیح نہیں تھیں)۔

ولید نے اس سے پوچھا کہ تمہاری آنکھوں کو کیا ہوا؟

تو اس آدمی نے کہا:

"يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِينَ لَمْ يَكُنْ فِيْ بَنِيْ عَبْسٍ رَجُلٌ أَوْفَرُ مِنِّيْ مَالًا، وَلَا أَكْثَرُ أَهْلًا وَوَلَدًا."

تَرْجَمَہ: ''اے امیر المؤمنین! میری حالت یہ تھی کہ بنی عبس میں مجھ سے زیادہ، مال دار اور عیال دار کوئی اور شخص نہیں تھا۔''

ایک دن میں نے اپنے مال اور اہل وعیال کے ساتھ ایک وادی کے درمیان پڑاؤ ڈالا، اچانک ہم پر ایسا سیلاب آیا کہ ہم نے زندگی میں ایسا سیلاب کبھی نہیں دیکھا تھا اور میرا سارا مال، بیوی بچے اور سب کچھ اس سیلاب کی نذر ہوگیا۔

میرے پاس صرف ایک اونٹ اور ایک چھوٹا سا ننھا منا بچہ زندہ رہ گیا تھا۔ وہ اونٹ بہت زیادہ سرکش تھا وہ بھی بھاگ گیا۔ میں بھی بچے کو وہیں زمین پر چھوڑ کر اونٹ کے پیچھے بھاگا، ابھی میں اس جگہ سے تھوڑا دور آگے بڑھا تھا کہ میں نے بچے کے چیخنے کی آواز سنی...... میں نے مڑ کر دیکھا تو بچے کا سر بھیڑیے کے منہ میں تھا اور وہ اس کو کھا رہا تھا میں نے بہت جلدی کی اور لپک کر بچے کے پاس پہنچا، مگر افسوس کہ میں اس کو موت سے بچا نہ سکا۔

پھر میں دوبارہ اونٹ کی طرف گیا، جب میں اس کے قریب پہنچا تو اس نے میرے چہرے پر ایسی لات ماری کہ میری آنکھیں ضائع ہوگئیں۔ اور اس طرح ایک رات کے اندر اندر میں بیوی، بچوں، مال و دولت اور آنکھوں سے محروم ہوگیا۔

یہ قصہ سن کر ولید نے اپنے دربان سے کہا کہ اس شخص کو ہمارے مہمان عروہ بن زبیر کے پاس لے چلو، تاکہ یہ ان کو اپنا قصہ سنائے اور ان کو معلوم ہوجائے کہ لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن پر عروہ سے بھی زیادہ بڑی بڑی مصیبتیں اور حادثات آئے ہیں۔

گھر کی طرف واپسی اور اہلِ مدینہ کی تعزیت

''وَلَمَّا حُمِلَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ إِلَى الْمَدِينَةِ وَأُدْخِلَ عَلٰى أَهْلِهٖ، بَادَرَهُمْ قَائِلًا:

تَرْجَمَہ: ''جب عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مدینہ منورہ میں اپنے گھر پہنچے تو فوراً گھر والوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگے'':

''لَا يَهُوْلَنَّكُمْ مَاتَرَوْنَ ...... فَلَقَدْ وَهَبَنِيَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ أَرْبَعَةً مِنَ الْبَنِيْنَ، ثُمَّ أَخَذَ مِنْهُمْ وَاحِداً وَأَبْقٰى لِيْ ثَلَاثَةً...... فَلَهُ الْحَمْدُ.''

تَرْجَمَہ: ''تمہیں ہرگز اس حالت کو دیکھ کر پریشان نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چار بیٹے عطا فرمائے تھے پھر ان میں سے ایک واپس لے لیا اور تین میرے لیے چھوڑ دیئے، میں اسی پر اللہ کی حمد و تعریف بیان کرتا ہوں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے مجھے چار اطراف (یعنی دو ہاتھ اور دو پاؤں) عطا فرمائے تھے۔ پھر ان میں سے ایک واپس لے لیا اور تین میرے لیے چھوڑ دیئے، اسی پر شکر ہے۔

اللہ پاک کی قسم! اللہ نے مجھے زیادہ دیا ہے اور مجھ سے بہت کم لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ایک بار میری آزمائش کی ہے اور جب کہ کئی بار عافیت بخشی ہے۔

جب اہلِ مدینہ کو اپنے امام اور عالم حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے آنے کی خبر ملی تو وہ ہر طرف سے ان کی عیادت اور تسلی دینے کے لیے ان کے گھر کی طرف امڈ آئے۔

ان تمام لوگوں کی عیادت اور تعزیتی کلمات میں سے سب سے بہتر کلمات ابراہیم بن محمد بن طلحہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے تھے۔ انہوں نے اس انداز سے تعزیتی کلمات کہے:

"أَبْشِرْ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ فَقَدْ سَبَقَكَ عُضْوٌ مِنْ أَعْضَائِكَ، وَوَلَدٌ مِنْ أَبْنَائِكَ إِلَى الْجَنَّةِ......

وَالْكُلُّ يَتْبَعُ الْبَعْضَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى......

وَلَقَدْ أَبْقَى اللّٰهُ لَنَا مِنْكَ مَا نَحْنُ إِلَيْهِ فُقَرَاءُ وَعَنْهُ غَيْرُ أَغْنِيَاءَ مِنْ عِلْمِكَ، وَفِقْهِكَ، وَرَأْيِكَ، نَفَعَكَ اللّٰهُ وَ إِيَّانَا بِهِ ..... وَاللّٰهُ وَلِيُّ ثَوَابِكَ، وَالضَّمِينُ بِحُسْنِ حِسَابِكَ."

تَرْجَمَہ: "اے ابوعبداللہ! آپ کو مبارک ہو کہ آپ کے اعضا میں سے ایک عضو اور آپ کی اولاد میں سے ایک بیٹا آپ سے پہلے جنت کی طرف سبقت لے گئے ہیں (یعنی جنت میں پہنچ گئے ہیں) اور بقایا جسم اور اولاد بھی ان شاءاللہ ان کے پیچھے پیچھے جنت میں جائیں گے اور اللہ تعالیٰ نے آپ میں سے وہ چیز ہمارے لیے باقی رکھی جس کی ہمیں ضرورت تھی، اور ہم اس چیز سے مستغنی نہیں رہ سکتے تھے وہ چیز ہے آپ کا علم، آپ کی فقہ اور آپ کی رائے۔ اللہ تعالیٰ آپ اور ہم سب کو ان سے نفع پہنچائے۔ اللہ تعالیٰ ہی آپ کو اجر دینے والا اور بہترین حساب کا ضامن ہے۔"

اپنی اولاد کو نصیحتیں

حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ساری زندگی مسلمانوں کے لیے مینارۂ ہدایت، فلاح وکام یابی کی نشانی اور خیر وبھلائی کے داعی بنے رہے۔ اور انہوں نے اپنی اولاد کی بہتر تربیت کا بالخصوص اور تمام مسلمانوں کی اولاد کی بہتر تربیت کا عمومی طور پر بڑا اہتمام کیا۔

انہوں نے ہر فرصت کو غنیمت سمجھ کر اپنی اولاد پر توجہ قائم رکھی اور اپنی فائدہ مند نصیحتوں سے ان کو فائدہ پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ بار بار اپنی اولاد کو حصولِ علم کی ترغیب دیتے رہتے اور اکثر وبیشتر ان کو اس انداز سے ترغیب دیتے تھے۔

"يَا بَنِيَّ تَعَلَّمُوا الْعِلْمَ، وَابْذُلُوْا لَهُ حَقَّهُ ......

فَإِنَّكُمْ إِنْ تَكُوْنُوْا صِغَارَ قَوْمٍ، فَعَسٰى أَنْ يَجْعَلَكُمُ اللّٰهُ بِالْعِلْمِ كُبَرَاءَ هُمْ ......

ثُمَّ يَقُوْلُ: وَاسَوْأَتَاهُ! هَلْ فِي الدُّنْيَا شَيْءٌ أَقْبَحُ مِنْ شَيْخٍ جَاهِلٍ؟"

تَرْجَمَہ: "اے میرے بچو! علم حاصل کرو اور اس کا حق ادا کرو، کیوں کہ اگر تم اپنی قوم میں کم زور اور کم حیثیت والے ہو گئے تو علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں اس قوم میں معزز اور بڑا بنا دے گا۔"

پھر افسوس بھرے انداز میں فرماتے:

"کیا دنیا میں جاہل بوڑھے سے زیادہ بدقسمت کوئی ہوگا......؟" یعنی دنیا میں سب سے بڑا بدبخت وہ بوڑھا ہے جو جاہل ہو۔

اور وہ اپنی اولاد کو یہ سمجھایا کرتے تھے:

"عَدِّ الصَّدَقَةَ هَدِيَّةً تُهْدٰى لِلّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ."

تَرْجَمَہ: "اللہ کے راستے میں صدقہ اس طرح دیا کرو جس طرح کسی دوست کو تحفہ دیا جاتا ہے۔"

یعنی ایسی چیز صدقہ کیا کرو جو اچھی اور قیمتی ہو۔

ایسی چیز ہرگز اپنے رب کے راستے میں صدقہ میں مت دینا کہ جس کو تم اپنے رشتہ دار کو ہدیہ دینے میں شرم محسوس کرو۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو تمام عزیزوں رشتہ داروں سے زیادہ عزت اور شان و شوکت والا ہے اور اس کی عظمت اور بڑائی کی وجہ سے اس کے نام پر پسندیدہ خوب صورت اور عمدہ سے عمدہ چیز دی جائے۔

اور وہ اپنی اولاد کو نیک اور قابلِ مثال لوگ دکھایا کرتے تھے اور ان کے جوہر اپنانے کی تلقین کیا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے:

"يَا بَنِيَّ إِذَا رَأَيْتُمْ مِنْ رَجُلٍ فَعْلَةَ خَيْرٍ رَائِعَةً فَأَمِّلُوْا بِهِ خَيْراً، وَلَوْ كَانَ فِي نَظَرِ النَّاسِ رَجُلُ سُوْءٍ، فَإِنَّ لَهَا عِنْدَهُ أَخَوَاتٍ."

تَرْجَمَہ: "اے میرے بچو! جب تم کسی آدمی کو خیر اور بھلائی کا کام کرتا ہوا دیکھو تو اس سے اچھائی کی امید رکھو، اگرچہ وہ آدمی لوگوں کی نظروں میں برا کیوں نہ ہو کیوں کہ وہ مزید اچھا کام کرسکتا ہے۔"

اور جب تم کسی آدمی کو برا کام کرتے دیکھو تو اس سے اجتناب کرو (بچتے رہو) اگرچہ وہ لوگوں کی نظروں میں اچھا آدمی ہو، کیوں کہ وہ مزید برا کام کرسکتا ہے۔ اور یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اچھائی اچھا ہونے پر

دلالت کرتی ہے اور اسی طرح برائی برا ہونے پر۔

اور وہ اپنی اولاد کو عاجزی اور پرہیزگاری، خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے رہنے کی وصیت کیا کرتے تھے اور اکثر و بیشتر فرمایا کرتے تھے:

"يَا بَنِيَّ، مَكْتُوْبٌ فِي الْحِكْمَةِ، لِتَكُنْ كَلِمَتُكَ طَيِّبَةً، وَلْيَكُنْ وَجْهُكَ طَلْقًا، تَكُنْ أَحَبَّ إِلَى النَّاسِ مِمَّنْ يَبْذُلُ لَهُمُ الْعَطَاءَ"

تَرْجَمَہ: "اے میرے بچو! حکمت اور دانائی میں یہ منقول ہے کہ تم اپنا لہجہ نرم رکھو، میٹھی اور شیریں زبان سے ہر ایک کے ساتھ بات کرو، ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملو تو لوگوں کے نزدیک اس شخص سے بھی زیادہ محبوب اور پسندیدہ رہو گے جو بہت زیادہ سخی ہو اور لوگوں پر بہت سارا مال خرچ کرتا رہتا ہو۔"

لوگوں کو سادگی کی ترغیب دینا

جب وہ لوگوں کو دیکھتے کہ وہ عیش و عشرت اور آرام و راحت کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور دنیوی آسائشوں اور نعمتوں کو حد سے زیادہ پسند کرنے لگے ہیں، تو وہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی یاد دلاتے تھے جو سادگی اور مشقتوں سے بھرپور تھی۔

ایسا ہی ایک واقعہ مدینہ منورہ کے ایک تابعی (متوفی ۱۳۰ھ) بیان کرتے ہیں کہ میری ملاقات عروہ بن زبیر سے ہوئی انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا، اے ابوعبداللہ!

میں نے کہا: جی جناب!

کہنے لگے: میں ایک مرتبہ اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے فرمایا: اے بیٹا!

میں نے کہا: جی اماں جان!

کہنے لگیں:

"وَاللّٰهِ إِنْ كُنَّا لَنَمْكُثُ أَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً مَا نُوْقِدُ فِيْ بَيْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِنَارٍ مِصْبَاحًا وَلَا غَيْرَهُ."

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ کے گھر میں چالیس چالیس راتیں ایسے رہتے تھے، نہ چراغ جلتا تھا اور نہ کوئی اور چیز (یعنی چولہا وغیرہ)۔"

میں نے عرض کیا: اے اماں جان!

"فِيمَ كُنْتُمْ تَعِيشُوْنَ."

تَرجَمَہ: "پھر کس طرح آپ لوگوں کا گزر بسر ہوتا تھا۔"

فرمانے لگیں:

"بِالْاَسْوَدَيْنِ ...... التَّمْرِ وَالْمَاءِ."

تَرجَمَہ: "دو کالی چیزوں یعنی کھجور اور پانی سے گزارہ کرتے تھے۔"

حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اکہتر (۷۱) سال عمر پائی ان کی ساری زندگی خیر و برکت سے بھرپور نیکی اور بھلائی سے مزین تھی تقویٰ اور پرہیزگاری کا تاج ہمیشہ سر پر رہا۔

جب آخری وقت میں موت کا فرشتہ آپ کے پاس آیا تو اس وقت بھی آپ کا روزہ تھا، گھر والوں نے بہت اصرار کیا کہ افطار کر لیں لیکن آپ نے انکار کیا، کیوں کہ آپ کو امید تھی کہ آج کے روزے کا افطار حوضِ کوثر پر حورعین (بڑی آنکھوں والی جنتی عورت) کے ہاتھوں جنت کے چاندی والے شیشے کے گلاس کے پانی سے کروں گا۔ (اور اسی حالت پر وفات پائی) (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَاَرْضَاهُ) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں۔

فوائد ونصائح

❶ حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے واقعہ سے ہمیں ایک یہ سبق ملا کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کریں گے اور اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے طریقوں کے مطابق اپنی زندگی کو گزاریں گے، اور نیک اعمال پر کیے گئے وعدوں اور نافرمانی پر بیان کی گئی وعیدوں (نقصانات) کا جتنا استحضار کریں گے (یعنی وہ نقصانات ہمارے سامنے ہوں گے)، تو اتنے ہی ہمارے اعمال صحیح ہوں گے جس سے خوش ہو کر اللہ تعالیٰ ہماری دنیا اور آخرت دونوں بنا دیں گے۔

اور رات دن ان دعاؤں کو مانگنے کا بھی اہتمام فرمائیں۔

(الف) "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْأَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فَاِنَّهٗ لَايَمْلِكُهَا اِلَّا اَنْتَ."[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں تجھ سے تیری رحمت اور تیرے فضل کا طالب ہوں کیوں کہ اس کا مالک سوائے تیرے کوئی نہیں۔"

[1] كَنْزُالْعُمَّالِ، رَقْمُ الْحَدِيْثِ: ۳٦٦۱، ۸۱/۲

(ب) "رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاهْدِنِي السَّبِيْلَ الْأَقْوَمَ."[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! مجھے بخش دے اور رحم فرما دے اور مجھے سب سے صحیح راستہ نصیب فرما۔"

غم ومصیبت کے وقت صبر وشکر سے کام لینا چاہئے

اس دنیا میں دکھ اور رنج بھی ہے اور آرام وخوشی بھی، شادی بھی ہے اور غمی بھی، شیرینی بھی ہے اور تلخی بھی، سردی بھی ہے اور گرمی بھی، خوش گواری بھی ہے اور ناخوش گواری بھی، اور سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اور اسی کے حکم اور فیصلہ سے ہوتا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے بندوں کا حال یہ ہونا چاہئے کہ جب کوئی دکھ اور مصیبت پیش آجائے تو وہ مایوسی اور پریشانی کا شکار نہ ہوں، بل کہ ایمانی صبر وثبات کے ساتھ اس کا استقبال کریں، اور دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جو ہمارا حکیم اور کریم رب ہے، اور وہی ہم کو اس دکھ اور مصیبت سے نجات دینے والا ہے۔

اسی طرح جب ان کے حالات سازگار ہوں اور ان کی چاہتیں ان کو مل رہی ہوں اور خوشی اور شادمانی کے سامان میسر ہوں تو بھی وہ اس کو اپنا کمال اور اپنی قوتِ بازو کا نتیجہ نہ سمجھیں، بل کہ اس وقت اپنے دل میں اس یقین کو تازہ کریں کہ یہ سب کچھ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی بخشش ہے، اور وہ جب چاہے اپنی بخشی ہوئی ہر نعمت چھین بھی سکتا ہے، اس لیے ہر نعمت پر اس کا شکر ادا کریں۔

یہ اسلام کی خاص تعلیمات میں سے ہے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے طرح طرح سے اس کی ترغیب اور تعلیم دی ہے، اس تعلیم پر عمل کرنے کا ایک نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہر حال میں اللہ سے وابستہ رہتا ہے، اور دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کبھی مصیبتوں اور ناکامیوں سے شکست نہیں کھاتا اور رنج وغم کے تسلسل سے بھی اس کی جان نہیں گھلتی اور مایوسی اور دل شکستگی اس کی عملی قوتوں کو ختم نہیں کرسکتی۔ اس بارے میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کی حدیث پڑھیے:

حضرت صہیب رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

"عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ."[2]

تَرْجَمَہ: "بندۂ مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر معاملہ اور ہر حال میں اس کے لیے خیر ہی

---

[1] مُسْنَدُ اَحْمَدُ، رقم: ۲۶۱۴۵، ۴۴۶/۷

[2] مُسْلِمٌ، کِتَابُ الزُّهْدِ، بَابُ الْمُؤْمِنِ أَمْرُهُ كُلُّهُ خَيْرٌ: ۴۱۳/۲

کافی ہے، اگر اس کو خوشی اور راحت و آرام پہنچے تو وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتا ہے، اور یہ اس کے لیے خیر ہی خیر ہے اور اگر اسے کوئی دکھ اور رنج پہنچتا ہے تو وہ (اس کو بھی اپنے حکیم و کریم رب کا فیصلہ اور اس کی مشیت یقین کرتے ہوئے) اس پر صبر کرتا ہے اور یہ صبر بھی اس کے لیے سراسر خیر اور موجب برکت ہوتا ہے۔''

تشریح: اس دنیا میں تکلیف اور آرام تو سب ہی کے لیے ہے، لیکن اس تکلیف اور آرام سے اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل کرنا یہ صرف ان اہل ایمان ہی کا حصہ ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا ایمانی رابطہ قائم کرلیا ہے کہ وہ چین و آرام اور مسرت و خوشی کی ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

اور جب کسی رنج اور دکھ میں مبتلا کئے جاتے ہیں، اور کوئی ناخوش گواری ان کو پیش آتی ہے، تو وہ بندگی کی پوری شان کے ساتھ صبر کرتے ہیں۔ اور چوں کہ دکھ سکھ اور خوشی و ناخوشی ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کی زندگی کسی وقت بھی خالی نہیں رہتی اس لیے ان بندگانِ خدا کے قلوب بھی صبر و شکر کی کیفیات سے ہمہ دم معمور رہتے ہیں۔[1]

ہم نے واقعہ میں پڑھا کہ حضرت عروہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کس طرح مصائب اور تکلیفوں پر صبر کیا۔ ہمیں بھی ہر مشکل، ہر مصیبت اور تکلیف میں صبر کرنا چاہئے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے۔

اپنے دوستوں رشتہ داروں کو بھی تسلی دینی چاہئے، زندگی میں کیسا بھی غم آئے ہمت اور حوصلے سے کام لینا چاہئے، جس طرح بنی عبس کے نابینا شخص نے ایسی مصیبت میں بھی ہمت کی اور سارے اہل و عیال اور مال و دولت سیلاب میں بہہ جانے کے باوجود اور پھر بچے کی موت اور اپنی آنکھوں کے ضائع ہونے کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اس لیے ہمت کریں، کسی تکلیف سے پریشان نہ ہوں بل کہ حوصلہ اور صبر سے کام لیں۔

اس موضوع پر ان شاء اللہ تعالیٰ مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ ہر شخص کے لیے بہت ہی مفید ہوگا۔

① سکونِ قلب: تالیفاتِ اشرفیہ ملتان
② پریشان ہونا چھوڑ دیجیے: دارالہدیٰ کراچی
③ پریشانی کے بعد راحت: بیت العلم ٹرسٹ کراچی

[1] معارف الحدیث: ۲۳۰/۲

سُوال: حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اپنی اولاد کو جو نصیحتیں کرتے تھے ان میں سے تین نصیحتیں لکھیں۔

سُوال: حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی جب لوگوں کو عیش وعشرت میں دیکھتے تو انھیں کیا یاد دلاتے؟

سُوال: ولید بن عبدالملک نے حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے حادثے کی تعزیت کے لیے کون سا انداز اختیار کیا؟

سُوال: حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی جب اپنے باغ میں داخل ہوتے تو اللہ تعالٰی کا کون سا فرمان تلاوت فرماتے؟

حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

"یَا أَبَا یَزِیدٍ، لَوْ رَآکَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَأَحَبَّکَ" (عبداللہ بن مسعود)

تَرجَمہ: "اے ابویزید! اگر رسول اللہ ﷺ تجھے دیکھ لیتے تو ضرور تجھ سے محبت فرماتے"

ہلال اور منذر رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ کی حضرت ربیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے ملاقات

حضرت ہلال بن اساف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے مہمان حضرت منذر بن یعلی ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے کہا: اے منذر! کیا میں آپ کو شیخ (ربیع بن خثیم) کے پاس نہ لے جاؤں، تاکہ تھوڑی دیر ان کی صحبت میں ایمان ویقین کی نصیحت سنیں؟

حضرت منذر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا: کیوں نہیں! ضرور جائیں گے، اللہ کی قسم! مجھے تو آپ کے شیخ ربیع بن خثیم کی ملاقات کا شوق ہی کھینچ کر کوفہ لایا ہے، اور یہ کہ ان کے ایمان افروز ماحول میں کچھ دیر گزارنے کی سعادت حاصل ہو سکے۔

لیکن کیا ہمیں ان کی زیارت کی اجازت مل جائے گی؟

کیوں کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ ان پر فالج کا حملہ ہوا ہے اور وہ اپنے گھر ہی میں رہنے لگے ہیں اور ہر وقت اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور لوگوں کی ملاقاتوں سے بچتے ہیں۔

تو حضرت ہلال رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا: بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن جب سے وہ کوفہ میں آئے ہیں ان کا طرزِ عمل ایسا ہی ہے اور بیماری نے اس میں کوئی زیادہ تبدیلی پیدا نہیں کی ہے۔

حضرت منذر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کہنے لگے: پھر تو کوئی حرج نہیں۔

لیکن آپ کی رائے کیا ہے کہ ہم اپنی مرضی سے ان سے سوال کریں، یا ہم خاموشی سے بیٹھے رہیں اور وہ اپنی مرضی سے جو کچھ ارشاد فرمائیں وہ ہم سنتے رہیں؟

حضرت ہلال رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کہنے لگے:

اگر آپ شیخ ربیع بن خثیم کے پاس پورا ایک سال تک بھی بیٹھے رہیں گے تو وہ آپ سے بات نہیں کریں گے جب تک آپ پہلے بات نہ کریں۔

اور جب تک آپ سوال نہ کریں وہ گفتگو میں پہل نہیں کریں گے کیوں کہ ان کا کلام ذکر، فکر اور خاموشی ہے۔ یہ سن کر حضرت منذر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہا:

"فَلْنَمْضِ إِلَيْهِ إِذًا عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ."

تَرجَمۃ: "چلو اللہ کا نام لے کر ان کے پاس چلتے ہیں۔"

پھر وہ دونوں شیخ ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے پاس گئے وہاں پہنچ کر سلام عرض کیا اور پوچھا: حضرت! کیا حال ہے؟

حضرت شیخ فرمانے لگے،

بس حال کیا ہے، ایک کمزور گنہگار بندہ اپنے رب کا رزق کھا رہا ہے اور اپنی موت کا انتظار کر رہا ہے۔

ہلال رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہنے لگے: حضرت کوفہ میں ایک ماہر طبیب ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو اس کو آپ کے پاس بلا لائیں۔

شیخ فرمانے لگے:

"يَا هِلَالُ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّ الدَّوَاءَ حَقٌّ ......"

تَرجَمۃ: "اے ہلال! میں جانتا ہوں کہ دوا حق ہے۔"

لیکن میں نے عاد و ثمود اور اَصْحَابُ الرَّسِّ اور ان کے درمیان آنے والی بہت ساری قوموں کے متعلق غور و فکر کیا، اور میں نے دنیا اور اس کے ساز و سامان میں ان کی حرص اور رغبت کو دیکھا، جب کہ وہ ہم سے زیادہ طاقت ور اور مضبوط تھے، اور ان میں طبیب بھی تھے، وہ بیمار بھی ہوتے تھے۔ لیکن ابھی نہ معالج باقی رہا اور نہ مریض۔

پھر ایک گہری سوچ کے بعد فرمایا: ہاں اگر یہ بیماری ہو تو اس کا علاج ہمیں ضرور کرانا چاہئے۔

منذر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ادب و احترام سے پوچھا، حضرت وہ کیا بیماری ہے؟

حضرت شیخ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: وہ بیماری "گناہ" کی ہے۔

منذر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے پوچھا: اور علاج کیا ہے؟

حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: علاج استغفار ہے۔

منذر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے پوچھا: اور شفا کیسے ہوگی؟

حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

"بِأَنْ تَتُوْبَ ثُمَّ لَا تَعُوْدَ ......"

تَرجَمَہ: ''آپ سچی توبہ کریں اور پھر دوبارہ وہ گناہ سرزد نہ ہو۔''
پھر ہماری طرف غور سے دیکھتے ہوئے زور دے کر فرمایا:
''السَّرَائِرَ ...... السَّرَائِرَ ......''
''عَلَيْكُمْ بِالسَّرَائِرِ اللَّاتِيْ تَخْفٰى عَلَى النَّاسِ، وَهُنَّ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى بَوَادٍ ......''
تَرجَمَہ: ''پوشیدہ گناہوں سے بچو، پوشیدہ گناہوں سے بچو کیوں کہ پوشیدہ گناہ لوگوں سے تو مخفی (چھپے) رہتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے وہ ظاہر ہی ہوتے ہیں۔
چھپ کر گناہ کرنا ایک بہت ہی خطرناک بیماری ہے اس کا علاج تلاش کرو۔''
منذر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے پوچھا: اس کا علاج کیا ہے؟
شیخ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: سچی اور پکی توبہ، یہ کہہ کر اس زور سے رونے لگے کہ آپ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔
یہ دیکھ کر منذر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہنے لگے: حضرت آپ کیوں رو رہے ہیں، آپ تو ایسے ایسے ہیں (یعنی آپ کی تقویٰ عبادت وغیرہ کی تعریف کی)؟
یہ سن کر حضرت شیخ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ہائے افسوس! میں کیوں نہ روؤں، میں نے ایسی قوم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ہم ان کے مقابلے میں بہت چھوٹے ہیں، بونے ہیں (ان کی مراد قوم سے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ تھی)۔
ہلال رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ اس درمیان شیخ کا بیٹا آیا اور اس نے سلام کیا اور کہا:
''يَا أَبَتِ إِنَّ أُمِّيْ قَدْ صَنَعَتْ لَكَ خَبِيْصًا وَجَوَّدَتْهُ ......
وَإِنَّهُ لَيَجْبُرُ قَلْبَهَا أَنْ تَأْكُلَ مِنْهُ، فَهَلْ آتِيْكَ بِهٖ؟''
تَرجَمَہ: ''اے ابا جان! امی نے آج بہترین قسم کی مٹھائی تیار کی ہے، آپ اس میں سے کھالیں گے تو امی خوش ہوجائیں گی، آپ اجازت دیں تو میں اس کو لے کر آجاؤں؟''
تو فرمایا: ہاں لے آؤ۔
جب بیٹا لینے گیا تو اس دوران کسی سائل نے دروازہ کھٹکھٹایا، شیخ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا اس کو اندر آنے دو۔
جب وہ اندر آیا تو میں نے دیکھا، سائل ایک بوڑھا شخص ہے پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے، اس

کے منہ سے رالیں ٹپک رہی ہیں بظاہر ایسا لگتا ہے، جیسے کوئی مجذوب شخص ہو، ابھی میں اس کو تعجب کی نگاہ سے دیکھ ہی رہا تھا کہ شیخ کا بیٹا وہ مٹھائی کا تھال جو اس کی امی نے تیار کیا تھا لے آیا۔

ابا نے اشارہ کر کے سمجھایا کہ:

"أَنْ ضَعْهَا بَيْنَ يَدَيِ السَّائِلِ."

تَرجَمَہ: "یہ تھال اس سائل کے سامنے رکھ دو۔"

تو اس نے جیسے ہی رکھا وہ مانگنے والا اس کھانے پر اس طرح ٹوٹ پڑا کہ گویا کبھی اس نے اس طرح کا عمدہ کھانا نہ کھایا ہو، اور اس کی رالیں کھانے کے تھال پر ٹپک رہی تھیں اور تھوڑی سی دیر میں وہ تھال پورا صاف کر گیا۔

بیٹے نے یہ منظر دیکھ کر کہا:

"رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا أَبَتِ، لَقَدْ تَكَلَّفَتْ أُمِّيْ وَصَنَعَتْ لَكَ هٰذَا الْخَبِيْصَ...... وَكُنَّا نَشْتَهِيْ أَنْ تَأْكُلَ مِنْهُ ......

فَأَطْعَمْتَهُ لِهٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ لَا يَدْرِيْ مَاذَا أَكَلَ."

تَرجَمَہ: "اے ابا جان! اللہ آپ پر رحم فرمائے، امی نے اتنی محنت سے آپ کے لیے یہ بہترین قسم کا حلوہ بنایا تھا، اور ہم سب کی تمنا تھی کہ آپ اس کو کھاتے، لیکن آپ نے ایک ایسے فقیر کو کھلا دیا جس کو پتہ ہی نہیں ہے کہ وہ کیا کھا رہا ہے۔"

ابا نے کہا: اے میرے بیٹے!

"إِذَا كَانَ هُوَ لَا يَدْرِيْ، فَإِنَّ اللّٰهَ يَدْرِيْ."

تَرجَمَہ: "وہ یہ نہیں جانتا کہ کتنی قیمتی چیز کھا رہا ہے لیکن اللہ تو جانتا ہے (کہ ہم نے اپنے کتنے پسندیدہ اور لذیذ کھانے کو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اللہ کے کسی بندے کو کھلا دیا)۔"

اور پھر اس آیت کی تلاوت کی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ [1]

تَرجَمَہ: "(اے مسلمانو) تم خیر کامل (یعنی عظیم ثواب) کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی (بہت) پیاری چیز کو (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے، اور یوں جو کچھ بھی خرچ کرو گے (گو

---

[1] آل عمران: ۹۲

غیر محبوب چیز ہو) اللہ تعالیٰ اس کو بھی خوب جانتے ہیں (مطلق ثواب اس پر بھی دیں گے لیکن ثواب حاصل کرنے کا وہی طریقہ ہے)"

فَائِدَة: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب تو ہر چیز خرچ کرنے سے ہوتا ہے، جو اللہ کی راہ میں کیا جائے مگر زیادہ ثواب محبوب چیز کے خرچ کرنے سے ہوتا ہے۔

حضرت ہلال رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہتے ہیں: میں نے دیکھا ظہر کی نماز کا وقت ہونے والا ہے میں نے شیخ سے کہا: کچھ نصیحت فرما دیجیے تو تین نصیحتیں فرمائیں:

١ **لَايَغُرَّنَّكَ يَا هِلَالُ كَثْرَةُ ثَنَاءِ النَّاسِ عَلَيْكَ، فَإِنَّ النَّاسَ لَايَعْلَمُوْنَ مِنْكَ إِلَّا ظَاهِرَكَ.**

تَرْجَمَة: "اے ہلال! تمہیں لوگوں کی تعریف اپنے بارے میں دھوکہ نہ دے (کہ لوگ تمہاری خوب تعریف کریں اور تم اپنے آپ کو ایسا ہی سمجھنے لگ جاؤ) اس لیے کہ لوگ تو صرف تمہارے ظاہر کو ہی جانتے ہیں۔"

٢ **"وَاعْلَمْ أَنَّكَ صَائِرٌ إِلٰى عَمَلِكَ ......"**

تَرْجَمَة: "یہ بات یاد رکھنا کہ جیسے تمہارے اعمال ہوں گے ویسے ہی تمہارا انجام ہوگا۔"

٣ **"وَأَنَّ كُلَّ عَمَلٍ لَا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ يَضْمَحِلُّ."**

تَرْجَمَة: "(اور ہر کام اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا کرو اس لیے) کہ ہر وہ کام جو اللہ کی رضا کے لیے نہ کیا جائے وہ بے کار ہو جاتا ہے۔"

حضرت منذر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہا: مجھے بھی کچھ نصیحت کیجیے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

تو حضرت شیخ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے منذر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی درخواست پر تین نصیحتیں فرمائیں:

"يَا مُنْذِرُ، اتَّقِ اللّٰهَ فِيمَا عَلِمْتَ ...... وَمَا اسْتُؤْثِرَ عَلَيْكَ بِعِلْمِهٖ فَكِلْهُ إِلٰى عَالِمِهٖ ......

يَا مُنْذِرُ، لَا يَقُلْ اَحَدُكُمْ: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَتُوْبُ إِلَيْكَ، ثُمَّ لَا يَتُوْبُ، فَتَكُوْنُ كِذْبَةً ......

وَلٰكِنْ لِيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيَّ، فَيَكُوْنُ دُعَاءً

وَاعْلَمْ يَا مُنْذِرُ أَنَّهُ لَا خَيْرَ فِيْ كَلَامٍ إِلَّا فِيْ تَهْلِيلِ اللّٰهِ......

وَتَحْمِيْدِ اللّٰهِ ......

وَتَكْبِيْرِ اللّٰهِ .. ....

وَتَسْبِيحِ اللّٰهِ ......
وَسُؤَالِكَ مِنَ الْخَيْرِ ......
وَتَعَوُّذِكَ مِنَ الشَّرِّ ......
وَأَمْرِكَ بِالْمَعْرُوْفِ ......
وَنَهْيِكَ عَنِ الْمُنْكَرِ ......
وَقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ......"

۱ اللہ کی نافرمانی کرنے سے ڈرو۔

۲ جس چیز کا تمہیں علم نہ ہو اسے اس فن کے جاننے والے کی طرف سپرد کردو۔

۳ اے منذر! دُعا میں اس طرح نہ کہو: اے اللہ میں گناہ چھوڑ کر آپ کی طرف متوجہ ہوا۔ کیوں کہ اگر تم متوجہ نہ ہوئے تو یہ جھوٹ ہوگا، ہاں اس طرح کہنا چاہئے کہ: اے اللہ! آپ میری طرف توجہ فرمائیے۔ پس یہ کلمات دعائیہ ہیں۔

۴ اور اے منذر! خوب اچھی طرح جان لو کہ کلمہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" اور تیسرا کلمہ جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف، اور اس کی تسبیح، اور اس کی کبریائی کا بیان ہے اس میں اپنی زبان کو مشغول رکھو، اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی طلب کرتے رہو، اور برائی سے پناہ چاہتے رہو، اور بھلی باتوں کا حکم کرتے رہو اور بری باتوں سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کرتے رہو، تلاوتِ قرآن کریم کرتے رہو اور ان باتوں کے علاوہ کسی میں خیر و برکت نہیں ہے۔

حضرت شیخ ربیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بات ختم کی تو ظہر کی اذان ہوگئی بیٹے سے کہا: آؤ چلیں اللہ کا بلاوا آگیا ہے بیٹے نے ہم سے کہا:

"أَعِيْنُونِي عَلٰى حَمْلِهِ إِلَى الْمَسْجِدِ جُزِيْتُمْ خَيْراً."

تَرْجَمَۃ: "ابا جی کو سہارا دینے میں میرا ساتھ دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اس کا بہتر بدل عطا فرمائے گا۔"

ہم نے ان کو سہارا دیا، شیخ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے دایاں کندھا بیٹے کے کندھے پر رکھا اور بایاں کندھا میرے کندھے پر اور ہم مسجد کی طرف چل دیئے اس حال میں کہ شیخ کے دونوں پاؤں زمین پر گھسٹتے جا رہے تھے۔

ابومنذر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے یہ حالت دیکھ کر کہا: ابویزید آپ جیسے بیمار کم زور شخص کے لیے اللہ تعالیٰ نے

اجازت دی ہے کہ گھر میں نماز پڑھے۔

فرمایا: آپ صحیح کہتے ہیں لیکن میں نے مؤذن کو یہ دعوت دیتے ہوئے سنا:

حَيَّ عَلَى الْفَلَاح حَيَّ عَلَى الْفَلَاح.

تَرجَمَہ: ''آؤ کام یابی کی طرف آؤ کام یابی کی طرف۔''

اب جو کام یابی کی طرف بلائے اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جانا چاہئے، چاہے گھٹنوں کے بل چل کر کیوں نہ جانا پڑے۔

استاد و شاگرد کا آپس میں تعلق

اب ذرا سوچئے! کیا آپ جانتے ہیں یہ شیخ ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ہیں کون؟

❶ یہ تابعین کی جماعت کے بڑے لوگوں میں سے تھے۔

❷ اپنے دور کی ان آٹھ مبارک ہستیوں میں سے تھے جن میں زہد (عبادت) اور تقویٰ (پرہیز گاری) یہ دو صفتیں کمال درجہ میں پائی جاتی تھیں۔

❸ یہ خالص عربی تھے اور ان کے خاندان کا سلسلہ ان کے پردادا ''مضر'' پر جا کر حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے مل جاتا تھا۔

بچپن ہی سے یہ نیک تھے اور لڑکپن ہی کی عمر سے گناہوں سے بچتے تھے اور کسی کو ستانے سے بچتے تھے، والدین کا ادب واحترام کیا کرتے تھے۔

❹ حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اتنے بڑے درجہ تک پہنچایا اس کے اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان کے استاد بہت اونچے درجہ کے آدمی تھے اور آپ جانتے ہیں وہ کون تھے؟

وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ تھے۔

چوں کہ ان کی تربیت رسول اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے گھر میں ہوئی تھی اس لیے آپ کی سیرت و کردار کو اپنانے کا بہت زیادہ موقع ملا، اور اسی لیے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کی جماعت میں حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے زیادہ قریب تر یہی صحابی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کہلاتے تھے۔

وَقَدْ تَعَلَّقَ الرَّبِيْعُ بِأُسْتَاذِهٖ تَعَلُّقَ الْوَلِيْدِ بِأُمِّهٖ
وَأَحَبَّ الْأُسْتَاذُ تَلْمِيْذَهٗ حُبَّ الْأَبِ لِوَحِيْدِهٖ

تَرجَمَہ: ''حضرت ربیع رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو ایسے مبارک استاد (حضرت عبداللہ بن مسعود

رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) ملے یہ استاد کا ادب و احترام اس طرح کرتے تھے اور استاد سے محبت اور تعلق ایسا تھا جیسا اکلوتے بیٹے کو اپنی ماں سے ہوتا ہے کہ اس بیٹے کے لیے اس کی ماں کے علاوہ کوئی اور سہارا نہیں ہوتا۔ اور استاد کو بھی اس شاگرد سے ایسا ہی تعلق تھا جیسے محبوب باپ کو اپنے اکلوتے بیٹے سے ہوتا ہے۔"

"فَكَانَ الرَّبِيْعُ يَدْخُلُ عَلَى ابْنِ مَسْعُوْدٍ مِنْ غَيْرِ إِذْنٍ، فَإِذَا صَارَ عِنْدَهُ لَمْ يُؤْذَنْ لِأَحَدٍ بِالدُّخُوْلِ عَلَيْهِ حَتّٰى يَخْرُجَ الرَّبِيْعُ."

تَرْجَمَہ: "اسی بنا پر حضرت ربیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس بغیر اجازت کے اندر جا سکتے تھے اور جب تک حضرت ربیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہوتے تو کسی اور کو اندر آنے کی اجازت نہ ہوتی۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ جب حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے دل کی صفائی، اخلاص اور بہترین طریقے سے عبادت کی ادائیگی کو دیکھتے، تو ان کا جی بھر آتا کہ کاش میرا یہ شاگرد نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زندگی میں ہوتا اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی صحبت سے محروم نہ ہوتا۔ اور کبھی فرماتے تھے:

"يَا أَبَا يَزِيْدٍ، لَوْ رَآكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَحَبَّكَ."

تَرْجَمَہ: "اے ابو یزید! اگر تمہیں حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دیکھ لیتے تو یقیناً تم سے محبت فرماتے۔"

اور کبھی فرماتے:

"مَا رَأَيْتُكَ مَرَّةً إِلَّا ذَكَرْتُ الْمُخْبِتِيْنَ ......"

تَرْجَمَہ: "اے ربیع! میں جب بھی تجھے دیکھتا ہوں مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خشوع خضوع کرنے والے لوگ یاد آ جاتے ہیں۔"

فکرِ آخرت کا ہر وقت استحضار رہتا تھا

جنت اور جہنم کی آیات کا اتنا استحضار تھا (یعنی ہر وقت ان کے ذہن میں تھیں) کہ ان کے ساتھی کہتے ہیں:

ایک مرتبہ ہم سفر پر جا رہے تھے حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی ساتھ تھے اور حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بھی ساتھ تھے، جب ہم دریائے فرات کے کنارے پہنچے، وہاں ایک جلتی ہوئی لوہے کی بھٹی کو دیکھا جس میں سے آگ کے شرارے اوپر اٹھ رہے تھے اور آگ کی تیز آواز اس میں سے آ رہی تھی۔

جب حضرت ربیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے یہ منظر دیکھا تو وہیں ٹھہر گئے۔ جسم پر لرزہ طاری ہوگیا، اس طرح کپکپائے کہ ہم گھبرا گئے اور اس آیت کی تلاوت کرنے لگے:

﴿إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا﴾ [1]

تَرْجَمَہ: ''جب وہ دیکھے گی ان کو دور کی جگہ سے سنیں گے اس کا جھنجھلانا اور چلانا''

خلاصہ تفسیر: ''وہ (دوزخ) ان کو دور سے دیکھے گی تو (دیکھتے ہی غضب ناک ہوکر اس قدر جوش مارے گی کہ) وہ لوگ (دور ہی سے) اس کا جوش وخروش سنیں گے۔'' [2]

یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے گر پڑے اور بے ہوش ہوگئے، ہوش آنے تک ہم وہیں بیٹھے رہے، پھر ہم نے انہیں گھر پہنچایا۔

خصوصی صفت

ان میں ایک خصوصی صفت یہ تھی کہ پوری زندگی موت کے انتظار میں گزار دی، اللہ تعالیٰ کی ملاقات کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے (کہ آج نہیں بل کہ ابھی ملک الموت (موت کا فرشتہ) بلانے کے لیے آجائے تو اس کے ساتھ جانے کے لیے ذرا بھی غور وفکر نہ کرنا پڑے اور فوزا لبیک کہہ دیں)۔

جب موت کا وقت قریب آیا تو ان کی بیٹی رونے لگی (یہ امتحان کا وقت ہوتا ہے کہ باپ جارہا ہو اور ایسے سفر پر جا رہا ہو جہاں سے کبھی کوئی واپس نہیں لوٹا اور بیٹی رو رہی ہو، یہ منظر دیکھ کر کون ہے جس کے آنسو نہ آتے، لیکن جس باپ نے دنیا ہی میں آخرت کے لیے محنت کرلی ہوگی اور روزانہ رات کو موت کو سوچ کر سویا ہوگا کہ ایک دن مرنا ہے سب کو چھوڑ کر جانا ہے اور جہاں جانا ہے وہاں کی تیاری کرنی ہے، اگر وہاں اعمال لے کر گئے تو ہمیشہ ہمیشہ بیوی بچوں کے ساتھ خوشیوں میں رہنا نصیب ہوگا ایسے باپ کا جو جواب ہوتا ہے وہی انہوں نے کہا) فرمایا:

''مَا يُبْكِيكِ يَا بُنَيَّةُ، وَقَدْ أَقْبَلَ عَلٰى أَبِيكِ الْخَيْرُ؟''

تَرْجَمَہ: ''اے بیٹی کیوں روتی ہو، تمہارے والد کو تو بہت ہی بہتر چیز مل رہی ہے۔''

(وہ اپنے خالق و مالک سے ملنے جارہے ہیں جنت اور اس کی نعمتیں ان کا ٹھکانہ بنیں گی اور چند دنوں بعد تم بھی اپنے والد کے ساتھ جا کر ملوگی)

یہ کہہ کر انہوں نے اپنی روح اس کے پیدا کرنے والے کے سپرد فرمادی اور انتقال کر گئے۔

---

[1] الفُرْقَان: ۱۲ [2] معارف القرآن: ٤٦٣/٦

فَوائِدُونَصَائِحُ

حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَهُاللّٰهُ تَعَالیٰ کی زندگی بھر کے حالات پر نظر کرنے سے چند اہم باتیں سامنے آئیں:

❶ ایک یہ کہ موت کا استحضار ان کو اس قدر تھا کہ دنیا کی پریشانی کو کبھی پریشانی نہیں سمجھا، یا کم از کم اس کی فکر کو دل پر اس طرح طاری نہ ہونے دیا کہ اصل سوچ (فکرِ آخرت) پر غالب آجائے۔

❷ دوسری بات یہ کہ ہر بات کہنے اور ہر کام کرنے سے پہلے یہ توجہ ساری عمر رہی کہ اس سے آخرت بن رہی ہے یا بگڑ رہی ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ دولت جس کو نصیب ہو جائے وہ نافرمانی کرنے سے کس قدر بچے گا اور استغفار کو کیسا لازم پکڑے گا اور اس کا اعمال نامہ کس قدر شفاف ہوگا۔ "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِاتِّبَاعِهِمْ." (اے اللہ! ہمیں بھی ان کے اتباع کی توفیق دے)

❸ تیسری بات یہ کہ گناہوں سے بچنے کی خصوصی وصیت فرماتے تھے، اور گناہوں میں بھی خصوصاً چھپے ہوئے گناہ سے بچنے کی وصیت فرماتے۔

❹ چوتھی بات یہ کہ ہمیشہ اپنے والدین کے فرماں بردار بنے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کے لڑکپن کے جو حالات بتائے ہیں وہاں خاص کر "وبرا بوالدیه" "یعنی والدین کے فرماں بردار" فرمایا۔

اب ماں باپ کو وہی بچہ اچھا لگتا ہے جو اپنے والدین کا فرماں بردار ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے اخلاق کا مالک ہو، برائیوں سے بچتا بھی ہو، گناہوں سے پرہیز کرتا ہو یہ باتیں ہم میں آجائیں گی تو ہم اللہ تعالیٰ کی اس بشارت کے مستحق ہوں گے۔

"وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا." [1]

تَرْجَمَۃ: "اور سلامتی ہو اس پر جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن مرے اور جس دن دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔"

❺ اولاد کو چاہئے کہ والدین کی دعا لے، ایک یہ ہے کہ انسان اپنے والد اور استاد سے دعائی درخواست کرے، اور دوسرا یہ کہ ایسی خدمت کرے والدین کی کہ وہ دل سے دعا دیں۔ جب اولاد والد کی ہر میٹھی اور کڑوی بات مانتی ہے، ان کا احترام کرتی ہے تو ان کے دل سے دعا نکلتی ہے وہ دعا انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں بہت کام

[1] مریم: ۱۵

دیتی ہے۔

ہر بھائی/بہن کو چاہیے کہ والدین کے حقوق معلوم کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ان تین کتب کا مطالعہ کرے۔

① والدین کے حقوق۔ (مولانا عاشق الٰہی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ)۔
② والدین کی خدمت کیجیے۔ (حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہم)۔
③ والدین کی قدر کیجیے۔ (ناشر دارالہدیٰ)۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے استاد، کون مبارک شخص تھے ان کا نام بتائیں اور ان کی کچھ خصوصیات لکھیں۔

سُؤال: موت کے وقت حضرت ربیع بن خثیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے بیٹی کو کیا کہہ کر تسلی دی؟

سُؤال: حضرت ربیع رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے جو مختلف نصیحتیں اپنے بیٹے کو اور دوسرے حضرات کو کیں ان میں سے کوئی سی چار لکھیں۔ اور کتاب بند کرکے ان نصیحتوں کو سنائیں اور اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو یہ نصیحتیں سنایا کریں۔

حضرت ایاس بن معاویہ مزنی رَحِمَهُاللهُ تَعَالیٰ

"إِقْدَامُ عَمْرٍو فِيْ سَمَاحَةِ حَاتِمٍ
فِيْ حِلْمِ أَحْنَفَ فِيْ ذَكَاءِ إِيَاسٍ" (ابوتمام)

تَرْجَمَۃ: ''عمرو کا حاتم کو معاف کر دینا یہ حلم (بردباری) میں احنف اور ذکاوت (ذہانت) میں ایاس کی طرح ہے۔''

بصرہ شہر میں قاضی کی ضرورت

امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُاللهُ تَعَالیٰ نے ایک رات بڑی بے چینی میں گذاری نہ روتے کٹی نہ سوتے کٹی، بل کہ اس طرح پوری رات گذری کہ نہ آنکھ لگی، نہ کسی کروٹ چین ملا۔

دراصل دمشق کی اس ٹھنڈی رات میں ان کو یہ فکر ستا رہی تھی کہ ''بصرہ شہر'' کے لیے کسی ایسے قاضی کی ضرورت تھی جو لوگوں میں عدل و انصاف قائم کر سکے، اللہ کے احکامات کے موافق ان میں فیصلہ کر سکے اور حق کے موافق فیصلہ کرنے میں نہ وہ کسی سے ڈرے، نہ کسی قسم کی لالچ (رشوت) اس کا راستہ روک سکے۔

کافی دیر سوچ کے بعد ان کی نظرِ انتخاب ان دو بزرگوں پر ہوئی جو دین کی سمجھ اور حق بات پر استقامت جیسے مبارک اوصاف والے تھے۔

امیر المؤمنین کو ان دونوں بزرگوں میں وہ صفاتِ کامل نظر آئی تھیں کہ جن کی وجہ سے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے سکے اور یہ فیصلہ فرمایا کہ صبح اس فیصلہ کا اختیار عدی بن ارطاۃ کو دیا جائے گا، جو عراق کے گورنر تھے کہ وہ ان دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کو بصرہ کا قاضی بنا دیں۔

صبح ہوتے ہی امیر المؤمنین نے عراق کے گورنر عدی بن ارطاۃ کو بلایا اور کہا: اے عدی!

"اِجْمَعْ بَيْنَ إِيَاسِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْمُزَنِيِّ، وَالْقَاسِمِ بْنِ رَبِيْعَةَ الْحَارِثِيِّ ...... وَكَلِّمْهُمَا فِي أَمْرِ قَضَاءِ (الْبَصْرَةِ)، وَوَلِّ أَحَدَهُمَا عَلَيْهِ."

تَرْجَمَۃ: ''ایاس بن معاویہ مزنی اور قاسم بن ربیعہ الحارثی دونوں کو جمع کر کے بصرہ کا قاضی بننے کی ذمہ داری کے بارے میں بات کرو اور ان دونوں میں سے ایک کو یہ ذمہ داری حوالہ کردو۔''

عدی نے کہا:

"سَمْعًا وَطَاعَةً يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

تَرْجَمَۃ: "اے امیر المؤمنین! آپ کا حکم سر آنکھوں پر فوراً میں تعمیل کروں گا۔"

عدی بن ارطاۃ نے ایاس اور قاسم کو بلایا اور بات چیت کرنے کے بعد ان سے کہا:

"إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. أَطَالَ اللّٰهُ بَقَائَهُ. أَمَرَنِي أَنْ أُوَلِّيَ أَحَدَكُمَا قَضَاءَ الْبَصْرَةِ."

تَرْجَمَۃ: "امیر المؤمنین (اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے) نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم دونوں میں سے کسی ایک کو بصرہ کا قاضی مقرر کردوں تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟"

دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے ساتھی کے بارے میں کہا کہ وہ مجھ سے زیادہ بہتر ہے اس منصب کے لیے، اس لیے کہ میرے ساتھی کا علم، فضل و کمال، عقل فہم و سمجھ داری مجھ سے زیادہ ہے، دونوں نے ایک دوسرے کے لیے یہی بتلایا۔

گورنر نے کہا:

"لَنْ تَخْرُجَا مِنْ مَجْلِسِيْ هٰذَا حَتّٰى تَحْسِمَا."

تَرْجَمَۃ: "جب تک تم دونوں فیصلہ نہیں کر لیتے تب تک اس مجلس سے جا نہیں سکتے۔"

تو حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے دل میں ایک بات آئی انہوں نے فرمایا۔

"أَيُّهَا الْأَمِيرُ، سَلْ عَنِّيْ وَعَنْ (الْقَاسِمِ) فَقِيْهِي (الْعِرَاقِ): الْحَسَنَ الْبَصْرِيَّ، وَمُحَمَّدَ بْنَ سِيْرِيْنَ ...... فَهُمَا أَقْدَرُ النَّاسِ عَلَى التَّمْيِيْزِ بَيْنَنَا."

تَرْجَمَۃ: "اے امیر! ہم دونوں خود فیصلہ نہیں کر سکتے آپ ہمارے بارے میں دو بڑے بزرگ، جو عراق کے فقیہ ہیں حسن بصری اور ابن سیرین (رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ) سے پوچھ لیجیے وہ جس کے بارے میں کہیں ان کو قاضی بنا دیجیے۔"

اصل حقیقت حال یہ تھی کہ حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا ان دونوں بزرگوں کے پاس آنا جانا رہتا تھا، یہ دونوں حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو اچھی طرح جانتے تھے اور حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا ان سے زیادہ تعلق نہیں تھا، اس لیے حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے سوچا کہ اس طرح میں اس بھاری ذمہ داری کے اٹھانے سے بچ جاؤں گا اور یہ دونوں بزرگ قاسم کے بارے میں رائے دیں گے۔

جب حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے یہ بات سنی تو وہ گھبرا گئے اور انہوں نے فوراً کہا:

"لَا تَسْئَلْ اَحَدًا عَنِّيْ وَلَا عَنْهُ اَيُّهَا الْاَمِيْرُ فَوَاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنَّ إِيَاسًا أَفْقَهُ مِنِّيْ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ."

تَرْجَمَہ: ''گورنر صاحب میرے اور ایاس کے متعلق کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، میں اس اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اس منصب کے مجھ سے زیادہ حقدار ایاس ہیں اس لیے کہ وہ مجھ سے زیادہ دینی مسائل کو سمجھتے ہیں اور فیصلہ کرنے کے معاملات میں ان کی صلاحیت زیادہ ہے۔''

جب میں نے یہ بات قسم کھا کر کہی ہے تو آپ خود سوچ لیں، اگر میں جھوٹ بول رہا ہوں تو جھوٹے آدمی کو قاضی بنانا جائز نہیں اور اگر میں اپنی قسم میں سچا ہوں، تو پھر اس اہم عہدے پر فائز ہونے کا حق میرے بھائی ایاس بن معاویہ کا ہے، کیوں کہ آپ کے لیے جائز نہیں کہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیت رکھنے والے شخص کو چھوڑ کر کم صلاحیت والے شخص کو یہ منصب دیں۔

یہ ساری باتیں سن کر ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی امیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے:

''إِنَّكَ جِئْتَ بِرَجُلٍ وَدَعَوْتَهُ إِلَى الْقَضَاءِ، فَأَوْقَفْتَهُ عَلٰى شَفِيرِ جَهَنَّمَ، فَنَجّٰى نَفْسَهُ مِنْهَا، بِيَمِيْنٍ كَاذِبَةٍ، لَا يَلْبَثُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ اللّٰهَ مِنْهَا، وَيَنْجُوْ بِنَفْسِهٖ مِمَّا يَخَافُ.''

تَرْجَمَہ: ''اے امیر! اصل بات میں آپ کو بتلاتا ہوں وہ یہ کہ آپ نے ایک اہم شخص کو بلا کر ان کو قاضی بننے کی دعوت دی لیکن انہوں نے اس سے جان چھڑانے کے لیے جھوٹی قسم کھائی یہ سوچ کر کہ پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے گا۔ لیکن قاضی بننے کی مصیبت کون لے گا، ہر وقت ڈر لگا رہے کہ نفس لالچ میں آ کر پھسل نہ جائے وغیرہ وغیرہ۔''

لہٰذا اصل حق دار قاضی بننے کے قاسم ہی ہیں۔

یہ بات سن کر گورنر عدی نے حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے کہا:

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ آپ جیسا ذہین و فطین ہی قاضی کے منصب پر فائز ہونا چاہیے جو اتنی باریکی کی بات سمجھ لیتا ہے وہی اس قابل ہے کہ اس کو بصرہ کا قاضی بنایا جائے۔

کیا آپ کو پتہ ہے کہ یہ کون شخص ہے جس کا انتخاب امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بصرہ کا قاضی مقرر کرنے کے لیے کیا؟

اس شخص کی ذہانت اور قوت فہم (معاملہ کو گہرائی تک سمجھنا) اسی طرح مشہور اور ضرب المثل تھی جس طرح حاتم طائی کی سخاوت، احنف بن قیس کی بُردباری، عمرو بن معدی کرب کی شجاعت ضرب المثل تھیں۔

جیسا کہ ابوتمام نے احمد بن المعتصم کی تعریف میں کہا تھا:

اِقْدَامُ عَمْرٍو فِيْ سَمَاحَةِ حَاتِمٍ
فِيْ حِلْمِ أَحْنَفَ فِيْ ذَكَاءِ اِيَاسٍ

تَرْجَمَہ: ''عمرو کا حاتم کو معاف کر دینا یہ حلم (بردباری) میں احنف اور ذکاوت (ذہانت) میں ایاس کی طرح ہے۔''

تعارف

حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نجد کے علاقے یمامہ میں پیدا ہوئے اور اپنے خاندان کے ساتھ بصرہ منتقل ہوئے، وہیں نشو ونما پائی اور تعلیم حاصل کی، نوجوانی کی عمر میں کئی بار دمشق جانے کا اتفاق ہوا۔

جو صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ زندہ تھے ان سے اور جو بڑے درجے کے تابعین تھے ان سے علم حاصل کیا۔

بچپن ہی سے ان کے چہرے پر شرافت اور سمجھ داری کے آثار ظاہر تھے اور لوگ ان کی مثالیں دیا کرتے تھے جب کہ ابھی ان کی عمر بہت کم تھی۔

بچپن میں ایک یہودی کو لاجواب کرنا

حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ایک یہودی کے اسکول میں ریاضی (حساب) پڑھا کرتے تھے، ایک دن استاد کے پاس اس کے چند یہودی دوست ملنے آئے، وہ دین اسلام کے متعلق باتیں کرنے لگے اور حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ پاس کھڑے خاموشی سے سنتے رہے، وہ لوگ یہ سمجھے کہ یہ اپنا کام کر رہا ہوگا اور یہ بچہ ہے ہماری باتیں نہیں سمجھے گا۔

استاد نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

''أَلَا تَعْجَبُوْنَ لِلْمُسْلِمِيْنَ، فَهُمْ يَزْعُمُوْنَ أَنَّهُمْ يَأْكُلُوْنَ فِي الْجَنَّةِ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ!!.''

تَرْجَمَہ: ''مسلمان بھی کیا عجیب ہیں کہتے ہیں۔ جنت میں جی بھر کر کھائیں گے لیکن بول و براز (گندگی) نہیں آئے گا، بھلا یہ بھی ہوسکتا ہے کیسی عجیب باتیں کرتے ہیں۔''

حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہا:

کیا مجھے بھی بات کرنے کی اجازت ہے؟

استاد نے کہا: ہاں ہاں! کیوں نہیں، کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟

انہوں نے پوچھا کیا اس دنیا میں جو کچھ کھایا جاتا ہے وہ تمام کا تمام بول و براز (گندگی) کے ذریعے بدن

سے نکل جاتا ہے؟

استاد نے کہا: نہیں۔

حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے پوچھا جو کھانا بدن سے نہیں نکلتا وہ کہاں جاتا ہے؟

استاد نے کہا: وہ ہضم ہو کر جزو بدن بن جاتا ہے۔

حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: اگر وہ تمام کا تمام جنت کے ماحول کو پاکیزہ اور صاف ستھرا رکھنے کے لیے جزو بدن بنا دیا جائے، تو آپ کو اس بات پر کیا تعجب ہے اس بات سے ان پر سناٹا چھا گیا اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔

استاد نے اپنے ہونہار شاگرد کا ہاتھ بھینچتے ہوئے کہا:

"قَاتَلَكَ اللّٰهُ مِنْ فَتًى."

تَرْجَمَہ: ''ارے جوان! بہت خوب۔ دوستوں کے سامنے تو نے مجھے لاجواب کر دیا تیری ذہانت اور حاضر جوابی کی کیا بات ہے۔''

حاضر جوابی

جس طرح یہ نوجوان عمر میں سال بسال بڑھتا گیا اسی طرح اس کی ذہانت اور حاضر جوابی بھی بڑھتی گئی، جب یہ دمشق پہنچا تو وہاں ایک بوڑھے آدمی سے اس نوجوان کا اختلاف ہو گیا، جب وہ کسی بھی دلیل سے اس نوجوان کو مطمئن نہ کر سکا تو اس نے نوجوان کو قاضی کے پاس آنے کی دعوت دی، جب دونوں عدالت میں حاضر ہوئے تو نوجوان کی آواز تیز ہو گئی تو قاضی نے کہا:

"اِخْفِضْ صَوْتَكَ يَا غُلَامُ"

تَرْجَمَہ: ''بیٹا! آہستہ بولو''

تمہارے مقابلہ میں ایک عمر رسیدہ قابل احترام بزرگ کھڑے ہیں۔ حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا:

حق ان سے بھی زیادہ قابل احترام ہے۔

قاضی صاحب کو اور زیادہ غصہ آیا اور کہا:

"اُسْكُتْ"

تَرْجَمَہ: ''تم خاموش ہو جاؤ۔''

تو نوجوان ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: جناب والا اگر میں خاموش ہوگیا تو میرا مقدمہ آپ کی عدالت میں کون پیش کرے گا۔

قاضی کو اور زیادہ غصہ آیا اور اس نے کہا:

جب سے تم عدالت میں آئے ہو الٹی سیدھی باتیں بولے ہی جارہے ہو۔

نوجوان ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے چوتھا کلمہ پڑھا اور پوچھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ" حق ہے یا باطل۔

قاضی یہ بات سن کر ٹھنڈا ہوگیا اور بولا:

"وَرَبِّ الْكَعْبَةِ حَقٌّ ......"

تَرْجَمَہ: "ربِ کعبہ کی قسم یہ کلمہ بالکل برحق ہے۔"

اور ہم سب اس کے عاجز بندے ہیں اور اس کے سامنے جواب دہ ہیں۔ چلو میں تمہاری بات بھی سن لیتا ہوں۔

علماء کے اعلیٰ درجات تک پہنچنا

جب یہ ہونہار نوجوان حصولِ علم کی طرف متوجہ ہوا تو اتنی محنت اور یک سوئی سے علم حاصل کیا کہ علماء کے اعلیٰ درجات تک پہنچ گیا، اور ان کے پاس شاگرد جوان سے علم سیکھنے آتے تھے وہ عمر میں ان سے بھی بڑے ہوتے تھے۔

عبدالملک بن مروان خلیفہ بننے سے پہلے ایک مرتبہ بصرہ میں کسی جگہ سے رہے تھے تو ایک نوجوان کو دیکھا جس کی مونچھیں بھی نہیں آئی تھیں اور اس کے پیچھے چار بڑی عمر کے شاگرد ادب سے چل رہے تھے۔

عبدالملک بن مروان نے یہ منظر دیکھ کر تعجب سے کہا:

ان باریش بزرگوں کی عقل و سمجھ پر بڑا افسوس ہے کیا ان میں کوئی بھی ایسا قابل بزرگ نہیں جوان کے آگے چلتا، انہوں نے ایک نوجوان کو اپنا قائد بنایا ہوا ہے، پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"كَمْ سِنُّكَ يَا فَتٰى؟"

تَرْجَمَہ: "ارے نوجوان! تم کون ہو اور تمہاری عمر کتنی ہے؟"

"فَقَالَ إِيَاسٌ: سِنِّيْ أَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَ الْأَمِيْرِ، كَسِنِّ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ حِيْنَ وَلَّاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَيْشًا فِيْهِ أَبُوْبَكْرٍ وَعُمَرُ."

تَرْجَمَۃ: ''اس نے جواب دیا امیر کی عمر اللہ تعالیٰ دراز کرے میری عمر اسامہ بن زید جتنی ہے، جسے رسول اللہ ﷺ نے اس لشکر کا امیر مقرر کیا تھا، جس میں حضرت (ابوبکر صدیق) اور حضرت (عمر فاروق) رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا بھی شامل تھے۔''

یہ جواب سن کر عبدالملک بن مروان نے کہا:

''تَقَدَّمْ يَا فَتٰى ...... تَقَدَّمْ ...... بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ.''

تَرْجَمَۃ: ''اے نوجوان! تم آگے رہو تم میں واقعی قیادت کی صلاحیت ہے۔ اللہ تمہاری جوانی اور تمہارے علم میں برکت عطا کرے۔''

ایک سال لوگ رمضان کا چاند دیکھنے گھروں سے باہر نکلے اور ان میں پیش پیش جلیل القدر صحابی حضرت انس بن مالک انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا تھے۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً سو سال تھی لوگوں نے آسمان کی طرف غور سے دیکھا انہیں کہیں چاند نظر نہ آیا۔

لیکن حضرت انس بن مالک انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے پکار پکار کر کہہ رہے تھے: میں نے چاند دیکھ لیا اور اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے چاند کی سمت بتلا رہے تھے۔ لوگوں نے بڑی کوشش کی لیکن پھر بھی کسی کو چاند نظر نہ آیا۔

اس وقت حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی طرف دیکھا تو ان کی آنکھ کے سامنے ایک لمبا سفید بال بھوؤں سے اوپر اٹھ کر آیا ہوا ہے۔

حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے بڑے ادب و احترام سے اجازت لی پیار سے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بڑی محبت اور سلیقے سے آنکھ پہ ہاتھ پھیر کر بال کو بھوؤں کے ساتھ برابر کر دیا اور پھر پوچھا:

''أَتَرَى الْهِلَالَ الْآنَ أَيْضاً يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ؟.

فَجَعَلَ أَنَسٌ يَنْظُرُ وَ يَقُوْلُ:

كَلَّا مَا أَرَاهُ، كَلَّا مَا أَرَاهُ.''

تَرْجَمَۃ: ''جناب والا اب فرمایئے کیا چاند نظر آ رہا ہے۔ حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر فرمایا: اب چاند مجھے دکھائی نہیں دے رہا، واقعی بالکل دکھائی نہیں دے رہا۔''

دراصل بینائی کم زور ہونے کی وجہ سے آنکھ کے سامنے آیا ہوا سفید بال انہیں باریک سا چاند معلوم ہو رہا تھا۔

ذہانت وذکاوت

حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی ذہانت اور ہوشیاری سمجھ داری کے تذکرے سب جگہ مشہور ہوگئے، ہر طرف سے لوگ ان کے پاس آتے تھے مشکل مسائل پوچھنے کے لیے یا مناظرہ ومقابلہ کے لیے یا ان کے امتحان کے لیے کہ واقعی یہ عالم ہیں یا نہیں۔

ایک کسان ان کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے پوچھا:

اے ابووائلہ! شراب کا کیا حکم ہے؟

انہوں نے جواب دیا: حرام ہے۔

حرام ہونے کی کیا وجہ ہے حالاں کہ اس میں تو صرف پھل اور پانی کو آگ پہ پکایا گیا ہے، اصل میں یہ دونوں اجزا حلال ہیں، پھر آگ پہ پکانے سے حرام کیسے ہوگئے، جب کہ اس میں کسی حرام چیز کو ملایا نہیں گیا؟

آپ نے کہا:

"أَفَرَغْتَ مِنْ قَوْلِكَ يَا دُهْقَانُ أَمْ بَقِيَ لَدَيْكَ مَا تَقُوْلُهُ؟."

تَرْجَمَہ: "کسان بھائی! کیا آپ نے اپنی بات ختم کر لی یا اور کچھ کہنا چاہتے ہو۔"

اس نے کہا: بس میری بات پوری ہوگئی، اب آپ ارشاد فرمایئے۔ ابووائل ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا:

"لَوْ أَخَذْتُ كَفًّا مِنْ مَاءٍ وَضَرَبْتُكَ بِهِ أَكَانَ يُوْجِعُكَ؟"

تَرْجَمَہ: "اگر میں پانی کا ایک چلو آپ کو دے ماروں کیا اس سے آپ کو کچھ تکلیف ہوگی۔"

"قَالَ لَا."

تَرْجَمَہ: "اس نے کہا نہیں۔"

"فَقَالَ: وَلَوْ أَخَذْتُ كَفًّا مِنْ تُرَابٍ فَضَرَبْتُكَ بِهِ أَكَانَ يُوْجِعُكَ؟"

تَرْجَمَہ: "اگر مٹی کی ایک مٹھی آپ کو دے ماروں تو کیا اس سے تکلیف ہوگی۔"

"قَالَ: لَا."

تَرْجَمَہ: "کہا نہیں۔"

"فَقَالَ: وَلَوْ أَخَذْتُ كَفًّا مِنْ تِبْنٍ فَضَرَبْتُكَ بِهِ أَكَانَ يُوْجِعُكَ؟."

تَرْجَمَہ: "اگر سیمنٹ کی مٹھی تجھے ماروں کیا تکلیف محسوس کرو گے۔"

"قَالَ: لَا."

تَرْجَمَہ: "کہا نہیں۔"

"فَقَالَ: فَلَوْ أَخَذْتُ التُّرَابَ ثُمَّ طَرَحْتُ عَلَيْهِ التِّبْنَ، وَصَبَبْتُ فَوْقَهُمَا الْمَاءَ ثُمَّ مَزَجْتُهَا مَزْجًا، ثُمَّ جَعَلْتُ الْكُتْلَةَ فِي الشَّمْسِ، حَتّٰى يَبِسَتْ، ثُمَّ ضَرَبْتُكَ بِهَا أَكَانَتْ تُوْجِعُكَ؟."

تَرْجَمَہ: "اور اگر میں پانی اور مٹی ملا کر ایک ڈھیلا بناؤں اور وہ دھوپ میں خشک ہو جائے پھر اسے اٹھا کر تمہیں دے ماروں کیا تکلیف ہوگی۔"

"قَالَ: نَعَمْ ...... وَقَدْ تَقْتُلُنِيْ."

تَرْجَمَہ: "اس نے کہا: کیوں نہیں ضرور ہوگی بل کہ اس کے ذریعے تو تم میرا سر بھی پھوڑ سکتے ہو۔"

آپ نے فرمایا بس یہی مثال شراب کی ہے۔ جب حلال اجزا کو ملا کر اسے آگ کی آنچ دی جاتی ہے یا چند دنوں تک اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے تو اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی ذہانت کے عجیب واقعات

جب حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو قاضی بنا دیا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی سمجھ اور ذہانت کے ذریعہ عجیب عجیب فیصلے فرمائے، وہ اتنے معاملہ فہم (معاملہ سمجھنے والے) اور ذہین تھے کہ ان کو اچھے سے اچھے ذہین لوگ بھی دھوکہ نہیں دے سکتے تھے۔ مجرم آدمی کو اس کی بات سے ہی پکڑ لیتے تھے۔ ان میں سے چند واقعے ملاحظہ ہوں۔

پہلا واقعہ

ایک مرتبہ دو شخص ایک مقدمہ لے کر ان کے پاس عدالت میں آئے ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنے ساتھی کو مال بطور امانت دیا تھا، جب میں نے مطالبہ کیا تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔

حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مدعی علیہ (اس کے ساتھی) سے امانت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا:

میں نے مال لیا ہی نہیں یہ جھوٹ بول رہا ہے اور مجھے بدنام کر رہا ہے، اگر اس کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرے ورنہ میں قسم دینے کے لیے تیار ہوں میں بے گناہ ہوں یہ سراسر مجھ پر الزام ہے۔

حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے خداداد بصیرت سے بھانپ لیا کہ یہ جھوٹی قسم کے ذریعے

اپنے ساتھی کے مال کو ہڑپ کرنا چاہتا ہے، تو اس نے مدعی سے پوچھا کہ تو نے اسے کس جگہ اپنا مال بطور امانت دیا تھا؟

اس نے کہا یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک محلّہ ہے وہاں میں نے دیا تھا۔

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے پوچھا وہاں کوئی ایسی نشانی ہے جہاں تم نے اس کو یہ امانت دی تھی؟

اس نے کہا ہاں! وہاں ایک بڑا درخت ہے، ہم نے اس کے سائے میں بیٹھ کر پہلے کھانا کھایا اور پھر میں نے اپنا مال اس کے سپرد کیا۔

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا:

تم ابھی وہاں جاؤ شاید تم کو وہاں یاد آ جائے کہ تم نے اپنا مال کہاں رکھا تھا، کس کو دیا تھا۔ اور اس جگہ کا جائزہ لے کر سیدھے میرے پاس آ جانا اور مجھے آ کر خبر دینا کہ تم کو کیا یاد آیا، وہ شخص اس جگہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مدعی علیہ سے کہا:

اپنے ساتھی کے واپس آنے تک میرے پاس بیٹھے رہو، وہ وہاں خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ دیگر مقدمات نپٹانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن قاضی صاحب دوسرے لوگوں کے معاملات سنتے ہوئے چپکے چپکے اس شخص کی طرف بھی دیکھتے رہتے تھے اور اس طرح وہ اس کے چہرے کے تاثرات معلوم کرنا چاہتے تھے، جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص بالکل آرام وسکون سے بیٹھا ہوا ہے اس کے چہرے پر کوئی خوف و ہراس نہیں تو قاضی صاحب سماعت کے دوران یکدم اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے۔

اور پوچھا آپ کا کیا خیال ہے کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا ہوگا جہاں اس نے مال تیرے سپرد کیا تھا؟

اس نے بے خیالی میں جواب دیا: نہیں! وہ جگہ یہاں سے کافی دور ہے، ابھی وہ راستے میں جا رہا ہوگا۔

قاضی نے غضب ناک ہو کر کہا:

"يَا عَدُوَّ اللّٰه تَجْحَدُ الْمَالَ وَتَعْرِفُ الْمَكَانَ الَّذِيْ أَخَذْتَهٗ فِيْهِ؟ وَاللّٰهِ اِنَّكَ لَخَائِنٌ."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ کے دشمن! ارے تو مال لینے کا انکار کرتا ہے اور اس جگہ کا اعتراف کرتا ہے جہاں تو نے مال لیا تھا، بخدا تو خائن، جھوٹا اور بد دیانت ہے۔"

وہ اچانک یہ جملہ دیکھ کر خوف سے کانپنے لگا اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور امانت واپس کر دی۔

دوسرا واقعہ

اسی طرح ایک اور واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ دو شخص دو شالوں کا مقدمہ لے کر عدالت میں پیش ہوئے ایک شال سبز رنگ کی نئی اور قیمتی تھی اور دوسری سرخ رنگ کی پھٹی ہوئی اور بوسیدہ تھی۔

مدعی نے کہا: میں حوض پر نہانے کے لیے نیچے اترا اور اپنی سبز شال کپڑوں کے ساتھ رکھ کر حوض میں اتر گیا۔

تھوڑی دیر بعد یہ شخص اپنے کپڑے حوض کے کنارے میرے کپڑوں کے پاس ہی رکھ کر نہانے کے لیے حوض میں اتر آیا، لیکن مجھ سے پہلے حوض سے نہا کر نکلا کپڑے پہنے اور میری شال سر پر لی اور چلتا بنا۔

میں اس کے قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا اس کی تلاش میں نکلا بالآخر اسے پکڑنے میں کام یاب ہو گیا۔

قاضی نے مدعی علیہ (دوسرے ساتھی) سے پوچھا تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

اس نے کہا: جناب والا یہ شال میری ہے میرے قبضے میں ہے میں اس کا مالک ہوں، یہ مجھ پہ جھوٹا الزام عائد کرتا ہے۔

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ نے مدعی سے پوچھا تیرے پاس کوئی دلیل ہے کہ یہ شال واقعی تیری ہے۔

اس نے کہا دلیل میرے پاس کوئی نہیں، قاضی نے اپنے دربان سے کہا: ایک کنگھی لاؤ۔

دربان کنگھی لے آیا، قاضی نے دونوں کے سر پر کنگھی پھیر دی ایک کے سر سے سرخ ریشے اور دوسرے کے سر سے سبز ریشے برآمد ہوئے۔ لہٰذا سرخ شال اسے دے دی جس کے سر سے سرخ ریشے نکلے تھے اور سبز شال اس کے سپرد کی جس کے سر سے سبز ریشے برآمد ہوئے تھے۔ اس طرح عدل و انصاف کے مطابق حق والے کو اس کا حق مل گیا۔

تیسرا واقعہ

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کی ذہانت اور فہم و فراست کا ایک اور واقعہ مشہور ہے، وہ یہ کہ کوفہ میں ایک شخص نے چالاکی اور جھوٹ کے ذریعہ یہ مشہور کر دیا کہ وہ بہت نیک ہے اور امانت دار ہے، جب لوگ کہیں سفر پر جاتے تو اس کے پاس پیسہ سونا رکھوا کر جاتے تھے۔

بعض لوگ مرتے وقت یہ وصیت کر جاتے کہ ہمارا مال اس کے سپرد کر دیا جائے اور یہی ہماری اولاد کا سرپرست و نگران ہوگا۔ اس کی جھوٹی شہرت سن کر ایک شخص نے اپنا بہت سا مال اس کے پاس بطور امانت رکھ

دیا، چند دنوں کے بعد جب اسے ضرورت پڑی تو اس نے اپنے مال کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

لیکن اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ اسے یہ صورت حال دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا اور یہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش کر دیا۔

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مقدمہ پیش کرنے والے سے پوچھا کیا مدعی علیہ (جس پر دعویٰ کیا ہے) کو یہ معلوم ہے کہ تم میرے پاس اس کی شکایت لے کر آئے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔

قاضی نے کہا: آج جاؤ اور کل میرے پاس آنا اور ساتھ ہی مدعی علیہ کو بلانے کے لیے پیغام بھیجا، وہ قاضی کا پیغام سنتے ہی عدالت میں آیا قاضی نے اسے بڑے اعزاز واکرام سے بٹھایا اور کہا:

"لَقَدِ اجْتَمَعَ لَدَيَّ مَالٌ كَثِيرٌ لِأَيْتَامٍ لَا كَافِلَ لَهُمْ، وَقَدْ رَأَيْتُ أَنْ أُودِعَهُ لَدَيْكَ، وَأَنْ أَجْعَلَكَ وَصِيًّا عَلَيْهِمْ فَهَلْ مَنْزِلُكَ حَصِينٌ وَوَقْتُكَ مُتَّسِعٌ؟"

تَرْجَمَہ: "(جناب میں نے آپ کی بڑی تعریف سنی ہے آپ لوگوں کی خدمت کا اہم فریضہ سر انجام دے رہے ہیں، میں نے آپ کو اس لیے بلایا کہ) میرے پاس ایسے یتیموں کا کثیر مقدار میں مال ہے، جن کا کوئی وارث نہیں، میں چاہتا ہوں یہ مال آپ کے سپرد کر دوں، جب وہ بڑے ہو جائیں تو آپ ان کے حوالے کر دینا کیا اتنی بڑی مقدار میں مال رکھنے کا آپ کے پاس انتظام ہے، اور آپ کے پاس اتنا وقت بھی ہے کہ اس مال کی نگرانی کر سکیں گے، (کیا گھر میں ایسا مضبوط گودام ہوگا جس میں مال ضائع نہ ہو، کیا یہ مال آپ سنبھالنے کے لیے تیار ہیں)۔"

اس نے بڑے جوش سے کہا:

کیوں نہیں جناب! مجھے اللہ نے پیدا ہی عوام کی خدمت کے لیے کیا ہے بندہ عاجز اس خدمت کے لیے بخوشی تیار ہے۔

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا:

بہت خوب مجھے آپ سے یہی توقع تھی آپ ایسا کریں کہ کل کے بعد (پرسوں) میرے پاس آجانا اور ساتھ دو مزدور بھی لیتے آنا۔ اس نے کہا بہت اچھا یہ کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

دوسرے دن وعدہ کے مطابق مدعی (دعویٰ کرنے والا) قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے پاس آیا۔ قاضی صاحب نے اسے کہا کہ جاؤ آج اس شخص سے جا کر اپنے مال کا مطالبہ کرو، اگر وہ انکار کرے تو اسے کہنا میں تیری شکایت قاضی کے پاس لے کے جا رہا ہوں اس نے ایسے ہی کیا، جا کر اس سے اپنے مال کا مطالبہ کیا اس

نے حسب سابق مال دینے سے انکار کر دیا۔

"فَقَالَ لَهُ: إِذَنْ أَشْكُوكَ إِلَى الْقَاضِيْ."

تَرجَمَہ: "تو اس نے کہا اگر تم میرا مال نہیں دو گے تو میں تمہاری شکایت قاضی کے پاس کروں گا۔"

جب اس نے قاضی کا نام سنا تو فوراً ٹھنڈا پڑ گیا اسے اپنے پاس بٹھایا، اس کی منت کی مال واپس لوٹایا اور کچھ مزید دے کر اسے خوش کرنے کی کوشش کی، تا کہ قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اس بات کا علم نہ ہو۔

وہ اپنا مال لے کر سیدھا قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے پاس گیا اس کا شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ اس نے مجھے میرا حق واپس دے دیا ہے۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، جب وعدے کے مطابق تیسرے روز وہ شخص قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے پاس مزدور لے کر حاضر ہوا، تو اسے دیکھتے ہی قاضی صاحب اس پر برس پڑے اور کہا:

"بِئْسَ الرَّجُلُ اَنْتَ يَا عَدُوَّ اللّٰهِ، لَقَدْ جَعَلْتَ الدِّيْنَ مَصْيَدَةً لِّلدُّنْيَا"

تَرجَمَہ: "بہت ہی برے آدمی ہو تم، اے اللہ کے دشمن! تم نے دنیا کمانے کے لیے دین کو جال بنا رکھا ہے۔"

تمہیں شرم آنی چاہئے! یہ جبہ و دستار اور یہ گھناؤنا کردار۔ میری آنکھوں سے دور ہو جاؤ اور ابھی جا کر سب لوگوں کی امانتیں واپس کرو، ورنہ تمہیں ایسی سزا دوں گا جسے تمہاری آئندہ نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔

وہ ہانپتا کانپتا ہوا واپس گیا اور سب کے مال فوری طور پر واپس کرنے لگا ان سے معافی مانگنے لگا تب جا کر لوگوں کو اس کی اصلیت کا علم ہوا۔

چوتھا واقعہ

قاضی ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اپنی بے پناہ ذہانت، قابل رشک قوت استدلال (طاقت ور دلیل)، ہوشیاری اور حاضر جوابی کے باوجود عدالت میں ایسے اشخاص سے بھی واسطہ پڑ جاتا جو اپنی بات دلائل سے منوا لیا کرتے تھے اور انہیں خاموش ہونے پر مجبور کر دیا کرتے تھے۔

ایسا ہی ایک واقعہ انہوں نے خود بیان کیا، فرماتے ہیں کہ الحمدللہ ایک شخص کے علاوہ آج تک کوئی بھی گفتگو میں مجھ پر غالب نہ آ سکا۔

وہ اس طرح ہوا کہ میں بصرہ کی عدالت میں مقدمات نپٹانے کے لیے بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص میرے پاس آیا اور اس نے بڑے جوش سے کہا:

میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ فلاں باغ فلاں شخص کا ہے اور اس باغ کے بارے میں مجھے کچھ نشانیاں بتلائی کہ وہاں ایسا ہے ایسا ہے۔

"فَأَرَدْتُ أَنْ أَمْتَحِنَ شَهَادَتَهُ."

تَرْجَمَہ: "میں نے اس کی گواہی کا امتحان لینے کے انداز میں پوچھا:"

جس باغ کے متعلق گواہی دے رہے ہو۔ اس میں کتنے درخت ہیں؟

اس نے سر جھکایا پھر سر اٹھا کر بولا:

"مُنْذُ كَمْ يَحْكُمُ سَيِّدُنَا الْقَاضِيْ فِيْ هٰذَا الْمَجْلِسِ؟."

تَرْجَمَہ: "جناب والا گستاخی معاف آپ کتنے عرصے سے اس کمرہ عدالت میں فیصلے سنانے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔"

میں نے کہا: کافی عرصے سے۔

اس نے پوچھا: کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کمرے کی چھت میں کتنی لکڑی کی بلیاں استعمال ہوئی ہیں؟

میں پریشان ہوا اور کہا اس کا مجھے علم نہیں اور ساتھ ہی میں نے شرمندہ ہو کر اسے کہا:

بھئی آپ کی گواہی سچی ہے۔ میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔

پہلے زمانے میں لوگ چھتوں پر بڑی بڑی لکڑیاں لگاتے تھے، پھر اس پر چھت ہوتی تھی۔ اس لیے انہوں نے قاضی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے چھت کی لکڑیوں کے متعلق پوچھا تھا کہ جس طرح آپ نے چھت کی بلیاں نہیں گنی ہیں اسی طرح میں نے باغ کے درخت نہیں گنے۔

خواب کی تعبیر صحیح نکلی

جب حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ چھہتر (۷۶) برس کے ہوئے تو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ اور ان کے والد محترم دو گھوڑوں پر سوار برابر دوڑے جارہے ہیں، نہ کوئی ایک قدم آگے ہے اور نہ پیچھے، ان کے والد محترم چھہتر برس کے ہو کر فوت ہوئے تھے۔

ایک رات حضرت ایاس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے تھے، گھر والوں سے کہا:

"أَتَدْرُوْنَ أَيُّ لَيْلَةٍ هٰذِهٖ؟."

تَرْجَمَہ: "کیا تم جانتے ہو یہ رات کون سی ہے؟"

انہوں نے کہا نہیں، فرمایا:

”فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ اسْتَكْمَلَ أَبِي عُمُرَهُ.
فَلَمَّا أَصْبَحُوْا، وَجَدُوْهُ مَيِّتًا.“

تَرْجَمَۃ: ”یہ وہ رات ہے جس میں اباجان نے اپنی عمر تمام کی تھی یہ کہا اور سو گئے، جب گھر والوں نے صبح دیکھا تو یہ ابدی نیند سو چکے تھے۔“

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

اللہ تعالیٰ قاضی ایاس بن معاویہ پر اپنی بے پناہ رحمتوں کی بارش نازل فرمائے (آمین) وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک کرشمہ تھے، زمانے کے عجائب میں سے ایک عجیب شخص تھے، سمجھ داری ہوشیاری و حاضر جوابی میں ذہین ترین شخص تھے۔

فوائد ونصائح

قاضی ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے حالات پر غور کرنے کے بعد مندرجہ ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ انسان کے ذہن کو اس وقت زیادہ قوی، فصیح و بلیغ بناتا ہے جب وہ قرآن کریم کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرتا ہے اور دین کا علم سیکھ کر دوسروں کو سکھانے میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتا ہے اور ہمیشہ سچ بولتا ہے، کسی کو ذہنی، جسمانی اور زبانی تکلیف نہیں پہنچاتا ہے۔

ذہن یا حافظہ (یادداشت) کا قوی ہونا ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ ہمیں بھی اپنا حافظہ بڑھانے کے لیے یہ چار کام کرنے چاہئیں۔

❶ جس کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا فرمائی ہے، اس پر اسے شکر ادا کرنا چاہئے۔ ہرگز ہرگز زبان سے ایسے الفاظ ادا نہ کئے جائیں جس سے ناشکری کا اظہار ہو۔

❷ چھوٹے بڑے تمام گناہوں سے بچنا چاہئے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مسلمانوں کے ایک بہت بڑے امام گزرے ہیں انہوں نے اپنے استاد سے حافظہ کی کمی کی شکایت کی۔ چناں چہ انہوں نے حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو یہ وصیت فرمائی:

شَكَوْتُ إِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَأَوْصَانِيْ إِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ

لِأَنَّ الْحِفْظَ فَضْلٌ مِّنْ اِلٰهِيْ
وَفَضْلُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِيْ

تَرْجَمَہ: ''میں نے اپنے استاد وکیع سے حافظہ کی کمی کی شکایت کی تو آپ نے چھوٹے بڑے گناہوں کو چھوڑنے کی ہدایت کی کیوں کہ حافظہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اور اللہ تعالیٰ کا فضل گناہگاروں کو نہیں دیا جاتا۔

۳ تیسرا کام یہ کہ عشاء کے فوراً بعد سو جائیں، زیادہ دیر تک جاگنے سے بھی حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ رات اللہ تعالیٰ نے سونے کے لیے بنائی ہے اس میں زیادہ دیر تک جاگنا مناسب نہیں۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ نے عشاء کے بعد گپ شپ کو منع فرمایا ہے۔

حضرت ابو برزہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں:

''اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا.''[1]

تَرْجَمَہ: ''رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونے اور عشاء کے بعد گپ شپ کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔''

۴ چوتھا کام یہ کہ روزانہ صبح نہار منہ تین، پانچ، یا سات بادام استعمال کریں۔

ان ساری باتوں کا اہتمام کرنے سے اللہ تعالیٰ حافظہ بڑھا دے گا۔ اور ہر فرض نماز کے بعد حافظہ کے مضبوط ہونے کے لیے بھی دعا ضرور مانگیں۔

مُذاکِرہ

سُؤال: ابو تمام نے احمد بن المعتصم کی تعریف میں چار آدمیوں کے کون سے کارنامے گنوائے تھے؟

سُؤال: اسکول میں حضرت ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے استاد کی بات کا کیا جواب دیا؟

سُؤال: عبدالملک بن مروان نے راستے میں جاتے ہوئے جب حضرت ایاس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی عمر دریافت کی تو انہوں نے کیا جواب دیا؟

سُؤال: قاضی ایاس بن معاویہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی ذہانت کے واقعات کی طرح آپ بھی اپنے ساتھ پیش آنے والا کوئی واقعہ لکھیں۔

---

[1] مُسْنَدُ اَحْمَدَ رَقْم: ۱۹۲۸۲، ۵/۰۸۰

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ

اور ان کے فرزند عبدالملک رحمہ اللہ تعالیٰ

"أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ نَجِيْبًا ...... وَأَنَّ نَجِيبَ بَنِي أُمَيَّةَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، وَأَنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أُمَّةً وَحْدَهُ" (محمد بن علی بن الحسن رضی اللہ تعالٰی عنہ)

ترجمہ: "ہر قوم کا ایک عقل مند ہوتا ہے اور بنو امیہ کے عقل مند عمر بن عبدالعزیز ہیں اور قیامت کے دن وہ ایک پوری امت کی طرح اٹھائے جائیں گے۔"

تواضع وانکساری

جلیل القدر تابعی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے سے پہلے خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کو دفنا کر ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے آس پاس زمین پہ تھرتھراہٹ کی آواز سنی پوچھا یہ کیا ہے؟

پاس کھڑے لوگوں نے بتایا: جناب آپ کی سواری کے لیے یہ سرکاری گاڑیوں کی نقل وحرکت ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک جھلک دیکھا اور دھیمی لرزتی ہوئی آواز سے جس طرح کہ کوئی کم زور تھکا ہوا شخص بولتا ہے بولے:

مَالِيْ وَلَهَا؟ ......

نَحُّوْهَا عَنِّيْ بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ......

وَقَرِّبُوْا لِيْ بَغْلَتِيْ، فَإِنَّ لِيْ فِيْهَا بَلَاغًا.

ترجمہ: "میرا ان گاڑیوں سے کیا واسطہ؟ ان سواریوں کو مجھ سے دور کردو، اللہ تعالیٰ تمہیں برکت عطا فرمائے۔ اور میرے لیے تو میری پرانی سواری میرا خچر ہی لے آؤ میں اسی پر سوار ہو جاؤں گا۔"

ابھی خچر پر بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ حفاظتی فوج کا چاق وچوبند کمانڈر آپ کے آگے آگے چلنے کے لیے آ پہنچا اور اس کے دائیں بائیں حفاظتی دستے کے چوکس جوان تھے، جنہوں نے ہاتھوں میں چمک دار نیزے پکڑے ہوئے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: مجھے فوج وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ چلے، میں تو عام مسلمانوں کی طرح کا ایک فرد ہوں جس طرح عام آدمی صبح گھر سے نکلتا ہے اور شام کو لوٹ آتا ہے، اسی طرح میں بھی عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کروں گا۔

یہ کہہ کر آپ چل پڑے، لوگ بھی آپ کے ساتھ چل پڑے، آپ مسجد میں تشریف لائے۔ اعلان کیا گیا:

"اَلصَّلاَۃُ جَامِعَۃٌ، اَلصَّلاَۃُ جَامِعَۃٌ."

تَرجَمَہ: "سب لوگ مسجد میں جمع ہوجائیں۔"

اعلان سنتے ہی لوگ مسجد کی طرف تیزی سے چلنے لگے اور ہر طرف سے گروہ در گروہ مسجد میں داخل ہونے لگے، جب لوگ جمع ہوئے تو آپ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے خطبہ کے بعد فرمایا:

"أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّيْ قَدِ ابْتُلِيْتُ بِهٰذَا الْأَمْرِ عَلٰى غَيْرِ رَأْيٍ مِنِّيْ فِيْهِ ...... وَلَا طَلَبٍ لَهُ ......

وَلَا مَشْوْرَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ......

وَ إِنِّيْ خَلَعْتُ مَا فِي أَعْنَاقِكُمْ مِنْ بَيْعَتِي ......

فَاخْتَارُوْا لِأَنْفُسِكُمْ خَلِيْفَةً تَرْضَوْنَهُ ...."

تَرجَمَہ: "لوگو! مجھے ایک ذمہ داری سونپی گئی ہے جس کے متعلق نہ مجھ سے مشورہ لیا گیا ہے اور نہ دیگر مسلمانوں سے اس کے متعلق مشورہ لیا گیا اور نہ ہی میں (خلافت کی) اس اہم ذمہ داری کو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ میری طرف سے تمہیں کھلی چھٹی ہے جسے چاہو اپنا خلیفہ منتخب کرلو۔"

یہ سن کر مجمع بیک وقت بآواز بلند پکار اٹھا:

"قَدِ اخْتَرْنَاكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَرَضِيْنَابِكَ."

تَرجَمَہ: "اے امیر المؤمنین! ہم آپ کو منتخب کرتے ہیں، اور ہم اس پر راضی ہیں کہ آپ ہمارے خلیفہ ہوں۔"

آپ حکومت کی باگ ڈور سنبھالیں (یعنی اقتدار) اللہ آپ کا حامی و ناصر ہوگا۔ جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی کہ کوئی ایک بھی آواز اس کے خلاف نہیں اٹھی اور سب اس پر مطمئن ہیں کہ میں اس ذمہ داری کو سنبھالوں، تو آپ نے دوبارہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور درود و سلام پڑھا اور لوگوں کو تین نصیحتیں فرمائیں:

"وَطَفِقَ يَحُضُّ النَّاسَ عَلَى التَّقْوٰى......

وَيُزَهِّدُهُمْ فِيْ الدُّنْيَا......

وَيُرَغِّبُهُمْ فِي الْآخِرَةِ......

وَيُذَكِّرُهُمْ بِالْمَوْتِ بِلَهْجَةٍ تَسْتَلِيْنُ الْقُلُوْبَ الْقَاسِيَةَ، وَتَسْتَدِرُّ الدُّمُوْعَ الْعَاصِيَةَ، وَتَخْرُجُ مِنْ فُؤَادِ صَاحِبِهَا فَتَسْتَقِرُّ فِي أَفْئِدَةِ السَّامِعِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "① تقویٰ اختیار کرو یعنی گناہوں سے بچو۔

② دنیا کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی فکر نہ کرو۔

③ آخرت کے لیے اعمال زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی فکر کرو اور آپ نے موت کی تیاری کی ترغیب دی (کہ ایک دن سب کچھ چھوڑ کر یہاں سے جانا ہے اس دن کی تیاری کرلو جس دن یہاں سے اکیلے جانا ہوگا)۔

دل سے نکلی ہوئی بات دل پر اثر کرتی ہے یہ باتیں ایسی اثر کرتی گئیں کہ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور سخت سے سخت دل بھی نرم ہوتے گئے۔"

پھر آپ نے دل سوز، تھکاوٹ نما، لیکن قدرے بلند آواز میں کہا:

أَيُّهَا النَّاسُ، مَنْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَجَبَتْ طَاعَتُهُ ......

وَمَنْ عَصَى اللّٰهَ فَلَا طَاعَةَ لَهُ عَلٰى أَحَدٍ......

أَيُّهَا النَّاسُ، أَطِيْعُوْنِيْ مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ فِيْكُمْ......

فَإِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ فَلَا طَاعَةَ لِيْ عَلَيْكُمْ.

تَرْجَمَہ: "اے لوگو! جو حاکم اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار ہو اس کا کہا مانو اور جو اللہ کا نافرمان ہو اس کی بات ماننے کی کوئی ضرورت نہیں، لوگو: سنو! جب تک میں اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار رہوں تو میری بات مانتے رہنا، اور جب کبھی اللہ کی نافرمانی پر اتر آؤں تو تم میرے احکامات کو ٹھکرا دینا۔"

پھر منبر سے اترے اور سیدھے گھر گئے، اپنے کمرے میں جا کر کچھ دیر آرام کرنے کے لیے بستر پر لیٹ گئے، کیوں کہ اپنے سے پہلے خلیفہ کی وفات کے موقع پر شرکت کرنے اور ان کے کفن دفن کی وجہ سے آپ بہت تھک چکے تھے۔

جیسا باپ ویسا بیٹا

حضرت امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز (اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے) ابھی اپنے بستر پر پہلو کے بل لیٹے ہی تھے کہ ان کا سترہ سالہ (صالح بیٹا) عبدالملک کمرے میں داخل ہوا۔

اس نے کہا: امیر المؤمنین آپ کیا کرنا چاہتے ہیں؟

فرمایا: بیٹا میں تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں اس لیے کہ اب میرے جسم میں طاقت نہیں ہے میں بہت تھک چکا ہوں، بیٹے نے کہا:

"أَتَغْفُوْ قَبْلَ أَنْ تَرُدَّ الْمَظَالِمَ إِلٰى أَهْلِهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟!!"

تَرجَمَہ: امیر المؤمنین! کیا آپ مظلوم لوگوں کی فریاد سنے بغیر ہی سو جانا چاہتے ہیں؟

ان کا وہ مال جو ظلم سے چھینا گیا ہے انہیں واپس کون دلائے گا؟ فرمایا: بیٹا! چوں کہ میں تمہارے چچا خلیفہ سلیمان کی وفات کی وجہ سے گزشتہ ساری رات جاگتا رہا، تھکاوٹ کی وجہ سے میرے جسم میں طاقت نہیں۔

ان شاء اللہ تھوڑا آرام کرنے کے بعد نماز ظہر لوگوں کے ساتھ پڑھوں گا اور پھر یقیناً مظلوموں کی فریاد رسی ہوگی اور ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے گا، کوئی محروم نہیں رہے گا۔ بیٹے نے کہا:

وَمَنْ لَكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِأَنْ تَعِيْشَ إِلَى الظُّهْرِ؟!.

فَأَلْهَبَتْ هٰذِهِ الْكَلِمَةُ عَزِيْمَةَ عُمَرَ......

وَأَطَارَتِ النَّوْمَ مِنْ عَيْنَيْهِ

وَبَعَثَتِ الْقُوَّةَ وَالْعَزْمَ فِيْ جَسَدِهِ الْمُتْعَبِ، وَقَالَ:

اُدْنُ مِنِّيْ أَيْ بُنَيَّ.

فَدَنَا مِنْهُ، فَضَمَّهُ إِلَيْهِ وَقَبَّلَ مَا بَيْنَ عَيْنَيْهِ:

تَرجَمَہ: "امیر المؤمنین! اس کی کون ضمانت دیتا ہے کہ آپ ظہر تک زندہ رہیں گے۔ بیٹے کی یہ بات سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ تڑپ اٹھے، آنکھوں سے نیند جاتی رہی تھکے ہوئے جسم میں دوبارہ توانائی لوٹ آئی اور یک دم بیٹھ گئے اور فرمایا: بیٹا ذرا میرے قریب آؤ۔"

بیٹا قریب ہوا تو اسے گلے لگا کر پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَخْرَجَ مِنْ صُلْبِيْ مَنْ يُعِيْنُنِيْ عَلٰى دِيْنِيْ."

تَرجَمَہ: "اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے ایسا نیک فرزند عطا کیا جو دینی معاملے میں میری اعانت کرتا ہے۔"

پھر آپ اٹھے حکم دیا کہ یہ اعلان کردیا جائے کہ جس پر کوئی ظلم ہوا ہے وہ اپنا مقدمہ خلیفہ کے سامنے آ کر پیش کرے۔

یہ امیر المؤمنین کا بیٹا عبدالملک کون ہے؟

اس نوجوان کی خوبی کیا ہے جس کے متعلق لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اپنے والد کو عبادت گذاری پر اکسایا، آیئے اب اس نیک وصالح نوجوان کا قصہ ابتداء سے آپ کو سناتے ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے بارہ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں، تمام اولاد متقی، پرہیزگار اور نیک تھی اپنے بہن بھائیوں میں حضرت عبدالملک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ایک چمکتے ستارے کی طرح تھے یا جس طرح پورے ہار کے اندر بیچ والا حصہ ہوتا ہے۔ اس طرح نیک تھے اور نیک وپرہیزگار ہونے کے ساتھ بالکل بھولے بھالے نہیں تھے بل کہ بہت ذہین اور ماہر تجربہ کار لوگوں کی طرح سمجھ رکھتے تھے۔

یوں تو وہ نوجوان تھے لیکن عقل وسمجھ میں بوڑھوں کو بھی پیچھے کر دیتے تھے۔ انھوں نے بچپن ہی سے اپنی زندگی نیکی کے کاموں میں اور گناہوں سے بچنے میں گذاری۔

ان میں خاندان فاروق اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے اوصاف پائے جاتے تھے، خاص طور پر تقویٰ، پاکیزگی اور خشیت الٰہی (اللہ سے ڈرنے) میں ان پر حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا مزاج غالب تھا۔

عبدالملک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی عبادت میں مشغولیت

ان کے چچا زاد بھائی عاصم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ دمشق گیا اور وہاں اپنے چچا زاد بھائی عبدالملک کے پاس ٹھہرا، ابھی اس کی شادی نہیں ہوئی تھی، ہم نے عشاء کی نماز پڑھی اور سونے کے لیے دونوں اپنے اپنے بستر پر لیٹ گئے عبدالملک نے چراغ بجھا دیا، ہم دونوں نیند کے ارادہ سے سوگئے، جب آدھی رات کو میری آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبدالملک اندھیرے میں کھڑا نماز پڑھ رہا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کر رہا ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''بھلا دیکھو تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں، پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آپڑے، تو ان کا وہ عیش کس کام آسکتا ہے۔''[2]

میں نے دیکھا کہ وہ اسی آیت کی بار بار تلاوت کر رہا ہے اور روتا جا رہا ہے مجھے ڈر لگا کہ کہیں روتے روتے اس کا انتقال نہ ہوجائے، تو میں نے قدرے اونچی آواز سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہا۔

میں نے یہ جملہ اس انداز میں کہا جیسے کوئی نیند سے بیدار ہوتے وقت کہتا ہے۔ میری نیت یہ تھی کہ وہ

---

[1] شعراء: ۲۰۵ تا ۲۰۷ [2] از بیان القرآن: ص ۷۳۸

میری آواز سن کر رونا بند کردے ایسا ہی ہوا جب اس نے میری آواز سنی وہ خاموش ہوگیا ایسا خاموش ہوگیا جیسے وہ کمرے میں موجود ہی نہیں۔

علم میں مہارت

اس نیک و صالح نوجوان نے اکابر علماء کرام سے قرآن کریم اور احادیثِ نبویہ کا علم حاصل کیا اور اس میں اتنی مہارت پیدا کی، کہ شام کے علما وفقہا کی مجلس میں بیٹھ کر ان سے علمی گفتگو کیا کرتا تھا اور ان پر فوقیت حاصل کرتا تھا۔

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے شامی علما وفقہا کو اکٹھا کیا اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کرتے ہوئے فرمایا: اے علما کرام اور فقہائے عظام! میں نے تم کو اس لیے دعوت دی ہے کہ تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں، میرے خاندان میں سے جن اشخاص نے لوگوں کا مال ظلم سے چھینا ہے ان کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

کیا میرے ذمہ ہے کہ ان لوگوں کا مال لوٹاؤں؟

سب نے یہ جواب دیا: اے امیر المؤمنین! یہ کام آپ کے دورِ حکومت میں نہیں ہوا، اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں آتی، اس کا گناہ اسی پر ہوگا جس نے مال چھینا ہے آپ بری الذمہ ہیں، لیکن علما کے اس بیان سے آپ مطمئن نہ ہوئے۔

ایک عالم جو دیگر علما سے مختلف رائے رکھتے تھے، فرمانے لگے:

امیر المؤمنین آپ اپنے بیٹے عبدالملک کو بلائیں، وہ ماشاء اللہ علم، فقہ اور عقل و سمجھ داری میں ایک خاص درجہ رکھتا ہے اس مسئلہ میں اس کی رائے دریافت کریں۔

انہیں بلایا گیا۔ جب عبدالملک پیغام کے مطابق دربار خلافت میں پہنچے تو امیر المؤمنین نے کہا:

"مَا تَرٰی فِيْ هٰذِهِ الْأَمْوَالِ الَّتِيْ أَخَذَهَا بَنُوْ عَمِّنَا مِنَ النَّاسِ ظُلْماً......؟"

تَرْجَمَۃ: "بیٹا ان اموال کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے، جو ہمارے چچا کے بیٹوں نے لوگوں سے چھینے ہیں؟"

"وَقَدْ حَضَرَ أَصْحَابُهَا وَجَعَلُوْا يَطْلُبُوْنَهَا، وَقَدْ عَرَفْنَا حَقَّهُمْ فِيْهَا؟!."

تَرْجَمَۃ: "کیوں کہ مظلوم لوگ اس وقت اپنا حق وصول کرنے کے لیے میرے پاس آئے ہوئے ہیں۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ چھینے ہوئے مال پر ان کا ہی حق ہے۔"

بیٹے نے جواب دیا:

"أَرٰى أَنْ تَرُدَّهَا إِلٰى أَصْحَابِهَا مَا دُمْتَ قَدْ عَرَفْتَ أَمْرَهَا ......
وَ إِنَّكَ إِنْ لَمْ تَفْعَلْ، كُنْتَ شَرِيْكًا لِلَّذِيْنَ أَخَذُوْهَا ظُلْمًا."

تَرجَمۃ: ''ابا جان! ان مظلوموں کی فریاد رسی کرتے ہوئے ان کا مال واپس لوٹانا آپ کا فرض ہے، اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ بھی اس ظلم میں برابر کے شریک سمجھے جائیں گے۔''

(کیوں کہ آپ کو اس ظلم کا علم ہو چکا ہے۔ اور آپ اس ظلم کے دور کرنے کی قدرت اور طاقت بھی رکھتے ہیں لہٰذا اس سے نجات آپ کا فرض ہے)۔ یہ بات سن کر امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کا چہرہ کھل اٹھا، دلی اطمینان ملا اور وہ غم ختم ہوا جس نے آپ کو نڈھال کر رکھا تھا۔ اور الحمد للہ بے چینی والی کیفیت صحیح مشورہ ملنے پر ختم ہوگئی۔

خاندانِ فاروق اعظم رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے اس عظیم سعادت مند بیٹے نے دمشق کے پر رونق بازار، لہلہاتے ہوئے تر و تازہ باغات، دل پسند دل کش ٹھنڈے سایہ دار درخت اور بل کھاتی ہوئی رواں دواں (تیزی سے چلتی ہوئی) ندیوں کے دل فریب مناظر کو چھوڑ کر پہاڑی سرحدی علاقے کو اپنی رہائش کے لیے منتخب کیا، تاکہ ہر دم ہر گھڑی حالتِ جہاد میں رہنے کی سعادتیں حاصل ہوں۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کو اس بات کا علم ہونے کے باوجود کہ ان کا بیٹا، عقل مند، لائق، متقی، باادب اور پرہیزگار ہے، پھر بھی انہیں اندیشہ لاحق رہتا کہ کہیں ان کا بیٹا شیطان کے داؤ میں نہ آجائے، وہ جوانی کی بے راہ روی (گم راہ ہونے) سے بہت خوف زدہ تھے اور اپنے فرزند کے متعلق ہر طرح کی معلومات رکھتے اور کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کی اپنے بیٹے کو نصیحت

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کے وزیر، قاضی اور مشیر جناب میمون بن مہران بیان کرتے ہیں:

میں ایک دن خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس گیا، وہ اپنے بیٹے عبد الملک کو خط لکھ رہے تھے جس میں نصیحت، رہنمائی، تنبیہ اور بشارت پر مبنی جملے لکھے۔

اس خط میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حضور اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر درود شریف کے بعد لکھا کہ بیٹا! میری بات کو سمجھنے اور اس کو یاد رکھنے کے زیادہ اہل تم ہی ہو بہ نسبت اوروں کے سوچو!

"وَ إِنَّ اللّٰهَ وَلَهُ الْحَمْدُ قَدْ أَحْسَنَ إِلَيْنَا فِيْ صَغِيْرِ الْأَمْرِ وَكَبِيْرِهِ
فَاذْكُرْ يَا بُنَيَّ فَضْلَ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَيْكَ
وَ إِيَّاكَ وَالْكِبْرَ وَالْعَظَمَةَ، فَإِنَّهَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ."

تَرْجَمَہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ہم پہ کتنے کرم کیے ہیں، ہر چھوٹے بڑے کام میں اس نے ہم پر بے انتہا احسانات کیے، بیٹا! اللہ تعالیٰ کے اس فضل کو یاد کرو جو اس نے تم پر اور تمہارے والدین پر کیا ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور تکبر، فخر و غرور سے بہت بچنا کہ بلاشبہ یہ شیطانی اوصاف ہیں اور شیطان مؤمنوں کا ازلی دشمن ہے۔"

بیٹا! یہ خط میں تمہیں اس لیے نہیں لکھ رہا کہ مجھے کوئی تمہاری شکایت ملی ہے۔ الحمد للہ! تمہارے بارے میں مجھے تعریف ہی سننے کو ملی ہے البتہ یہ مجھے معلوم ہوا ہے، کہ تمہارے دل میں اپنے آپ کو اچھا اور بڑا سمجھنا جیسے خیالات جگہ پا رہے ہیں، یاد رکھو!

"وَلَوْ اَنَّ هٰذَا الْإِ عْجَابَ خَرَجَ بِكَ اِلٰى مَا اَكْرَهُ، لَرَاَيْتَ مِنِّيْ مَاتَكْرَهُ."

تَرْجَمَہ: "اگر اس تکبر کی وجہ سے کوئی ایسا کام تم نے کیا جو مجھے پسند نہیں تو میں ایسی سزا دوں گا جو تم کو پسند نہیں ہوگی۔"

پھر امیر المؤمنین نے میمون وزیر کی طرف متوجہ ہو کر ایک بڑی عجیب بات فرمائی جو ہر والد کو یاد رکھنے کی ہے۔ فرمایا:

اے میمون! مجھے میرے بیٹے عبدالملک کے ساتھ بہت ہی محبت ہے، مجھے یہ اندیشہ ہے کہ میں اسی محبت میں اتنا اندھا نہ ہو جاؤں کہ اس کی بری باتوں پر بھی پردہ ڈالتا جاؤں اور اس کی تربیت سے غافل ہو جاؤں، جس طرح اکثر والدین کی محبت ان کو بچوں کے عیوب پر سمجھانے اور ٹوکنے سے غافل کر دیتی ہے، جس سے اولاد کے اندر بے شمار عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا تم ابھی دمشق جاؤ اور چپکے چپکے حالات معلوم کرتے رہو کہیں اس نوجوان میں غرور و تکبر کی بیماری تو پیدا نہیں ہو رہی کیوں کہ وہ ابھی کم عمر ہے، شیطان اس پر قابو نہ پالے۔

عبدالملک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی تواضع وانکساری

میمون کہتے ہیں میں دمشق کی طرف روانہ ہوا۔ عبدالملک کے گھر پہنچا، اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے دیکھا کہ ماشاء اللہ ایک نوجوان بڑی عاجزی کے ساتھ سفید قالین پر بیٹھا ہوا ہے، یوں معلوم ہوتا

تھا جیسے آسمان سے زمین پر چاند اتر آیا ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر مجھے خوش آمدید کہا:

جب میں اس کے پاس بیٹھ گیا تو اس نے کہا:

میں نے ابا جان سے آپ کی تعریف سنی ہے، مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے امت کے افراد کو فائدہ پہنچائے گا۔ میں نے کہا:

"كَيْفَ تَجِدُ نَفْسَكَ؟."

تَرجَمہ: "تمہارا کیا حال ہے؟"

اس نے جواب دیا اللہ کا احسان اور شکر ہے، اَلْحَمْدُلِلّٰہِ میں بالکل ٹھیک ہوں لیکن مجھے ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ میرے والد کا میرے بارے میں نیک گمان مجھے دھوکہ نہ دے دے، کیوں کہ جیسا وہ مجھے نیک سمجھ رہے ہیں ویسا میں نہیں ہوں یعنی کہیں مجھ سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس سے میرے والد محترم کے دل کو ٹھیس پہنچے اور مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں ان کی میرے ساتھ محبت میرے متعلق درست معلومات حاصل کرنے میں رکاوٹ نہ بن جائے اور میں ان کے لیے ایک مصیبت بن جاؤں۔

مجھے اس نوجوان کی باتیں سن کر بڑا تعجب ہوا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ باپ اور بیٹے کی سوچ کس قدر ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا:

"أَعْلِمْنِيْ مِنْ أَيْنَ مَعِيشَتُكَ؟."

تَرجَمہ: "مجھے یہ بتاؤ تمہارا گزارہ کیسے چلتا ہے؟"

اس نے بتایا:

"مِنْ غَلَّةِ أَرْضٍ اِشْتَرَيْتُهَا مِمَّنْ وَرِثَهَا عَنْ أَبِيْهِ، وَدَفَعْتُ ثَمَنَهَا مِنْ مَالٍ لَا شُبْهَةَ فِيْهِ، فَاسْتَغْنَيْتُ بِذٰلِكَ عَنْ فَيْءِ الْمُسْلِمِيْنَ."

تَرجَمہ: میں نے یہاں آتے ہی زمین کا ایک ٹکڑا خرید لیا تھا۔ اور اس کی قیمت میں نے اپنی ایسی کمائی سے ادا کی ہے جس کے حلال ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں، اس زمین سے مجھے اتنا کچھ مل جاتا ہے جو میرے گذارے کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور مجھے مسلمانوں کے مالوں سے بے نیاز کر دیتا ہے۔"

میں نے پوچھا تمہاری خوراک کیا ہے؟

اس نے بتایا کبھی گوشت، کبھی دال اور کبھی سرکہ اور یہی میرے لیے کافی ہے۔

میں نے پوچھا کیا تم اپنے اندر فخر اور تکبر کو تو محسوس نہیں کرتے؟

اس نے بتایا:

ہاں! میرے دل میں خود پسندی کے جذبات پائے جاتے تھے، لیکن جب سے ابا جان نے مجھے سمجھایا اور شفقت بھرے انداز میں مجھے اس قباحت سے باز رہنے کی تلقین کی۔ میں نے اسے اپنے دل سے بالکل نکال دیا ہے۔ اب میرا دل بالکل صاف ہے، اور یہ ابا جان کا مجھ پہ بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ میرے ابا جان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

میں عبدالملک کے پاس کافی دیر بیٹھا، کھل کر باتیں ہوئیں، ماشاء اللہ دوران گفتگو میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑھ کر خوب صورت، عقل مند اور نوعمری کے باوجود باادب اور لائق، ہنر مند کوئی نوجوان نہیں دیکھا۔

جب شام ہوئی ایک خادم اس کے پاس آیا، اس نے بتایا:

"اَصۡلَحَكَ اللّٰهُ قَدۡ فَرَغۡنَا."

ترجمہ: "اللہ آپ کے کام بہتر بنائے، ہم فارغ ہو چکے ہیں۔"

پھر وہ خاموش ہو گیا۔

میں نے پوچھا یہ کس کام سے فارغ ہوئے ہیں؟

اس نے بتایا: حمام سے۔

میں نے پوچھا وہ کیسے؟

اس نے بتایا کہ انہوں نے میرے لیے غسل خانہ خالی کروایا ہے اب میں اس میں نہاؤں گا۔

میں نے کہا:

جناب یہ سن کر مجھے حیرت ہوئی ہے، تم سے مجھے یہ توقع نہ تھی۔

میرا یہ انداز دیکھ کر وہ ڈر گیا اس نے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رَاجِعُوۡنَ" پڑھا اور پوچھا چچا جان اللہ آپ پر رحم کرے کیا ہوا؟

میں نے اسے کہا:

یہ غسل خانہ تمہارا ہے؟

اس نے بتایا: نہیں۔

میں نے کہا: پھر تمہیں اس کو خالی کرانے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

گویا تم اپنے آپ کو لوگوں سے بلند اور بڑا سمجھتے ہو کہ میں عام لوگوں کی طرح لائن میں لگ نہیں سکتا۔

اور تم نے غسل خانے کے مالک کو بھی نقصان پہنچایا ہے اور جو لوگ غسل خانہ استعمال کرنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ان کو بھی تمہاری وجہ سے دشواری اٹھانا پڑی یہ سب کچھ کیا ہے؟

تمہیں یہ بات قطعاً زیب نہیں دیتی۔

وہ میری کڑوی باتیں سن کر مسکرایا اور بڑے ادب سے کہنے لگا:

چچا جان ناراض نہ ہوں میں غسل خانے کے مالک کو دن بھر کی اجرت دے کر خوش کرلوں گا۔

میں نے کہا: اس طرح تم وہ فضول خرچی کرو گے جس میں تکبر کی ملاوٹ بھی پائی جاتی ہے۔ یاد رکھو! تم بھی دوسرے مسلمانوں جیسے ہو، عام لوگوں کی طرح تم بھی حمام استعمال کرنے کے لیے جایا کرو۔

اس نے کہا چچا جان! دراصل بعض اوقات غیر مہذب قسم کے لوگ پردہ کا اہتمام کئے بغیر نہاتے ہیں مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس لیے میں اکیلا نہانا پسند کرتا ہوں اور یہی ایک طریقہ ہے جس سے دوسروں پر بدنگاہی سے حفاظت کی جاسکتی ہے۔

اور مجھے لوگوں پر جبر (زبردستی) کرنا اچھا نہیں لگتا کہ لوگ سمجھیں بادشاہ کا بیٹا ہونے کی بنا پر ہم پر زور چلا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں عافیت کے ساتھ اس سے چھٹکارا دے دے یا آپ مجھے کوئی تدبیر بتائیں کہ میں کیا کروں اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔

میں نے کہا کہ تم لوگوں کی فراغت کا انتظار کیا کرو۔ جب وہ حمام میں غسل کرکے اپنے اپنے گھر چلے جائیں تو پھر تم نہانے کے لیے جایا کرو۔

اس نے کہا: میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایسے ہی کیا کروں گا۔ آج کے بعد کبھی بھی دن کے وقت حمام کا رخ نہیں کروں گا۔ دراصل اس علاقے کی سردی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں پہلے بھی دن کو حمام کا رخ نہ کرتا۔

پھر وہ سر نیچا کرکے کچھ سوچنے لگا، پھر سر اوپر اٹھایا اور مجھے کہا:

"أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ لَتَطْوِيَنَّ هٰذَا الْخَبَرَ عَنْ أَبِيْ، فَإِنِّيْ أَكْرَهُ أَنْ يَظَلَّ سَاخِطاً عَلَيَّ

......

وَ إِنِّيْ لَأَخْشٰى أَنْ يَحُوْلَ الْأَجَلُ دُوْنَ الرِّضَا مِنْهُ."

تَرْجَمَۃ: "بخدا! یہ بات میرے ابا جان کو نہ بتانا انہیں یہ سن کر دلی کوفت (پریشانی) ہوگی، میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھ پر ناراض ہوں اور اسی حالت میں ان کا انتقال ہوجائے اور میں دور ہونے کی وجہ سے معافی بھی نہ مانگ سکوں۔"

میمون بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایسے نازک موقع پر اس کی عقل و سمجھ کا امتحان لینے کا ارادہ کیا۔

میں نے کہا اگر امیر المؤمنین نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے اس میں کوئی بری عادت تو نہیں دیکھی؟ تمہارا کیا خیال ہے میں ان کے سامنے جھوٹ بولوں؟

اس نے کہا: چچا جان!

لَا ...... مَعَاذَاللّٰهِ ...... وَلٰكِنْ قُلْ لَهُ:

رَأَيْتُ مِنْهُ شَيْئًا فَوَعَظْتَهُ وَكَبَّرْتَهُ فِيْ عَيْنِهِ، فَسَارَعَ إِلَى الرُّجُوْعِ عَنْهُ، فَإِنَّ أَبِيْ لَا يَسْأَلُكَ عَنْ كَشْفِ مَا لَمْ تُظْهِرْهُ لَهُ. لِأَنَّ اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ قَدْ أَعَاذَهُ مِنَ الْبَحْثِ عَمَّا اسْتَتَرَ.

تَرْجَمَۃ: ''معاذ اللہ! اللہ کی پناہ آپ جھوٹ نہ بولیں، اس سے اللہ بچائے جب ابا جان یہ سوال کریں تو آپ پوری وضاحت سے یہ کہہ دینا کہ میں نے ایک بری عادت دیکھی تھی۔ لیکن میں نے اسے سمجھا دیا اور وہ باز آ گیا۔ مجھے امید ہے کہ ابا جان پوشیدہ عیب کو کریدیں گے نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوشیدہ عیوب کو کریدنے (ظاہر کرنے) سے محفوظ رکھا ہے۔''

جناب میمون کہتے ہیں:

فَلَمْ أَرَ وَالِدًا قَطُّ وَلَا وَلَدًا مِثْلَهُمَا يَرْحَمُهُمَا اللّٰهُ.

تَرْجَمَۃ: ''میں نے عمر بن عبد العزیز (رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) جیسا باپ نہیں دیکھا اور نہ ہی عبد الملک جیسا کوئی بیٹا اللہ تعالیٰ دونوں پر اپنی بے پناہ رحمت کرے۔''

والدین کے حقوق پہنچانے کے لیے کتاب ''والدین کی قدر کیجئے'' کا مطالعہ ہر بھائی بہن کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ مند ہوگا (ناشر دار الہدیٰ)۔

اللہ تعالیٰ پانچویں خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے راضی ہو اور انہیں اپنے خصوصی انعامات سے نواز کر خوش کر دے ان کی اور ان کے لخت جگر عبد الملک کی قبر کو جنت کا باغ بنا دے۔

سَلَامٌ عَلَيْهِمَا يَوْمَ لَحِقَا بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى
سَلَامٌ عَلَيْهِمَا يَوْمَ يُبْعَثَانِ مَعَ الْاَخْيَارِ الْاَبْرَارِ

اٰمین

اور ان پر سلامتی ہو اس دن جس دن یہ باپ بیٹا اپنے رب سے ملیں اور انہیں سلام پیش کیا جائے جب یہ

نیک لوگوں کے ساتھ قیامت کے دن اٹھائے جائیں۔

فوائد و نصائح

❶ اس واقعہ میں آپ نے پڑھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے پاس جب پروانہ خلافت آیا تو آپ نے تمام مسلمانوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم فرمایا، کیوں کہ پہلے زمانے میں جب بھی کوئی اہم بات ہوتی لوگ مسجد میں جمع ہوجاتے اور وہیں بیٹھ کر سوچتے اور مشورہ کرتے اب ہمیں بھی چاہئے کہ ہم مسجد سے اپنا تعلق بڑھائیں کوئی بھی مسئلہ ہو مسجد میں دو رکعت پڑھ کر اللہ سے دعا مانگ کر پھر وہ مسئلہ حل کرنے کی کوشش کریں۔

❷ دوسری بات یہ پتہ چلی کہ دنیا میں کسی کو لمبی عمر ملنا بھی اللہ تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے، لیکن جو لوگ اس نعمت کی ناشکری کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے۔ اور اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے ان کے ساتھ قیامت کے دن کیا معاملہ کیا جائے گا؟

ایسے لوگوں کے بارے میں رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝﴾[1]

تَرجَمَہ: ”بھلا دیکھو تو اگر ہم ان کو چند سال تک عیش میں رہنے دیں، پھر جس کا ان سے وعدہ ہے وہ ان کے سر پر آ پڑے، تو ان کا وہ عیش کس کام آ سکتا ہے۔“[2]

امام زہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ روز صبح کو اپنی داڑھی پکڑ کر اپنے نفس کو خطاب کر کے سورۂ مریم کی مذکورہ آیات پڑھا کرتے تھے اس کے بعد ان پر گریہ طاری ہو جاتا (یعنی رونے لگتے) اور پھر وہ یہ اشعار پڑھتے تھے:

نَهَارُكَ يَامَغْرُوْرُ سَهْوٌ وَّ غَفْلَةٌ
وَلَيْلُكَ نَوْمٌ وَالرَّدِيُّ لَكَ لَازِمٌ
فَلَا اَنْتَ فِي الْاِيْقَاظِ يَقْظَانِ حَازِمٌ
وَلَا اَنْتَ فِي النَّوْمِ نَاجٌ وَّسَالِمٌ

---

[1] اَلشُّعَرَاۗءُ: ۲۰۵ الی ۲۰۷

[2] از بیان القرآن: ص ۷۳۸

وَتَسْعٰی اِلٰی مَا سَوْفَ تَکْرَہُ غَبَّہٗ
کَذٰلِکَ فِی الدُّنْیَا تَعِیْشُ الْبَهَائِمُ

تَرْجَمَۃ: ''اے فریب خوردہ (یعنی دھوکے میں پڑے ہوئے) تیرا سارا دن غفلت میں اور رات نیند میں صرف ہوتی ہے حالاں کہ موت تیرے لیے لازمی ہے۔ نہ تو بیدار لوگوں میں ہوشیار و بیدار ہے اور نہ سونے والوں میں اپنی نجات پر مطمئن ہے۔ تیری کوشش ایسے کاموں میں رہتی ہے جس کا انجام عن قریب ناگوار صورت میں سامنے آئے گا، دنیا میں چوپائے جانور ایسے ہی جیا کرتے ہیں۔''[۱]

۳ والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی فکر فرماتے رہیں، مطمئن ہو کر غافل نہ ہو جائیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جیسے والد ہوں اور عبدالملک جیسے نیک و صالح فرزند ہوں پھر بھی والد محترم دور رہتے ہوئے بھی ان کی تربیت اور نفس و شیطان سے حفاظت کی فکر و دعا فرماتے رہتے تھے۔

انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ شروع سے یعنی پیدائش سے پہلے اور پیدائش کے بعد مستقل اولاد کی تربیت، ہدایت و عافیت کے لیے دعا مانگا کرتے تھے، انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی جو دعائیں قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کو اہتمام سے مانگنا چاہئے، مثلاً:

(الف) ﴿رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾[۲]

تَرْجَمَۃ: ''اے رب بخش مجھ کو کوئی نیک بیٹا''

کتنی مختصر اور جامع دعا ہے اس دعا کو چلتے پھرتے کثرت سے مانگا کریں اور اپنی اہلیہ کو بھی ترغیب دیں، خاص طور پر زمانہ حمل میں تو آپ اور آپ کی اہلیہ اس دعا کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیں، ان شاء اللہ تعالیٰ رب کریم آپ کو ایسی اولاد عطا فرمائیں گے کہ جو آپ کی بل کہ آپ کے خاندان اور نسلوں کے لیے بھی دین و دنیا کی کامرانیوں کا سبب بنے گی۔

(ب) ﴿رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ﴾[۳]

تَرْجَمَۃ: ''اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دیجئے اور مجھ کو اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھئے۔''

یہ دعا شرک سے بچنے کے لیے، اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لا شریک لہٗ پر مکمل ایمان رکھنے والا بننے کے لیے اور عقیدہ توحید پر مضبوط ہونے کے لیے بہترین ہے۔

[۱] از معارف القرآن: ۶/۵۵۲	[۲] الصّٰفّٰت: ۱۰۰	[۳] الإبراهيم: ۳۵

اس دعا کے بارے میں مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لکھتے ہیں: ''انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اگرچہ معصوم ہوتے ہیں، ان سے شرک و بت پرستی بل کہ کوئی گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، مگر یہاں حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اس دعا میں اپنے آپ کو بھی شامل فرمایا ہے۔

اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ طبعی خوف کے اثر سے انبیاء عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ بھی ہر وقت اپنے آپ کو خطرہ میں محسوس کرتے رہتے ہیں یا یہ کہ اصل مقصود اپنی اولاد کو شرک و بت پرستی سے بچانے کی دعا کرنا تھا، اولاد کو اس کی اہمیت سمجھانے کے لیے اپنے آپ کو بھی شامل فرمالیا، اللہ جل شانہٗ نے اپنے خلیل عَلَيْهِ السَّلَامُ کی دعا قبول فرمائی ان کی اولاد شرک و بت پرستی سے محفوظ رہی۔''[1]

(ج) ﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾[2]

تَرْجَمَۃ: ''اے میرے پالنے والے! مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد سے بھی، اے ہمارے رب میری (یہ) دعا قبول کیجیے۔''

یہ مشہور دعا ہے جو اکثر نماز میں درود شریف کے بعد بھی پڑھی جاتی ہے، درحقیقت اپنی اولاد کی سب سے بڑی خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں نماز کا پابند بنادیا جائے، اسی لیے حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ نے دعا میں نہ صرف اپنی اولاد کے لیے بل کہ اس کی آنے والی تمام نسلوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے نماز کی پابندی کی دعا مانگی ہے۔

ہر مسلمان اور خصوصاً والد کو سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کے گھر والے خصوصاً بیوی بچے نماز کے پابند ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اس دعا کا بھی خوب اہتمام کریں۔

مسلمان والد کو چاہئے کہ اپنے بیٹے اور بیٹی کے لیے دین و دنیا کی بھلائی کی دعا کرے اور خوب اخلاص کے ساتھ دعا کرے:

یا اللہ! میرے بیٹے اور بیٹی کو پکا دین دار اور خالص مسلمان بنا، اپنے نازل کردہ دین اور رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے بتائے ہوئے مبارک طریقوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما اور اس پر ان کو قائم رکھ۔

یا اللہ! ان کو دنیا کے اندر دینِ محمدی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پھیلانے کا ذریعہ بنا، انہیں دین کا خادم اور دین پر اپنا سب کچھ قربان کرنے والا بنا۔

یا اللہ! انہیں عالم عالمہ، حافظ حافظہ، داعی داعیہ، مبلغ مبلغہ بنا، یا اللہ! ان کو ہدایت یافتہ و ہادی بنا۔

یا اللہ! ان کی تمام دنیوی و اخروی مصیبتیں دور فرما، انہیں سوائے اپنی ذات بابرکت کے کسی اور کا محتاج نہ بنا، ان کو نیک و صالح بنا۔

---

[1] معارف القرآن: ۲۶۰/۵　　[2] اَلْاِبْرَاهِيْم: ۴۰

یا اللہ! تو ہمیں اور ہماری اولاد کو ایمان کی زینت سے آراستہ کر دے اور راہ بتانے والا اور خود راہ یافتہ بنا دے۔

اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو اور زیادہ علم عطا فرما اور ہماری اولاد کو ہدایت عطا فرما اور ان کے دلوں کو الٹنے سے بچا اور انہیں اپنی طرف سے خاص رحمت نصیب فرما، بے شک آپ بہت بڑے عطا فرمانے والے ہیں۔

اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان مردود سے بچائے رکھ، اے اللہ! ہمیں اور ہماری اولاد کو اچھے اخلاق نصیب فرما اور برے اخلاق ہم سے اور ہماری اولاد میں سے دور فرما دے۔

اے اللہ! ہمارا اور ہماری اولاد کا دین سنوار دے جس میں ہماری اور ہماری اولاد کے ہر کام کی حفاظت ہے، اور ہماری اور ہماری اولاد کی دنیا درست کر دے جس میں ہمارا گزر بسر ہے اور ہماری آخرت درست کر دے جس میں ہمیں لوٹ کر جانا ہے، آمین یارب العالمین۔

والد صاحب کو اولاد کی تربیت واصلاح کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ ان کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

① ''اولاد کی تربیت کیجیے'' وعظ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم۔

② ''مثالی باپ'' ناشر بیت العلم ٹرسٹ کراچی۔

③ ''The Ideal Father'' ناشر دارالہدیٰ کراچی۔

④ ''تحفہ دولہا'' ناشر بیت العلم ٹرسٹ کراچی۔

جب کوئی بڑا کسی غلطی پر ڈانٹے تو ہم جواب نہ دیں

❹ ایک سبق یہ ملا کہ جب کوئی بڑا کسی غلطی پر ڈانٹے یا ناراض ہو تو سب سے پہلے غلطی کا اعتراف کر لیں اور پھر موقع مناسب ہو تو اس وقت یا بعد میں غلطی کی وجہ بتلا کر ان ہی سے پوچھ لیں کہ آپ کے نزدیک اس کا کوئی حل ہو تو بتلا دیں، آئندہ ایسا ہی کروں گا جیسے آپ فرمائیں گے۔

تجربہ اس پر شاہد ہے کہ والد یا استاد یا بڑے بھائی کتنے ہی غصہ میں ہوں، اگر سامنے والا شخص یہ کہہ دے۔ غلطی ہوگئی آئندہ نہیں کروں گا تو بات بڑھتی نہیں اور معاملہ جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔

جس وقت میمون وزیر ناراض ہوئے عبدالملک پر تو انہوں نے یہی فرمایا کہ آپ مجھے کوئی تدبیر بتلائیں کہ میں کیا کروں اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے؟

پھر میمون نے جب تدبیر بتلائی تو فرمایا:

میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں، آئندہ ایسا ہی کیا کروں گا۔

چھوٹوں کو نصیحت اِس انداز سے کریں

۵ جب کسی چھوٹے بھائی/ شاگرد/ دوست کو کوئی بات سمجھانی ہو تو اس کی کسی اچھائی کو عنوان بنا کر پہلے حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کہ ماشاء اللہ آپ میں یہ صفت بھی ہے اور الحمد للہ یہ خوبی بھی ہے، اب صرف اس کم زوری کو دور کرلو۔

اور الحمد للہ آپ اتنے پرچوں میں پاس ہوئے، ہاں اس پرچہ میں کمی رہی اس پر محنت کرلو، ماشاء اللہ آپ چار نمازیں تو خوب اہتمام سے پڑھ لیتے ہو فجر کا بھی اہتمام کرلو۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ اس کی اچھائیوں اور بھلی عادتوں کی تعریف، اس پر انعام، اس کی حوصلہ افزائی بیان کرتے ہوئے بری باتوں سے بچنے/ بچانے کی ترغیب دی جائے اور اس کے لیے دعا کی جائے تو وہ زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔

جیسا کہ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے بیٹے کو خط لکھتے ہوئے لکھا تھا۔

بیٹا! یہ خط میں تمہیں اس لیے نہیں لکھ رہا کہ مجھے تمہاری کوئی شکایت ملی ہے، الحمد اللہ تمہارے بارے میں مجھے تعریف ہی سننے کو ملی ہے یہ لکھ کر پھر بعد کی بات کہہ کر غلطی پر تنبیہ فرمادی۔

اللہ کرے ہر بڑا اپنے چھوٹے کے ساتھ اسی طرح شفقت بھرے لہجہ میں بات کرے تو کتنی محبتیں دنیا میں عام ہوجائیں۔ خصوصاً اساتذہ ومعلمات کو چاہئے کہ وہ طلبہ طالبات سے نرمی سے بات کریں۔ اساتذہ کس طرح تدریس کریں اس کے لیے اساتذہ کو چاہئے کہ مثالی استاد کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔ ان شاء اللہ یہ کتاب اساتذہ کی بہترین رہنمائی کرے گی۔

۶ ایک سبق یہ ملا کہ جو کچھ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے غرور وتکبر میں آکر ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔ کسی نعمت پر اترانا نہیں چاہئے کہ یہ میری ہے میں اس کا مالک ہوں بل کہ یہ سوچنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کے حقیقی مالک ہیں وہ جب چاہیں مجھ سے یہ نعمت واپس لے سکتے ہیں۔

غرور وکبر اللہ تعالیٰ کو بالکل پسند نہیں ہے بل کہ عاجزی پسند ہے اس لیے حدیث شریف میں ایک بہت پیاری دعا مذکور ہے اس دعا کے پڑھنے کا ہمیں معمول بنانا چاہئے۔

غرور و کبر سے بچنے کی ایک پیاری دعا

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا، وَاجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا"۔[1]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! مجھے بڑا شکر کرنے والا اور بڑا صبر کرنے والا بنا دیجئے اور مجھے میری نظر میں چھوٹا اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دیجئے۔"

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد لوگوں کو کون سی تین نصیحتیں کیں؟

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ روز صبح اپنے نفس کو مخاطب کر کے کون سے اشعار پڑھتے تھے؟

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی اولاد میں کتنے بیٹے تھے اور ان میں سب سے زیادہ ذہین اور نیک کون تھے؟

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے بیٹے عبدالملک کو جو خط لکھا اس کا خلاصہ لکھیں۔

سُؤال: غرور و تکبر سے بچنے کی دعا لکھیں۔

---

[1] كَنْزُ الْعُمَّالِ، رَقْمُ الْحَدِيْثِ: ۳٦٧٢، ۸۲/۲

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

"كَيْفَ يَضِلُّ قَوْمٌ فِيهِمْ مِثْلُ الْحَسَنِ الْبَصْرِيِّ؟!" (مسلمة بن عبدالملك)

تَرجَمَہ: "وہ قوم کیسے گمراہ ہوسکتی ہے جس میں حسن بصری (رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ) جیسی عظیم المرتبت شخصیت موجود ہو۔"

ولادت

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کو کسی نے خوش خبری دی کہ ان کی کنیز حضرت خیرہ کے ہاں لڑکے کی پیدائش ہوئی ہے، یہ خبر سن کر اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کا دل باغ باغ ہوگیا، چہرہ مبارک پر خوشی کی لہر دوڑ گئی۔

پہلی فرصت میں بچہ دیکھنے کا شوق دل میں پیدا ہوا، لہٰذا بچہ اور اس کی ماں کو اپنے گھر بلانے کے لیے پیغام بھیجا، انہیں اپنی کنیز کے ساتھ بے حد پیار تھا اس کا بہت خیال رکھا کرتی تھیں، آپ کی دلی خواہش تھی کہ وہ چند دن یہاں گذارے۔

پیغام بھیجے ابھی تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ آپ کی کنیز حضرت خیرہ اپنے ہاتھوں میں بچہ لیے گھر پہنچ گئی، جب حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کی نگاہ بچے کے معصوم چہرے پر پڑی تو ممتا کی محبت لیے آگے بڑھیں اور اسے اپنی گود میں لے کر پیار کیا۔

یہ بچہ کیا تھا قدرت کا انمول ہیرہ، اتنا خوب صورت، پھول کی طرح چاند سا چہرہ اور صحت مند کہ کیا کہنے! ہر دیکھنے والا اس خوب صورت بچے کو دیکھتا ہی رہ جاتا۔

حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا نے اپنی کنیز سے پوچھا:

"أَسَمَّيْتِ غُلَامَكِ يَا "خَيْرَةُ"؟."

تَرجَمَہ: "اے خیرہ! کیا بچے کا نام تجویز کرلیا ہے؟"

اس نے کہا:

"كَلَّا يَا أُمَّاهُ......

لَقَدْ تَرَكْتُ ذٰلِكَ لَكِ، لِتَخْتَارِيْ لَهُ مِنَ الْأَسْمَاءِ مَا تَشَائِيْنَ."

تَرْجَمَۃ: ”امی جان ابھی نہیں! یہ میں نے آپ پر چھوڑ رکھا ہے جو آپ کو نام پسند ہو رکھ لیجیے۔“

فرمایا:

”نُسَمِّیْہِ عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ الْحَسَنَ ثُمَّ رَفَعَتْ یَدَیْھَا وَدَعَتْ لَہٗ بِصَالِحِ الدُّعَاءِ.“

تَرْجَمَۃ: ”ہم اس کا نام اللہ تعالیٰ کی رحمت و برکت سے حسن تجویز کرتے ہیں، پھر ہاتھ اٹھائے اور بچے کے حق میں دعا کی۔“

حضرت حسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی پیدائش سے صرف امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کا گھر ہی خوشیوں کا گہوارہ نہ بنا، بل کہ مدینہ منورہ کا ایک اور گھرانہ بھی اس خوشی میں برابر کا شریک ہوا۔

اور وہ تھا کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا گھرانہ۔ وہ خوشی میں اس لیے شریک تھے کہ بچے کے والد یسار ان کے غلام تھے اور ان کے دل میں اپنے غلام کی بڑی عزت تھی اور انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حضرت امّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کی گود میں تربیت

حضرت حسن بن یسار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جو بعد میں حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نام سے مشہور ہوئے، رسولِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے گھر آپ کی زوجہ محترمہ ”ہند بنت سہیل“ کی گود میں تربیت پائی جو امّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے نام سے مشہور تھیں۔

حضرت امّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا عرب خواتین میں سب سے بڑھ کر عقل مند، ہنرمند، محتاط اور صاحبِ فضل وکمال تھیں۔ علم و ہنر، تقویٰ اور اللہ کے خوف میں ممتاز مقام پر فائز تھیں۔

آپ سے تین سو ستاسی (۳۸۷) احادیث مروی ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں آپ کا شمار ان کم تعداد خواتین میں ہوتا تھا جو لکھنا جانتی تھیں۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا تعلق امّ المؤمنین حضرت امّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے ساتھ صرف ان کی کنیز کے بیٹے کی حیثیت سے ہی نہیں تھا، بل کہ اس سے بھی کہیں گہرا اور قریبی تعلق پایا جاتا تھا، وہ اس طرح کہ بسا اوقات حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی والدہ حضرت خیرہ، حضرت امّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کے کسی ضروری کام کو نمٹانے کے لیے گھر سے باہر جاتیں تو یہ بچپن میں بھوک پیاس کی وجہ سے رونے لگتے۔

حضرت امّ سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا بچے کو اپنی گود میں لے لیتیں، ماں کی غیر حاضری میں بچے کو تسلی اور دلاسہ دینے کے لیے اسے اپنے سینے سے لگا کر خوب پیار کرتیں اور دودھ پلاتی تھیں۔

اس طرح حضرت اُمّ سلمہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهَا کی حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی کے ساتھ دو نسبتیں تھیں ایک اُمّ المؤمنین کے اعتبار سے ماں کی اور دوسری رضاعی ماں ہونے کی۔

اُمہات المؤمنین کے باہمی خوش گوار تعلقات کی وجہ سے اس خوش نصیب بچے کو تمام گھروں میں آنے جانے کا موقع ملتا رہتا، اور اس طرح اسے اہلِ خانہ کے پاکیزہ اخلاق و عادات اپنانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُنَّ کے گھروں میں میرے آنے جانے اور کھیل کود سے چہل پہل رہتی اور تمام گھر خوشیوں کا گہوارہ بنے رہتے۔

فرماتے ہیں کہ بعض اوقات میں اچھلتا کودتا ہوا گھروں کی چھتوں پر چڑھ جاتا مجھے کوئی روک ٹوک نہ تھی۔

تحصیلِ علم

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی کا بچپن اُمہات المؤمنین کے پاکیزہ گھروں میں ہنستے کھیلتے ہوئے گزرا اور ان کی تربیت ایسے بہترین ماحول میں ہوئی جو امہات المؤمنین کے گھروں میں قائم تھا۔

جب بڑے ہوئے تو مسجدِ نبوی میں صحابہ کرام رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کے شاگرد بنے اور ان سے علم حاصل کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

اس طرح انہیں حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت جابر بن عبداللہ رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام سے احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔

لیکن سب سے بڑھ کر انہیں امیرالمؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے پیار تھا، دینی مسائل میں ان کے مضبوط موقف ...... عبادت میں گہری دل چسپی ...... دنیاوی زیب و زینت سے بے رغبتی ...... نے بہت متاثر کیا تھا۔

حضرت علی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا پراثر بیان، حکمت وعقل مندی کی باتیں اور دل ہلا دینے والی نصیحتیں ان کے دل پر اثر انداز ہوئیں تو وہ ان کے ہوکر رہ گئے۔ حضرت علی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے تقویٰ و اخلاق کا رنگ ان پر چڑھا، حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی نے ہر معاملہ میں حضرت علی رَضِیَ اللهُ تَعَالٰی عَنْهُ کا طرز اختیار کیا۔

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی کی عمر جب چودہ برس ہوئی، تو اپنے والدین کے ساتھ بصرہ شہر میں منتقل ہوگئے اور وہیں اپنے خاندان کے ساتھ مستقل رہائش اختیار کرلی۔ اس طرح حضرت حسن رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی

بصرہ کی طرف منسوب ہوئے اور لوگوں میں حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نام سے مشہور ہوئے۔

جن دنوں حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بصرہ میں آباد ہوئے۔

اسلامی شہروں میں یہ شہر علوم وفنون کا سب سے بڑا مرکز تصور کیا جاتا تھا، اس کی مرکزی مسجد صحابہ کرام اور تابعین عظام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے بھری رہتی تھی۔ مسجد کا ہال اور صحن مختلف علوم وفنون کے حلقوں سے آباد تھا۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اُمتِ محمدیہ کے بہترین اور زبردست عالم دین مفسرِ قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے حلقہ درس میں شامل ہوئے اور ان سے تفسیر، حدیث اور تجوید کا علم حاصل کیا، فقہ، لغت اور ادب جیسے علوم دیگر صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے حاصل کئے، یہاں تک کہ یہ ایک مضبوط عالمِ دین اور فقیہ (علم دین کے جاننے) کے مرتبہ کو پہنچے، علم میں پختگی کی وجہ سے عام لوگ کثرت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

لوگ ان کے پاس بیٹھ کر خاموشی سے ایسے مواعظ سنتے جس سے پتھر دل بھی موم ہوجاتے اور گنہگار آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے۔

آپ کی زبان سے نکلنے والی حکمت ودانائی کی باتوں کو لوگ سرمایۂ حیات سمجھتے ہوئے اپنے دلوں میں محفوظ کرلیتے، اور آپ کی قابلِ رشک سیرت کو اپنانے کے لیے ہر وقت کوشش میں لگے رہتے۔

صفاتِ حسنہ

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا نام پورے ملک میں مشہور ہوگیا۔ لوگ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکرِ خیر کرنے لگے، حکمران ان کی خیریت دریافت کرنا اپنے لیے سعادت سمجھتے، ان کے دن رات کے معمولات سے باخبر رہنے کی دلی خواہش رکھتے تھے۔

حضرت خالد بن صفوان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بیان کرتے ہیں:

میں عراق کے ایک قدیم شہر "حیرہ" میں بنوامیہ کے جرنیل اور فاتحِ قسطنطنیہ مسلمہ بن عبدالملک سے ملا انہوں نے مجھ سے دریافت کیا۔

خالد! مجھے حسن بصری کے متعلق کچھ بتاؤ، میرا خیال ہے اسے جتنا تم جانتے ہو اتنا کوئی اور نہیں جانتا؟

میں نے کہا:

"إِنَّهُ امْرُؤٌ سَرِيْرَتُهُ كَعَلَانِيَتِهِ......

وَقَوْلُهُ كَفِعْلِهِ ......

إِذَا أَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ كَانَ أَعْمَلَ النَّاسِ بِهٖ ......
وَ إِذَا نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ كَانَ أَتْرَكَ النَّاسِ لَهُ ......
وَلَقَدْ رَأَيْتُهُ مُسْتَغْنِيًا عَنِ النَّاسِ، زَاهِدًا بِمَا فِيْ أَيْدِيْهِمْ......
وَرَأَيْتُ النَّاسَ مُحْتَاجِيْنَ إِلَيْهِ، طَالِبِيْنَ مَا عِنْدَهُ......"

تَرْجَمَہ: "ان کا باطن ظاہر جیسا ہے، ان کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا، جب وہ کسی کو نیک کام کا حکم دیتے ہیں، پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں۔ جب کسی کو برائی سے روکتے ہیں، تو وہ خود بھی اس برائی کے قریب نہیں جاتے۔ میں نے دنیاوی مال و دولت سے انہیں بالکل بے فکر و بے نیاز پایا جوان کے پاس علم و تقویٰ کا خزانہ ہے، لوگ اسے حاصل کرنے کے لیے کثرت سے ان کی طرف لپکتے ہیں اور ان سے بہت محبت کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں سن کر جرنیل مسلمہ بن عبدالملک پکار اٹھے:

"حَسْبُكَ يَا خَالِدُ حَسْبُكَ!!
كَيْفَ يَضِلُّ قَوْمٌ فِيْهِمْ مِثْلُ هٰذَا؟!."

تَرْجَمَہ: "خالد اب بس کیجئے اتنا ہی کافی ہے۔ بھلا وہ قوم کیسے گم راہ ہوسکتی ہے جس میں حسن بصری جیسی عظیم المرتبت شخصیت موجود ہو۔"

حجاج بن یوسف کی مخالفت

جب حجاج بن یوسف ثقفی عراق کا گورنر بنا اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں ظلم و تشدد کی انتہا کردی......تو حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ ان گنے چنے چند اشخاص میں سے ایک تھے، جنہوں نے اس کی سرکشی اور ظلم و جبر (زبردستی) کو آگے بڑھ کر روکا، اس کے برے کاموں کی ڈٹ کر مخالفت کی اور حق بات ڈنکے کی چوٹ سے اس کے منہ پر کہی۔

حجاج بن یوسف نے واسط شہر میں اپنے لیے ایک عالی شان محل تعمیر کروایا، جب اس کی تعمیر مکمل ہوگئی تو اس نے افتتاحی تقریب میں لوگوں کو دعوت عام دی، تاکہ وہ عظیم الشان محل کو دیکھیں اس کی سیر کریں، خود اپنی زبان سے تعریف کریں اور دعائیہ کلمات سے نوازیں۔

حضرت حسن بصری رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کے دل میں خیال آیا کہ اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے، وہ یہ نیت لے کر گھر سے نکلے کہ آج لوگوں کو نصیحت کریں گے، انہیں دنیاوی مال و دولت سے بے رغبتی اختیار کرنے کا درس دیں گے اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں انعامات ہیں انہیں حاصل کرنے کی ترغیب دیں گے۔

جب آپ موقع پر پہنچے تو دیکھا کہ لوگ اس عالی شان اور بلند و بالا محل کے چاروں طرف جمع ہیں اور عمارت کی خوب صورتی پر حیران، اس کی وسعت پر دانتوں میں انگلی دبائے، اور اس کی سجاوٹ و ڈھنگ سے مرعوب نظر آتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا:

"لَقَدْ نَظَرْنَا فِيمَا ابْتَنٰى أَخْبَثُ الْأَخْبَثِيْنَ، فَوَجَدْنَا أَنَّ فِرْعَوْنَ شَيَّدَ أَعْظَمَ مِمَّا شَيَّدَ، وَبَنٰى أَعْلٰى مِمَّا بَنٰى.
ثُمَّ أَهْلَكَ اللّٰهُ فِرْعَوْنَ، وَأَتٰى عَلٰى مَا بَنٰى وَشَيَّدَ ......"

تَرجَمہ: "ہمیں یہ معلوم ہے کہ فرعون نے اس سے زیادہ مضبوط، خوب صورت اور عالی شان محلات تعمیر کئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرعون کو ہلاک کردیا اور اس کے محلات کو بھی تباہ و برباد کردیا۔"

کاش! حجاج کو یہ معلوم ہوجائے کہ آسمان والے اس سے ناراض ہیں اور زمین والوں نے اسے دھوکے میں رکھا ہوا ہے۔

وہ پورے جوش و ولولہ سے حجاج کے خلاف برس رہے تھے ان کے منہ سے الفاظ تیروں کی طرح نکل رہے تھے، مجمع ان کی باتوں پر حیران اور خاموش تھا۔

یہاں تک کہ سامعین (سننے والوں) میں سے ایک شخص نے حجاج بن یوسف کے انتقامی جذبے سے خوف زدہ ہوکر حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے کہا:

جناب اب بس کیجئے اتنا ہی کافی ہے کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اس نیک دل شخص سے کہا:

"لَقَدْ أَخَذَ اللّٰهُ الْمِيْثَاقَ عَلٰى اَهْلِ الْعِلْمِ لَيُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا يَكْتُمُوْنَهٗ ......"

تَرجَمہ: "(میرے بھائی!) اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ (ظالم کے منہ پر بغیر کسی خوف کے) حق بات کی تبلیغ کرتے رہیں گے اور کبھی اس بات میں خیانت نہیں کریں گے۔
(یہی ہمیشہ حق والوں کی عادت رہی ہے اور یہی فریضہ آج میں ادا کررہا ہوں)۔"

دوسرے روز حجاج گورنر ہاؤس میں آیا تو اس کا چہرہ غصے سے لال پیلا تھا، اس نے غضب ناک انداز میں اہلِ مجلس سے کہا:

"تَبًّا لَكُمْ وَسُحْقًا ......
يَقُوْمُ عَبْدٌ مِنْ عَبِيْدِ أَهْلِ (الْبَصْرَةِ) وَيَقُوْلُ فِيْنَا مَاشَاءَ أَنْ يَقُوْلَ، ثُمَّ لَا يَجِدُ

فِيكُمْ مَنْ يَرُدُّهُ أَوْ يُنْكِرُ عَلَيْهِ!!
وَاللّٰهُ لَأَسْقِيَنَّكُمْ مِنْ دَمِهِ يَا مَعْشَرَ الْجُبَنَاءِ."

تَرْجَمَۃ: "(اے بزدلو! اور نالائقوں!) میری نظروں سے دور ہو جاؤ کتنے افسوس کی بات ہے کہ بصرہ کا ایک غلام بن غلام مجمع عام میں بے لگام جو جی میں آتا ہے میرے خلاف کہہ جاتا ہے اور تم میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی زبان کو روکے، شرم کرو، حیا کرو۔ اے بزدلوں کی جماعت کان کھول کر سنو: اللہ کی قسم! اسے آج ایسی عبرتناک سزا دوں گا کہ دنیا دیکھتی رہ جائے گی۔"

پھر اس نے تلوار اور چمڑے کی چادر منگوائی، یہ دونوں چیزیں فوراً اس کی خدمت میں پیش کردی گئیں اس نے جلاد کو بلایا وہ پلک جھپکتے ہی سامنے آ کھڑا ہوا، پھر پولیس کو حکم دیا کہ حسن بصری کو گرفتار کر کے لایا جائے۔

پولیس تھوڑی ہی دیر میں انہیں پکڑ کر لے آئی منظر بڑا ہی خوف ناک تھا ہر طرف دہشت پھیلی ہوئی تھی، لوگوں کی نظریں اوپر اٹھی ہوئی تھیں ہر شخص پریشان تھا، دل کانپ رہے تھے۔

جب حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے تلوار، جلاد اور چمڑے کی چادر کو دیکھا تو وہ تھوڑے مسکرائے اور کچھ پڑھنا شروع کردیا۔

جب وہ حجاج کے سامنے آئے تو ان کے چہرے پر مؤمن کا رعب وجلال، مسلمان کی شان و شوکت اور مبلغ (دین کی دعوت دینے والے) کی سی متانت و سنجیدگی ظاہر ہو رہی تھی۔

جب حجاج بن یوسف نے ان کی طرف دیکھا تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی، غصہ ختم ہوگیا اور بڑی دھیمی آواز میں کہا:

"هَا هُنَا يَا أَبَا سَعِيدٍ ...... هَا هُنَا ..... ثُمَّ مَا زَالَ يُوَسِّعُ لَهُ وَيَقُولُ:
هَا هُنَا ...... وَالنَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ فِيْ دَهْشَةٍ وَاسْتِغْرَابٍ حَتّٰى أَجْلَسَهُ عَلٰى فِرَاشِهِ."

تَرْجَمَۃ: "اے ابوسعید (حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ) میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں، آیئے تشریف رکھئے میرے قریب بیٹھیں۔ آپ بیٹھنے لگے تو کہا ذرا اور قریب ہو جائیں یہاں تک کہ اسے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیا۔ لوگ یہ منظر حیرت، تعجب اور خوف کے ملے جلے جذبات سے دیکھ رہے تھے۔"

جب حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بڑے اطمینان سے تخت پر بیٹھ گئے، تو حجاج نے ان سے دینی مسائل دریافت کرنے شروع کردیئے۔

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ہر سوال کا جواب بڑی تسلی، وضاحت اور عالمانہ انداز میں دیتے رہے۔ حجاج بن یوسف ان کے جوابات سے بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا:

"أَنْتَ سَيِّدُ الْعُلَمَاءِ يَا أَبَا سَعِيْدٍ."

تَرْجَمَہ: "ابوسعید تم واقعی علماء کے سردار ہو۔"

پھر قیمتی عطر منگوایا اور ان کی داڑھی کو محبت بھرے انداز میں لگا کر الوداع کیا۔

جب حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی دربار سے نکلے تو حجاج کا دربان بھی ان کے پیچھے ہولیا، تھوڑی دور جا کر اس نے کہا:

اے ابوسعید! حجاج نے آج آپ کو کسی اور غرض سے بلوایا تھا: لیکن اس کی طرف سے یہ حسنِ سلوک دیکھ کر میں حیران رہ گیا، مجھے ایک بات بتائیں جب آپ گرفتار ہو کر دربار میں تشریف لائے اور آپ نے تلوار، جلاد اور چمڑے کی چادر کو دیکھا، تو آپ کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے، تو اس وقت آپ کیا پڑھ رہے تھے؟

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

میں نے اس وقت یہ دعا کی تھی:

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی دعا

"يَا وَلِيَّ نِعْمَتِيْ وَمَلَاذِيْ عِنْدَ كُرْبَتِيْ، اِجْعَلْ نِقْمَتَهُ بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَيَّ كَمَا جَعَلْتَ النَّارَ بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ"

تَرْجَمَہ: "الٰہی تو مجھ پر کی گئی نعمتوں کا مالک ہے، ہر مصیبت کے وقت راحت دینے والا ہے۔ الٰہی حجاج کے غصے کو میرے لیے ایسا ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دے، جس طرح تو نے اپنے خلیل ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام پر آگ کو ٹھنڈا اور سلامتی والا کر دیا تھا۔"

میری دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور حجاج کا غصہ محبت میں بدل گیا ؎

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

عمر بن ہبیرہ کو نصیحت

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو جابر و ظالم حکمرانوں کے ساتھ کئی مرتبہ اسی طرح کا واسطہ پڑا، لیکن آپ ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حکمرانوں کی نگاہ میں محترم ہو کر اور ان کے دلوں کو اپنی عظمت و

ہیبت سے متاثر کر کے واپس لوٹے۔

اسی قسم کا ایک حیرت انگیز واقعہ اس وقت پیش آیا جب خدا ترس انصاف پسند، سادہ طبیعت، اور پاکیزہ فطرت مسلمانوں کے خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی وفات کے بعد، یزید بن عبدالملک کو خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے عراق کا گورنر عمر بن ہبیرہ فزاری کو مقرر کیا، پھر اس کے اختیارات میں اضافہ کر کے خراسان کا علاقہ بھی اس کے حوالے کر دیا۔

یزید بن عبدالملک نے حکومت سنبھالتے ہی ایسا طرز عمل اختیار کیا جو پچھلے نیک خلفاء رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے طرز عمل کے بالکل خلاف تھا۔

وہ اپنے گورنر عمر بن ہبیرہ کو کثرت سے خط لکھتا اور ان خطوط میں ایسے احکامات جاری کرتا، جو بعض اوقات حق کے خلاف ہوتے اور انہیں فوری طور پر نافذ کرنے کا حکم دیتا۔

ایک دن عمر بن ہبیرہ نے حضرت حسن بصری اور حضرت عامر بن شراحیل رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کو مشورے کے لیے بلایا اور عرض کیا:

امیر المؤمنین یزید بن عبدالملک کو اللہ تعالیٰ نے خلافت عطا کی ہے۔ اور جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اس نے مجھے عراق و ایران کا گورنر مقرر کیا ہے، کبھی کبھی وہ مجھے ایسے سرکاری خطوط ارسال کرتا ہے جن میں بعض ایسے اقدامات کرنے کا حکم ہوتا ہے جو میرے نزدیک انصاف کے مطابق نہیں ہوتے، کیا ایسے احکامات پر عمل کرنے کرانے کا دینی لحاظ سے میرے لیے کوئی جواز نکلتا ہے؟

حضرت عامر بن شراحیل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ایسا جواب دیا جس میں خلیفہ کے لیے نرم رویہ اور گورنر کو خوش کرنے کا انداز پایا جاتا تھا، لیکن حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی خاموش بیٹھے رہے۔

گورنر عمر بن ہبیرہ نے حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی طرف دیکھا اور کہا:

ابو سعید آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے:

آپ نے فرمایا:

"يَا بْنَ هُبَيْرَةَ اِنَّهُ يُوْشِكُ أَنْ يَنْزِلَ بِكَ مَلَكٌ غَلِيْظٌ شَدِيْدٌ لَا يَعْصِي اللّٰهَ مَا أَمَرَهُ فَيُزِيْلَكَ عَنْ سَرِيْرِكَ هٰذَا، وَيَنْقُلَكَ مِنْ سَعَةِ قَصْرِكَ إِلٰى ضِيقِ قَبْرِكَ ......
حَيْثُ لَا تَجِدُ هُنَالِكَ يَزِيْدَ، وَ إِنَّمَا تَجِدُ عَمَلَكَ الَّذِي خَالَفْتَ فِيْهِ رَبَّ يَزِيْدَ ......"

تَرجَمہ: "اے ابن ہبیرہ! ہوسکتا ہے کہ آسمان سے ایک ایسا سخت مزاج فرشتہ نازل ہو، جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی بالکل نہیں کرتا، وہ تجھے تخت سے اٹھا کر اس محل کی وسعتوں سے نکال کر ایک تنگ و تاریک قبر میں ڈال

دے، وہاں تو یزید بن عبد الملک کو نہیں دیکھ سکے گا، وہاں تجھے وہ عمل ملے گا جس میں تو نے اپنے اور یزید کے رب کی مخالفت کی تھی۔"

اے ابن ہبیرہ! اگر تو اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور ہر دم اس کی اطاعت میں سرگرم رہے، تو وہ تجھے یقیناً دنیا و آخرت میں یزید کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اور اگر تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے یزید کا ساتھ دے گا تو اللہ تعالیٰ بھی تجھے یزید کے ظلم و ستم کے حوالے کر دے گا۔

اے ابن ہبیرہ! خوب اچھی طرح جان لو مخلوق میں خواہ کوئی بھی ہو اس کا وہ حکم نہیں مانا جائے گا جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہو۔ یہ باتیں سن کر ابن ہبیرہ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے ان کی داڑھی تر ہوگئی، پھر وہ حضرت عامر بن شراحیل شعبی کو چھوڑ کر حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی طرف مائل ہوئے اور بہت زیادہ ان کے ساتھ عزت و اکرام سے پیش آئے۔

جب دونوں بزرگ گورنر کی ملاقات سے فارغ ہو کر مسجد میں پہنچے تو لوگ ان کے اردگرد جمع ہوگئے اور ان سے گورنر کے ساتھ ہونے والی باتیں معلوم کرنے لگے۔ حضرت عامر نے لوگوں سے کہا:

لوگو! ہمیں ہر حال میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کو مخلوق پر ترجیح دینی چاہئے مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، آج حسن بصری (رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) نے گورنر عمر بن ہبیرہ کو کوئی ایسی بات نہیں کہی جسے میں نہ جانتا ہوں، لیکن میں نے اپنی گفتگو میں گورنر کی مرضی کا لحاظ رکھا اور حسن بصری نے اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو پیش نظر رکھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے گورنر کی نظروں میں گرا دیا اور حسن بصری کو اس کی نگاہوں میں محبوب بنا دیا۔

نئی نسل کے لیے عظیم ورثہ

حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اسی (۸۰) برس زندہ رہے اور اس دوران دنیا کو اپنے علم و عمل، حکمت، عقل مندی اور سمجھ داری سے فائدہ پہنچاتے رہے۔

انہوں نے نئی نسل کے لیے جو عظیم ورثہ چھوڑا وہ ان کے دل ہلا دینے والے وعظ و نصائح ہیں، جو رہتی دنیا تک پریشان دلوں کے لیے بہار بنے رہیں گے۔

ان کی نصیحتیں دلوں میں نرمی پیدا کریں گی اور دینی جذبہ پیدا کرتی رہیں گی، ان کے دل ہلا دینے والے بیانات کے اثر کی بنا پر احساسِ ندامت سے آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری رہیں گی، پریشان حال لوگوں کو رہنمائی ملتی رہے گی اور غفلت میں پڑے ہوئے انسانوں کو دنیا کی حقیقت سے آگاہی حاصل ہوتی

رہے گی۔

ایک شخص نے حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے دنیا کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:

مجھ سے تم دنیا وآخرت کے متعلق پوچھتے ہو تو سنو:

"إِنَّ مَثَلَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كَمَثَلِ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ......

مَتَى ازْدَدْتَ مِنْ أَحَدِهِمَا قُرْباً ازْدَدْتَ مِنَ الْآخَرِ بُعْداً"

تَرْجَمَہ: "دنیا وآخرت کی مثال مشرق ومغرب جیسی ہے، جتنا زیادہ تم ایک کے قریب جاؤ گے اتنا ہی دوسرے سے دور ہوتے جاؤ گے۔"

"وَتَقُوْلُ لِيْ صِفْ لِيْ هٰذِهِ الدَّارَ!!

فَمَاذَا أَصِفُ لَكَ مِنْ دَارٍ أَوَّلُهَا عَنَاءٌ وَآخِرُهَا فَنَاءٌ ......

وَفِيْ حَلَالِهَا حِسَابٌ، وَفِيْ حَرَامِهَا عِقَابٌ......

مَنِ اسْتَغْنٰى فِيْهَا فُتِنَ، وَمَنِ افْتَقَرَ فِيْهَا حَزِنَ ......"

تَرْجَمَہ: "تم کہتے ہو کہ میں دنیا کے اوصاف بیان کروں۔ میں تمہارے سامنے اس گھر کی کیا صفت بیان کروں، جس کا آغاز مشقت وتکالیف پر مبنی ہے اور جس کا انجام فنا و بربادی ہے، اس میں جو حلال ہے اس کا حساب لیا جائے گا اور جو حرام ہے اس کے استعمال پر سزا دی جائے گی، جو اس میں مال دار ہوا وہ فتنہ میں مبتلا ہوا اور جو فقیر ومحتاج ہوا وہ پریشانی اور رسوائی کا شکار ہوا۔"

اسی طرح ایک شخص نے آپ سے حال دریافت کیا تو فرمایا:

بھائی میرا حال کیا پوچھتے ہو! افسوس ہم نے اپنی جانوں پر کتنے ظلم ڈھائے، ہم نے اپنے دین کو کم زور کردیا اور دنیاوی حرص نے ہمیں موٹا کردیا، ہم نے اپنے اخلاق بوسیدہ کردیئے اور اپنے بستر اور کپڑے نئے بنوالیے۔ ہم میں سے ایک اپنے بائیں پہلو پہ ٹیک لگائے مزے سے پڑا رہتا ہے اور غیروں کے مال بڑی بے پرواہی سے ہڑپ کیے جاتا ہے۔

پھر فرمایا:

تیرا چھینے ہوئے مال سے کھانا، تیرا دوسرے ناداروں سے کام لینا مزدوری ادا کئے بغیر، پھر تو نمکین کے بعد میٹھا کھانے کے لیے منگواتا ہے ٹھنڈے کے بعد گرم پیتا ہے، خشک کے بعد تر کھجوریں کھاتا ہے پھر پیٹ میں درد اٹھتا ہے اور قے آنے لگتی ہے، پھر گھر میں شور مچاتا ہے کہ جلدی چورن لاؤ تاکہ کھانا ہضم ہوجائے۔

اے گھٹیا نادان! اللہ کی قسم! تو اپنے دین کے سوا کچھ بھی ہضم نہیں کرسکے گا۔

ارے احمق! تیرا پڑوسی کہاں اور کس حال میں ہے؟
تیری قوم کا بھوکا یتیم کہاں ہے؟
وہ مسکین کہاں ہے جو تیری طرف دیکھتا رہتا ہے؟
وہ مخلوق کہاں ہے جس کی نگرانی اور دیکھ بھال کی اللہ تعالیٰ نے تجھے وصیت کی تھی؟
کاش تجھے علم ہوتا کہ تو محض ایک گنتی کا ہندسہ ہے، جب ایک دن کا سورج غروب ہوتا ہے تو تیری زندگی کا ایک دن کم ہوجاتا ہے۔

وفات

یکم رجب ۱۱۰ ہجری جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رب کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اس فانی دنیا سے رخصت ہوگئے، صبح کے وقت جب ان کی وفات کی خبر لوگوں میں پھیلی تو بصرہ میں کہرام (شور) مچ گیا۔ آپ کو غسل دیا گیا کفن پہنایا گیا اور اس مرکزی مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھائی گئی، جس میں زندگی کا بیشتر حصہ عالم، معلّم اور داعی و مبلّغ کی حیثیت میں گزارا۔

بصرہ کے تمام لوگ نمازِ جنازہ میں شریک ہوئے۔ اس روز بصرہ کی مرکزی مسجد میں نمازِ عصر کی جماعت نہیں ہوئی کیوں کہ شہر میں نماز پڑھنے والا کوئی فرد باقی نہیں رہا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس نرم مزاج، سادہ طبیعت، میٹھے لہجے، پاک فطرت، کھلے دل اور مسکراتے چہرے والے عظیم مرتبہ شخص کی قبر کو منور کرے۔ آسمان آپ کی قبر پر رحمت کی بوندیں برسائے۔ آمین

فوائد و نصائح

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخرت کی زندگی خیر ہے، خیر کے معنی کامل ہے۔ اس کی لذت بھی کامل، اس کی رحمت بھی کامل، اس کے اندر خوشی بھی کامل اور پائیدار بھی ہے۔ یعنی ختم ہونے والی نہیں، جو نعمت مل گئی وہ ہمیشہ کے لیے ملے گی۔

دنیا کی نعمتوں سے اکتاہٹ ہوجاتی ہے

یہاں دنیا میں آپ کو ایک کھانا اچھا لگ رہا ہے، دل چاہ رہا ہے کھائیں، ایک پلیٹ کھائی دو پلیٹ کھائی ایک روٹی کھائی، آخر ایک حد ایسی آگئی کہ پیٹ بھر گیا۔ اب اگر کھانا بھی چاہیں تو کھا نہیں سکتے، اسی کھانے

سے نفرت ہوگئی، وہی کھانا جس کی طرف دل لپک رہا تھا، جس کی طرف آدمی شوق سے بڑھ رہا تھا، چند لمحوں کے اندر اس سے نفرت ہوگئی، اب کھانے کو دل بھی نہیں چاہتا، کوئی انعام بھی دینا چاہے ہزار روپیہ بھی دینا چاہے کہ کھالو، نہیں کھائے گا۔ کیوں؟ اس پیٹ کی ایک حد تھی وہ حد آگئی، اس کے بعد اس میں گنجائش نہیں اور نہیں کھاتا۔

لیکن آخرت میں جو کھانا آئے گا یا جو بھی غذا ہوگی اس میں یہ مرحلہ نہیں آئے گا کہ صاحب! اب پیٹ بھر گیا دل تو چاہ رہا ہے، کھایا نہیں جاتا، یہ مرحلہ جنت میں نہیں۔ جو لذت ہے وہ کامل ہے اس میں کوئی تکدر (کمی) نہیں تو باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝﴾ [1]

کہ آخرت بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی ہے۔ دنیا بہتر بھی نہیں اور پائیدار بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود تمہارا یہ حال ہے کہ دنیوی زندگی ہی کو ترجیح دیتے ہو شب و روز اس کی کوشش میں مگن ہو اور آخرت کا خیال نہیں کرتے۔

اس آیت کے ترجمے میں اب ہم ذرا غور کریں تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ہمارے سارے امراض ساری بیماریوں کی جڑ اور اس کا علاج بھی بتا دیا۔" [2]

لہٰذا ہمیں اپنے امراض ظاہرہ و باطنہ کی پہلے فکر کرنی چاہئے اور دوسروں کی اصلاح کی بھی کوشش کرنی چاہئے۔

مسلمان کی یہی صفت ہونی چاہئے جو خالد بن صفوان رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتلائیں، کہ جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس کو لالچی نگاہوں سے نہ دیکھیں بل کہ جو اللہ تعالیٰ نے دیا، جیسا دیا جتنا دیا اس پر شکر کریں۔

کیوں کہ نعمت پر شکر ادا کرنے سے ایک تو اس نعمت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس آدمی سے محبت کرنے لگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کرے۔

اسی طرح اگر کوئی یہ چاہے کہ اس سے اللہ اور اللہ کے بندے محبت کریں تو اس کو چاہئے کہ وہ دنیا سے اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بے رخی اختیار کرے جیسا کہ حدیث شریف میں ذکر کیا گیا۔

"اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا اَنَا عَمِلْتُهُ اَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَاَحَبَّنِيَ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

[1] الأعلیٰ: ۱۶، ۱۷ [2] اصلاحی خطبات: ۹/۲۶۳

وَسَلَّمَ اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْ مَا فِيْ اَيْدِ النَّاسِ يُحِبُّوْكَ''[1]

تَرجَمَہ: ''رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ! مجھے ایسا کوئی عمل بتلایئے کہ جب میں اس کو کروں تو اللہ بھی مجھ سے محبت کرے اور اللہ کے بندے بھی مجھ سے محبت کریں؟ آپ نے فرمایا: دنیا کی طرف سے اعراض اور بے رخی اختیار کر لو، تو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا، اور جو (مال و جاہ) لوگوں کے پاس ہے اس سے اعراض اور بے رخی اختیار کرلو، تو لوگ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔''

تَشرِیح: یہ واقعہ ہے کہ دنیا کی محبت اور چاہت ہی آدمی سے وہ سارے کام کراتی ہے، جن کی وجہ سے وہ اللہ کی محبت کے لائق نہیں رہتا، اس لیے اللہ کی محبت حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ دنیا کی چاہت اور رغبت دل میں نہ رہے۔ جب دنیا کی محبت دل سے نکل جائے گی تو دل اللہ کی محبت کے لیے فارغ ہو جائے گا، اور پھر اس کی اطاعت اور فرماں برداری ایسی خالص ہونے لگے گی، کہ وہ بندہ اللہ کو محبوب اور پیارا ہو جائے گا۔

اسی طرح جب کسی بندہ کے متعلق عام طور سے لوگ یہ جان لیں کہ یہ ہماری کسی چیز میں حصہ نہیں چاہتا، نہ یہ مال کا طالب ہے، نہ کسی عہدہ اور منصب کا، تو پھر لوگوں کا اس سے محبت کرنا گویا انسانی فطرت کا لازمہ ہے۔

فَائِدَہ: زہد کے بارے میں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ جس شخص کے لیے دنیا کی لذتیں اور راحتیں حاصل کرنے کے مواقع ہی نہ ہوں، اور اس مجبوری کی وجہ سے وہ دنیا میں عیش نہ کرتا ہو، وہ زاہد نہیں ہے۔ زاہد وہ ہے جس کے لیے دنیا کے عیش و تنعم کے پورے مواقع میسر ہوں، مگر اس کے باوجود وہ اس سے دل نہ لگائے اور متنعمین کی سی زندگی نہ گذارے۔

کسی شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو زاہد کہہ کر پکارا، انہوں نے فرمایا: زاہد تو عمر بن عبدالعزیز تھے، کہ خلیفۂ وقت ہونے کی وجہ سے دنیا گویا ان کے قدموں میں تھی، لیکن انہوں نے اس سے حصہ نہیں لیا۔[2]

دوسری صفت بہادر بننا چاہئے بزدلی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بزدلی سے حدیث میں پناہ مانگی گئی ہے بزدلی کو دور کرنے کے لیے یہ دعا پڑھیں:

''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْهَمِّ وَالْحَزَنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ

[1] اِبْنُ مَاجَة، اَبْوَابُ الزُّهْدِ، بَابُ الزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا: ص ۳۰۲

[2] ماخوذ از معارف الحدیث: ۷۶/۲، ۷۷

وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَقَهْرِ الرِّجَالِ"[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ چاہتا ہوں فکر اور غم سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں عاجزی سے اور سستی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی اور بخل سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے دباؤ سے۔"

اس دعا کو صبح و شام کم از کم ایک ایک مرتبہ پڑھنے کا اہتمام ضرور کریں۔

اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر نہ کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ ہی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ تلوار، حجاج، جلاد سب اللہ تعالیٰ کے حکم کے محتاج ہیں۔

سُؤال: حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ جب حجاج بن یوسف کے دربار میں پکڑ کر لائے گئے تو انہوں نے دربار کے اندر کون سی دعا پڑھی تھی؟

سُؤال: حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی پرورش کس نے کی؟

سُؤال: ان کی والدہ اور والد کا کیا نام تھا؟

سُؤال: حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے علم کن سے حاصل کیا؟

سُؤال: حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ "بصری" کیوں کہلاتے ہیں؟

[1] اَبُوْدَاوُدَ، كِتَابُ الصَّلٰوة، بَابٌ فِي الْاِسْتِعَاذَةِ: ۱/۲۱۷

حضرت شریح قاضی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

"قِيْلَ لِشُرَيْحٍ: بِأَيِّ شَيْءٍ أَصَبْتَ هٰذَا الْعِلْمَ؟ ...... فَقَالَ: بِمُذَاكَرَةِ الْعُلَمَاءِ: آخُذُ مِنْهُمْ وَأُعْطِيْهِمْ"

(سفیان الاوسی)

تَرْجَمَۃ: "قاضی شریح سے پوچھا گیا آپ نے علم کیسے حاصل کیا؟ آپ نے فرمایا: علماء سے مذاکرہ کے ذریعے میں نے علم حاصل کیا اور انہیں بھی بعض قیمتی معلومات پہنچائیں۔"

انصاف پر مبنی فیصلہ

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ایک دیہاتی سے گھوڑی خریدی، اسے قیمت ادا کی اس پہ سوار ہوئے اور چل دیئے، ابھی تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ وہ لنگڑانے لگی آپ اسے واپس موڑ کر اس شخص کے پاس لے آئے جس سے خریدی تھی۔

فرمایا: یہ گھوڑی واپس لے لو یہ لنگڑاتی ہے۔

بیچنے والے نے کہا:

امیر المؤمنین! یہ میں واپس نہیں لوں گا کیوں کہ میں نے صحیح حالت میں آپ کے ہاتھ فروخت کی تھی۔

امیر المؤمنین حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا:

چلئے فیصلے کے لیے کسی کو منصف مقرر کرلیں جو میرے اور آپ کے درمیان عدل و انصاف کی بنیاد پر فیصلہ کرے۔

(اس لیے کہ اسلامی اصول یہ ہے کہ دو آدمیوں میں اختلاف ہو تو تیسرے کو حکم (فیصلہ کرنے والا) بنانا چاہئے کہ وہ ان دونوں میں فیصلہ کرے لہٰذا انہوں نے اپنے درمیان ایک حکم بنالیا)۔

بدوی نے کہا:

کیا شریح بن حارث کندی کا فیصلہ آپ کو منظور ہوگا؟

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: مجھے منظور ہے۔

لہٰذا دونوں فیصلہ کرانے کی غرض سے قاضی شریح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے پاس پہنچے، انہوں نے پہلے دیہاتی

کی بات پورے اطمینان سے سنی پھر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے کہا:

امیر المؤمنین! کیا یہ گھوڑی جس وقت آپ نے خریدی تھی اس وقت صحیح چل رہی تھی اور سالم تھی؟

فرمایا: ہاں!

قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا:

"اِحْتَفِظْ بِمَا اشْتَرَيْتَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَوْرُدَّ كَمَا اَخَذْتَ."

تَرجَمَۃ: "اے امیر المؤمنین! جو چیز آپ نے صحیح حالت میں خریدی اسے اب اپنے پاس رکھئے، یا پھر اسی حالت میں واپس لوٹائیں جس حالت میں آپ نے اسے خریدا تھا۔"

امیر المؤمنین نے قاضی شریح کی طرف بڑے تعجب سے دیکھا اور فرمایا:

کیا یہ فیصلہ انصاف پر مبنی ہے؟

قاضی شریح نے کہا:

"قَوْلٌ فَصْلٌ وَحُكْمٌ عَدْلٌ"

تَرجَمَۃ: "حق بات اور عدل وانصاف کا تقاضا یہی ہے۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ یہ فیصلہ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا:

اب آپ کوفہ تشریف لے جائیں کیوں کہ میں نے آپ کو وہاں کا رئیس القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کردیا ہے، بلاشبہ آپ جیسا نڈر اور باصلاحیت شخص ہی اس اہم منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔

جن دنوں امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے شریح بن حارث کندی کو رئیس القضاۃ (چیف جسٹس) کا منصب سونپا، ان دنوں وہ مدینہ منورہ کے معاشرے میں غیر معروف وغیر مشہور نہ تھے بل کہ اونچے درجہ کے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اور بڑے مرتبہ کے تابعین رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی میں خوب جانے پہچانے جاتے تھے۔

ہر حلقہ میں انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اہلِ فضل و اہلِ کمال ان کے علم اور ان کی ذہانت، ہوشیاری اور سمجھ داری کے قائل تھے۔ یہ یمن کے رہنے والے تھے اور عرب کے مشہور قبیلہ کندی سے ان کا تعلق تھا، چوں کہ اس زمانے میں جو بھی اسلام لے آتا پھر وہ اسلام کو پھیلانے کی محنت میں لگ جاتا تھا۔

جب عرب نورِ ہدایت سے چمکا اور اسلام کی روشن کرنیں سرزمین یمن تک پہنچیں، تو قاضی شریح ان خوش نصیبوں میں سے ہوئے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ پر ایمان لانے کی سعادت حاصل کی اور حق وہدایت کی دعوت کو قبول کیا۔

ان کے فضل وعلم واخلاق کے جاننے والوں کو حد درجہ افسوس تھا کہ انہیں کچھ عرصہ پہلے مدینہ منورہ آنے کی سعادت مل جاتی تو یہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کر لیتے اور آپ ﷺ کی صحبت سے براہِ راست ہدایت پاتے اور انہیں ایمان کے ساتھ ساتھ شرفِ صحابیت بھی حاصل ہو جاتا۔

اس طرح خیر وبھلائی ہر طرف سے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیتی لیکن یہ ان کے مقدر میں نہ تھا۔ ہوتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس وقت جب کہ اکابرِ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ موجود تھے، ان کی موجودگی میں ایک تابعی کو اتنا بڑا منصب سونپ کر کسی جلد بازی سے نہیں لیا (بل کہ جس میں جو صلاحیت دیکھی وہ منصب اس کو عطا کر دیا)۔

اسی لیے آپ کے بعد حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سب نے ہی ان کو اس عہدہ پر قائم رکھا۔

یہاں تک کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے بعد کے خلفاءِ بنی امیہ نے بھی آپ کو اس منصب پر قائم رکھا۔

(اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ) آپ نے ایک سو سات (۱۰۷) سال تک کی عمر پائی، جس میں سے ساٹھ سال تک اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے قاضی کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں۔

مسلمانوں کی تاریخ کے صفحات قاضی شریح کے مبارک عدالتی فیصلوں، پسندیدہ اقوال اور قابلِ رشک کارناموں سے بھرے ہوئے ہیں جس سے ہر خاص و عام فائدہ اٹھاتا ہے اور اسلام کے اس مبارک نظام کی بلندی اس کے دل و دماغ میں بیٹھ جاتی ہے۔

ان میں سے چند فیصلے ملاحظہ ہوں۔

پہلا فیصلہ

ایک روز حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی پسندیدہ اور قیمتی زرہ (جو جنگ کے زمانے میں حفاظت کے لیے پہنی جاتی ہے) گم ہوگئی، تھوڑے ہی عرصے بعد انہوں نے ایک ذِمّی شخص (مسلمان حکومت کے ماتحت رہنے والا غیر مسلم) کو دیکھا کہ وہ زرہ کوفہ کے بازار میں بیچ رہا ہے۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس زرہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرمایا:

"ھٰذِہٖ دِرْعِيْ سَقَطَتْ عَنْ جَمَلٍ لِيْ فِيْ لَيْلَةِ كَذَا ...... وَفِيْ مَكَانِ كَذَا ......"

تَرجَمَہ: ''ارے یہ زرہ میری ہے، ایک رات دورانِ سفر راستے میں اونٹ پر سے گر گئی تھی۔''

ذمی نے کہا:

''بَلْ هِيَ دِرْعِي وَفِيْ يَدِيْ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ......''

تَرجَمَہ: ''امیر المؤمنین یہ میری زرہ ہے اس لیے کہ یہ میرے قبضہ میں ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''إِنَّمَا هِيَ دِرْعِي لَمْ أَبِعْهَا مِنْ أَحَدٍ، وَلَمْ أَهَبْهَا لِأَحَدٍ حَتّٰى تَصِيرَ إِلَيْكَ ......''

تَرجَمَہ: ''یہ زرہ تو میری ہے، نہ تو میں نے یہ کسی کے ہاتھ بیچی ہے، اور نہ ہی میں نے کسی کو تحفہ میں دی ہے۔''

ذمی نے کہا:

''بَيْنِي وَبَيْنَكَ قَاضِي الْمُسْلِمِيْنَ ......''

تَرجَمَہ: ''میرے اور آپ کے درمیان کوئی مسلمان قاضی جو فیصلہ کر دے مجھے منظور ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

آپ درست کہتے ہیں چلئے ابھی قاضی کے پاس چلتے ہیں۔

دونوں قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے اور وہاں عدالت میں جا کھڑے ہوئے۔

قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

میں نے اپنی یہ زرہ اس شخص کے پاس پائی ہے، جو مجھ سے فلاں رات میں، فلاں جگہ سفر کے دوران گر گئی تھی اور اس شخص نے نہ تو یہ زرہ کسی سے خریدی ہے، اور نہ اس کے پاس کسی کی طرف سے ہدیہ آئی ہے لہٰذا یہ زرہ مجھے واپس دلا دی جائے۔

قاضی شریح نے ذمی سے کہا:

آپ اس کے متعلق کیا کہنا پسند کریں گے؟

اس نے کہا: یہ زرہ میری ہے چوں کہ اس وقت میرے قبضے میں ہے۔ اور میں امیر المؤمنین پر کسی قسم کا کوئی الزام لگانا نہیں چاہتا ہوں۔

قاضی شریح نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:

امیر المؤمنین! آپ کے سچا ہونے میں مجھے کوئی شک نہیں، یہ زرہ بلاشبہ آپ کی ہے، لیکن چوں کہ اس

وقت مقدمہ عدالت میں ہے، اسے اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لیے آپ کو دو گواہ پیش کرنا ہوں گے۔

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: ہاں!

میرا غلام قنبر اور میرا بیٹا حسن میرے حق میں گواہی دیں گے۔ قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا:

"وَلٰكِنَّ شَهَادَةَ الْاِبْنِ لِأَبِيْهِ لَا تَجُوْزُ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ."

تَرْجَمَۃ: "امیر المؤمنین! غلام کی گواہی آقا کے حق میں اور بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں قابلِ قبول نہیں۔"

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

سبحان اللہ! ایک جنتی آدمی کی شہادت قبول نہیں..... کیا آپ نے رسولِ اقدس ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا؟

"اَلْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ."[1]

تَرْجَمَۃ: "حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں۔"

قاضی شریح نے کہا:

"غَيْرَ أَنِّيْ لَا أُجِيْزُ شَهَادَةَ الْوَلَدِ لِوَالِدِهٖ."

امیر المؤمنین! یہ درست ہے لیکن میں باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی کو جائز نہیں سمجھتا۔

حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے ذمی کی طرف دیکھا اور فرمایا:

یہ زرہ اپنے قبضے میں ہی رکھیے، کیوں کہ میرے پاس ان کے سوا کوئی گواہ نہیں یہ صورتِ حال دیکھ کر ذمی نے کہا:

"وَلٰكِنَّنِيْ أَشْهَدُ بِأَنَّ الدِّرْعَ لَكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ......

ثُمَّ أَرْدَفَ قَائِلًا: يَا اَللّٰه......

أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ يُقَاضِيْنِيْ أَمَامَ قَاضِيْهِ!!......

وَقَاضِيْهِ يَقْضِيْ لِيْ عَلَيْهِ!!......

أَشْهَدُ أَنَّ الدِّيْنَ الَّذِيْ يَأْمُرُ بِهٰذَا لَحَقٌّ......

وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ......"

تَرْجَمَۃ: امیر المؤمنین میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ زرہ آپ ہی کی ہے۔

---

[1] ترمذی شریف: ۲/۲۱۷

پھر وہ تعجب سے کہنے لگا:

اے اللہ! اسلام میں انصاف کا معیار کتنا اونچا ہے۔

آج امیر المؤمنین اپنے ماتحت قاضی سے فیصلہ کرانے کے لیے پیش ہوا اور قاضی نے سماعت کے بعد فیصلہ امیر المؤمنین کے خلاف میرے حق میں دے دیا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ دین جو اس قسم کے فیصلے کرنے کا حکم دیتا ہے وہ برحق ہے، اور میں آج اس سے متاثر ہوکر عدالت کے سامنے سچے دل سے اقرار کرتا ہوں۔ (اس کے بعد اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا)۔

''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.''

تَرجَمَہ: ''اللہ کے سوا کوئی معبودِ حقیقی نہیں اور بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

پھر اس عدالت میں اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا:

جناب قاضی صاحب! میں صدقِ دل سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ زرہ امیر المؤمنین کی ہے۔ میں ایک رات اس لشکر کے پیچھے پیچھے جارہا تھا جو صِفّین کی طرف رواں دواں تھا، یہ زرہ ان کے خاکی رنگ کے اونٹ سے گری تھی جسے میں نے اٹھالیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا بیان سن کر ارشاد فرمایا:

چوں کہ اب تو مسلمان ہوگیا ہے لہٰذا یہ زرہ میں نے تجھے بطور تحفہ دی اور اس کے ساتھ ہی یہ عمدہ گھوڑی بھی تجھے بطورِ تحفہ پیش کرتا ہوں۔

یہ واقعہ پیش آئے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ یہ شخص جنگِ نہروان کے دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں خوارج کے ساتھ لڑائی کرتا ہوا شہید ہوگیا۔

دوسرا فیصلہ

قاضی شریح رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ اور عدل وانصاف کی دولت عطا فرمائی تھی، اس کے ذریعے انہوں نے جو فیصلے صادر فرمائے تھے ان عجیب فیصلوں میں سے یہ بھی ہے کہ: ایک دن ان کے بیٹے نے ان سے کہا:

اے ابا جان! میرا فلاں لوگوں کے ساتھ کچھ جھگڑا ہوگیا ہے، آپ مجھے بتادیں اگر اس میں میری غلطی ہے

تو جتنے پیسے وہ مجھے دیں میں اس پر راضی ہو جاؤں۔
اور اگر ان کی غلطی ہے تو ان کو عدالت میں لے آؤں، تا کہ ان کو بھی ان کی غلطی کا احساس ہو جائے۔
آپ نے جھگڑے کی تفصیل سننے کے بعد فرمایا:
''ہاں! ان کو عدالت میں لے آؤ۔''
وہ خوشی خوشی ان کے پاس گیا اور انہیں عدالت میں چلنے کے لیے کہا، وہ عدالت میں پیشی کے لیے تیار ہو گئے۔
جب قاضی شریح کی عدالت میں پہنچے تو انہوں نے مقدمہ سننے کے بعد اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ سنا دیا۔
وہ لوگ خوش وخرم واپس لوٹے اور بیٹا افسردہ وشرمندہ منہ لٹکائے ہوئے عدالت سے باہر آیا۔
باپ کا فیصلہ بیٹے کے خلاف، یہ ہے عدل وانصاف کی روشن مثال جب قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور ان کا بیٹا گھر پہنچے بیٹے نے باپ سے کہا:
ابا جان! آپ نے مجھے شرمندہ کر دیا۔ اگر میں نے آپ سے مشورہ نہ لیا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی، افسوس یہ ہے کہ میں نے آپ سے مشورہ لے کر عدالت کا رخ کیا، اور آپ نے میرے ہی خلاف فیصلہ صادر کر دیا لوگ میرے متعلق کیا سوچتے ہوں گے۔
قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا:
"وَاللّٰهِ لَأَنْتَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِنْ أَمْثَالِهِمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَعَزُّ عَلَيَّ مِنْكَ ......"
تَرجَمہ: ''بیٹا! دنیا بھر کے لوگوں سے تو مجھے زیادہ محبوب ہے لیکن یاد رکھو! اللہ کی محبت میرے دل میں تیرے پیار پر غالب ہے۔''
مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر میں تجھے مشورے کے وقت بتا دیتا کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا، تو تو ان سے صلح کر لیتا اور ہو سکتا تھا کہ وہ صلح میں نقصان اٹھاتے، ان کو زیادہ پیسے ادا کرنے پڑتے اور اپنے حق سے محروم رہ جاتے۔
اس لیے میں نے تجھے کہا کہ انہیں عدالت میں لے آؤ تا کہ عدل وانصاف سے ان کا حق انہیں پورا پورا مل جائے۔

تیسرا فیصلہ

ایک مرتبہ قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے لڑکے نے ایک شخص کی ضمانت دی کہ یہ شخص اتنے دنوں بعد عدالت میں حاضر نہ ہوا تو میں ضامن ہوں، جو منظور کرلی گئی وہ شخص بروقت عدالت میں حاضر ہونے کے بجائے بھاگ گیا۔

قاضی شریح نے اپنے لڑکے کو اس بھاگے ہوئے شخص کے بدلے میں گرفتار کرلیا اور پھر جیل میں ہر روز خود کھانا پہنچایا کرتے تھے۔

دیکھیے! یہ ہے اللہ کی محبت، جب انسان کے دل میں اللہ کی محبت بیٹھ جاتی ہے تو پھر وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتا کہ لوگ کیا کہیں گے؟

کبھی کبھی کسی گواہی میں جب قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو شک وشبہ پیدا ہوتا اور گواہی دینے والے عدالت کے میدان میں آ کھڑے ہوتے آپ انہیں جھوٹی گواہی سے باز رکھنے کے لیے یہ ارشاد فرماتے:

گواہی دینے والو! میری بات کو غور سے سنو! اللہ تمہیں ہدایت دے (اگر جھوٹی گواہی دی تو) آج اس شخص کے خلاف فیصلہ دینے کا باعث تم بنو گے۔ میں تو تمہاری دی ہوئی گواہی کی وجہ سے جہنم کی آگ سے بچ جاؤں گا، تمہیں بھی جہنم کی آگ سے بچنے کی فکر کرنی چاہیے، اب بھی تمہارے اختیار میں ہے کہ گواہی نہ دو اور چلے جاؤ۔

اگر وہ گواہی دینے پر اصرار کرتے تو آپ اس شخص کی طرف متوجہ ہوتے جس کے حق میں یہ گواہی دینا چاہتے، اسے مخاطب ہوکر فرماتے:

خوب اچھی طرح جان لو! میں تمہارے حق میں فیصلہ ان کی گواہی کی بنا پر دے رہا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ظالم تو تم ہی ہو، لیکن صرف گمان و اندازہ کی بنا پر فیصلہ صادر نہیں کرسکتا، میں تو گواہوں کی شہادت پر ہی فیصلہ دے سکتا ہوں۔

"وَإِنَّ قَضَائِيْ مَا يُحِلُّ لَكَ شَيْئًا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ."

تَرجَمَہ: "لیکن میرا یہ فیصلہ اس چیز کو تمہارے لیے حلال نہیں کرسکتا جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حرام کردیا ہے۔"

قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ عدالت کی کرسی پر بیٹھے ہوئے فیصلہ صادر کرتے وقت یہ کلمات بار بار دہرایا کرتے تھے۔

"غَدًا سَيَعْلَمُ الظَّالِمُ مَنِ الْخَاسِرُ؟
إِنَّ الظَّالِمَ يَنْتَظِرُ الْعِقَابَ......
وَ إِنَّ الْمَظْلُوْمَ يَنْتَظِرُ النَّصَفَةَ......
وَ إِنِّيْ أَحْلِفُ بِاللّٰهِ، أَنَّهُ مَا مِنْ أَحَدٍ تَرَكَ شَيْئًا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ أَحَسَّ بِفَقْدِهٖ......"

تَرْجَمَہ: "ظالم کل ضرور جان لے گا کہ نقصان اٹھانے والا کون ہے؟ ویسے بھی نفسیاتی طور پر ظالم سزا کا منتظر رہتا ہے اور مظلوم عدل وانصاف کا انتظار کرتا ہے۔" (یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضمیر ایسا دیا ہے کہ جو شخص ظلم کر کے کسی کا مال چھین لیتا ہے، یا کسی قسم کی تکلیف پہنچاتا ہے تو وہ بعد میں ڈرتا رہتا ہے اس پر خوف مسلط ہوجاتا ہے۔ اور مظلوم کے دل میں اللہ تعالیٰ سے یہ امید ہوتی ہے کہ مجھے میرا حق مل جائے گا، یا جس نے مجھے ستایا ہے دنیا، میں ورنہ آخرت میں وہ سزا ضرور بھگتے گا۔) میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں: جو شخص اللہ کے لیے کوئی حق چھوڑ دے گا یا کوئی چیز اللہ کو راضی کرنے کے لیے چھوڑ دے گا، تو اسے اس چیز کے اپنے ہاتھ سے نکل جانے کا غم نہیں ہوگا، اور اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس کو بدلہ عطا فرما دیں گے۔"

قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی لوگوں کو انفرادی نصیحتیں

قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جب کسی بات کی تبلیغ فرماتے تو ان پر نصیحت وشفقت کا پہلو غالب رہتا، اجتماعی نصیحتوں کے ساتھ ساتھ انفرادی نصیحتیں بھی کیا کرتے تھے۔ ایک شخص کا بیان ہے:

قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مجھے دیکھا کہ میں اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کی شکایت اپنے ایک دوست کے پاس کر رہا تھا۔

آپ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے گئے اور فرمایا:

"يَا ابْنَ أَخِيْ...... إِيَّاكَ وَالشَّكْوٰى لِغَيْرِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ......
فَإِنَّ مَنْ تَشْكُوْ إِلَيْهِ لَا يَخْلُوْ أَنْ يَكُوْنَ صَدِيْقًا أَوْ عَدُوًّا......
فَأَمَّا الصَّدِيْقُ فَتُحْزِنُهٗ......
وَأَمَّا الْعَدُوُّ فَيَشْمَتُ بِكَ ......
ثُمَّ قَالَ: اُنْظُرْ إِلٰى عَيْنِيْ هٰذِهٖ. وَأَشَارَ إِلٰى إِحْدٰى عَيْنَيْهِ.
فَوَاللّٰهِ مَا أَبْصَرْتُ بِهَا شَخْصًا وَلَا طَرِيْقًا مُنْذُ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً...... وَلٰكِنِّيْ مَا

أَخْبَرْتُ أَحَداً بِذٰلِكَ إِلَّا أَنْتَ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ ......"

ترجمہ: "اے میرے بھائی کے بیٹے! اللہ کے سوا کسی کے پاس شکوہ شکایت کرنے سے بچو، جس کے پاس تم شکوہ کرو گے وہ تمہارا دوست ہوگا یا دشمن، دوست یہ شکوہ سن کر غم گین ہوگا اور دشمن خوش ہوگا (اور مصیبتوں بلاؤں کو نہ دوست دور کرسکتا ہے، نہ دشمن، پھر ان کو شکایت کرنے کا کیا فائدہ)؟

پھر آپ نے اپنی ایک آنکھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: میری اس آنکھ کی طرف دیکھو! اللہ کی قسم میں نے گزشتہ پندرہ برس سے اس آنکھ سے نہ کوئی شخص دیکھا اور نہ راستہ لیکن میں نے کسی کو (شکایت کرنے کی غرض سے بھی) بتایا تک نہیں، صرف آج تجھے محض سمجھانے کے لیے بتارہا ہوں۔"

بار بار ہر ایک سے پریشانیوں کا ذکر نہیں کرنا چاہئے۔ کیا تو نے اللہ کے برگزیدہ بندے حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ جملہ نہیں سنا:

﴿اِنَّمَآ اَشْكُوْ بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ﴾[1]

ترجمہ: "میں اپنا شکوہ وغم اللہ کے حضور پیش کرتا ہوں۔"

اور یہ بھی فرمایا:

"فَاجْعَلِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مَشْكَاكَ، وَمَحْزَنَكَ عِنْدَ كُلِّ نَائِبَةٍ تَنُوْبُكَ، فَإِنَّهُ أَكْرَمُ مَسْئُوْلٍ وَأَقْرَبُ مَدْعُوٍّ"

ترجمہ: "ہر مصیبت کے وقت اپنے غم ورنج کا شکوہ اللہ ہی کے دربار میں پیش کیا کرو۔ وہی سوالیوں کی عزت رکھنے والا، بے کسوں کی التجائیں سننے والا اور دعائیں مانگنے والوں کے قریب تر ہے۔"

ایک دن کسی شخص کو دوسرے سے کچھ مانگتے ہوئے دیکھا تو بڑے پیار سے نصیحت کی اور فرمایا:

"يَا بْنَ أَخِيْ مَنْ سَأَلَ إِنْسَانًا حَاجَةً فَقَدْ عَرَضَ نَفْسَهُ عَلَى الرِّقِّ. فَإِنْ قَضَاهَا لَهُ الْمَسْئُوْلُ فَقَدِ اسْتَعْبَدَهُ بِهَا ...... وَإِنْ رَدَّهُ عَنْهَا رَجَعَ كِلَاهُمَا ذَلِيْلاً ...... هٰذَا بِذُلِّ الْبُخْلِ ...... وَذَاكَ بِذُلِّ الرَّدِّ ......

فَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ. وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ.

وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ وَلَا عَوْنَ إِلَّا بِاللّٰهِ."

ترجمہ: "میرے بھتیجے جو کسی انسان سے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھیک مانگے گویا اس نے اپنے آپ کو اس انسان کی غلامی کے سپرد کردیا۔ اگر اس شخص نے جس سے مانگا تھا سوالی کی ضرورت کو پورا کردیا، تو

[1] يُوسُف: ٨٦

اس نے گویا اسے اپنا ذہنی غلام بنالیا اور اگر اسے جواب دے دیا تو دونوں ذلیل وخوار ہوکر واپس لوٹے۔ ایک بخل کی ذلت کے ساتھ...... اور دوسرا ناکامی کی ذلت ورسوائی کے ساتھ...... جب بھی تجھے کچھ مانگنا ہو اپنے اللہ سے مانگو...... اور جب بھی مدد طلب کرو تو اپنے اللہ سے مدد طلب کرو..... خوب اچھی طرح یہ بات جان لو کہ برائی سے بچنے اور نیکی کرنے کی توفیق اور مدد دینے کا حقیقی اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں۔“

اس لیے ہر معاملہ میں اسی اللہ سے مدد مانگنی چاہیے۔ کبھی کوئی پریشانی ہو کوئی مسئلہ اٹکا ہوا ہو تو اللہ ہی سے مانگیں۔

کوفہ میں ایک مرتبہ طاعون کی وبا پھوٹ پڑی قاضی شریح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ایک دوست اس وبا سے بچنے کی خاطر نجف (جگہ کا نام ہے) چلا گیا۔ قاضی شریح رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس کی طرف ایک خط لکھا:

”أَمَّا بَعْدُ ...... فَإِنَّ الْمَوْضِعَ الَّذِيْ تَرَكْتَهُ لَا يُقَرِّبُ حِمَامَكَ، وَلَا يَسْلُبُ مِنْكَ أَيَّامَكَ ......

وَ إِنَّ الْمَوْضِعَ الَّذِيْ صِرْتَ إِلَيْهِ فِيْ قَبْضَةِ مَنْ لَا يُعْجِزُهُ طَلَبٌ، وَلَا يَفُوْتُهُ هَرَبٌ ......

وَ إِنَّا وَ إِيَّاكَ لَعَلٰى بِسَاطِ مَلِكٍ وَاحِدٍ ......

وَ إِنَّ (النَّجَفَ) مِنْ ذِيْ قُدْرَةٍ لَقَرِيْبٌ ......“

تَرجَمَۃ: ”اما بعد...... جس جگہ کو تم چھوڑ کر گئے ہو وہ تمہاری موت کو قریب نہیں کرسکتی تھی اور نہ وہ جگہ تمہاری باقی زندگی کے دن چھین سکتی تھی، جتنے سانس اس دنیا میں تم اپنی زندگی کے لائے ہو اتنے سانس پورے کر کے ہی تم کو جانا ہے اور جس جگہ تم نے جا کر پڑاؤ ڈالا ہے وہ جگہ بھی اس ذات کے قبضہ میں ہے جسے کوئی طلب عاجز نہیں کرسکتی اور نہ ہی بھاگنے والا اس کے دائرۂ اختیار سے باہر نکل سکتا ہے۔ یاد رکھو! ہم اور آپ ایک ہی بادشاہ کے دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔ بلاشبہ نجف (کا علاقہ) قدرت والے ربّ العزت جل جلالہ کے بہت قریب ہے۔“

آپ ایک زبردست شاعر بھی تھے

ان بے بہا خوبیوں کے علاوہ قاضی شریح ایک ایسے زبردست شاعر تھے جن کے اشعار بطور دلیل پیش کیے جاتے، ان کا اندازِ شاعری دل کھینچنے والا...... اور دل پر جم جانے والا تھا...... اور اظہارِ خیال کے لیے موضوعات نہایت عمدہ اور انوکھے ہوا کرتے تھے۔

ان کا ایک دس سالہ بیٹا کھیل کود کا بڑا ہی شوقین تھا۔ ایک دن اسے غیر حاضر پایا۔ چوں کہ وہ مدرسہ/اسکول چھوڑ کر کتوں کی لڑائی دیکھنے چلا گیا جب گھر واپس آیا تو آپ نے بیٹے سے پوچھا نماز پڑھی ہے؟

اس نے کہا نہیں۔

آپ نے کاغذ قلم منگوایا اور اس کے استاد کی طرف یہ اشعار لکھ بھیجے۔

تَرَكَ الصَّلَاةَ لِأَكْلُبٍ يَسْعٰى لَهَا
يَبْغِي الْهِرَاشَ مَعَ الْغُوَاةِ الرُّجَّسِ
فَلَيَأْتِيَنَّكَ غُدْوَةً بِصَحِيْفَةٍ
كُتِبَتْ لَهُ كَصَحِيْفَةِ الْمُتَلَمِّسِ
فَإِذَا أَتَاكَ فَدَاوِهِ بِمَلَامَةٍ
أَوْ عِظْهُ مَوْعِظَةَ الْأَدِيْبِ الْكَيِّسِ
وَإِذَا هَمَمْتَ بِضَرْبِهِ فَبِدُرَّةٍ
وَإِذَا بَلَغْتَ ثَلَاثَةً لَّكَ فَاحْبِسِ
وَاعْلَمْ بِأَنَّكَ مَا أَتَيْتَ فَنَفْسُهُ
مَعَ مَا يُجَرِّعُنِي أَعَزُّ الْأَنْفُسِ

جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

- یہ چند آوارہ اور بے ہودہ لڑکوں کے ساتھ مل کر کتوں کی لڑائی دیکھتا رہا ان کے پیچھے بھاگتا رہا اور اس نے نماز چھوڑ دی۔
- آپ کے پاس یہ ایک رقعہ لے کر آئے گا جو خاص طور سے اس کی تربیت اور اصلاح کے لیے لکھا گیا ہے۔
- جب یہ آپ کے پاس آئے تو اس کا علاج شفقت بھری ملامت سے کرنا یا ایک عقل مند و دانش مند ادیب کی طرح وعظ و نصیحت کے ذریعہ اس کو سمجھانے کی کوشش کرنا۔
- اگر اسے آپ مارنا چاہیں تو کوڑے سے مارنا اور جب تین کوڑے مارلیں تو پھر رک جانا۔
- یقین کیجیے جو سلوک بھی آپ اس کی اصلاح و تربیت کے لیے کریں گے اس میں اس لڑکے کا ذاتی فائدہ ہے، باوجود یہ کہ میں اس کی وجہ سے غم کے کڑوے گھونٹ پی رہا ہوں پھر بھی مجھے یہ سب سے زیادہ عزیز ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ، فاروقِ اعظم سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے راضی ہو انہوں نے اسلامی عدالت کی پیشانی کو ایک قیمتی روشن اور دل کش موتی سے سجایا۔

انہوں نے مسلمانوں کو ایک ایسا روشن چراغ تحفہ دیا جس کی روشنی سے شریعتِ الٰہی پر چلنے کے راستے روشن ہوئے اور لوگ مسلسل اس کے حکیمانہ فیصلوں کی روشن شعاعوں سے روشنی حاصل کرتے رہیں گے اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سنتِ مطہرہ کی اتباع کے لیے ان کی سمجھائی ہوئی روشن ہدایات سے رہنمائی حاصل کرتے رہیں گے۔

اور مسلمان قیامت کے دن قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی موجودگی پر فخر کریں گے اللہ تعالیٰ قاضی شریح پر رحم فرمائے کہ انہوں نے لوگوں میں پورے ساٹھ سال تک عدل وانصاف قائم کیا۔

انہوں نے کسی ایک شخص پر بھی ظلم نہ کیا اور نہ ہی کبھی فیصلہ دیتے وقت کسی بادشاہ اور عام لوگوں میں فرق کیا۔ نہ عام لوگوں میں کوئی امتیاز برتا۔

فوائد ونصائح

اللہ کی رضا کے لیے اپنی چاہت والدین کی چاہت پر قربان کر دینی چاہیے۔

❶ اس واقعہ میں غور کریں کہ قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بیٹے نے اسکول، مدرسہ کی چھٹی کی تو ان کے والد کو کتنی تکلیف ہوئی، بیٹے نے اپنی چاہت کو پورا کیا اسکول کی چھٹی کی، کھیل میں مشغول ہوگیا۔

اب وہ وقت گذر گیا کھیل بھی ختم ہوگیا، اسکول مدرسہ کا وقت بھی ختم لیکن والدین کی ناراضگی اساتذہ کی ناراضگی باقی رہی، والد ناراض ہوں تو اللہ بھی ناراض ہو جاتے ہیں۔

اس لیے ہمیں والدین کی چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کر دینا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو جائیں۔ اپنی چاہت کے قربان کرنے پر اللہ تعالیٰ آخرت میں بڑے انعامات دیں گے۔

لہٰذا اپنی من چاہی زندگی کو رب چاہی زندگی پر قربان کر دینا چاہئے تاکہ دونوں جہانوں میں سعادت نصیب ہو۔

نوٹ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمارے ادارہ سے ایک بہت ہی پیاری کتاب "والدین کی قدر کیجئے" چھپ چکی ہے اور اب اس کتاب کا جدید اضافہ شدہ ایڈیشن مزید بہتر ترتیب کے ساتھ بھی شائع ہو چکا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ تمام مسلمانوں، خصوصاً اولاد کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت ہی فائدہ مند ہوگا، آپ ایک بار ضرور اس کتاب کا مطالعہ کریں۔

اپنی ساری ضرورتیں صرف اللہ ہی سے مانگیں

❷ اور اگر ہمیں کسی چیز کی چاہت ہو تو فوراً یہ چار رکعت نماز صلوٰۃ الحاجت کی نیت سے پڑھ کر دعا مانگیں اور بار بار مانگیں، جب لوگ سو رہے ہوں تو رات کو اٹھ کر، گڑگڑا کر، رو رو کر دعا مانگیں ان شاء اللہ ضرور قبول ہوگی ذیل میں ہم صلوٰۃ الحاجت کے دو طریقے ذکر کرتے ہیں۔

(الف) فرات بن سلیمان رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"أَلَا يَقُوْمُ أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّيْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَقُوْلُ فِيْهِنَّ مَاكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ:"

تَرجَمَہ: "کیا تم میں سے کوئی یہ نہیں کر سکتا کہ کھڑا ہو کر چار رکعت نماز پڑھے پھر اس میں یہ کلمات کہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے:

"تَمَّ نُوْرُكَ فَهَدَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ، عَظُمَ حِلْمُكَ فَعَفَوْتَ، فَلَكَ الْحَمْدُ. فَبَسَطْتَّ يَدَكَ فَأَعْطَيْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ رَبَّنَا، وَجْهُكَ أَكْرَمُ الْوُجُوْهِ، وَجَاهُكَ أَعْظَمُ الْجَاهِ، وَعَطِيَّتُكَ أَفْضَلُ الْعَطِيَّةِ وَأَهْنَؤُهَا تُطَاعُ رَبَّنَا فَتَشْكُرَ، وَتُعْصٰى رَبَّنَا فَتَغْفِرَ، وَتُجِيْبُ الْمُضْطَرَّ، وَتَكْشِفُ الضُّرَّ، وَتَشْفِي السُّقْمَ، وَتَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَتَقْبَلُ التَّوْبَةَ. وَلَا يَجْزِيْ بِآلَائِكَ أَحَدٌ، وَلَا يَبْلُغُ مَدْ حَتَكَ قَوْلُ قَائِلٍ"[1]

تَرجَمَہ: "آپ کا نور مکمل ہے چناں چہ آپ نے ہدایت دی، پس آپ ہی کے لیے تمام تعریف ہے۔ آپ بڑے بردبار ہیں چناں چہ آپ نے بخش دیا، پس آپ ہی کے لیے تمام تعریف ہے۔ آپ نے اپنے ہاتھ کو کشادہ فرما کر عطا و بخشش سے نوازا۔ پس اے ہمارے رب! تمام تعریف آپ ہی کے لیے ہے آپ کا مرتبہ سب سے عظیم اور آپ کا عطیہ افضل و خوش گوار عطیہ ہے۔ اے ہمارے رب! آپ کی اطاعت کی جاتی ہے تو آپ اس کی قدر فرماتے ہیں (اور ثواب عطا فرماتے ہیں) نافرمانی کی جاتی ہے تو مغفرت فرماتے ہیں، مجبور و بے کس کی دعا سنتے اور قبول فرماتے ہیں۔ تکلیف کو آپ ہی دور کرتے اور بیماری سے شفا عطا فرماتے ہیں، گناہوں کو معاف فرماتے اور توبہ قبول فرماتے ہیں۔ آپ کی نعمتوں کا کوئی بدلہ نہیں دے سکتا اور کسی کی تعریف آپ کی تعریف تک نہیں پہنچ سکتی۔"

---

[1] مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ، كِتَابُ الْأَدْعِيَةِ: ۱۰/۱۷۷

(ب) حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو، ہر صورت میں) اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثنا کرے اور اس کے نبی (ﷺ) پر درود پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ سے اس طرح عرض کرے:

"لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ، وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ، وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ، وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ، لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ."[1]

تَرْجَمَۃ: "اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ بڑے حلم والا (بردبار) اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے، وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا، جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ، اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں، اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا، اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ اے اللہ! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے۔ اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے سب مہربانوں سے بڑے مہربان!!"

اپنی ہر ضرورت کو پورا کروانے کے لیے یہ عمل بہت اہم ہے۔ ہر ضرورت کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے اپنی ضرورت کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات بالکل ناپسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کسی اور سے سوال کرے۔

❸ اس واقعہ میں ایک اور سبق جو ہمیں ملا وہ یہ کہ ہمیشہ حق کا ساتھ دینا چاہیے، جس طرح قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے گھوڑا بیچنے والے دیہاتی شخص کا ساتھ دیا تھا اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا امیر المؤمنین ہوتے ہوئے بھی ساتھ نہ دیا۔ کیوں کہ دیہاتی شخص زیادہ حق کی بات پر تھا۔

[1] تِرْمِذِيْ، اَبْوَابُ صَلَاةِ الْوِتْرِ، بَابُ مَاجَاءَ فِيْ صَلَاةِ الْحَاجَةِ: ۱/۱۰۸

سُوال: حضرت قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے والد صاحب کا نام کیا تھا؟ اور ان کو کس شخص نے قاضی بنایا تھا؟ اور یہ کونسے علاقے کے رہنے والے تھے؟

سُوال: بادشاہ اور عام آدمی کے درمیان انصاف کرنے کی کوئی مثال یا کوئی واقعہ ہو تو اپنے الفاظ میں لکھ کر بتائیں۔

سُوال: قاضی شریح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے دو شعر عربی میں لکھ کر بتائیں۔

حضرت محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

"مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَفْقَهَ فِي وَرَعِهِ، وَلَا أَوْرَعَ فِي فِقْهِهِ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ." (مورق العجلی)

تَرْجَمَۃ: "محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جیسا مجھے کوئی متقی اور عالم دکھائی نہ دیا۔"

تعارف

ایک نیک شخص جن کا نام سیرین تھا، حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے غلام تھے، جب حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کو آزاد کر دیا تو انہوں نے اپنا کاروبار شروع کیا۔

اللہ تعالیٰ نے کاروبار میں برکت عطا فرمائی، چوں کہ کام بہت اچھا کرتے تھے، تانبے کی دیگ بنانے کے بڑے ماہر کاریگر تھے اور ہمیشہ ماہرین کی قدر کی جاتی ہے جس شعبہ میں بھی ہوں، لہٰذا لوگ ان کے پاس کام کروانے آتے تھے۔

پھر شادی کا ارادہ کیا، تو ان کی نظرِ انتخاب حضرت ابوبکر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی باندی صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا پر پڑی، جو ایک نیک خاتون خوش اخلاق اور خوش سیرت وصورت ہونے کے ساتھ ساتھ مدینہ کی خواتین میں ہر دل عزیز تھیں، خصوصاً اُمہات المؤمنین کو اس باندی سے بہت پیار تھا۔

اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو تو سب سے زیادہ محبت تھی، عمر میں تو سالوں کے اعتبار سے چھوٹی تھیں، لیکن عقل وسمجھ داری کے اعتبار سے بڑی عمر کی عورتوں کی طرح تھیں، اچھے طریقے کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، سلیقہ وقرینہ سے (ہر ایک کو اس کا درجہ دینا) ہر چیز اپنی جگہ رکھنا اور دیگر امور میں سمجھ دار تھیں۔

حضرت صفیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے شادی

حضرت سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نہایت ہی ادب واحترام سے ان کی کنیز کا رشتہ طلب کیا، حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنی کنیز کا رشتہ مانگنے والے شخص کا اس طرح اخلاق ودین کے اعتبار سے جائزہ لینے لگے، جس طرح ایک شفیق باپ اپنی بیٹی کا رشتہ مانگنے والے کا جائزہ لیتا ہے، اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کیوں کہ صفیہ انہیں اولاد کی طرح عزیز تھی۔

پھر یہ بچی بھی ان کے پاس ایک امانت تھی، جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی ذمہ داری میں دی تھی، انہوں نے حضرت سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کا بڑی گہری نظر سے جائزہ لیا، اور اچھی طرح ان کے حالات کی چھان بین کی، جن سے ان کے متعلق پوچھا ان میں سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرفہرست تھے۔ ان سے جب دریافت کیا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

"زَوِّجْهَا مِنْهُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا تَخْشَ عَلَيْهَا بَأْسًا، فَمَا عَرَفْتُهُ إِلَّا صَحِيحَ الدِّيْنِ، رَضِيَّ الْخُلُقِ مَوْفُوْرَ الْمُرُوْءَةِ."

تَرجَمَہ: "امیر المؤمنین! صفیہ کی اس سے شادی کر دیجئے آپ اس سے کوئی اندیشہ نہ رکھیں میں نے اسے صحیح معنوں میں دین دار، اچھے اخلاق والا اور خود دار پایا ہے۔"

میرا اس کے ساتھ اس وقت سے رابطہ ہے۔ جب خالد بن ولید نے معرکہ "عَيْنُ التَّمَرْ" میں کام یابی کے بعد چالیس جنگجو قید کر لیے تھے اور انہیں غلام بنا کر مدینہ منورہ لائے تھے، جب انہیں تقسیم کیا گیا تو سیرین میرے حصے میں آیا۔

الحمد للہ میں اس سے بہت خوش رہا یہ میری سعادت ہے کہ اس جیسا وفادار شخص مجھے خدمت کے لیے ملا۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ سے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی کی حامی بھر لی۔ اور آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کی رخصتی سادگی کے ساتھ لیکن خوشی اور محبت کے اظہار کے ساتھ اس طرح کروں گا، جس طرح ایک شفیق باپ اپنی چہیتی، لاڈلی بیٹی کی رخصتی کرتا ہے، انہوں نے شادی کے موقع پر ایک سادہ پروقار تقریب کا اہتمام کیا۔

اس سے پہلے مدینہ منورہ میں اس جیسی تقریب بہت کم کسی دلہن کے لیے ہوئی ہوگی، کیا خوش قسمتی تھی اس مبارک جوڑے کی کہ اس تقریب میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کثیر تعداد میں شریک ہوئے، ان میں اٹھارہ بدری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔

مبارک ہو اس جوڑے کو کہ نکاح اس کا کاتب وحی حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھایا اور دولہا کے لیے خیر و برکت کی دعا کی، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آمین کہی۔

خوش قسمتی ہے اس دلہن کی کہ تین ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے اس کا بناؤ سنگھار کیا اور بڑے شوق سے اس کے خاوند کے گھر رخصت کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مبارک شادی کے نتیجے میں ماں باپ کو ایک ایسا نیک سعادت مند بچہ عطا کیا، جو بیس سال کی عمر میں تابعین کی جماعت کا سردار، اور مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بن کر ابھرا۔

آیئے ہم آپ کو اس عظیم تابعی کا قصہ بتلاتے ہیں۔ آپ قصہ پڑھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ سے دعا مانگیں کہ، اے اللہ! ہمیں بھی وہ صفات عطا فرمایئے جو آپ نے محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو عطا کی تھیں۔ (آمین)

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے تحصیلِ علم

محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی پیدائش امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شہادت سے دو سال پہلے ہوئی، ان کی پرورش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جس میں تقویٰ و پاکیزگی کی خوشبو گھر کے چاروں طرف مشک کی طرح پھیلی ہوئی تھی۔

یعنی اس گھر میں نمازوں کا اہتمام...... تلاوت...... تسبیح...... تہجد کا اہتمام...... بڑوں کا احترام...... بچوں پر شفقت اور گناہوں سے بچنے اور بچانے کا ماحول بنا ہوا تھا۔

جب یہ سعادت مند ہونہار بچہ جوانی کی منزل کو پہنچا، تو اس نے دیکھا کہ حضور اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مسجد، صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی جماعت کے باقی افراد اور بڑے بڑے تابعین سے بھری ہوئی ہے، اس مبارک محفل میں حضرت زید بن ثابت، حضرت انس بن مالک، حضرت عمران بن حصین، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت ابو ہریرہ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ موجود ہیں، تو ان عظیم اساتذہ کو دیکھ کر اس بچہ نے علم حاصل کرنے کی تمنا اور محنت و کوشش اس طرح کی جس طرح کوئی پیاسا میٹھا پانی پینے کی تمنا کرتا ہے۔

اور ان کے قرآنی علوم، دینی سمجھ اور حدیثِ رسول سے خوب سیراب ہوئے، جس سے ان کی عقل حکمت و علم سے...... اور دل تقویٰ و پاکیزگی سے بھر گیا، پھر یہ خاندان اپنے ہونہار نوجوان کو اپنے ساتھ لے کے بصرہ منتقل ہو گیا اور وہاں مستقل رہائش اختیار کر لی۔

بصرہ شہر اسلامی معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر

بصرہ شہر ان دنوں نیا نیا آباد ہوا تھا، مسلمانوں نے امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خلافت کے آخری دنوں میں اس شہر کو نئے طریقے سے آباد کیا تھا۔ یہ شہر مسلمانوں کے لیے کئی وجوہات سے خصوصیت کا درجہ رکھتا تھا اور فارس و عراق کے وہ کفار جو اللہ کے دین میں داخل ہو کر اسلام قبول کر لیتے تھے، ان کے لیے یہ تعلیم و تربیت کا مرکز بھی تھا۔

(اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت اس زمانے میں سیکھنے والا یا سکھانے والا تھا، ہر ایک اپنے ذمہ سمجھتا تھا کہ کافروں پر ایسی محنت کرنی ہے کہ وہ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کو بھی داعی بناتے تھے کہ تم اوروں پر محنت کرو کہ وہ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں، اس محنت کی برکت سے مسلمان بھی پورے پورے اسلامی احکام پر عمل پیرا ہوتے تھے، اور ان کے اخلاق و اعمال کو دیکھ کر کفار بھی اسلام میں داخل ہو جاتے تھے)۔

اور یہ شہر بصرہ اسلامی معاشرے کی جیتی جاگتی تصویر تھی، یعنی مسلمان دنیوی کام بھی بہت اچھی طرح سلیقے کے ساتھ کرتے تھے۔

اور آخرت کے کاموں کے لیے بھی ایسے تیار ہوتے تھے جیسے آج کا دن دنیا کا آخری دن ہے اور گویا کل ان کے پاس ملک الموت آ جائے گا۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بصرہ میں اپنی زندگی کو دو حصوں میں برابر برابر تقسیم فرما دیا تھا۔ دن کا آدھا حصہ علم کو پھیلانے اور عبادات کے لیے متعین کر دیا تھا اور باقی آدھا حصہ کام کاج و تجارت کے لیے متعین کر دیا تھا۔

جب طلوعِ فجر کا وقت ہوتا اور دنیا اپنے رب کے نور سے چمک اٹھتی، یہ بصرہ کی مسجد کا رخ کرتے وہاں خود علم حاصل کرتے اور دوسروں کو علم سکھاتے تھے۔

جب دن چڑھ جاتا تو مسجد سے سیدھے بازار جاتے، وہاں خرید و فروخت کرتے، جب رات دنیا پر اپنا اندھیرا پھیلا دیتی، تو یہ اپنے گھر کی مسجد کے محراب میں تہجد کی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے، اور لمبی لمبی رکعتیں پڑھتے تھے، اور اس میں قرآن کی تلاوت بہترین لہجہ اور تجوید کے ساتھ فرماتے تھے، اور "رَحْمٰن" و "رَحِیْم" کے خوف سے دل اور آنکھوں سے آنسو بہاتے، روتے روتے ان کی ہچکی بندھ جاتی جس سے گھر والوں اور قریبی پڑوسیوں کو خطرہ لاحق ہو جاتا، کہ کہیں یہ اسی آہ و زاری میں اللہ کو پیارے نہ ہو جائیں۔

عاداتِ مبارکہ

ان کی ایک مبارک عادت یہ تھی کہ جہاں بھی جاتے تھے دین کی بات کیا کرتے تھے، جس چیز کا بھی آدمی بار بار ذکر کیا کرتا ہے وہ چیز دل و دماغ میں بیٹھ جاتی ہے۔ اس لیے دن کے وقت خرید و فروخت کی غرض سے بازار میں چکر لگاتے ہوئے لوگوں کو آخرت یاد دلاتے رہتے اور انہیں دنیاوی کاموں کو بھی دین کے مطابق کرنے کی تلقین کرتے رہتے، اور انہیں ایسی اچھی اچھی باتوں کی تلقین فرماتے رہتے جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ

کے قرب کا باعث بنتیں۔

اور ایک اور عادت یہ تھی کہ لوگوں کے باہمی اختلافات سے الگ تھلگ رہتے، جھگڑوں سے دور رہتے تھے، کبھی کبھی لوگوں سے مزاحیہ انداز میں بھی گفتگو کرتے، جس سے ان لوگوں کے غم زدہ دلوں میں ان کی عزت اور وقار کی کوئی کمی واقع نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے ان کو رعب اور دبدبہ سے نواز رکھا تھا اور ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں تھی۔

ان کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے اچھا اثر رکھا تھا، کہ جو بھی ان کی بات سنتا ہدایت پر آجاتا، یہاں تک کہ لوگ جب بازار میں اپنے کاروبار میں مصروف ہوتے اور انہیں دیکھتے، تو فکرمند ہو جاتے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے لگ جاتے یعنی یہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا ہے۔

ان کی عملی زندگی لوگوں کے لیے بہترین راہ نما تھی، تجارت کرتے ہوئے اگر کوئی ایسی صورت پیش آتی، جس میں دنیا کا نفع تو زیادہ ہے لیکن دین کا نقصان ہے، تو یہ اس صورت کو لیتے جس میں دین کا نفع زیادہ ہو، چاہے دنیوی طور پر کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔

دوسروں کو حرام سے بچانا

دین کی باریک باتوں کو سمجھنے اور حلال و حرام پہچاننے میں بعض اوقات ایسا نظریہ اختیار فرماتے تھے جو لوگوں کو بڑا عجیب و غریب نظر آتا۔ مثال کے طور پر ایک شخص نے ان پر جھوٹا دعویٰ کر دیا کہ انہوں نے میرے دو درہم دینے ہیں۔ آپ نے صاف اس سے انکار کر دیا۔

اس شخص نے کہا: کیا تم قسم اٹھاتے ہو کہ میرے دو درہم تمہارے ذمے واجب الادا نہیں ہیں؟

اس کا خیال تھا کہ اتنی حقیر رقم کی خاطر یہ قسم نہیں اٹھائیں گے۔ لیکن آپ نے اسے جواباً ہاں کہا اور قسم اٹھا کھالی۔

لوگوں نے کہا: اے ابوبکر! صرف دو درہموں کے لیے آپ نے قسم اٹھالی؟ (ابوبکر ان کی کنیت تھی چوں کہ ان کے بیٹے کا نام بکر تھا)۔

حالاں کہ آپ نے چالیس ہزار درہم محض شک کی بنا پر چھوڑ دیئے تھے جب کہ کوئی تاجر شک کی بنیاد پر اپنا اتنا بڑا نقصان نہیں کرتا۔ جس کا واقعہ آگے آ رہا ہے۔

فرمایا: ہاں میں نے قسم اس لیے اٹھائی ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ اسے حرام کھلاؤں، حالاں کہ میں جانتا ہوں کہ اس انداز میں حاصل ہونے والے دو درہم اس کے لیے حرام ہیں۔

مُردوں کی بھلائیاں ذکر کرو

محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کی مجلس خیر و برکت، نیکی اور وعظ ونصیحت کی مجلس ہوتی، جب ان کے پاس کسی کی برائی بیان کی جاتی تو آپ فوراً اپنی معلومات کے مطابق اس کی اچھائی بیان کرنے لگتے۔

ایک مرتبہ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص حجاج بن یوسف کو اس کی وفات کے بعد گالی دے رہا ہے، آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"صَهْ يَا بْنَ أَخِيْ! فَإِنَّ الْحَجَّاجَ مَضٰى إِلٰى رَبِّهٖ وَ إِنَّكَ حِيْنَ تَقْدُمُ عَلَى اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ، سَتَجِدُ أَنَّ أَحْقَرَ ذَنْبٍ إِرْتَكَبْتَهٗ فِي الدُّنْيَا أَشَدُّ عَلٰى نَفْسِكَ مِنْ أَعْظَمِ ذَنْبٍ إِجْتَرَحَهُ الْحَجَّاجُ."

تَرْجَمَہ: "بھتیجے خاموش رہو! حجاج اب اپنے رب کے پاس پہنچ چکا ہے، جب تم اللہ کی بارگاہ میں پہنچو گے تو تمہیں اپنا ایک چھوٹا سا گناہ بھی حجاج کے بڑے گناہ سے بھاری دکھائی دے گا۔"

اس دن ہر ایک کو اپنی پڑی ہوگی۔ (خوب اچھی طرح جان لو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی عدالت میں حجاج سے ان لوگوں کا بدلہ لے گا جن پر اس نے ظلم کیے، اور وہاں پر ان لوگوں سے بھی اسے بدلہ دلائے گا جنہوں نے حجاج پر ظلم کیا)۔

سنو! آج کے بعد کسی کو گالی نہ دینا اور برا بھلا نہ کہنا۔

حدیث شریف میں آیا ہے:

"أُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ."[1]

تَرْجَمَہ: "جو لوگ دنیا سے چلے گئے ان کی بھلائیوں کا ذکر کرو۔"

جب کوئی شخص تجارت کے سفر پر روانہ ہونے لگتا تو آپ اسے یہ نصیحت کرتے۔

"يَابْنَ أَخِيْ! إِتَّقِ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ ...... وَاطْلُبْ مَا قُدِّرَ لَكَ مِنْ طَرِيْقٍ حَلَالٍ ...... وَاعْلَمْ أَنَّكَ إِنْ تَطْلُبْهُ مِنْ غَيْرِ حِلِّهٖ لَمْ تُصِبْ أَكْثَرَ مَا قُدِّرَ لَكَ."

تَرْجَمَہ: "میرے بھتیجے! اللہ سے ڈرتے رہنا یعنی گناہ نافرمانی سے بچتے رہنا۔ اپنا مقدر حلال طریقے سے تلاش کرنا۔ میری یہ بات پلے باندھ لینا (یعنی اچھی طرح یاد رکھنا اور اس کو بھولنا مت، کہ انسان کو ہمیشہ اس کا مقدر ملتا ہے) اگر تم ناجائز طریقے سے اسے حاصل کرنے کی کوشش

---

[1] أَبُوْدَاوُدُ، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ فِي النَّهْيِ عَنْ سَبِّ الْمَوْتٰى: ۳۱۵/۲

کرو گے، تو اتنا ہی ملے گا جتنا تمہارے مقدر میں ہے۔ اس سے ایک ذرہ بھی زیادہ تم حاصل نہیں کر سکتے۔"

بنو امیہ کے حکمرانوں سے حق بات کہنا

محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بنو امیہ کے حکمرانوں سے ڈرے بغیر حق بات کہنے کے بہت سے واقعات مشہور و معروف ہوئے، آپ نے ہمیشہ ان کے سامنے حق، سچ بات کہی اور اخلاص کے ساتھ انہیں نصیحت کی۔

ایک مرتبہ بنو امیہ کے سردار عراق و ایران کے گورنر عمر بن ہبیرہ فزاری نے محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو ملاقات کے لیے بلایا، آپ اس سے ملنے کے لیے اپنے بھتیجے کے ہم راہ چل دیئے۔

جب وہاں پہنچے تو گورنر نے انہیں خوش آمدید کہا اور بڑی عزت و اکرام سے پیش آیا، تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا اور بہت سے دین و دنیا کے مسائل ان سے پوچھے پھر یہ دریافت کیا:

"كَيْفَ تَرَكْتَ أَهْلَ مِصْرِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟."

تَرْجَمَۃ: "اے ابوبکر! آپ اپنے شہر کے باشندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہیں۔"

آپ نے بلا جھجک ارشاد فرمایا:

"تَرَكْتُهُمْ وَالظُّلْمُ فِيهِمْ فَاشٍ وَأَنْتَ عَنْهُمْ لَاهٍ......"

تَرْجَمَۃ: "میں نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ ظلم ان میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے اور آپ ان سے غافل ہیں۔"

اس بات پر آپ کے بھتیجے نے آپ کے کندھے کی چٹکی (دبایا) لی۔ آپ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: سوال تجھ سے نہیں کیا گیا بلکہ مجھ سے کیا گیا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں، بلاشبہ یہ ایک گواہی ہے جو اس کو چھپائے گا وہ گناہ گار ہوگا۔

جب مجلس ختم ہوئی تو عمر بن ہبیرہ نے اسی اعزاز و اکرام سے الوداع کیا۔ جس طرح ان کا استقبال کیا تھا۔

اور ان کی خدمت میں تین ہزار دینار کی ایک تھیلی پیش کی جسے لینے سے انہوں نے صاف انکار کر دیا۔

بھتیجے نے پوچھا:

"مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَقْبَلَ هِبَةَ الْأَمِيرِ؟"

تَرجَمۃ: ''گورنر کا تحفہ قبول کرنے میں کیا حرج تھا؟''

آپ نے فرمایا:

"إِنَّمَا أَعْطَانِيْ لِخَيْرٍ ظَنَّهُ بِيْ ......"

تَرجَمۃ: ''اس نے مجھے یہ تحفہ اپنے خیال میں مجھے اچھا سمجھتے ہوئے دیا۔''

اگر اس کے خیال کے مطابق میں اچھے لوگوں میں سے ہوں تو اچھائی کا تقاضہ ہے کہ میں یہ تحفہ قبول نہ کروں۔

اگر میں اچھے لوگوں میں سے نہیں ہوں تو پھر مجھے یہ تحفہ قبول کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے۔

آزمائش میں صبر واستقامت

اللہ تعالیٰ نے محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے صبر واستقامت اور صداقت کا امتحان لینا چاہا اور انہیں ایک آزمائش میں مبتلا کر دیا، جیسا کہ بہت سے ایمان والے مردوں اور عورتوں پر آزمائش آتی ہے، کہ وہ اس امتحان میں بھی اللہ کے حکموں پر جمے رہتے ہیں یا نہیں؟

آپ نے ایک مرتبہ چالیس ہزار کا ادھار تیل خرید لیا، جب تیل کا ایک برتن کھولا تو اس میں سے ایک مرا ہوا، گلا سڑا، چوہا برآمد ہوا۔

آپ نے دل میں سوچا کہ تیل تو ایک جگہ تیار کیا گیا ہے، یہ نجاست صرف اسی برتن کے لیے مخصوص نہیں ہے، جسے میں نے کھولا ہے بل کہ تمام برتنوں میں موجود تیل نجس (ناپاک) ہو گیا ہے، اگر میں اس عیب کی وجہ سے تیل بیچنے والے ہی کی طرف لوٹا دوں تو ہو سکتا ہے وہ یہی تیل دوسرے لوگوں کو بیچ دے۔

دوسرے مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لیے سارا تیل بہا کر ضائع کر دیا، اور سوچا آہستہ آہستہ قرض ادا کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ کا حکم اس طرح ہوا کہ دوسرا کاروبار بھی نہیں چل سکا۔

اس سے انہیں بہت بڑا نقصان ہوا اور ان پر کافی قرض چڑھ گیا۔ تیل والے نے رقم کا مطالبہ کیا جو یہ ادا نہ کر سکے۔ اس نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔

قاضی نے آپ کو قرض کی ادائیگی تک جیل بھیج دیا، جب وہ ایک لمبی مدت تک قید میں رہے تو جیل کا چوکی داران کے علم وعمل تقویٰ وعبادت سے متاثر ہو کر کہنے لگا:

جب رات ہو جایا کرے تو آپ اپنے گھر چلے جایا کریں صبح کو واپس آ جایا کریں، آپ آزادی تک اس طرح کرتے رہیں میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

آپ نے فرمایا: نہیں اللہ کی قسم میں ایسے نہیں کروں گا۔

جیل کے چوکی دار نے پوچھا: کیوں! اللہ آپ پر رحم فرمائے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

میں اس خیانت پر آپ کا تعاون نہیں کر سکتا کہ آپ کو حکومت نے امانت دار سمجھ کر بٹھایا ہے، اب اگر میں نکل جاؤں تو گویا اس امانت میں خیانت کرنے میں میں آپ کا مددگار بن گیا، اور میں کسی گناہ کے کام میں مددگار نہیں بننا چاہتا۔

جب حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے وصیت فرمائی:

جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے محمد بن سیرین غسل دیں اور وہی میری نماز جنازہ پڑھائیں اس وقت یہ قید میں تھے، لوگ حکمران کے پاس گئے خادمِ رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) جلیل القدر صحابی کی وصیت اسے سنائی اور اس سے اجازت طلب کی کہ محمد بن سیرین وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

انہیں حکومت کی طرف سے اجازت دے دی گئی لیکن محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کہا میں اس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک تم قرض خواہ سے اجازت نہیں لیتے میں اس کے حق کی وجہ سے قید میں ڈالا گیا ہوں۔

جب قرض خواہ نے انہیں اجازت دی تو اس وقت آپ قید خانے سے نکلے، حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی میت کو غسل دیا، کفن پہنایا، نمازِ جنازہ پڑھائی اور قید خانے کی طرف لوٹ گئے اپنے گھر والوں کو دیکھنے بھی نہیں گئے۔

پھر جب قرض ادا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے جیل سے چھٹکارا نصیب کر دیا۔

وفات

محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ستتر (۷۷) سال عمر پائی، جب موت کا وقت آیا تو ان کے کندھوں پر دنیا کا بوجھ بہت کم تھا اور سفرِ آخرت کا سامان بہت زیادہ تھا۔

اس دور کی ایک عبادت گذار خاتون حفصہ بنت راشد رَحِمَہَا اللّٰہُ تَعَالیٰ بیان کرتی ہیں:

مروان محلمی ہمارا پڑوسی تھا اور وہ بہت زیادہ گناہوں سے بچنے والا اور عبادت گذار تھا، جب وہ فوت ہوا تو مجھے بہت غم ہوا، ایک روز میں نے اسے خواب میں دیکھا، میں نے کہا:

اے ابوعبداللہ تیرے رب نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟

اس نے کہا: اللہ نے مجھے جنت میں داخل کر دیا میں نے پوچھا پھر کیا ہوا؟
اس نے کہا پھر مجھے داہنے ہاتھ والوں (کام یاب لوگوں) کی طرف بھیج دیا گیا۔
میں نے پوچھا پھر کیا ہوا؟
اس نے کہا: پھر مجھے اللہ کے مقرب بندوں میں بھیج دیا گیا۔ میں نے پوچھا آپ نے وہاں مقربین کی جماعت میں کس کس کو دیکھا اس نے کہا حسن بصری اور محمد بن سیرین رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو۔

فوائد و نصائح

ہمیں اس قصہ سے مندرجہ ذیل اسباق حاصل ہوئے۔

❶ انسان جس شعبہ میں بھی ترقی کرتا ہے، اس میں مہارت حاصل کرنے سے کرتا ہے، حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا قول ہے:

"قِيمَةُ كُلِّ امْرِئٍ مَا يُحْسِنُهُ"

تَرجَمَۃ: "ہر آدمی کی قیمت اس سے لگتی ہے جس کو وہ اچھی طرح کرنا جانتا ہو۔"

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم جو بھی کام کریں اس کو اچھی طرح کریں، اس میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

اگر آپ علومِ دینیہ حاصل کر رہے ہیں، تو اس میں بھی کمال پیدا کریں اعلیٰ سے اعلیٰ اپنا معیار بنائیں، عربی عبارات کو زبانی یاد کریں، اگر آپ عربی زبان پر محنت کر رہے ہیں تو عربی میں ماہر بننے کی کوشش کیجئے، ویسے بھی اس زبان پر جتنی بھی محنت کریں گے تو نیتِ صادقہ پر ثواب ملتا رہے گا، اسی طرح دیگر جس فن کو بھی حاصل کرنا چاہیں، گزارہ کے لیے...... خانہ پوری کے لیے نہ ہو بل کہ پوری مہارت اور محنت سے حاصل کریں۔

دین و دنیا کا جو بھی کام کریں مہارت کے ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ معیار تک پہنچنے کی کوشش کریں، اسلام یہ چاہتا ہے کہ ہر کام اچھی طرح یقین کے ساتھ ہو، حدیث میں ہے:

"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ إِذَا عَمِلَ أَحَدُكُمْ عَمَلًا أَنْ يُتْقِنَهُ"

تَرجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ تم میں سے جو بھی کوئی کام کرے تو اچھی طرح کرے۔"

آپ ملازم بنیں تو اچھے ملازم بنیں، تاجر بنیں تو اچھے تاجر بنیں، آپ نے دیکھا حضرت سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اچھے ماہر کاری گر تھے، ان کی اس کاری گری کی قدر کی گئی۔

❷ حلال پاکیزہ رزق تھوڑا سا ہو وہ بہت اچھا ہے، بہ نسبت اس کے جو کسی کو دھوکہ دے کر...... یا جھوٹ بول

کر...... یا رشوت لے کر...... یا سود لے کر کمایا گیا ہو، تو یہ مال بری بیماریوں، ناگہانی آفتوں، آپس کے جھگڑوں، اور دیگر کئی قسم کی دُنیاوی اور اُخروی مصیبتوں اور پریشانیوں کا ذریعہ بنتا ہے۔

اور حلال مال رحمتوں کا دروازہ کھلواتا ہے، اسی لیے ہمارے بعض نیک تاجر تجارت اسی نیت سے کرتے تھے، کہ کوئی دعا دے کر جائے گا جس کو صحیح اور اچھی چیز مل جائے گی وہ خوش ہوگا، اس کے خوش ہونے سے اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہو جائیں گے اور جس سے اللہ خوش ہو گیا اس کی دنیا و آخرت دونوں بن گئے۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ مچھلی جس طرح سمندر کے اندر لال رنگ کی بوٹی دیکھتی ہے، تو اس کا دل للچاتا ہے جب وہ اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے اس کو کھا لیتی ہے، تو فوراً ہی کانٹا اس کے تالو پر لگتا ہے اور پھر وہ ہمیشہ کے لیے قید ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جھوٹ بول کر...... یا دھوکہ دے کر...... یا سود کے پیسہ لے کر...... یا رشوت لے کر پیسے اتنے اچھے لگتے ہیں جیسے مچھلی کو بوٹی مثلاً آپ نے بازار سے پین خریدا دس روپے کا ایک بھولے دوست کو کہا: میں نے (۲۵) روپے میں خریدا ہے تم کو خریدنا ہے تو (۲۵) کا لے لو، اس نے (۲۵) کا لے لیا اب یہ پندرہ روپے جو جھوٹ بول کر حاصل ہوئے ...... یا گھر میں کہیں (۱۰۰) روپے کا نوٹ نظر آیا تو وہ فوراً جیب میں ڈال دیا، اب یہ سو روپے اور وہ پندرہ روپے ایسے ہی ہیں جیسے مچھلی کے لیے بوٹی۔

اب جب آدمی اس رقم کو استعمال کرے گا اور اس سے جو چیز بھی خریدے گا تو اس میں نقصان ہی اٹھائے گا، دنیا میں تو یہ نقصان ہوگا کہ اس رقم سے جو بھی عمل کرے گا وہ بے برکت رہے گا، بجائے فائدہ کے نقصان زیادہ ہوگا۔

اور آخرت میں یہ نقصان ہوگا، کہ جو گوشت ایسے برے مال سے بنے گا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔ اس لیے محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی یہ عملی نصیحت ہم سب کو یاد رکھنی چاہئے کہ حلال و پاکیزہ مال چاہے تھوڑا ہو وہ بہت بابرکت ہے اس حرام مال سے جو بہت زیادہ ہو۔ کسی کو دھوکہ دے کر یا غلط بیانی کر کے بہت زیادہ نفع کما لیا، تو یہ نفع دنیا و آخرت دونوں میں پکڑ کا سبب ہوگا، دنیا میں اکثر یہ نفع چور لے جاتے ہیں یا لڑائی جھگڑوں میں جاتا ہے، یا گندی بری بیماریوں کے علاج پر خرچ ہو جاتا ہے۔

اس کے بجائے پورا تول کر دیا ایمان داری سے صحیح چیز بیچی اور اس پر نفع کم ہو، تو بھی اللہ تعالیٰ اس کم نفع میں ایسی برکت عطا فرماتے ہیں کہ اس سے ضروریات پوری ہو جاتی ہیں۔ حلال روزی اور علم نافع کے لیے یہ دعا فجر کی نماز کے بعد تین مرتبہ مانگنے کا معمول بنانا چاہئے۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ عِلْمًا نَّافِعًا وَ رِزْقًا طَيِّبًا وَّ عَمَلًا مُتَقَبَّلًا." [1]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں ایسا علم جو مجھے نفع دے، ایسا رزق جو پاکیزہ ہو اور ایسا عمل جو تمہارے ہاں مقبول ہو۔"

مُذاکِرہ

سُوَال: محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی پیدائش کب ہوئی؟

سُوَال: محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ میں علم کا شوق کس طرح پیدا ہوا؟

سُوَال: محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ جب کسی تاجر کو نصیحت کرتے تو کیا نصیحت فرماتے؟

سُوَال: محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کن مشہور صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا جنازہ پڑھایا؟

سُوَال: محمد بن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے خریدا ہوا تیل کس وجہ سے ضائع کر دیا؟

سُوَال: مورق العجلی کا ان کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟

---

[1] ابن ماجه، أبواب إقامة الصلوات الخ، باب ما يقال بعد التسليم: ص ٦٦

حضرت ربیعہ رائی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

"مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَحْفَظَ لِلسُّنَّةِ مِنْ رَبِيْعَةَ" (ابن الماجشون)

تَرجَمَۃ: "میں نے ربیعہ سے بڑھ کر سنت کا محافظ کوئی نہیں دیکھا۔"

۵۱ ہجری کے حالات

ہم آپ کو تاریخ کے ذریعہ بہت پیچھے زمانے کی طرف لے جاتے ہیں۔ آیئے آج ہم آپ کو اکیاون ہجری کے حالات سنائیں، یعنی نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دنیا سے پردہ فرما جانے کے ۴۰ سال بعد کے حالات۔ (اس وقت اسلام ایشیا تک پہنچ چکا تھا، صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ دعوت کا پرچم لیے ہوئے انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے اور ایک اللہ وَحْدَہٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کی عبادت پر قائم کرنے کے لیے مشرق سے مغرب کی طرف ایک ہی فکر میں آگے بڑھتے جارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو ہدایت دے دے، جہنم کی آگ سے بچالے اور ہمیشہ ہمیشہ کی جنت عطا فرمادے اور جو پیغام پھیلانے کی ذمہ داری حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہر مؤمن مرد وعورت کو عطا فرمائی، اس پیغام کو لے کر ساری دنیا میں پھرنے والے بن جائیں۔)

اس جماعت میں خراسان کے گورنر...... بحستان کے فاتح...... ایک کامیاب فوجی جرنیل جلیل القدر صحابی حضرت ربیع بن زیاد حارثی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والی جماعت کی قیادت کرتے ہوئے بڑی شان سے جارہے ہیں اور ان کے ساتھ ان کا بہادر غلام فروخ بھی ہے۔

بحستان اور اس کے قریب کے علاقوں کو فتح کرنے کے بعد انہوں نے یہ پکا ارادہ فرمالیا، کہ اب اپنی زندگی کا خاتمہ دریائے سیحون عبور کرکے ماوراءُ النہر کی بلند چوٹیوں پر توحید کا پرچم لہرا کر کریں گے۔ (اور ان لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دیں گے اگر انہوں نے قبول نہ کی تو پھر وہ جزیہ (ٹیکس) ادا کریں اور ہمیں آگے جانے دیں، تاکہ ہم دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اور اگر یہ قبول نہ کریں تو پھر جنگ کے لیے تیار ہوجائیں۔)

اس عظیم الشان جہاد کے لیے حضرت ربیع بن زیاد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے بھرپور تیاری کی اور جنگی سازوسامان سے لشکر کو تیار کیا، دشمن کو لڑائی کے وقت اور جگہ سے بھی آگاہ کردیا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو

حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے لشکر کے بہادر جوانوں نے ایسے کارنامے سرانجام دیئے، جن کی تعریف تاریخ کی کتابوں میں ہمیشہ بہترین انداز میں ہوتی رہے گی۔

ان کے غلام فروخ نے میدان جنگ میں زبردست بہادری دکھائی اور دشمن پر لگاتار حملوں میں ایسے کارنامے دکھائے، کہ حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے، ان کے دل میں اس کی بہادرانہ عظمت کی بہت زیادہ قدر پیدا ہوئی۔

اور انہیں پہلی مرتبہ ان کی جرأت ...... شجاعت ...... بے خوفی ...... اور جنگی مہارت کا اندازہ ہوا، اس لڑائی میں مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی دشمن کے قدم اکھڑ گئے، اس کی صفوں کو مسلمانوں نے بکھیر کر رکھ دیا۔

پھر لشکرِ اسلام نے اس دریا کو عبور کیا جو سرزمینِ ترکی کی طرف آگے بڑھنے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اور اسے چین کی طرف رخ کرنے سے روکے ہوئے تھا۔

جب اس عظیم جرنیل نے دریا عبور کرلیا، تو سب سے پہلے لشکرِ اسلام نے دریا کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کیا، وضو ایسا اچھا اور ایسا مکمل، کہ کیا کہنے! پھر قبلہ رخ کھڑے ہوکر مدد دینے اور دشمن پر غلبہ عطا کرنے والے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے دو رکعت نماز ادا کی، پھر اس عظیم جرنیل نے اپنے غلام فروخ کو جنگ میں شان دار کارنامہ سرانجام دینے کی بنا پر انعام دیتے ہوئے انہیں اپنی غلامی سے آزاد کردیا، اور انہیں مالِ غنیمت میں سے کافی حصہ عطا کیا اور اس کے علاوہ اور بھی انعامات و اعزازات سے نوازا۔

اُس روشن اور مبارک دن کے بعد حضرت ربیع بن زیاد حارثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور اپنی اس آرزو اور خواب کے پورا ہونے کے دو سال بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

رہے یہ بہادر، جوان فروخ تو وہ اپنے حصے کا مالِ غنیمت اور عظیم جرنیل کی طرف سے دیئے گئے انعامات لے کر مدینہ منورہ کی طرف لوٹ گئے۔

اللہ کی راہ میں نکلنے کا عجیب واقعہ

فروخ جب مدینہ منورہ پہنچے اس وقت یہ ابھرتے ہوئے ...... طاقت ور ...... خوب صورت ...... اور بہادر جوان تھے اور ان کی عمر تیس سال تھی۔ انہوں نے رہنے کے لیے ایک گھر اور سنت پر عمل کرنے کی نیت سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا۔

پہلے انہوں نے مدینہ منورہ میں ایک گھر خریدا اور اس کے بعد ایک ایسی عقل مند، سمجھ دار اور دیگر بہت سی خوبیوں والی بیوی کا انتخاب کیا جو ان کی ہم عمر تھیں۔

فروخ وہ گھر دیکھ کر بہت خوش ہوئے جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں حاصل ہوا تھا۔ نیک بیوی کے ساتھ انہیں زندگی کا مزا، بیوی کا اچھا طور طریقہ۔۔۔ چند روزہ زندگی کی تروتازگی، اپنی سوچ و خیال سے بھی بڑھ کر میسر آئی، گھر کے در و دیوار سے خوشیوں کے نغمے گونجتے ہوئے محسوس ہوئے۔

لیکن وہ بیوی جسے اللہ تعالیٰ نے عمدہ صفات اور عادات سے نوازا تھا۔ وہ اسلام کے ایک داعی ......مومن ...... بہادر سپاہی کی اللہ کے راستے میں جہاد کی والہانہ محبت پر غالب نہ آسکی۔

جب بھی مسلمانوں کی کام یابی کی خوش خبریاں مدینہ منورہ میں پہنچتیں تو ان کا جذبہ دعوت انتہائی بلندی پر پہنچ جاتا اور شوق شہادت میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا۔

بہادر فروخ نے مسجد نبوی کے خطیب کو فضائلِ جہاد پر خطبہ دیتے ہوئے سنا، وہ حاضرین کو لشکرِ اسلام کی میدانِ جہاد میں کام یابی و کامرانی کی خوش خبری دے رہے تھے اور شہادت کا جذبہ دلوں میں پیدا کر رہے تھے۔

خطبہ کیا تھا ایک پر اثر الفاظ کا مجموعہ، اور دل پر جم جانے اور اثر کرنے والے خیالات کا مرکب تھا، سننے والے رو رہے تھے، ہر فرد جذبہ جہاد سے سرشار نظر آتا تھا۔ جمعہ سے فارغ ہو کر سیدھے گھر آئے اسلامی لشکر میں شامل ہو کر میدانِ جہاد کی طرف جانے کا پکا ارادہ کر لیا بیوی کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا، بیوی نے کہا:

"لِمَنْ تَتْرُكُنِيْ وَتَتْرُكُ هٰذَا الْجَنِيْنَ الَّذِيْ اَحْمِلُهُ بَيْنَ جَوَانِحِيْ؟"

تَرجَمَہ: "آپ! مجھے اور میرے ہونے والے بچے کو کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟"

آپ مدینہ میں اجنبی ہیں، یہاں تو نہ آپ کے گھر والے ہیں اور نہ ہی آپ کا یہاں کوئی رشتہ دار ہے۔

انہوں نے جواب دیا:

میں تم کو اللہ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں۔ اور ظاہری اسباب کے طور پر یہ تیس ہزار دینار اپنے پاس رکھو، یہ مجھے مالِ غنیمت میں ملے تھے، انہیں سنبھالو یا تجارت میں لگا دینا خود اپنے اوپر بھی خرچ کرنا اور اپنے ہونے والے بچے پر بھی خرچ کرنا، یہاں تک کہ میں میدانِ جہاد سے صحیح سالم واپس آؤں یا اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب کر دے جو کہ میری دلی تمنا ہے۔ پھر الوداعی سلام کہا اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس معزز، سمجھ دار اور، وفادار خاتون کے یہاں خاوند کی روانگی کے چند ماہ بعد ایک خوب صورت بچے کی ولادت ہوئی، اسے دیکھ کر ماں بہت خوش ہوئی اور اسے خیال آیا کہ شاید یہ بچہ میرے خاوند (جو کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو پھیلانے کے لیے گئے ہوئے ہیں) کی جدائی کا احساس کم کر دے، اور ان کی یہ نشانی اور امانت میرے دل کا سرور اور آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے۔

اس بچے کا نام ربیعہ رکھا گیا (ربیعہ کے معنی سدا بہار کے ہیں اور "موسم ربیع" سدا بہار موسم کو کہا جاتا

ہے) تا کہ اس کا وجود گھر کے آنگن کے لیے سدا بہار موسم کا سماں پیدا کرتا رہے۔

حضرت ربیعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم وتربیت

اس ننھے بچے کے روشن چہرے پر شرافت اور سعادت کی علامات شروع ہی سے ظاہر تھیں، بچپن ہی سے بہت ذہین معلوم ہوتا تھا۔ ماں نے اس کی تعلیم وتربیت کے لیے اسے ماہر اساتذہ کے سپرد کر دیا اور انہیں اچھی طرح تعلیم دینے کی تلقین کی، اور تربیت دینے والوں کی خدمت میں درخواست کی کہ وہ اسے اچھے انداز میں ادب سکھلائیں۔

تھوڑے ہی عرصے میں اس نے لکھنے پڑھنے میں مہارت پیدا کر لی، قرآن مجید حفظ کر لیا، اور ایسی ترتیل، تجوید وخوش آوازی سے پڑھنے لگا، جیسا کہ رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پڑھا جاتا تھا، اور جس قدر ممکن ہوسکا احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی زبانی یاد کر لیا، اس کے علاوہ دینی احکامات کی پہچان بھی حاصل کر لی۔

ربیعہ کی والدہ اپنے بیٹے کی تعلیم کی خاطر اساتذہ پر مال و دولت، سخاوت سے خرچ کرتی تھیں، تعلیم و تربیت کے معاملہ میں کسی طرح کنجوسی برداشت نہیں کرتی تھیں اور انہیں بہت سے انعامات دیتی تھیں۔ جب بھی وہ یہ دیکھتیں کہ ان کا بیٹا میدانِ علم وادب میں چند قدم آگے بڑھا ہے، وہ اسی قدر انعام واکرام میں بھی اضافہ کر دیتیں۔

وہ بیٹے کے مسافر والد کی واپسی کا بھی انتظار کرتی تھیں اور ان کی یہ بھی کوشش تھی کہ بیٹا بڑا ہو کر ایسا مقام حاصل کرے کہ لوگوں کی راہ نمائی کا باعث بنے، جس وقت اس کے والد سفر سے واپس لوٹیں تو وہ اپنے باادب ...... دین دار ...... داعی ...... اور تعلیم یافتہ بیٹے کو دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں۔

لیکن ان کے خاوند کی جدائی لمبی ہوگئی، دل کے ارمان آنسوؤں میں بہنے لگے۔ لوگ مختلف باتیں کرنے لگے، کوئی کہتا دشمن کے ہاتھوں قید ہو گئے ہوں گے ...... کوئی کہتا نہیں وہ آزاد ہیں اور جہاد میں مشغول ہوں گے ...... میدانِ جہاد سے واپس لوٹنے والے کہتے انہوں نے اپنی دلی تمنا کے مطابق جامِ شہادت نوش کر لیا ہوگا۔

اُمّ ربیعہ نے اس تیسری بات کو اہمیت دی، کیوں کہ عرصۂ دراز سے ان کی کوئی خبر نہ تھی، اس جدائی نے ان کے دل کو افسردہ کر دیا، لیکن انہوں نے صبر وشکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ثواب کی نیت کر لی۔

جب ربیعہ نے جوانی میں قدم رکھا تو خیر خواہوں نے ان کی والدہ کو مشورہ دیا ربیعہ اب لکھ پڑھ چکا ہے، ضرورت کے مطابق اتنا ہی کافی ہے، بل کہ اپنے ہم عمروں سے کہیں آگے ہے اور اس پر مزید وہ قرآن و

حدیث کا حافظ بھی ہے۔

اگر آپ اس کے لیے کوئی پیشہ منتخب کرلیں تو وہ بہت جلد اس میں مہارت پیدا کرلے گا، اور پھر وہ منافع سے آپ پر اور اپنی ذات پر خرچ کرنے کے قابل ہوسکے گا۔ والدہ نے یہ تجویز سن کر کہا:

"أَسْأَلُ اللّٰهَ أَنْ يَخِيْرَ لَهُ مَافِيْهِ صَلَاحُ مَعَاشِهٖ وَمَعَادِهٖ"

تَرْجَمَۃ: "میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ وہ اس کے لیے ایسا کام تجویز کردے، جو اس کی دنیا اور آخرت کے لیے بہتر ہو۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے والدہ کی دعا کو قبول فرمایا اور ربیعہ نے یہ فیصلہ کیا:

"أَنْ يَعِيْشَ مُتَعَلِّمًا وَمُعَلِّمًا مَا امْتَدَّتْ بِهِ الْحَيَاةُ"

تَرْجَمَۃ: "انہوں نے پکا ارادہ کرلیا کہ زندگی بھر علم سیکھنے والا اور علم سکھلانے والا رہوں گا۔"

ربیعہ اپنے منتخب راستے پر بغیر کسی کوتاہی اور سستی کے چلتے رہے اور اُن علمی حلقوں کی طرف، جن کی مسجدِ نبوی میں چہل پہل تھی، اس طرح لپکے جیسے کوئی پیاسا میٹھے پانی کے چشمے کی طرف لپکتا ہے اور ان صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا دامن پکڑ لیا جو ابھی زندہ تھے۔

اور ان میں سرفہرست خادمِ رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تھے۔

تابعین کے پہلے طبقے سے بھی علم حاصل کیا، جن میں حضرت سعید بن مسیب، مکحول شامی اور سلمہ بن دینار رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی سرفہرست ہیں۔

علم کی طلب اور کوشش میں دن رات کی مسلسل محنت نے انہیں جسمانی طور پر بہت کم زور کردیا تھا، ایک ساتھی نے ان سے کہا:

"فَإِذَا كَلَّمَهُ أَحَدٌ فِيْ ذٰلِكَ وَدَعَاهُ إِلَى الرِّفْقِ بِنَفْسِهٖ."

تَرْجَمَۃ: "پیارے دوست! اپنے آپ پر ذرا رحم کیجیے اتنی محنت نہ کیجیے۔"

انہوں نے جواب میں کہا:

ہم نے اپنے اساتذۂ کرام کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

"إِنَّ الْعِلْمَ لَايُعْطِيْكَ بَعْضَهُ إِلَّا إِذَا أَعْطَيْتَهُ نَفْسَكَ كُلَّهَا"

تَرْجَمَۃ: "علم اس وقت تک اپنا معمولی سا حصہ بھی تمہارے سپرد نہیں کرے گا، جب تک تم مکمل اپنے آپ کو اس کے سپرد نہیں کردیتے۔"

تھوڑے ہی عرصے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن وحدیث کے علوم میں مہارت عطا فرمادی...... ان کا نام

مشہور ہوگیا...... ان کے چاہنے والوں کی تعداد بڑھ گئی...... شاگرد ان پر جان دینے لگے...... اور قوم نے انہیں اپنا سردار بنالیا۔

دن کا کچھ حصہ اپنے گھر میں گذارتے اور باقی دن مسجدِ نبوی کے علمی حلقوں میں گذارتے، ان کی زندگی کے دن اسی طرح گذر رہے تھے کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کا انہیں خیال تک نہ تھا۔

حضرت فروخ رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کی واپسی

موسمِ گرما کی چاندنی رات تھی، ایک مجاہد ہتھیاروں سے لیس ساٹھ سال کی عمر میں مدینہ منورہ آیا، وہ اپنے گھوڑے پر سوار مدینہ منورہ کی گلیوں میں اپنا گھر تلاش کررہا تھا۔

وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ اس کا گھر موجود ہے یا طوفان، آندھی، اور شدید بارش کی وجہ سے اس کا گھر ختم ہوچکا ہے، کیوں کہ اسے اپنا گھر چھوڑ کر گئے تقریباً تیس سال گذر چکے تھے۔

اس کے دل میں یہ خیال بھی آرہا تھا کہ پتہ نہیں اس کی بیوی جس کو وہ چھوڑ کر گیا تھا، اس پر کیا مشکلات گذری ہوں گی؟

بھلا اس بچہ کا کیا بنا ہوگا جو میری روانگی کے بعد دنیا میں آیا ہوگا؟

"أَوَضَعَتْهُ ذَكَراً أَمْ أُنْثىٰ؟ ...... أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ؟
وَ إِذَا كَانَ حَيًّا، فَمَا شَأْنُهُ؟."

تَرْجَمَہ: "اللہ جانے لڑکا پیدا ہوا یا لڑکی؟

وہ زندہ ہے یا فوت ہوچکا ہے؟

اگر زندہ ہے تو وہ کس حالت میں ہوگا؟"

اور اتنی بڑی رقم جو میں نے سمرقند و بخارا کو لوگوں کے اسلام کی دعوت دینے کے لیے اللہ کے راستہ میں جاتے وقت اپنی بیوی کے سپرد کی تھی اس کا کیا بنا ہوگا؟

یہ مسافر جس وقت مدینہ پہنچا وہ وقت عشاء کے بعد کا تھا، لوگ ابھی ابھی عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تھے، گذرنے والے لوگ نہ اس مسافر کو پہچانتے تھے، نہ انہوں نے اس مسافر کو کوئی اہمیت دی۔

اس لیے کہ اس طرح کے مسافر صبح و شام مدینہ منورہ میں دین کو پھیلانے اور دین کو سیکھنے کے لیے آتے جاتے تھے، نہ کسی نے اس مسافر کے غبار آلود گھوڑے کی طرف دیکھا، نہ ہی اس کے کندھے پر لٹکنے والی تلوار کی طرف توجہ کی، یہ دیکھ کر مسافر مزید پریشان ہوگیا۔

کیا بات ہے میں تو یہاں کا پرانا رہنے والا ہوں لیکن کوئی مجھے پوچھتا ہی نہیں ہے، میں کس سے پوچھوں کہ میرا گھر کہاں ہوگا کہیں میں دوسری جگہ تو نہیں آ گیا؟

"وَفِيْمَا كَانَ الْفَارِسُ سَابِحاً فِيْ أَفْكَارِهِ هٰذِهِ، مَاضِياً يَتَلَمَّسُ طَرِيْقَهُ فِيْ تِلْكَ الْأَزِقَّةِ الَّتِيْ عَرَاهَا التَّغْيِيْرُ ...."

تَرْجَمَہ: "اسی طرح یہ مسافر اپنے خیالات میں ڈوبا ہوا مدینے کی گلیوں کا راستہ تلاش کرتے ہوئے چلا جا رہا تھا جن کو زمانے کے گزرنے نے بدل دیا تھا۔"

آخر کار وہ اپنے گھر کے سامنے پہنچا، گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گھر مل جانے کی خوشی میں اتنا شوق غالب ہوا، کہ گھر والوں سے اجازت لیے بغیر دروازے سے گذر کر گھر کے صحن میں داخل ہوگیا، جب گھر کے مالک نے دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ سنی تو بالائی منزل سے نیچے جھانکا، کیا دیکھتا ہے کہ چاند کی روشنی میں ایک شخص تلوار لٹکائے ہاتھ میں تیزا تھامے گھر کے صحن میں کھڑا ہے۔ نوجوان یہ منظر دیکھ کر غصے سے اچھلا اور ننگے پاؤں یہ کہتے ہوئے تیزی سے نیچے اترا:

"يَا عَدُوَّ اللّٰهِ! وَتَقْتَحِمُ مَنْزِلِيْ وَتَهْجِمُ عَلٰى حَرِيْمِيْ؟."

تَرْجَمَہ: "ارے اللہ کے دشمن! تو رات کے وقت اپنے آپ کو چھپائے ہوئے میرے گھر میں داخل ہوا، معلوم ہوتا ہے تیرے ارادے غلط ہیں۔"

وہ اس پر اس طرح جھپٹا جس طرح خونخوار بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اور اجنبی کو بات کرنے کا وقت ہی نہ دیا۔ دونوں ایک دوسرے سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے، ان کا شور وغل سن کر چاروں طرف سے پڑوسی ان کے گھر آ جمع ہوئے، سب نے اس اجنبی کو گھیرے میں لے لیا اس طرح ان تمام لوگوں نے اپنے پڑوسی کی مدد کی۔

نوجوان نے مسافر کی گردن کو مضبوطی سے اپنے گرفت میں لے رکھا تھا اور غصے سے یہ کہہ رہا تھا اے اللہ کے دشمن! اللہ کی قسم میں تجھے یونہی نہیں چھوڑوں گا، بل کہ تجھے حاکم کے پاس لے جاؤں گا۔

اس شخص نے کہا:

"مَا أَنَا بِعَدُوِّ اللّٰهِ ...... وَلَمْ أَرْتَكِبْ ذَنْباً ...... وَإِنَّمَا هُوَ بَيْتِيْ، وَمِلْكُ بَيْتِيْ، وَجَدْتُ بَابَهُ مَفْتُوْحاً فَدَخَلْتُهُ ...."

تَرْجَمَہ: "میں اللہ کا دشمن نہیں اور نہ ہی میں نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ میرا گھر ہے میں اس کا مالک ہوں۔ میں نے اس کا دروازہ کھلا ہوا پایا تو اندر آ گیا (کیا اپنے گھر آنا جرم ہے)؟"

پھر لوگوں سے مخاطب ہوا اور کہا:

''يَا قَوْمُ ...... اسْمَعُوْا مِنِّيْ ...... هٰذَا الْبَيْتُ بَيْتِيْ ...... شَرَيْتُهُ بِمَالِيْ ...... يَا قَوْمُ ...... أَنَا (فَرُّوْخٌ).''

تَرْجَمَہ: ''اے قوم! میری بات سنو یہ گھر میرا ہے میں نے اسے خود خریدا ہے۔ (میرا نام فروخ ہے)۔''

''أَلَمْ يَبْقَ فِي الْجِيْرَانِ أَحَدٌ يَعْرِفُ فَرُّوْخَ الَّذِيْ غَدَا مُنْذُ ثَلَاثِيْنَ عَامًا مُجَاهِدًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ؟''

تَرْجَمَہ: ''کیا تم میں کوئی ایسا شخص نہیں جو اس فروخ کو جانتا ہو جو آج سے تیس سال پہلے اللہ کے دین کو پھیلانے کے لیے یہاں سے روانہ ہوا تھا۔''

نوجوان کی والدہ سوئی ہوئی تھیں، شور و ہنگامہ سن کر بیدار ہوئیں بالاخانے کی کھڑکی سے نیچے جھانکا، تو انہیں اپنے خاوند نظر آئے جن کی جدائی نے انہیں نڈھال کر رکھا تھا۔ اچانک اس منظر کو دیکھ کر انہیں ایسی دہشت طاری ہوئی کہ دانتوں میں انگلی دبائے غور سے دیکھتی رہیں پھر بلند آواز سے کہا:

''دَعُوْهُ...... دَعْهُ يَارَبِيْعَةُ...... دَعْهُ يَاوَلَدِيْ...... إِنَّهُ أَبُوْكَ، إِنْصَرِفُوْا عَنْهُ يَاقَوْمُ بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ حَذَارِ يَاأَبَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ، إِنَّ هٰذَ الَّذِيْ تَتَصَدّٰى لَهُ وَلَدُكَ وَفِلْذَةُ كَبِدِكَ.''

تَرْجَمَہ: لوگو! انہیں چھوڑ دو! بیٹے ربیعہ تم بھی انہیں چھوڑ دو! یہ تمہارے والد ہیں۔ لوگو! اپنے اپنے گھر واپس چلے جاؤ۔ اللہ تمہارا بھلا کرے۔ پھر اپنے خاوند سے مخاطب ہوئیں اور کہا: اے ابوعبد الرحمٰن! یہ تمہارا بیٹا ہے۔ تمہارے جگر کا ٹکڑا ہے۔''

جب فروخ نے یہ سنا تو خوشی سے لپک کر بیٹے سے لپٹ گئے اور ہونہار بیٹا محبت سے اپنے والد کے ہاتھوں، گردن اور سر کو چومنے لگا، لوگ یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے اور مسکراتے ہوئے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

اُمِّ ربیعہ بالاخانے سے نیچے اتریں! اپنے خاوند کو سلام کیا جن کے متعلق انہیں یہ خیال تھا کہ اب روئے زمین پر ان سے ملاقات نہ ہوسکے گی، کیوں کہ جدائی کو تیس سال گذر چکے تھے اور اس طویل جدائی میں کوئی خبر بھی تو نہ مل سکی تھی۔

فروخ اپنی بیوی کے پاس بیٹھے اور ان سے گذرے ہوئے دنوں کے حالات سننے لگے اور اپنے متعلق گھر

تک خبر نہ پہنچانے کے اصلی اسباب بیان کرنے لگے۔ لیکن ان کی بیوی یہ سب کچھ بے خیالی میں سن رہی تھیں۔

کیوں کہ ان سے ملاقات اور والد کے اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کی خوشی میں، اس خوف کی جھلک بھی شامل ہوچکی تھی کہ کہیں مجھ سے اسی مجلس میں اُس بڑی رقم کے متعلق نہ پوچھ لیں جو جاتے وقت میرے سپرد کر گئے تھے۔

وہ خیالات کی دنیا میں اپنے دل سے کہہ رہی تھیں، اگر انہوں نے اس مال کے متعلق پوچھ لیا جو میرے پاس امانت چھوڑ گئے تھے، اور یہ تلقین کر گئے تھے کہ میں اسے اچھے انداز میں خرچ کروں، اگر میں نے انہیں یہ بتادیا کہ اس میں سے کچھ باقی نہیں بچا تو معلوم نہیں کہ ان کا کیا ردعمل ہوگا؟

اگر میں انہیں یہ بتادوں کہ میں نے تمام مال ان کے بیٹے کی تعلیم وتربیت پر خرچ کردیا ہے، تو کیا یہ سن کر انہیں خوشی ہوگی یا......؟

کیا میرا یہ جواب ان کے لیے کافی ہوگا؟

کہیں یہ غصے میں نہ آجائیں　کہیں دوبارہ جدائی کا صدمہ برداشت کرنے کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ کر سفر پر روانہ نہ ہوجائیں...... کیا وہ اس بات کو بھی سچ مان لیں گے کہ ان کا پیارا بیٹا بادل سے بھی زیادہ سخی ہے؟

اس کے ہاتھ میں درہم و دینار میں سے کچھ باقی نہیں رہتا، مدینہ کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ اس نے دائرہِ اسلام میں نئے داخل ہونے والوں پر بے حساب خرچ کیا ہے۔

اُمّ ربیعہ اپنے ان خیالات میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ خاوند نے ان کی طرف دیکھا اور کہا:

"لَقَدْ جِئْتُكِ يَا أُمَّ رَبِيْعَةَ بِأَرْبَعَةِ آلَافِ دِينَارٍ ......

فَأَخْرِجِي الْمَالَ الَّذِيْ أَوْدَعْتُهُ عِنْدَكِ لِنَضُمَّ هٰذَا إِلَيْهِ، وَنَشْتَرِيَ بِالْمَالِ كُلِّهِ بُسْتَانًا أَوْ عَقَارًا نَعِيْشُ مِنْ غَلَّتِهِ مَا امْتَدَّتْ بِنَا الْحَيَاةُ."

تَرجَمَہ: "اُمّ ربیعہ! کیا سوچ رہی ہو؟ کن خیالات میں گم ہو؟ یہ دیکھو میں چار ہزار درہم اور لایا ہوں۔ تم بھی وہ درہم لاؤ جو جاتے وقت میں تمہارے سپرد کر گیا تھا، تاکہ اس مال سے ہم باغ اور زمین خرید لیں اور زندگی بھر اس کی کمائی سے راحت وآرام حاصل کریں۔"

یہ سن کر وہ خاموش رہیں اور انہیں کچھ جواب نہ دیا۔ فروخ نے بیوی سے دوبارہ کہا:

"هَيَّا ...... أَيْنَ الْمَالُ حَتّٰى أَضُمَّ إِلَيْهِ مَا مَعِي؟."

تَرجَمَہ: "لاؤ مال کہاں ہے تاکہ اسے ایک ساتھ ملادوں۔"

بیوی نے کہا:

"لَقَدْ وَضَعْتُهُ حَيْثُ يَجِبُ أَنْ يُوْضَعَ ...... وَسَأُخْرِجُهُ لَكَ بَعْدَ أَيَّامٍ قَلِيْلَةٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ ......"

تَرْجَمَہ: "میں نے اسے وہاں رکھا ہے جہاں اس کا رکھنا مناسب تھا، ان شاء اللہ چند دن کے بعد آپ اس کے ثمرات دیکھ لیں گے۔"

پھر صبح کی اذان نے ان کا سلسلۂ کلام ختم کر دیا۔

حضرت ربیعہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مقام ومرتبہ

فروخ مسجد پہنچے انہوں نے اس کے پاکیزہ اور مبارک ماحول میں دل لگا کر فجر کی نماز ادا کی، پھر روضۂ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر گئے صلاۃ وسلام پڑھا پھر "رِيَاضُ الْجَنَّةِ" کی طرف مڑے دل میں وہاں نماز ادا کرنے کا شوق تھا، چناں چہ وہاں اشراق کے نوافل ادا کئے اور گڑ گڑا کر دعائیں مانگیں۔

جب مسجد سے جانے کا ارادہ کیا، تو دیکھا کہ اس کے صحن میں ایک ایسی علمی محفل جمی ہوئی ہے، جس کی شان نرالی تھی، اور اس سے پہلے انہوں نے اس قسم کی مجلس کہیں نہیں دیکھی تھی۔

لوگ شیخ کی مجلس کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے، مجمع اتنا تھا کہ تھوڑی سی بھی جگہ باقی نہ تھی، انہوں نے مجلس میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر ایک سرسری نگاہ دوڑائی اور دیکھا کہ اس میں بڑی عمر والے لوگ سروں پہ پگڑیاں باندھے باادب بیٹھے ہیں۔

اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بظاہر بڑے معزز دکھائی دیتے ہیں۔ بہت سے نوجوان قلم ہاتھ میں لیے دوزانو بیٹھے شیخ کی ہر بات کو اپنی کاپیوں میں اس طرح لکھ کر محفوظ کر رہے تھے، جیسے عمدہ چیزوں کو محفوظ کیا جاتا ہے۔

سبھی شیخ کی طرف نظریں جمائے دیکھ رہے تھے اور پوری خاموشی، ادب واحترام اور توجہ سے بغیر حرکت کئے شیخ کی باتیں سن رہے تھے جیسا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہوں۔

حاضرین میں بات کو دور تک پہنچانے کے لیے ایک "مکبّر" شیخ کے بیان کا ایک ایک جملہ بآوازِ بلند دوہرا رہا تھا، تاکہ دور بیٹھے ہوئے لوگوں تک ان کی ہر بات آسانی سے پہنچ جائے اور اہلِ مجلس میں سے کوئی بھی کسی جملے سے محروم نہ رہے۔

فروخ کے دل میں شیخ کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا لیکن زیادہ فاصلہ ہونے کی وجہ سے چہرہ صاف دکھائی نہ

دے رہا تھا، شیخ کی خوش بیانی...... علمی مقام...... حیرت انگیز قوت حافظہ...... اور شیخ کے سامنے لوگوں کی بے پناہ محبت اور عاجزی وانکساری نے فروخ کے دل پر گویا جادو کر رکھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد شیخ نے مجلس برخاست کردی اور اٹھ کھڑے ہوئے، حاضرینِ مجلس تیزی سے ان کی طرف لپکے، ان کے پاس لوگوں کی بہت بھیڑ ہوگئی، اور لوگوں نے محبت بھرے انداز میں انہیں اپنے گھیرے میں لے لیا اور انہیں الوداع کرنے مسجدِ نبوی کے باہر تک ان کے پیچھے گئے۔

اس موقع پر فروخ نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا:

''قُلْ لِيْ بِرَبِّكَ مَنِ الشَّيْخُ؟!.''

تَرجَمہ: اللہ کے لیے مجھے یہ تو بتادیں کہ یہ بلند پایہ شیخ کون ہیں؟

اس شخص نے تعجب سے کہا:

''أَوَ لَسْتَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ؟.''

تَرجَمہ: ''کیا آپ مدینہ منورہ میں نہیں رہتے؟''

فروخ نے کہا:

''بَلٰى.''

تَرجَمہ: ''کیوں نہیں! میں مدینہ کا باسی (رہنے والا) ہوں۔''

اس شخص نے کہا:

''وَهَلْ فِي الْمَدِينَةِ رَجُلٌ وَاحِدٌ لَا يَعْرِفُ الشَّيْخَ؟!.''

تَرجَمہ: ''مدینے میں ایسا کون ہے جو اس شیخ کو نہیں جانتا؟''

فروخ نے کہا:

''اَعْذُرْنِيْ إِذَا كُنْتُ لَا أَعْرِفُهُ.''

تَرجَمہ: ''اگر میں اسے نہیں جانتا تو مجھے معذور سمجھیں۔''

کیوں کہ میں تیس سال قبل دین کو پھیلانے کے لیے مدینہ سے چلا گیا تھا کل ہی واپس لوٹا ہوں۔

اس شخص نے کہا چلئے کوئی بات نہیں۔ آیئے میرے پاس بیٹھئے میں آپ کو اس شیخ کے متعلق بتاتا ہوں۔

''إِنَّ الشَّيْخَ الَّذِي اسْتَمَعْتَ إِلَيْهِ سَيِّدٌ مِنْ سَادَاتِ التَّابِعِيْنَ ...... وَعَلَمٌ مِنْ أَعْلَامِ الْمُسْلِمِيْنَ ......

وَهُوَ مُحَدِّثُ الْمَدِيْنَةِ ...... وَفَقِيْهُهَا ...... وَ إِمَامُهَا عَلَى الرَّغْمِ مِنْ حَدَاثَةِ سِنِّهِ.''

ترجمہ: "جس شیخ کا بیان آپ نے مجلس میں سنا ہے۔ یہ تابعین کے سردار اور امت مسلمہ کے بہت بڑے عالم ہیں، نوعمری کے باوجود مدینہ کے محدث، فقیہ اور امام ہیں۔"

یہ سن کر فروخ نے کہا:

مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے۔

اس شخص نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

ان کی یہ مجلس مالک بن انس، امام ابوحنیفہ، یحییٰ بن سعید انصاری، سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی اور لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابرین کی یاد دلاتی ہے۔

فروخ کچھ کہنے لگے، لیکن اس شخص نے انہیں بات کرنے کی مہلت نہ دی بلکہ اس نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"وَهُوَ فَوْقَ ذٰلِكَ كُلِّهِ سَيِّدٌ كَرِيْمُ الشَّمَائِلِ ...... مُوَطَّأُ الْأَكْنَافِ ...... سَخِيُّ الْيَدِ ...... فَمَا عَرَفَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ أَحَداً أَوْفَرَ مِنْهُ جُوْداً لِصَدِيْقٍ وَابْنِ صَدِيْقٍ ...... وَلَا أَزْهَدَ مِنْهُ فِيْ مَتَاعِ الدُّنْيَا، وَلَا أَرْغَبَ مِنْهُ بِمَا عِنْدَ اللّٰهِ."

ترجمہ: "ان سب خوبیوں کے علاوہ بڑی خوبی یہ ہے کہ شیخ خوش اخلاق، نیک سیرت، نرم مزاج اور بہت زیادہ سخی بھی ہیں، اہلِ مدینہ نے دوست اور دوستوں کی اولاد کے لیے ان سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں دیکھا، اور نہ ہی ان سے بڑھ کر دنیا کی چیزوں میں شوق نہ رکھنے والا اور آخرت کی چیزوں کی طرف سب سے زیادہ شوق رکھنے والا دیکھا۔

فروخ نے کہا: آپ ان کی تعریف ہی کیے جارہے ہیں، لیکن ابھی تک ان کا نام نہیں بتایا۔ اس شخص نے بتایا ان کا نام ربیعہ رائی ہے۔

فروخ نے تعجب سے پوچھا ربیعہ رائی!!

اس نے کہا: ہاں! ان کا نام ربیعہ ہے، لیکن مدینہ کے علماء اور مشائخ انہیں ربیعہ رائی کے نام سے پکارتے ہیں۔

ان کی علمی شان وشوکت کے کیا کہنے! جب علماءِ مدینہ کو کسی درپیش مسئلہ میں قرآن وسنت سے واضح دلیل نہیں ملتی، تو وہ ان سے رجوع کرتے ہیں اور وہ اپنے اجتہاد سے اس کا ایک ایسا حل پیش کرتے ہیں، جس سے علماء مطمئن ہوجاتے ہیں۔ فروخ نے پوچھا:

"وَلٰكِنَّكَ لَمْ تَنْسِبْهُ لِيْ ......"

تَرْجَمَۃ: ''یہ کس کا بیٹا ہے۔''

اس شخص نے کہا:

''إِنَّهُ (رَبِيعَةُ بْنُ فَرُّوْخٍ) الْمُكَنّٰى بِأَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ......

لَقَدْ وُلِدَ بَعْدَ أَنْ غَادَرَ أَبُوْهُ الْمَدِينَةَ مُجَاهِداً فِيْ سَبِيلِ اللّٰهِ فَتَوَلَّتْ أُمُّهُ تَرْبِيَتَهُ وَتَنْشِئَتَهُ ...... وَلَقَدْ سَمِعْتَ النَّاسَ قُبَيْلَ الصَّلَاةِ يَقُوْلُوْنَ:

إِنَّ أَبَاهُ عَادَ اللَّيْلَةَ الْمَاضِيَةَ.''

تَرْجَمَۃ: ''یہ اس مجاہد کا بیٹا ہے جس کا نام فروخ ہے، یہ اس کے جہاد پہ روانہ ہونے سے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ اس کی والدہ نے اس کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ دی۔ میں نے ابھی نمازِ فجر سے پہلے کچھ لوگوں کی زبانی سنا ہے کہ اس کا باپ تیس سال کے بعد گزشتہ رات مدینہ واپس آیا ہے۔''

یہ بات سن کر فروخ کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپکے لیکن یہ شخص ان آنسوؤں کے گرنے کا سبب نہ جان سکا۔

پھر فروخ جلدی سے اپنے گھر پہنچے، بیوی نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ پوچھا۔

ابو ربیعہ اللہ تعالیٰ خیر کرے کیا ہوا، آپ کی آنکھیں آنسوؤں سے تر کیوں ہیں؟

فروخ نے کہا:

گھبراؤ نہیں سب خیر ہے۔

آج میں نے اپنے بیٹے ربیعہ کی نرالی شان دیکھی ہے، یہ منظر دیکھ کر بے انتہا خوشی میں میری آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

آج اس کے علمی مقام، خوش بیانی اور لوگوں کی اس کے ساتھ بے پناہ محبت نے مجھے بے حد خوش کر دیا، میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ مجھے اتنا بلند مقام بیٹا ملا۔

اُمّ ربیعہ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہا:

''أَيُّمَا أَحَبُّ إِلَيْكَ ...... ثَلَاثُوْنَ أَلْفَ دِينَارٍ أَمْ هٰذَا الَّذِيْ بَلَغَهُ وَلَدُكَ مِنَ الْعِلْمِ وَالشَّرَفِ؟.''

تَرْجَمَۃ: ''آپ کو ان دو چیزوں میں سے کون سی چیز زیادہ محبوب ہے تیس ہزار دینار ...... یا اپنے بیٹے کا علم و فضل میں بلند مقام۔''

''فَقَالَ: بَلْ وَاللّٰهِ هٰذَا أَحَبُّ إِلَيَّ، وَآثَرُ عِنْدِيْ مِنْ مَالِ الدُّنْيَا كُلِّهِ.''

تَرْجَمَہ: ''فروخ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے پوری دنیا کے مال سے زیادہ اپنے بیٹے کا یہ مقام قیمتی اور محبوب دکھلائی دیتا ہے۔''

بیوی نے کہا:

''لَقَدْ اَنْفَقْتُ مَا تَرَكْتَهُ عِنْدِيْ عَلَيْهِ ......

فَهَلْ طَابَتْ نَفْسُكَ بِمَا فَعَلْتُ؟!۔''

تَرْجَمَہ: ''جو مال آپ مجھے بطورِ امانت دے گئے تھے وہ میں نے اس کی تعلیم و تربیت پر خرچ کردیا ہے، کیا آپ اس سے خوش ہیں؟''

فرمایا:

''نَعَمْ! وَجُزِيْتِ عَنِّيْ وَعَنْهُ وَعَنِ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرَ الْجَزَاءِ''

تَرْجَمَہ: ''ہاں کیوں نہیں! مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو میری، میرے بیٹے اور تمام مسلمانوں کی جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔''

فوائد و نصائح

❶ یہ اصول ہمیں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ ''مَنْ جَدَّ وَجَدَ'' جو محنت کرتا ہے وہ ضرور اس کا پھل پاتا ہے۔ مَنْ قَرَعَ الْبَابَ وَلَجَ، جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو ایک دن ضرور دروازہ کھل جاتا ہے۔

حضرت ربیعہ رائی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنی پڑھائی پر محنت کی تو ایک وقت آیا کہ وہ علما کے سردار بن گئے، اس لیے ہمیں بھی علم حاصل کرنے میں محنت کرنی چاہیے، کوئی بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے، اس کے ساتھ علم حاصل کرنے کے لیے یہ دعا ہر نماز کے بعد مانگنے کا معمول بنانا چاہیے:

﴿رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''اے میرے اللہ! میرا سینہ میرے لیے کھول دے، اور میرے کام کو مجھ پر آسان کردے اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے، تاکہ لوگ میری بات اچھی طرح سمجھ سکیں۔''

❷ دوسرا سبق یہ ہے کہ ماؤں کو بچوں کی تربیت کا اہتمام کرنا چاہیے، ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کی تربیت کی فکر کریں اور ان کی اچھی تربیت کریں تاکہ کل جب یہ بچے بڑے ہوں تو دین کے خادم اور والدین

[1] طٰہٰ: ۲۵ الیٰ ۲۸

کے فرماں دار بنیں۔

❸ طالبِ علم کو یہ سوچنا چاہیے کہ ہمارے والدین ہماری تعلیم کے لیے کتنا خرچ کرتے ہیں اسکول، مدرسہ، اساتذہ، مہتمم ہم پر کتنا خرچ کرتے ہیں، کوئی اپنی زمین تعلیم کے لیے وقف کرتا ہے، کوئی تعمیر کرواتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اب ہم نے علم حاصل کرنے کے لیے محنت نہ کی، وقت ضائع کیا تو اتنے لوگوں کی گویا ہم نے محنت کی قدر نہ کی، گویا صرف ہم نے اپنا ہی وقت ضائع نہیں کیا بل کہ اتنے سارے لوگوں کا وقت ضائع کیا، اس لیے ہمیں خوب محنت کرنی چاہیے اور دل لگا کر علم حاصل کرنا چاہیے۔

نوٹ: ذیل میں ہم چند کتابوں کے نام ذکر کرتے ہیں ان شاء اللہ تعالیٰ ان کتابوں کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

① طلبۂ کرام کے لیے: ''آداب المتعلمین'' ''آپ بیتی'' ''کام یاب طالب علم'' ''مطالعہ کی اہمیت'' (دارالہدیٰ، کراچی) ''طلباء کے لیے تربیتی واقعات'' (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)

② اولاد کی تربیت کے لیے: ''والدین کی قدر کیجیے'' (دارالہدیٰ، کراچی)

③ والدین کے مطالعہ کے لیے: ''مثالی ماں'' ''مثالی باپ'' (بیت العلم ٹرسٹ، کراچی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہمارے ادارے سے ان دونوں کتابوں کا انگریزی میں بھی ان ناموں سے ترجمہ چھپ چکا ہے۔ (The Ideal Mother) (The Ideal Father) (دارالہدیٰ، کراچی)

مُذاکرہ

سُؤال: علم کی طلب کے لیے ربیعہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی مثال کیسی ہے؟

سُؤال: ابن الماجشون نے ان کی تعریف کن الفاظوں میں کی ہے؟

سُؤال: ربیعہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے والد کتنی رقم اپنی اہلیہ کے پاس امانت رکھوا کر گئے تھے اور انہوں نے یہ رقم کہاں سے حاصل کی تھی؟

سُؤال: امام ربیعہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے تابعین اساتذہ کرام رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ میں سے صرف تین استادوں کے نام بتائیے؟۔

حضرت رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ تعالیٰ

"إِنَّ فِيْ كِنْدَةَ لَثَلَاثَةُ رِجَالٍ يُنْزِلُ اللّٰهُ بِهِمُ الْغَيْثَ...... وَيَنْصُرُ بِهِمْ عَلَى الْأَعْدَاءِ......
أَحَدُهُمْ رَجَاءُ بْنُ حَيْوَةَ" (مسلمة بن عبدالملك)

ترجمہ: "کندہ قبیلے میں تین اشخاص ایسے ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش نازل فرماتے ہیں اور دشمنوں کے مقابلے میں مسلمانوں کی مدد فرماتے ہیں۔ ان میں سے ایک رجاء بن حیوۃ رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔"

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں تین بے مثال ہستیاں

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مبارک دور میں تین لوگ ایسے گذرے ہیں کہ ان کے زمانے میں بھی لوگوں نے ان تین کا کوئی ہم مثل، یعنی ان جیسا نہیں دیکھا۔

(اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ایسی مبارک صفات عطا فرمائی تھیں کہ ان کا درجہ دوسروں سے اونچا تھا۔ تینوں نے اپنی اپنی جگہوں پر نیکیوں اور بھلائیوں کے کام کیے، گناہوں سے بچتے ہوئے زندگی گذاری، نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم توڑ کر نافرمانی کرتے تھے، نہ کسی انسان کو تکلیف پہنچاتے تھے دن و رات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق (یعنی اللہ تعالیٰ کے خاص اور عام بندوں) کی خدمت میں گذارتے تھے۔)

وہ عظیم المرتبت اشخاص یہ ہیں۔

عراق میں محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حجاز میں قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اور شام میں رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

آیئے اب ہم آپ کو ان تین برگزیدہ و پسندیدہ شخصیات میں سے حضرت رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے بارے میں بتاتے ہیں۔

تعارف

حضرت رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ تعالیٰ سرزمینِ فلسطین کے بیسان نامی قصبہ میں پیدا ہوئے، اور ان کی

پیدائش حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی خلافت کے اخیر سالوں میں ہوئی۔

عربوں کے اندر ایک مشہور قبیلہ ''کندہ'' تھا اس قبیلہ سے ان کا تعلق تھا، اس طرح رجاء بن حیوہ فلسطینی ہیں۔ اصل کے اعتبار سے عربی ہیں اور نسلاً (یعنی قبیلہ کے اعتبار سے کندی ہیں)۔

اس کندی نوجوان نے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتے ہوئے پرورش پائی، یعنی شروع سے پانچ وقت کی نماز پڑھتے تھے، والدین کی عزت و احترام کرتے تھے، اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو دنیا ہی میں یہ بہترین بدلہ عطا فرمایا کہ اپنا محبوب بندہ بنالیا اور جوان کو دیکھتا وہ بھی ان سے محبت کرتا۔

یہ بچپن ہی سے علم حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں سچی طلب کی وجہ سے ان کو علم سے نوازا۔ چوں کہ انہیں دن اور رات کے ہر لمحہ سب سے بڑی فکر قرآن مجید اور حدیثِ رسول (عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ) حاصل کرنے کی رہتی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی فکر و خیالات کو قرآن وحدیث کی روشنی سے روشن کردیا۔ اور ان کا دل علم و حکمت سے بھر گیا:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ﴾[1]

تَرْجَمَہ: ''اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی۔''

انہیں اکثر اونچے درجے کے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے علم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، جن میں سے حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابودرداء، حضرت ابوامامہ، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت معاویہ بن ابو سفیان، حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص اور نواس بن سمعان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سرفہرست ہیں۔

''فَكَانُوْا لَهُ مَصَابِيْحُ هِدَايَةٍ وَمَشَاعِلُ عِرْفَانٍ''

تَرْجَمَہ: ''یہ بزرگ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ ان کے لیے ہدایت کے چراغ اور معرفت کی روشنی کے مینار ثابت ہوئے۔''

اس خوش نصیب نوجوان نے اپنے لیے زندگی گذارنے کا ایک مقصد متعین کرلیا تھا، اسی پر زندگی بھر چلتے رہے اور اکثر فرمایا کرتے تھے:

''مَا أَحْسَنَ الْإِسْلَامَ يُزَيِّنُهُ الْإِيْمَانُ.''

تَرْجَمَہ: ''وہ اسلام کس قدر خوب صورت ہے جو ایمان سے آراستہ ہو۔''

''وَمَا أَحْسَنَ الْإِيْمَانَ يُزَيِّنُهُ التُّقٰى.''

---

[1] البقرة: ٢٦٩

ترجمہ: ''وہ ایمان کس قدر خوب صورت ہے جو تقویٰ سے مزین ہو۔''

''وَمَا أَحْسَنَ التُّقٰى يُزَيِّنُهُ الْعِلْمُ.''

ترجمہ: ''وہ تقویٰ کس قدر حسین ہے جس کے ساتھ علم کا چاند لگا ہوا ہو۔''

''وَمَا أَحْسَنَ الْعِلْمَ يُزَيِّنُهُ الْعَمَلُ.''

ترجمہ: ''وہ علم کس قدر بہترین ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو۔''

''وَمَا أَحْسَنَ الْعَمَلَ يُزَيِّنُهُ الرِّفْقُ.''

ترجمہ: ''اور وہ عمل کس قدر خوش نما ہے جسے، نرمی نے زینت عطا کی ہو۔''

نوٹ: حضرت رجاء بن حیوہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہ پانچ سنہری فرمان کتنے اہم اور کتنے مبارک ہیں، ہمیں بھی چاہئے کہ ہم انہیں اپنی زندگی کا نصب العین بنائیں اور ان کے مطابق عمل کریں۔

مبارک صفات

حضرت رجاء بن حیوہ پر ایک نعمتِ الٰہی یہ بھی رہی کہ وہ کئی سالوں تک وزیر رہے، بادشاہ بدل جاتے لیکن کوئی بادشاہ ان کو نہ بدلتا تھا۔

بنو اُمیہ کے اکثر خلفاء کے وزیر رہے، جس کی ابتدا عبدالملک بن مروان سے ہوئی اور انتہا عمر بن عبدالعزیز پر، لیکن سلیمان بن عبدالملک اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دلی تعلق باقی خلفاء کی نسبت زیادہ رہا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ صفات ایسی عطا فرمائی تھیں جن کی بنا پر تمام بادشاہوں کے نزدیک ان کا ایک خاص مقام تھا۔

❶ ان صفاتِ حمیدہ میں ایک صفت سچائی تھی، ہر حال میں سچ بولنا۔

❷ اپنی نیت میں اخلاص۔

❸ سمجھ داری سے مشورہ دینا، اپنے بڑوں کا یا دوستوں کا مزاج دیکھ کر مشورہ دینا، اپنی رائے بڑوں کی رائے کے مخالف ہو تو رائے دیتے وقت سمجھ داری و دانش مندی کا خیال رکھتے ہوئے الفاظ استعمال کرنا۔

بعض اوقات فوری رائے دینے کے بجائے کچھ وقت گذار کر رائے دینا یہ سب سمجھ داری کے طریقے ہیں۔

❹ مشکل و پیچیدہ حالات میں بالکل نہ گھبرانا، بل کہ حکمت و دانائی سے ان حالات پر قابو پالینا۔

⑤ ان سب خصوصیات کے علاوہ ایک بڑی خوبی اللہ تعالیٰ نے یہ عطا فرمائی تھی کہ کسی خلیفہ سے دنیاوی لالچ کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

ایک اجنبی کی رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو نصیحت

خلفاءِ بنو اُمیہ کے ساتھ ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رحمت ثابت ہوا اور خود ان کے لیے بھی عزت و اکرام کا باعث بنا۔ آپ نے حکم رانوں کو خیر اور بھلائی کی طرف دعوت دی، اور نیکی کے راستے ان کو بتلائے، اور برے کاموں سے ہمیشہ انہیں روکتے رہے، اور ان پر برائیوں کے دروازے بند کرنے کے لیے ہمیشہ کوشش فرماتے رہے۔

حکم رانوں کو ہمیشہ حق و صداقت کی راہ آسان کر کے دکھلائی، باطل اور برے کاموں کی برائی ان کے دل میں بٹھانے کی ہمیشہ کوشش کی، اور ان کے دل میں اللہ جَلَّ جَلَالُہٗ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور مسلمانوں کی خیر خواہی کا جذبہ ہمیشہ ڈالتے رہے۔

حضرت رجاء بن حیوہ کی زندگی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے یہ بات واضح کر دی، کہ ان کا خلفاء سے تعلق کا مقصد یہ تھا کہ ان کو دین پر لائیں، خیر و بھلائی کی طرف ان کی راہ نمائی کریں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے ساتھ لوگوں کے ہجوم میں کھڑا تھا، میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہجوم میں سے تیزی سے گذرتا ہوا ہماری طرف بڑھ رہا ہے، اور یہ شخص خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ بارعب بھی تھا۔

میں نے سوچا یہ خلیفہ سے ملنے کے لیے بے تاب ہے، صفوں کو چیرتا ہوا ہماری طرف آ رہا ہے، کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بالکل میرے سامنے آ گیا اور میرے پہلو میں آ کھڑا ہوا،

مجھے سلام کیا اور خلیفہ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا:

"یَارَجَاءُ! إِنَّکَ قَدِ ابْتُلِیْتَ بِهٰذَا الرَّجُلِ."

تَرجَمَہ: "اے رجاء! تو اس شخص کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔"

اے رجاء میری یہ بات ذہن نشین کر لو۔

"وَ إِنَّ فِي الْقُرْبِ مِنْهُ الْخَيْرَ الْكَثِيْرَ، أَوِ الشَّرَّ الْكَثِيْرَ ......
فَاجْعَلْ قُرْبَكَ مِنْهُ خَيْراً لَكَ وَلَهُ وَلِلنَّاسِ ......"

تَرجَمَہ: "جس کا کسی سلطان کے ساتھ قریبی تعلق ہو اور وہ اس تعلق کو بھلائی کے لیے استعمال

کرے تو یہ اس کے لیے بہت زیادہ بہتر ہے، ورنہ یہ بہت بڑا شر ہے اور بہت زیادہ برائی کا سبب ہے۔ تم اپنے اس تعلق کو اپنے لیے اور بادشاہ کے لیے اور لوگوں کی بھلائی کے لیے استعمال کرو۔"

"وَاعْلَمْ يَا رَجَاءُ أَنَّهُ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَنْزِلَةٌ مِنَ السُّلْطَانِ، فَرَفَعَ إِلَيْهِ حَاجَةَ امْرِئٍ ضَعِيفٍ لَا يَسْتَطِيعُ رَفْعَهَا، لَقِيَ اللّٰهُ جَلَّ وَعَزَّ يَوْمَ يَلْقَاهُ وَقَدْ ثَبَّتَ قَدَمَيْهِ لِلْحِسَابِ ......"

تَرْجَمَہ: "اور یہ بات یاد رکھو! کہ جو کسی ایسے نادار، کم زور، یا غریب، مفلس، اور کنگال کی کوئی ضرورت سلطان کے ذریعے پوری کرا دے، کہ وہ خود اپنی ضرورت سلطان کے پاس نہیں لے جا سکتا، تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ضرورت پوری کرانے والے کے حساب میں آسانی کردے گا۔"

اے رجاء یاد رکھو!

"أَنَّ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيْهِ الْمُسْلِمِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ."

تَرْجَمَہ: "جو اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرنے میں لگ جاتے ہیں۔"

"وَاعْلَمْ يَا رَجَاءُ أَنَّ مِنْ أَحَبِّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ، إِدْخَالُ الْفَرَحِ عَلٰى قَلْبِ امْرِئٍ مُسْلِمٍ."

تَرْجَمَہ: "اے رجاء! خوب اچھی طرح جان لو! کسی مسلمان شخص کے دل میں خوشی پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ عمل ہے۔

میں غور سے اس کی باتیں سن رہا تھا، جی چاہتا تھا کہ وہ کہتا رہے اور میں سنتا رہوں۔ واقعی باتیں بڑی نصیحت والی اور اہم تھیں۔"

لیکن خلیفہ نے آواز دی:

"أَيْنَ رَجَاءُ بْنُ حَيْوَةَ؟"

تَرْجَمَہ: "رجاء بن حیوہ کہاں ہیں۔"

میں ان کی طرف پلٹا اور کہا:

"هَا أَنَا ذَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین! میں یہاں موجود ہوں۔"

انہوں نے مجھ سے کسی چیز کے متعلق پوچھا، میں نے جواب سے فارغ ہونے کے فوراً بعد اس اجنبی کی

طرف دیکھا، تو وہ اپنی جگہ سے غائب تھا میں نے بہت ڈھونڈا لیکن اس کا کوئی پتہ نہیں چلا۔

خلیفہ سے ایک شخص کو معاف کروانا

حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بنو امیہ کے ساتھ سچائی اور اخلاص و محبت کے واقعات تاریخ کے روشن صفحات پر محفوظ ہیں اور ہمیشہ بعد کے آنے والے لوگ، اپنے بڑوں کے یہ واقعات بیان کرتے رہیں گے۔ ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے:

ایک روز عبدالملک بن مروان کی مجلس میں ایک شخص کا تذکرہ ہوا کہنے والے نے کہا کہ وہ آپ کے مخالفین کا مددگار ہے اور بنو اُمیہ کو بری نگاہ سے دیکھتا ہے، خلفاءِ بنو اُمیہ کی ہر جگہ برائی کرتا رہتا ہے، یہ باتیں سن کر خلیفہ غصہ سے بھڑک اٹھے انہوں نے آگ بگولا ہو کر کہا:

"وَاللّٰهِ لَئِنْ أَمْكَنَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ لَأَفْعَلَنَّ، وَلَأَفْعَلَنَّ ......
وَلَأَضَعَنَّ السَّيْفَ فِيْ عُنُقِهِ."

تَرجَمہ: "اللہ کی قسم! اگر وہ میرے قابو میں آگیا تو میں اس کو بہت بری سزا دوں گا، اور اس کی گردن پر تلوار رکھ دوں گا۔"

دنیا اس کا حشر دیکھے گی پھر اپنے کارندوں سے کہا اسے پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس شخص پر قابو دے دیا جب خلیفہ کی نظر اس پر پڑی تو وہ آگ بگولہ ہو گئے، اور قریب تھا کہ اس کی گردن اڑانے کا حکم دیتے، لیکن حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کھڑے ہو کر فرمانے لگے:

"يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ صَنَعَ لَكَ مَا تُحِبُّهُ مِنَ الْقُدْرَةِ فَاصْنَعْ لِلّٰهِ مَا يُحِبُّهُ مِنَ الْعَفْوِ ......"

تَرجَمہ: "امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے آپ کو قدرت، طاقت اور حکومت عطا کی ہے جو آپ کو پسند ہے، تو (آپ کو ان نعمتوں کا شکر بجا لانا چاہئے اور ان نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ) آپ ایسے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنا اور درگذر کرنا پسند ہے لہٰذا آپ بھی اسے معاف کر دیں۔"

یہ بات سن کر خلیفہ کا دل ٹھنڈا ہوا اور غصہ جاتا رہا، اس شخص کو معاف کر دیا اور اسے خوش کرنے کے لیے انعام و اکرام سے نوازا اور اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی بے نیازی

سن ۹۱ ہجری میں امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک نے حج کا ارادہ کیا حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بھی ان کے ساتھ تھے۔ جب دونوں مدینہ منورہ پہنچے اس وقت مدینے کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ تھے۔ وہ بھی خلیفہ کے ساتھ مسجدِ نبوی کی زیارت کے لیے چل پڑے، خلیفہ کی خواہش تھی کہ مسجدِ نبوی کو چاروں طرف سے تفصیلی طور پر دیکھیں اور اس میں توسیع کی جائے (یعنی اس کو بڑا کیا جائے)۔

لٰہذا مسجد میں موجود لوگوں کو باہر نکال دیا گیا، تاکہ غور وفکر کے ساتھ جائزہ لینے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔ سب لوگ مسجد سے باہر چلے گئے لیکن سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بدستور اپنی جگہ پر بیٹھے رہے پولیس بھی انہیں اپنی جگہ سے اٹھانے کی جرأت نہ کرسکی۔

صورتِ حال کا جائزہ لیتے ہوئے مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی طرف ایک آدمی بھیج کر پیغام بھیجا، اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ دوسرے لوگوں کی طرح مسجد سے باہر چلے جائیں، تو ہمیں امیر المؤمنین کو مسجد کی زیارت کرانے میں آسانی ہو جائے گی۔

گورنر کا پیغام سن کر حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

"لَا أُغَادِرُ الْمَسْجِدَ إِلَّا فِي الْوَقْتِ الَّذِيْ اعْتَدْتُ أَنْ أُغَادِرَهُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ."

تَرْجَمَہ: "میں مسجد سے اس وقت جاؤں گا، جس وقت معمول کے مطابق روزانہ جاتا ہوں۔ (یعنی کسی بادشاہ کے آنے کی وجہ سے میں اللہ کے گھر کو نہیں چھوڑ سکتا)۔"

تو ان کی خدمت میں پھر گذارش کی گئی، کہ آپ اتنا کرلیں کہ جب امیر المؤمنین آپ کے پاس سے گذریں تو آپ کھڑے ہوکر سلام کہہ دیں۔ انہوں نے فرمایا:

"إِنَّمَا جِئْتُ إِلٰى هُنَا لِأَقُوْمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "میں یہاں ربّ العالمین کے سامنے کھڑا ہونے کے لیے آیا ہوں (کسی بندے کے سامنے نہیں)۔"

گورنرِ مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سمجھ گئے کہ یہ بزرگ جانے والے نہیں ہیں، اور نہ ہی کسی بادشاہ کی تعظیم میں کھڑے ہوں گے، تو وہ احتیاطًا خلیفہ کے ہم راہ اس جگہ سے تھوڑا دور ہٹ کر گذرنے لگے، جہاں حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بیٹھے تھے اور رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ امیر المؤمنین

کے ساتھ بات چیت میں مشغول تھے۔ کیوں کہ یہ دونوں وزیر اور گورنر خلیفہ کی غصیلی طبیعت سے واقف تھے اور انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی ناگوار صورتِ حال نہ پیدا ہو جائے۔

امیر المؤمنین نے مسجدِ نبوی میں چلتے چلتے دونوں سے پوچھا:

"مَنْ ذٰلِكَ الشَّيْخُ؟ ......

أَلَيْسَ هُوَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ."

تَرجَمۂ: "وہ شیخ کون ہیں، کیا وہ سعید بن مسیب تو نہیں؟"

دونوں نے بیک زبان کہا:

"بَلٰى يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ."

تَرجَمۂ: "امیر المؤمنین! آپ کا اندازہ درست ہے، بالکل وہی ہیں۔"

پھر دونوں ان کے علم و فضل اور تقویٰ و پاکیزگی جیسی خوبیوں کا تذکرہ کرنے لگے۔ امیر المؤمنین نے کہا میں زیادہ جانتا ہوں ان کے کمالات کو، جس طرح تم ذکر کر رہے ہو یہ ایسے ہی ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم ادب سے جا کر ان کو سلام کریں۔

چناں چہ امیر المؤمنین مسجدِ نبوی کے صحن کا چکر لگا کر سیدھے ان کے پاس آئے سلام عرض کیا، اور پوچھا شیخ کا کیا حال ہے؟

انہوں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے ہی سلام کا جواب دیا اور فرمایا:

"بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ، وَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ......"

تَرجَمۂ: "اللہ کا شکر ہے اس کا بے حد مجھ پر احسان ہے۔"

پھر آپ نے پوچھا:

"فَكَيْفَ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ، وَفَّقَهُ اللّٰهُ لِمَا يُحِبُّهُ وَيَرْضَاهُ......"

تَرجَمۂ: "امیر المؤمنین آپ کیسے ہیں، اللہ آپ کو اپنے پسندیدہ اور محبوب اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔"

امیر المؤمنین نے حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی طرف سے یہ بے نیازی کا انداز دیکھ کر فرمایا:

هٰذَا بَقِيَّةُ النَّاسِ...... هٰذَا بَقِيَّةُ سَلَفِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ......

تَرجَمۂ: "بلاشبہ یہ امت مسلمہ کے نیک اور صالح شخص ہیں۔"

بروقت اہم اور درست مشورہ دینا

جب امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک کا انتقال ہوا اور ان کے بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنے، تو حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی عزت و مرتبہ میں پہلے سے زیادہ اضافہ ہو گیا۔ خلیفہ سلیمان کو آپ پر بہت زیادہ بھروسہ اور بہت اعتماد تھا، ہر چھوٹے بڑے معاملے میں ان سے ضرور مشورہ لیتے۔

یوں تو حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے سلیمان بن عبدالملک کی وزارت میں رہتے ہوئے بہت سے اچھے اور عظیم الشان مشورے دیئے، لیکن ان میں سب سے اہم اور قیمتی مشورہ اور بہترین تدبیر وہ ہے، جو انہوں نے اس وقت کی جب کہ سلیمان کے انتقال کا وقت قریب تھا اور ان کے بعد کسی کو بادشاہ بنایا جانا تھا، اس کے لیے سلیمان کس کا نام لکھ کر جائیں یہ مسلمانوں کے لیے ایک مشکل گھڑی تھی۔

اس وقت حکمت اور جرأت کے ساتھ حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے خلیفہ بننے کے لیے آسانیاں فراہم کیں۔ یہ یقیناً آپ کا ایک تاریخی کارنامہ ہے۔

حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بیان کرتے ہیں:

۹۹ ہجری ماہ صفر کے پہلے جمعہ کے دن ہم امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک کے ساتھ سرزمینِ شام کے دابق نامی قصبہ میں تھے۔ یہ قصبہ شام کے شہر حلب کے نزدیک ہے، جب بنو اُمیہ کے بادشاہ روم سے جنگ کرنے جاتے تھے، تو یہاں ٹھہرتے تھے۔ یہیں سلیمان بن عبدالملک کی قبر ہے۔

امیر المؤمنین نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے لیے اپنے بھائی مسلمہ بن عبدالملک کی قیادت میں ایک عظیم لشکر روانہ کیا ہوا تھا۔ لشکر کے ساتھ ان کا بیٹا داؤد اور دیگر بہت سے شاہی خاندان کے افراد بھی شامل تھے، انہوں نے اس بات پر قسم اٹھا رکھی تھی کہ قسطنطنیہ فتح کر کے واپس آئیں گے یا شہید ہو جائیں گے۔

جب جمعہ کی نماز کا وقت قریب آیا، امیر المؤمنین نے خوب اچھی طرح وضو کیا سبز رنگ کا لباس پہنا، سر پر پگڑی باندھی، پھر آئینے میں اپنے حسن و جمال اور قیمتی لباس پر خوش ہوتے ہوئے دیکھا، اس وقت ان کی عمر صرف چالیس برس تھی۔

پھر لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں گئے۔ نمازِ جمعہ سے واپس آتے ہی شدید بخار میں مبتلا ہو گئے، پھر دن بدن بیماری بڑھتی گئی، مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم میرے قریب رہا کرو۔ ایک مرتبہ میں ان کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ خط لکھ رہے تھے۔

میں نے کہا:

"مَا تَصْنَعُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ؟"

تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین آپ کیا کر رہے ہیں۔"

فرمایا:

"أَكْتُبُ كِتَابًا أَعْهَدُ بِهٖ إِلَى ابْنِي أَيُّوبَ."

تَرْجَمَہ: "میں ایک خط لکھ رہا ہوں کہ میرے بعد میرے بیٹے ایوب کو بادشاہ بنا دیا جائے۔"

میں نے کہا: امیر المؤمنین اگر آپ برا نہ منائیں تو میرا ایک مخلصانہ مشورہ ہے، جو آپ کو دنیا میں بھی فائدہ دے گا اور قبر و آخرت میں بھی۔

وہ یہ کہ اگر آپ کسی نیک، صالح شخص کو ولی عہد مقرر کریں گے، تو یہ عمل آپ کے لیے قبر میں آسانی پیدا کرے گا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ہاں بھی آپ پر حساب کتاب میں آسانی ہوگی اور امت مسلمہ پر آپ کا بہت احسان ہوگا۔

آپ کا بیٹا ایوب ابھی بچہ ہے، وہ مردوں کی عمر تک بھی نہیں پہنچا ابھی وہ عمر کے اس حصے میں ہے کہ آپ کے سامنے اس کی نیکی اور برائی واضح نہیں ہوئی۔ یہ سن کر انہوں نے اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا:

میں نے خط تو لکھ دیا ہے لیکن مجھے اصرار نہیں ہے، ہاں آپ کے مشورہ کے بعد اب میں دو رکعت نفل پڑھ کر استخارہ کی دعا مانگ کر اللہ تعالیٰ سے بھلائی طلب کروں گا کہ اے اللہ! جس میں خیر ہو اس کے لیے مجھے لکھنے کی توفیق نصیب فرما۔ آپ نے بروقت درست مشورہ دے کر میری راہ نمائی کی۔ یہ کہا اور خط پھاڑ دیا۔

پھر ایک یا دو دن کے بعد مجھے بلایا اور فرمایا:

میرے بیٹے داؤد کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

میں نے کہا:

"هُوَ غَائِبٌ مَعَ جُيُوْشِ الْمُسْلِمِيْنَ فِي الْقُسْطُنْطِينِيَّةِ ......
وَأَنْتَ لَا تَدْرِيْ الْآنَ أَحَيٌّ هُوَ أَمْ مَيِّتٌ؟."

تَرْجَمَہ: "جیسے کہ آپ کو معلوم ہے وہ قسطنطنیہ میں مسلمانوں کے ساتھ گیا ہوا ہے، پتہ نہیں اب تک زندہ ہے یا شہید ہو گیا ہے۔"

امیر المؤمنین نے کہا:

"فَمَنْ تَرٰى إِذَنْ يَا رَجَاءُ؟."

تَرْجَمَہ: "رجاء بن حیوہ پھر آپ ہی بتائیں کہ اس منصب کے لیے کون بہتر ہوگا۔"

میں نے کہا:

امیر المؤمنین! رائے اور مرضی تو آپ ہی کی چلے گی، بندہ تو آپ ہی کی رائے کے متعلق اپنی رائے دے سکتا ہے۔ باقی جیسے اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالے وہ ذکر فرما دیں گے تو اس پر کچھ کہہ دوں گا۔

امیر المؤمنین نے ایک ایک کر کے نام لینے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ جب عمر بن عبدالعزیز کا نام آیا تو فرمایا:

ان کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔

میں نے کہا:

"مَا عَلِمْتُهُ وَاللّٰهِ إِلَّا فَاضِلاً، كَامِلاً، عَاقِلاً، دَيِّناً."

تَرْجَمَۃ: "جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے وہ عالم، فاضل، عقل مند اور دین دار انسان ہیں۔"

امیر المؤمنین نے کہا:

آپ بالکل سچ کہتے ہیں، واقعی وہ ان خوبیوں کے مالک ہیں، لیکن اگر میں نے انہیں خلیفہ نامزد کر دیا اور عبدالملک کی اولاد کو محروم رکھا، تو ایک فتنہ کھڑا ہو جائے گا اور وہ اسے اطمینان سے حکومت نہیں کرنے دیں گے۔

میں نے کہا عبدالملک کے خاندان میں سے ایک کو ان کا نائب مقرر کر دیں اور یہ بات لکھ دیں کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد عبدالملک کی اولاد میں سے فلاں شخص خلیفہ ہوگا۔

امیر المؤمنین نے کہا: بالکل ٹھیک اس سے شاہی خاندان کو اطمینان اور تسلی ہو جائے گی، اور وہ اس فیصلہ کو راضی خوشی تسلیم بھی کر لیں گے پھر انہوں نے یہ خط تحریر کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

"هٰذَا كِتَابٌ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِعُمَرَبْنِ عَبْدِ الْعَزِيْزِ، إِنِّيْ وَلَّيْتُهُ الْخِلَافَةَ مِنْ بَعْدِيْ، وَجَعَلْتُهَا مِنْ بَعْدِهِ لِيَزِيْدَبْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ.

فَاسْمَعُوْا لَهُ وَأَطِيْعُوْا، وَاتَّقُوْا اللّٰهَ، وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَيَطْمَعَ الطَّامِعُوْنَ فِيْكُمْ"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَرْجَمَۃ: "شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔"

امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک کی جانب سے عمر بن عبدالعزیز کے نام یہ خط ہے، میں تم کو خلیفہ نامزد

کرتا ہوں اپنے بعد اور تمہارے انتقال کے بعد یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوگا۔ سب رعایا ان کی بات سنے اور ان کا کہا مانے اور تم سب اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا اور آپس میں اختلاف نہ کرنا، ورنہ لالچی اور مفاد پرست لوگ تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ پھر تحریر ختم کی اور خط میرے سپرد کردیا۔

اس کے بعد سپاہیوں کے سربراہ کعب بن حاضر کو کہا:

شاہی خاندان کو کسی ایک جگہ جمع ہونے کا پیغام دو اور انہیں یہ بتادو:

"أَنَّ الْكِتَابَ الَّذِيْ فِيْ يَدِ رَجَاءِ بْنِ حَيْوَةَ هُوَ كِتَابِيْ ...... وَمُرْهُمْ بِأَنْ يُبَايِعُوْا لِمَنْ فِيهِ."

تَرجَمہ: "جو خط رجاء بن حیوہ کے ہاتھ میں ہے وہ میرا تحریر کردہ ہے، جس شخص کو اس خط میں خلیفہ نامزد کیا گیا ہے اس کے ہاتھ پر بغیر کسی اختلاف کے بیعت کرلو۔"

حضرت رجاء رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

جب عبدالملک کا خاندان ایک جگہ جمع ہوگیا تو میں نے سب سے کہا:

یہ امیر المؤمنین کا خط ہے، اس میں انہوں نے اپنے بعد ایک شخص کو خلیفہ نامزد کیا ہے، اور مجھے انہوں نے یہ حکم دیا ہے کہ تم سب سے اس کے لیے بیعت لوں سب نے ایک زبان ہوکر کہا:

"سَمْعاً لِأَمْرِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، وَطَاعَةً لِخَلِيفَتِهِ مِنْ بَعْدِهِ."

تَرجَمہ: "امیر المؤمنین کا حکم سر آنکھوں پر ہم امیر المؤمنین کی طرف سے نامزد خلیفہ کی بیعت کریں گے۔"

پھر ان لوگوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں ان کے لیے امیر المؤمنین سے اجازت طلب کروں، کہ یہ سارا خاندان امیر المؤمنین سے سلام کرنے کے لیے اور خیریت معلوم کرنے کے لیے ملنا چاہتا ہے۔

میں نے کہا: اچھی بات ہے میں اجازت لیتا ہوں۔ پھر میں نے اجازت لی۔ جب وہ خلیفہ کے پاس گئے تو امیر المؤمنین نے ان سے کہا:

رجاء بن حیوہ کے ہاتھ میں جو خط ہے وہ میرا لکھا ہوا ہے۔ میں نے اپنے بعد نامزد کردہ خلیفہ کا نام اس خط میں لکھ دیا ہے، اس کی بات غور سے سننا...... اس کی اطاعت کرنا...... اور اس کے ہاتھ پہ بیعت کرلینا۔ پھر ان میں سے ہر ایک نے بیعت کرنے کا عہد کیا۔ اور اس کے بعد یہ خاندانی مجلس ختم ہوئی۔

رجاء بن حیوہ مہر بند خط لے کر باہر نکلے، فرماتے ہیں کہ میرے اور امیر المؤمنین کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ خط میں بحیثیت خلیفہ کس کا نام لکھا گیا ہے، جب سب لوگ منتشر ہوگئے تو میرے پاس عمر بن عبدالعزیز

آپ نے فرمایا: اے اباالمقدام! (یہ رجاء بن حیوہ کی کنیت ہے)

"إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ رَجُلٌ حَسَنُ الظَّنِّ بِيْ، وَكَانَ يُوْلِيْنِيْ مِنْ كَرِيْمِ بِرِّهِ وَصَافِيْ وِدَادِهِ الشَّيْءَ الْكَثِيْرَ"

تَرْجَمَۃ: "امیر المؤمنین نے مجھ پر اچھا گمان کیا ہوا ہے، وہ مجھے ہمیشہ بہت زیادہ محبت دیتے رہے، اور ہمیشہ ادب واحترام سے ملتے رہے۔"

مجھے ڈر ہے کہ کہیں انہوں نے اس خط میں میرا نام نہ لکھا ہو۔ میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر اور اپنی عزت ومحبت کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، اگر انہوں نے خط میں میرا نام لکھا ہے تو اللہ کے لیے مجھے بتادیں تاکہ میں ان سے معذرت کرلوں، اس سے پہلے کہ وہ انتقال کرجائیں۔ میں نے کہا:

"لَا وَاللّٰهِ مَا أَنَا بِمُخْبِرِكَ حَرْفًا وَاحِدًا مِمَّا سَأَلْتَ عَنْهُ فَتَوَلّٰى عَنِّيْ وَهُوَ غَضْبَانُ."

تَرْجَمَۃ: "اللہ کی قسم! اس خط کا کوئی ایک حرف بھی کسی کو نہیں بتاؤں گا۔"

اس لیے کہ یہ ہم دونوں کے درمیان ایک راز ہے، اگر میں نے بتادیا تو خیانت کا مجھ پر گناہ ہوگا، میرے پاس قومی امانت ہے۔ وہ مجھ سے ناراض ہوکر چلے گئے۔

پھر تھوڑی دیر بعد ہشام بن عبد الملک میرے پاس آیا اس نے کہا: اے ابامقدام! میرے دل میں آپ کی بڑی عزت اور پرانی محبت ہے، میں آپ کے زیر احسان بھی رہ چکا ہوں، برائے مہربانی مجھے یہ بتادیں کہ امیر المؤمنین نے خط میں کیا لکھا ہے۔

"فَإِنْ كَانَ هٰذَا الْأَمْرُ إِلَيَّ سَكَتُّ ...... وَإِنْ كَانَ لِغَيْرِيْ تَكَلَّمْتُ ...... فَلَيْسَ مِثْلِيْ مَنْ يُنَحّٰى عَنْ هٰذَا الْأَمْرِ وَلَكَ عَهْدُ اللّٰهِ أَلَّا أَذْكُرَ اسْمَكَ أَبَدًا."

تَرْجَمَۃ: "اگر خلیفہ بننے کے متعلق میرا نام لکھا ہے تو میں خاموش رہتا ہوں، اور اگر میرے علاوہ کسی اور کا نام لکھا گیا ہے تو میں جا کر بات کروں گا۔ بھلا میرے سوا کون خلافت کو سنبھال سکتا ہے، میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں کسی کے پاس آپ کا نام نہیں لوں گا۔"

براہِ مہربانی مجھے بتادیجئے اللہ آپ کا بھلا کرے گا۔

میں نے کہا:

اللہ کی قسم میں تجھے ایک حرف بھی نہیں بتاؤں گا، یہ امیر المؤمنین کا میرے پاس ایک راز ہے، جو میں کسی حال میں بھی بتا نہیں سکتا۔ وہ غصے سے زمین پر پاؤں مارتا اور ہاتھ ملتا ہوا چلا گیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ رہا تھا کہ، وہ شخص کون ہوگا جس کو خلیفہ بنایا جائے گا میرے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہوسکتا، کیا اب خلافت بنو عبد الملک

کے خاندان سے نکل جائے گی؟

ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا میں خاندان عبد الملک کا سردار ہوں خلافت کو سنبھالنا میرا خاندانی حق ہے مجھ سے یہ حق کوئی نہیں چھین سکتا۔

رجاء بن حیوہ کہتے ہیں:

اس کے بعد میں امیر المؤمنین سلیمان بن عبد الملک کے پاس کمرے میں گیا، تو ان کے انتقال کا وقت قریب تھا جب موت کی بے ہوشی طاری ہوئی، تو میں نے ان کے چہرے کا رخ قبلہ کی طرف کردیا، تو وہ مجھ سے کہنے لگے، اس حال میں کہ سانس بڑی مشکل سے آرہا تھا۔

"لَمْ يَأْنِ ذٰلِكَ بَعْدُ يَا رَجَاءُ."

تَرْجَمَہ: "اے رجاء بن حیوہ اس کے بعد وقت نہیں رہے گا۔"

دو دفعہ یہ کلمہ دوہرایا تیسری دفعہ کہا:

"اَلْآنَ يَا رَجَاءُ! إِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ أَنْ تَفْعَلَ شَيْئًا فَافْعَلْهُ."

تَرْجَمَہ: "رجاء اب وقت آگیا ہے، کچھ کرسکتے ہو تو کرو۔"

پھر "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه" کہا:

میں نے ان کا چہرہ دوبارہ قبلہ رخ کیا اور ان کا انتقال ہوگیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

میں نے ان کی آنکھیں بند کیں اور ان پر سبز چادر ڈال دی پھر دروازہ بند کیا اور باہر نکل آیا، امیر المؤمنین کی زوجہ محترمہ نے خادم کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ پوچھ کر آؤ کہ اب ان کی طبیعت کیسی ہے، اور کیا میں ان کا حال دریافت کرنے کمرے میں آسکتی ہوں؟

میں نے پیغام رساں کے لیے دروازہ کھول دیا اور کہا: دیکھئے بہت دیر جاگنے کے بعد ابھی ابھی آرام کی نیند سوئے ہیں برائے مہربانی انہیں جگائیے نہیں۔ اس نے واپس جاکر ملکہ کو بتایا کہ امیر المؤمنین گہری نیند سوئے ہیں، بیدار کرنے پر ان کی طبیعت ناساز ہوجائے گی، اور انہیں یقین آگیا کہ میرے شوہر سوئے ہوئے ہیں۔ پھر میں نے احتیاط سے دروازہ بند کردیا اور قابل اعتماد چوکیدار کو دروازے پر بٹھاتے ہوئے کہا:

جب تک میں نہ آجاؤں یہاں سے ہٹنا نہیں اور کوئی بھی آئے دروازہ کسی کے لیے بھی کھولنا نہیں۔ یہ ہدایات دے کر میں وہاں سے چل دیا۔ راستے میں چلتے ہوئے لوگوں نے مجھ سے پوچھا، امیر المؤمنین کا کیا حال ہے؟

میں نے کہا: جب سے وہ بیمار ہوئے ہیں، اس کے بعد پہلی مرتبہ آرام کی نیند سوئے ہیں۔

پھر میں نے سپاہیوں کے سربراہ کعب بن حاضر سے کہا:

امیر المؤمنین کے خاندان کو دابق قصبہ کی مسجد میں جمع کرو۔ جب وہ سب مسجد میں اکٹھے ہوگئے۔

میں نے کہا:

"بَايِعُوْا لِمَنْ فِيْ كِتَابِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ

فَقَالُوْا: قَدْ بَايَعْنَا مَرَّةً وَنُبَايِعُ أُخْرٰى؟!."

تَرجَمَہ: "امیر المؤمنین نے اس خط میں جس شخص کا نام لکھا ہے اس کے ہاتھ پر بیعت کرو، انہوں نے کہا کہ پہلے ہم گم نام بیعت کرچکے ہیں کیا اب دوبارہ بیعت کریں؟"

میں نے کہا: یہ امیر المؤمنین کا حکم ہے، جب ان میں سے ایک ایک آدمی نے بیعت کرلی تو میں نے کہا:

"إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ مَاتَ، وَ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ "

تَرجَمَہ: "امیر المؤمنین کا انتقال ہوگیا اور ہم تو خود اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

اور پھر میں نے خط کھول کر اس کی عبارت سب کو سنادی، جب عمر بن عبد العزیز کا نام آیا تو ہشام بن عبد الملک نے احتجاج کرتے ہوئے کہا:

ہم بیعت نہیں کریں گے۔

میں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر تم بیعت نہیں کروگے تو میں تمہاری گردن اڑادوں گا، اٹھو ابھی میرے سامنے بیعت کرو۔

وہ پاؤں پٹختا ہوا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن کہتا ہوا، اٹھا اور دل نہ چاہتے ہوئے بھی بیعت کرلی، اور وہ اس بات پر افسوس کررہا تھا کہ بنو عبد الملک سے خلافت رخصت ہوگئی۔

ادھر حضرت عمر بن عبد العزیز بھی اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن مسلسل پڑھ رہے تھے، کیوں کہ انہیں خلافت کی کرسی پر بیٹھنا بالکل پسند نہ تھا، اور کہہ رہے تھے یہ بوجھ میری مرضی کے خلاف میرے کم زور کندھوں پر لاد دیا گیا ہے۔ دونوں "اِنَّا لِلّٰهِ" پڑھ رہے تھے اور دونوں کے مقاصد الگ الگ تھے۔

لیکن حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللهُ تَعَالٰی کی دانش مندی سے حضرت عمر بن عبد العزیز رَحِمَہُ اللهُ تَعَالٰی مسلمانوں کے امیر المؤمنین بن گئے اور ان کی وجہ سے اسلام کو بہت ترقی ہوئی اور یہ نیک شخصیت دین کے لیے روشن مثال ثابت ہوئی۔

"فَطُوْبٰى لِخَلِيْفَةِ الْمُسْلِمِيْنَ سُلَيْمَانَ بْنِ عَبْدِالْمَلِكِ."

تَرْجَمَۃ: "خوش خبری ہو امیر المؤمنین سلیمان بن عبدالملک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے لیے۔"

اللہ تعالیٰ جنت نصیب کرے، انہوں نے خلافت کی کرسی ایک صالح انسان کے سپرد کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام حاصل کیا، اور اپنی ذمہ داری پوری ادا کردی اور ان کے باوفا وزیر ابومقدام رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مبارک باد کے مستحق ہیں، جنہوں نے تمام مسلمانوں کے لیے نصیحت کا حق ادا کردیا اور ان کے خاص مشیروں کو بھی اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے جنہوں نے اپنی ذمہ داری کو خوب نبھایا۔ بلاشبہ خوش نصیب حکمران اپنی عقل وسمجھ داری سے راہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔

فوائد ونصائح

❶ انسان کو دنیا میں جو بھی کام کرنا چاہیے وہ مشورہ اور استخارہ کے بعد کرنا چاہیے حدیث شریف میں اس کی فضیلت یہ آتی ہے:

"مَاخَابَ مَنِ اسْتَخَارَ وَلَا نَدِمَ مَنِ اسْتَشَارَ."[1]

تَرْجَمَۃ: "وہ ناکام نہیں ہوگا جس نے استخارہ کیا وہ نادم نہیں ہوگا جس نے مشورہ کیا۔"

مثلاً کسی مدرسہ یا اسکول میں داخلہ لینا ہے تو اس لائن کے لوگوں سے مشورہ کرلیں اور پھر استخارہ کرلیں۔ پھر جس کام کی طرف ہمت یعنی دل کھلے وہ کرلیں، کہیں رشتہ ڈالنا ہو، کہیں جانا ہو الغرض جو بھی کام ہو مشورہ واستخارہ ضرور کرلیں۔

مشورہ تو اس لائن کے سمجھ دار اور تجربہ کار دوستوں یا اپنے بڑوں سے کریں اور استخارہ تو کسی وقت بھی دو رکعت نفل پڑھ کر کرلیں، اگر نفل کا وقت نہ ہو اور جلدی فیصلہ کرنا ہو تو صرف دعا مانگ لیں، اگر لمبی دعا کا وقت نہ ہو تو درود شریف پڑھ کر مختصر دعا مانگ لیں۔ مختصر دعا یہ ہے۔

"اَللّٰهُمَّ خِرْلِيْ وَاخْتَرْلِيْ."[2]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ میرے لیے پسند فرمادے اور اختیار فرمادے۔"

ہم یہاں استخارہ کی ایک دعا اور مشورہ کی دو دعائیں لکھتے ہیں ان کو یاد کرلیں یہ دونوں گر (استخارہ ومشورہ) زندگی میں آپ کو بہت ہی فائدہ دیں گے۔ ① دل کا اطمینان نصیب ہوگا۔ ② ندامت وپریشانی سے بچیں

[1] مَجْمَعُ الزَّوَائِدُ، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ مَاجَاءَ فِي الْمُشَاوَرَةِ: ۱۲۲/۸

[2] ترمذي، أَبْوَابُ الدَّعْوَاتِ: ۱۹۰/۲

گے، مگر شرط یہ ہے کہ کوئی اہم کام کرنے میں جلدی نہ کریں استخارہ ومشورہ ضرور کرلیں۔

دعائے استخارہ یہ ہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ ..... خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاقْدِرْهُ لِيْ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ ...... شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَ مَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَاصْرِفْنِيْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِيْ بِهٖ."[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ میں تیرے علم کے ساتھ بھلائی مانگتا ہوں اور قدرت چاہتا ہوں، تیری قدرت کے ذریعے، اور مانگتا ہوں تیرے فضل سے، کیوں کہ تو ہی قادر ہے میں قادر نہیں اور تو ہی جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اے میرے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین اور دنیا اور میرے کام کے انجام میں اچھا ہے، تو تو اس کو میرے قابو میں کردے۔ اور اگر تو سمجھتا ہے کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین و دنیا اور میرے کام کے انجام میں اچھا نہیں، تو تو اس کو مجھ سے پھیر دے اور مجھ کو اس سے پھیر دے اور میرے لیے بھلائی مقرر کردے، جس جگہ بھی ہو، پھر مجھ کو اس سے خوش کردے۔"

مشورہ کے وقت کی دو دعائیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) "اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَاَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ."[2]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میرے مقدر کی بھلائی میرے دل میں ڈال دے اور مجھ کو میرے نفس کی بدی سے بچالے۔"

یہ بہت پیاری اور اہم دعا ہے، حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ دعا سکھلائی تھی۔

قصہ یہ ہوا کہ حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا تم اسلام لے آؤ تو تمہیں ایک دعا سکھلاؤں گا، وہ اسلام لائے تو پوچھا وہ کون سی دعا ہے آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا یہ دعا ہے۔

(ب) "اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْتَهْدِيْكَ لِاَرْشَدِ اَمْرِيْ، وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ فَتُبْ

[1] بُخَارِيْ، كِتَابُ الدَّعْوَاتِ، بَابُ الدُّعَاءُ عِنْدَ الْاِسْتِخَارَةِ: ۲/۹۴۴

[2] تِرْمِذِيْ، اَبْوَابُ الدَّعْوَاتِ: ۲/۱۸۶

عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ رَبِّيْ.“[۱]

تَرْجَمَہ: ”اے اللہ! میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش کا طالب ہوں، اور اپنے معاملہ میں کام یابی کی راہوں کی ہدایت مانگتا ہوں، اور تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں تو میری توبہ قبول فرمالے۔“

۲ اگر کسی نے آپ سے اکیلے میں کوئی بات کہی ہے تو یہ آپ کے پاس امانت ہے، اگر آپ نے کسی کو بتلادیا تو آپ نے خیانت کی، اور یہ منافق کی علامت ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم مسلمانوں کے راز کی دل سے حفاظت کریں، اپنے گھر کی باتیں باہر نہ بتلائیں، دوستوں کی باتیں دوسرے دوستوں کو نہ بتلائیں، کیوں کہ خیانت کرنے والے لوگ نہ ہی دنیا میں کام یاب ہوتے ہیں اور نہ آخرت میں۔ دو ساتھی بات کررہے ہوں تو بغیر اجازت کے ان کی باتیں نہ سنیں، کوئی کچھ لکھ رہا ہو تو اس کو نہ جھانکیں، دو آدمی فون پر بات کررہے ہوں تو ان کی بات نہ سنیں وغیرہ وغیرہ۔

سُؤَالٌ: حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہاں کہاں، کس طرح سمجھ داری کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے لیے خلافت کی آسانیاں فراہم کیں؟

سُؤَالٌ: حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ پر رشوت یا دوستی کا الزام لگ سکتا تھا، لیکن انہوں نے بڑی حکمت و بہادری سے اس سے اپنے کو بچایا، کیا آپ بتا سکتے ہیں کس طرح؟

سُؤَالٌ: اپنے بڑوں کو کوئی رائے دینا ہو تو کس طرح ادب سے دینی چاہئے؟

سُؤَالٌ: حضرت رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خط میں لکھی ہوئی بات کیوں نہیں بتلائی؟

سُؤَالٌ: مسلمہ بن عبدالملک نے رجاء بن حیوہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے بارے میں کیا کہا تھا؟

سُؤَالٌ: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کس کس موقع پر پڑھنا چاہئے؟

[۱] مُصَنَّفُ اِبْنِ اَبِيْ شَيْبَةَ: ۳٤/٦

حضرت عامر بن شراحیل شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ

"كَانَ الشَّعْبِيُّ وَاسِعَ الْعِلْمِ، عَظِيْمَ الْحِلْمِ...... وَإِنَّهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِمَكَانٍ ......" (الحسن البصری)

ترجمہ: "امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے عالم، مستند فقیہ اور بردبار عظیم مذہبی راہ نما تھے۔ ہر میدان میں ان کی عظمت کا لوہا مانا جاتا تھا۔"

آپ کی ولادت اور تحصیلِ علم

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو چھ سال گذرے تھے کہ مسلمانوں کے ایک خاندان میں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے، ان میں سے ایک بہت زیادہ کم زور اور دبلا پتلا تھا، اپنے جڑواں بھائی کے ساتھ پرورش پانے کی وجہ سے اس کے جسم کی نشونما پوری طرح نہ ہوسکی تھی۔

لیکن جب یہی بچہ بڑا ہوا تو میدان علم وحلم (بردباری)، حکمت اور دینی سمجھ بوجھ میں کوئی بھی اس کا شریک نہ ہوسکا، یہی وہ عامر بن شراحیل حمیری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جو امام شعبی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں اور جو اس زمانے کے مسلمانوں کے سب سے بڑے امام سمجھے جاتے تھے۔

امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کوفہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی، لیکن مدینہ منورہ ان کا دل پسند شہر تھا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملنے اور ان سے علم حاصل کرنے اکثر وہاں جایا کرتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جہاد کی غرض یا رہنے کی خاطر گھر بنانے کے لیے کوفہ اکثر آنا جانا رہتا۔ اس طرح انہیں تقریباً پانچ سو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے حدیث روایت کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جن میں سے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زید بن ثابت، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوسعید خدری، حضرت نعمان بن بشیر، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عدی بن حاتم، حضرت ابوہریرہ، امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ میں ایسی صفات رکھی تھیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت کو یاد دلاتی تھیں، چھوٹی سی عمر میں ہی نہایت سمجھ دار، ذہین، ہر معاملہ کو بہت اچھی طرح سمجھنے والے تھے، قوتِ حافظہ

اور قوتِ ذاکرہ (یعنی کسی چیز کو یاد کرنا اور وقت پر یاد آ جانا) ان دونوں صفات میں تو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت عطا فرما رکھی تھی۔

وہ خود بیان کرتے ہیں:

"مَا كَتَبْتُ سَوْدَاءَ فِيْ بَيْضَاءَ قَطُّ، وَلَا حَدَّثَنِيْ رَجُلٌ بِحَدِيثٍ إِلَّا حَفِظْتُهُ، وَلَا سَمِعْتُ مِنِ امْرِئٍ كَلَاماً ثُمَّ أَحْبَبْتُ أَنْ يُعِيْدَهُ عَلَيَّ."

تَرْجَمَہ: "(اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ) میں نے کبھی کوئی بات کاغذ پر نہیں لکھی، اور نہ ہی کبھی ایسا ہوا کہ کسی شخص نے میرے سامنے حدیث بیان کی ہو اور وہ مجھے یاد نہ رہی ہو، اور نہ ہی کبھی ایسا ہوا کہ کسی شخص نے مجھے کوئی بات کہی ہو اور میں نے اسے دوبارہ دوہرانے کے لیے کہا ہو۔"

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کو علم اور اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ علم و معرفت حاصل کرنے میں انتہائی محنت کرتے اور اس کی وجہ سے تکالیف و مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے۔

وہ اکثر یہ کہا کرتے تھے:

"لَوْ أَنَّ رَجُلاً سَافَرَ مِنْ أَقْصَى الشَّامِ إِلَى أَقْصَى الْيَمَنِ، فَحَفِظَ كَلِمَةً وَاحِدَةً تَنْفَعُهُ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ مِنْ عُمُرِهِ لَرَأَيْتُ أَنَّ سَفَرَهُ لَمْ يَضِعْ."

تَرْجَمَہ: "اگر ایک شخص کسی ایسی بات کو حاصل کرنے کے لیے جو اس کے مستقبل میں مفید ثابت ہو سکتی ہے، شام کے کنارہ سے یمن کے کنارہ تک دور دراز کا سفر اختیار کرے، تو میرے نزدیک اس کا یہ سفر ضائع نہیں گیا۔"

علم میں بلند مقام

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ فرماتے ہیں:

میں نے سب سے کم شعر و شاعری کا علم حاصل کیا، لیکن اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پھر بھی اگر پچھلے اشعار دوہرائے بغیر مہینے بھر نئے نئے اشعار سناتا رہوں تو سنا سکتا ہوں۔

کوفہ کی مرکزی مسجد میں امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کا ایک علمی حلقہ قائم تھا، لوگ اس میں جوق در جوق شریک ہوتے، حالاں کہ اس وقت صحابۂ کرام رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُمْ بھی موجود تھے اور مسجد میں صبح شام آتے جاتے

تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسجد میں امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کو غزوات کے واقعات بیان کرتے ہوئے غور سے سنا اور فرمایا:

جو واقعات اور حقائق یہ بیان کررہے ہیں، ان میں سے بعض سفروں میں، میں خود موجود تھا اور اپنی ان دونوں آنکھوں سے ان سب چیزوں کو دیکھا اور دونوں کانوں سے سنا، لیکن میں اس طرح بیان نہیں کرسکتا جس قدر تفصیل اور دل چسپ انداز میں یہ بیان کررہے ہیں۔ امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علم اور حاضر دماغی کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔

وہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس دو آدمی آئے، دونوں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف فخر وتکبر کا اظہار کررہے تھے، ایک قبیلہ بنو عامر میں سے تھا اور دوسرا بنو اسد میں سے تھا، عامری اپنے مخالف اسدی پر غلبہ پائے ہوئے اسے میری طرف گھسیٹتا ہوا لارہا تھا، اور وہ بے چارہ اس کے سامنے بے بس نظر آرہا تھا اور بار بار اس سے کہہ رہا تھا:

''مجھے چھوڑ دو! اللہ کے لیے مجھے چھوڑ دو، تمہاری مہربانی، مجھے چھوڑ دو۔''

اور وہ کہہ رہا تھا: میں نہیں چھوڑوں گا، ہرگز نہیں چھوڑوں جب تک کہ امام شعبی ہمارے درمیان فیصلہ نہ کردیں۔

میں نے عامری سے کہا: اس بے چارے کو چھوڑ دو میں ابھی تمہارے درمیان فیصلہ کیے دیتا ہوں۔

پھر میں نے اسدی سے کہا:

''مَالِيْ أَرَاكَ تَتَخَاذَلُ لَهُ؟''

تَرجَمَہ: ''تم اس کے سامنے اس طرح کیوں اتنے ذلیل اور کم زور ہورہے ہو۔''

کیا تم اپنے قبیلے کی تاریخ نہیں جانتے، اپنے بزرگوں کے کارناموں کو بھول چکے ہو؟

اس کو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے قبیلہ کو بہت زیادہ عزت سے نوازا ہے۔

''وَلَقَدْ كَانَتْ لَكُمْ مَفَاخِرُ سِتٌّ لَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْعَرَبِ:

أَوَّلُهَا: أَنَّهُ كَانَتْ مِنْكُمْ إِمْرَأَةٌ خَطَبَهَا سَيِّدُ الْخَلْقِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزَوَّجَهُ اللّٰهُ اِيَّاهَا مِنْ فَوْقِ سَبْعِ سَمَاوَاتٍ...... وَكَانَ السَّفِيْرُ بَيْنَهُمَا ''جِبْرِيْلُ'' عَلَيْهِ السَّلَامُ......

إِنَّهَا أُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ زَيْنَبُ بِنْتُ جَحْشٍ.

فَكَانَتْ هٰذِهِ الْمَأْثَرَةُ لِقَوْمِكَ، وَلَمْ تَكُنْ لِأَحَدٍ مِنَ الْعَرَبِ غَيْرِكُمْ.

وَالثَّانِيَةُ: أَنَّهُ كَانَ مِنْكُمْ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ يَمْشِيْ عَلَى الْأَرْضِ، هُوَ "عُكَاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ"

وَكَانَتْ هٰذِهِ لَكُمْ يَا بَنِيْ أَسَدٍ وَلَمْ تَكُنْ لِسِوَاكُمْ مِنَ النَّاسِ.

وَالثَّالِثَةُ: أَنَّ أَوَّلَ لِوَاءٍ عُقِدَ فِي الْإِسْلَامِ كَانَ لِرَجُلٍ مِنْكُمْ، هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جَحْشٍ.

وَالرَّابِعَةُ: أَنَّ أَوَّلَ مَغْنَمٍ قُسِمَ فِي الْإِسْلَامِ كَانَ مَغْنَمَهُ.

وَالْخَامِسَةُ: أَنَّ أَوَّلَ مَنْ بَايَعَ بَيْعَةَ الرِّضْوَانِ كَانَ مِنْكُمْ، فَقَدْ جَاءَ صَاحِبُكُمْ أَبُوْ سِنَانِ بْنِ وَهْبٍ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اُبْسُطْ يَدَكَ أُبَايِعْكَ.

قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: (عَلٰى مَاذَا).

قَالَ: عَلٰى مَا فِيْ نَفْسِكَ.

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ: (وَمَا فِيْ نَفْسِيْ؟!)

قَالَ: فَتْحٌ، أَوْ شَهَادَةٌ؟

قَالَ: (نَعَمْ)، فَبَايَعَهُ......

فَجَعَلَ النَّاسُ يُبَايِعُوْنَ عَلٰى بَيْعَةِ أَبِيْ سِنَانٍ.

وَالسَّادِسَةُ: أَنَّ قَوْمَكَ بَنِيْ "أَسَدٍ" كَانُوْا سُبُعَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَوْمَ "بَدْرٍ."

تَرجَمَۂ: "سنو: تمہارے قبیلے میں چھ ایسی خوبیاں پائی جاتی ہیں جو کسی اور عرب قبیلے میں نہیں پائی جاتیں۔

❶ پہلی خوبی یہ ہے کہ تمہارے قبیلہ کی ایک عورت وہ ہے جس کو نبی اکرم ﷺ نے نکاح کا پیغام دیا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے اس عورت کے ساتھ آپ ﷺ کا نکاح ساتویں آسمان کے اوپر طے کر دیا اور سفارت کے فرائض حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَامُ نے سرانجام دیئے۔ اس عظیم خاتون کا نام زینب بنت جحش رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا ہے، جو اُمّ المؤمنین کے عظیم لقب اور عظیم مرتبہ سے نوازی گئیں۔

❷ دوسری خوبی یہ ہے کہ آپ کے قبیلے میں ایک ایسا خوش نصیب پایا جاتا ہے، جس کے متعلق حضور اکرم ﷺ نے یہ خوش خبری دی ہے کہ جو کوئی روئے زمین پر کسی جنتی شخص کو چلتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے وہ

عکاشہ بن محصن (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کو دیکھ لے، اور یہ خوبی صرف تمہارے قبیلہ بنی اسد میں ہے اور کسی میں نہیں۔

۳ تیسری خوبی یہ ہے کہ مسلمانوں میں سب سے پہلے جس کے ہاتھ میں جھنڈا تھمایا گیا، وہ عبداللہ بن جحش رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بھی تمہارے قبیلے کے آدمی ہیں۔

۴ اسلام میں پہلی غنیمت جس کی تقسیم کی گئی اس کا تعلق بھی تمہارے قبیلے سے ہے۔

۵ بیعتِ رضوان میں جنھوں نے سب سے پہلے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی، وہ بھی تمہارے قبیلے سے ہیں، ان کا نام ابوسنان بن وہب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ہے۔ وہ سب سے پہلے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُبْسُطْ یَدَکَ اُبَایِعُکَ."

تَرْجَمَہ: "اے اللہ کے رسول اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے میں آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا چاہتا ہوں......"

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پوچھا کس بنیاد پر بیعت کرنا چاہتے ہو؟

اس نے عرض کیا: یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جو آپ کے دل میں ہے اسی بنیاد پر میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے پوچھا بھلا میرے دل میں کیا ہے؟

اس نے کہا: فتح یا شہادت۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: بالکل درست۔

پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنا ہاتھ مبارک آگے بڑھایا اور اس نے بیعت کی۔ اس کے بعد لوگوں نے رسول اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔

۶ آپ کے قبیلے کی چھٹی خوبی یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں جو مہاجرین شامل ہوئے ان کا ساتواں حصہ آپ کے قبیلے پر مشتمل تھا۔

عامری یہ تفصیل سن کر حیران رہ گیا اور بالکل خاموش ہوگیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے یہ انداز اختیار ہی اس لیے کیا تھا کہ کم زور کو طاقت ور پر غالب کیا جائے۔

اگر عامری مغلوب ہوتا تو یقیناً اس کی قوم کے ایسے اوصاف بیان کرتے جو اسے خود معلوم نہ ہوتے۔

جب عبدالملک بن مروان خلیفہ بنا تو اس نے عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجو جو دین ودنیا دونوں کی سمجھ بوجھ رکھتا ہو، اس لیے کہ میں اُسے اپنا رازدار وہم نشین یعنی اپنا خاص

وزیر بنانا چاہتا ہوں۔

اس نے امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو ان کے پاس بھیجا اور خلیفہ نے انہیں اپنے خواص میں شامل کرلیا۔

خلیفۃ المسلمین ہمیشہ مشکل مسائل کو سلجھانے کے لیے ان کے علم وحکمت سے فائدہ اٹھاتے، اور مشکل مراحل میں ان کی رائے پر اعتماد کرتے، اور بادشاہوں سے ملاقات کے لیے انہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجتے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان کی ذہانت

ایک مرتبہ خلیفۃ المسلمین نے حضرت عامر بن شراحیل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو مقامِ جستنیان ایک خصوصی پیغام دے کر روم کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ جب عامر بن شراحیل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس کے دربار میں پہنچے تو اس سے ملاقات کی۔

وہ ان کی ذہانت، سمجھ داری، سیاسی سوجھ بوجھ، مطالعہ کی کثرت اور اندازِ بیان سے بہت متاثر ہوا۔

شاہِ روم نے کئی روز انہیں اپنے پاس معزز مہمان کی حیثیت سے رکھا حالاں کہ زیادہ دیر وہ کسی بھی سفیر کو اپنے پاس نہیں ٹھہرایا کرتا تھا۔

جب آپ نے شاہِ روم سے واپس دمشق جانے کے لیے اجازت چاہی تو شاہِ روم نے ان سے پوچھا:

''أَمِنْ أَهْلِ بَيْتِ الْمُلْكِ أَنْتَ؟''

تَرجَمہ: ''کیا آپ شاہی خاندان میں سے ہیں۔''

فَقَالَ: لَا، وَإِنَّمَا أَنَا رَجُلٌ مِنْ جُمْلَةِ الْمُسْلِمِيْنَ.''

تَرجَمہ: ''فرمایا نہیں! میں عام مسلمانوں میں سے ہوں۔''

شاہِ روم نے انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی اور کہا: جب آپ خلیفہ عبدالملک بن مروان کے پاس جائیں، تو اپنے سفر کی ساری کارگذاری سنانے کے بعد میرا یہ رقعہ انہیں دے دینا۔

جب عامر بن شراحیل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی دمشق واپس پہنچے، تو سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین عبدالملک بن مروان سے ملاقات کی، روم کے متعلق اپنے دیکھے، سنے احوال بیان کئے۔

خلیفۃ المسلمین نے جو سوالات کیے ان کا تسلی بخش جواب دیا۔ جب واپس جانے کے لیے اٹھے تو فرمایا:

شاہِ روم نے امیرالمؤمنین کے لیے جو خط دیا تھا، پھر وہ امیر المؤمنین کو دیا اور چل دیئے۔

جب خلیفۃ المسلمین نے خط پڑھا تو اپنے دربان سے کہا:

امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو میرے پاس بلا کر لاؤ، وہ واپس دربار میں آئے تو خلیفہ نے پوچھا:

"أَعَلِمْتَ مَا فِيْ هٰذِهِ الرُّقْعَةِ؟."

تَرجَمۂ: "کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس خط میں کیا لکھا ہوا ہے۔"

آپ نے فرمایا:

نہیں! مجھے کچھ معلوم نہیں کہ اس خط میں کیا لکھا ہوا ہے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کہا: شاہِ روم نے مجھے اس خط میں لکھا ہے:

"عَجِبْتُ لِلْعَرَبِ كَيْفَ مَلَّكَتْ عَلَيْهَا رَجُلاً غَيْرَ هٰذَا الْفَتٰى؟"

تَرجَمۂ: "عرب قوم پر مجھے بڑا تعجب ہے، جس نے اس عظیم نوجوان کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا بادشاہ بنایا ہے۔"

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فوراً جواب دیا:

"اِنَّمَا قَالَ هٰذَا لِاَنَّهٗ لَمْ يَرَكَ، وَلَوْ رَآكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَمَاقَالَهٗ."

تَرجَمۂ: "امیر المؤمنین! اس نے یہ بات اس لیے کہی کہ اس نے آپ کو دیکھا نہیں، اگر آپ کو دیکھا ہوتا تو وہ قطعاً یہ بات نہ کہتا۔"

خلیفہ عبدالملک نے کہا:

"أَفَتَدْرِيْ لِمَ كَتَبَ إِلَيَّ مَلِكُ (الرُّوْمِ) بِهٰذَا؟."

تَرجَمۂ: "کیا تم جانتے ہو کہ شاہِ روم نے یہ کیوں لکھا؟"

آپ نے فرمایا: نہیں۔

خلیفہ عبدالملک نے کہا:

یہ بات اس نے شرارت کے جذبہ سے لکھی ہے، اس نے یہ شیطانی انداز اختیار کر کے مجھے آپ کو قتل کرنے پر تیار کیا ہے۔ اور اس نے آپ جیسے سمجھ دار اور ذہین رہنما سے امتِ مسلمہ کو محروم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔

جب یہ بات شاہِ روم تک پہنچی وہ فوراً پکار اٹھا کہ اس قوم پر غالب نہیں آیا جا سکتا، جس کا خلیفہ اس قدر ذہین ہے۔

"وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ غَيْرَ ذٰلِكَ"

تَرجَمۂ: "اللہ کی قسم! میرا یہی ارادہ تھا جو خلیفۃ المسلمین کے ذہن میں آیا۔"

مقامِ علم اور تواضع

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ نے علم حاصل کرنے کے لیے خوب محنت بھی کی اور اللہ تعالیٰ کا فضل بھی شامل حال رہا۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم میں وہ مقام عطا فرمایا کہ، ان کو چوتھا عالم بنادیا ان تین علماء میں جو ان کے زمانے میں مشہور تھے۔

امام زہری فرمایا کرتے تھے کہ اس دور کے چار علماء یہ ہیں۔

❶ مدینہ میں سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ۔

❷ کوفہ میں عامر بن شراحیل شعبی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ۔

❸ بصرہ میں حسن بصری رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ۔

❹ شام میں مکحول رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ۔

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کی عاجزی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ، جب کوئی انہیں شیخ یا عالم کے لقب سے پکارتا تو آپ شرمندگی محسوس کرتے ایک شخص نے آپ سے کہا:

"اَجِبْنِي اَيُّهَا الْفَقِيهُ الْعَالِمُ"

تَرْجَمَہ: "اے عالم اور فقیہ صاحب مجھے یہ مسئلہ بتادیں۔"

آپ نے اس کی بات سن کر فرمایا:

"آپ مجھے وہ درجہ نہ دیں جس کا میں اہل نہیں ہوں۔"

اور فرمایا:

فقیہ اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کرے، عالم وہ ہے جو اللہ سے ڈرے اور ہم اس مقام پر کہاں۔

اس نے ایک اور مسئلہ پوچھا، آپ نے فرمایا:

اس کے متعلق حضرت عمر بن خطاب اور حضرت علی رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کا یہ ارشاد ہے۔

سائل نے کہا: آپ اس مسئلہ کے متعلق کیا کہتے ہیں اے ابوعمر! آپ شرماتے ہوئے مسکرائے اور فرمایا: جب آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ اور سیدنا حضرت علی رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کے اقوال سن لیے، وہاں میری رائے یا قول سن کر کیا کرو گے۔

ایک شخص نے ایک مرتبہ انہیں گندی گالی دی اور آپ کے خلاف بہت ہی غلط اور بری باتیں کیں۔

آپ اپنے خلاف باتیں سن کر نہ غصہ ہوئے، نہ گالی کا جواب گالی سے دیا بل کہ نرم لہجہ میں اس شخص سے فرمایا:

"اِنْ کُنْتَ صَادِقًا فِیْمَا تَرْمِیْنِیْ بِهٖ غَفَرَ اللّٰهُ لِیْ......
وَاِنْ کُنْتَ کَاذِبًا غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ."

تَرجَمَہ: "بھائی اگر آپ میری برائی کرنے میں سچے ہیں تو اللہ مجھے بخش دے اور اگر آپ جھوٹے ہیں تو اللہ آپ کو معاف کردے۔"

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اپنے اعلیٰ مرتبہ اور اونچی شان کے باوجود علم ومعرفت اور حکمت وسمجھ داری کی بات کسی عام معمولی آدمی سے بھی سنتے، تو اس سے حاصل کرنے میں کوئی شرم محسوس نہیں کیا کرتے تھے۔

ایک بدو (دیہاتی) آپ کی مجلس میں پابندی سے آیا کرتا تھا، لیکن ہمیشہ خاموش بیٹھا رہتا۔ ایک روز امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس سے پوچھا۔ "اَلَا تَتَکَلَّمُ"

تَرجَمَہ: "کیا آپ بولتے نہیں؟"

اس دیہاتی نے کہا:

"أَسْکُتُ فَأَسْلَمُ، وَأَسْمَعُ فَأَعْلَمُ."

میں خاموش رہوں تو محفوظ رہتا ہوں (اس بات سے کہ منہ سے کوئی غلط بات نہ نکل جائے) اور (علمی دینی باتوں کو) سنتا ہوں تو علم حاصل کرتا رہتا ہوں۔

اور ساتھ ہی کہا:

"وَاِنَّ حَظَّ الْمَرْءِ مِنْ اُذُنِهٖ یَعُوْدُ عَلَیْهِ......
وَاَمَّا حَظُّهٗ مِنْ لِسَانِهٖ فَیَعُوْدُ عَلٰی غَیْرِهٖ......"

تَرجَمَہ: "سننے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی کی خود اصلاح ہوتی ہے اس سے اپنے آپ کو فائدہ پہنچتا ہے اور زبان کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے بھلی باتوں کی طرف دعوت دینے سے دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔"

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ زندگی بھر اس بدو کی اس سمجھ بوجھ والی بات کو بار بار دہراتے اور لطف اٹھاتے رہے۔

فصاحت وبلاغت

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ دورانِ گفتگو اس قدر واضح اور بہتر انداز سے بولتے کہ بہت کم لوگ ہی اس

مرتبے کے ہوئے ہیں۔ بطورِ نمونہ آپ ان کی یہ بات ملاحظہ کریں۔

چند افراد کو عراق وایران کے گورنر عمر بن ہبیرہ فزاری نے گرفتار کرلیا جب امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو ان کی گرفتاری کا پتہ چلا تو فرمایا:

''أَيُّهَا الْأَمِيْرُ! إِنْ كُنْتَ حَبَسْتَهُمْ بِالْبَاطِلِ، فَالْحَقُّ يُخْرِجُهُمْ...... وَ إِنْ كُنْتَ حَبَسْتَهُمْ بِالْحَقِّ، فَالْعَفْوُ يَسَعُهُمْ.''

تَرْجَمَہ: ''جناب گورنر صاحب! اگر آپ نے انہیں ناحق قید کیا ہے تو اللہ انہیں رہائی دے گا اور اگر آپ نے ان کو برحق قید کیا ہے تو معاف کردیں کہ آپ کے معاف کردینے سے یہ قید سے چھوٹ جائیں گے۔''

گورنر کو یہ انداز گفتگو اس قدر پسند آیا کہ آپ کی عزت واحترام کرتے ہوئے تمام قیدیوں کو رہا کردیا۔

تین بہترین صفات

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ دین وعلم میں کمال مرتبہ وعظمت کے باوجود خوش گوار طبیعت کے مالک تھے، جب کوئی مزاح کا موقع آتا تو اسے اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

ایک روز ایک شخص نے آپ سے پوچھا۔

ابلیس کی بیوی کا نام کیا ہے؟

آپ نے فوراً جواب دیا:

''میں ابلیس کی شادی میں شریک نہیں ہوا تھا۔''

امام شعبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اپنے متعلق ارشاد فرماتے تھے:

اللہ تعالیٰ نے مجھے تین صفات عطا فرمائی ہیں جس کا میں شکر گذار ہوں۔

1. جس چیز کو لوگ شوقیہ نگاہوں سے دیکھتے ہیں میں نے کبھی اس چیز کو لالچی نظروں سے نہیں دیکھا (کہ ہر اچھی چیز مجھے مل جائے...... میں یہ بھی خریدلوں، یہ لالچ اچھی چیز نہیں ہے بل کہ جتنی نعمتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، اس پر شکر کرنا چاہئے اور جو نہیں ہے اگر قسمت میں ہوگا تو وہ بھی مل جائے گا)۔
2. دوسری بات میں نے کبھی اپنے کسی غلام کو مارا نہیں۔ (لہٰذا اگر آپ کے چھوٹے بھائی بہن ہوں آپ بھی کبھی ان کو ماریں نہیں تو آپ میں بھی یہ صفت پیدا ہوجائے گی)۔
3. تیسری صفت یہ کہ جو بھی میرا رشتہ دار مقروض فوت ہوا، میں نے اس کا قرض ضرور ادا کیا۔

پہلے تو یہ نیت کریں کہ کسی حال میں بھی کبھی قرض نہیں لیں گے، کیوں کہ قرض بہت بری بلا ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ آپ کو دے، تو لوگوں کے قرض اتروانے کا ذریعہ بن جائیں۔

وفات

امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اسّی سال سے زائد عمر پائی۔ جب وہ اپنے رب کو پیارے ہوئے اور آپ کی وفات کی افسوس ناک خبر حضرت حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو پہنچی تو وہ بے اختیار پکار اٹھے:

”يَرْحَمُهُ اللّٰهُ فَلَقَدْ كَانَ وَاسِعَ الْعِلْمِ...... عَظِيْمَ الْحِلْمِ...... وَ إِنَّهُ مِنَ الْإِسْلَامِ بِمَكَانٍ“

تَرجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے وہ بڑے جید عالم، بڑے خوش اخلاق اور نرم طبیعت اور دین و ایمان کے اعتبار سے عظیم مرتبہ پر فائز تھے۔“

فَوائِدُ وَنصَائِحُ

عامر بن شراحیل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اتنا بڑا درجہ کس وجہ سے ملا؟

آیئے ہم آپ کو وہ صفات بتلاتے ہیں جن کو انہوں نے اختیار کیا تھا، آپ بھی ان صفات کو اختیار کرنے کی نیت کر لیجئے اور دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگئے:

”اے اللہ! جو صفاتِ حمیدہ آپ نے عامر بن شراحیل رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو عطا فرمائی تھیں مجھے اور میرے دوستوں کو بھی عطا فرمائیں۔“ آمین

❶ امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی شریف طبیعت اور خوش اخلاق تھے، وہ جھگڑے کو قطعی ناپسند کرتے تھے اور ہمیشہ فضول باتوں...... فضول کاموں...... اور ایسی فضول تحقیقات سے بچتے تھے، جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ ہو۔

❷ اسی طرح فضول سوالوں کے جوابات دینے سے بھی بچتے تھے۔ ایک اصول یاد رکھئے کہ ہر سوال کا جواب نہیں دینا چاہئے اور فضول سوالات کے وقت خاموشی اختیار کرنا چاہئے یا بات کو بدل دینا چاہئے۔ ہاں اگر ایسا سوال ہو جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہو تو ضرور ایسے سوال کا جواب دینا چاہئے۔ اور ہمیں بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ بے فضول اور بے کار سوالات سے بچیں۔

اور ساتھ ساتھ ہمیں علم نافع کے حصول کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہنا چاہئے، ذیل میں دو

دعائیں ذکر کرتے ہیں ان دونوں دعاؤں کو فرض نمازوں کے بعد مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(الف) "اَللّٰهُمَّ انْفَعْنِيْ بِمَا عَلَّمْتَنِيْ وَعَلِّمْنِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ وَزِدْنِيْ عِلْمًا، وَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ النَّارِ."[1]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! جو علم تو نے مجھ کو سکھایا ہے اس سے تو مجھ کو نفع بھی دے اور مجھ کو وہ علم سکھا جو نفع ہی نفع دے۔ اور مجھ کو اور زیادہ علم عطا فرما۔ تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے ہر حال میں اور میں اللہ تعالیٰ کی پناہ لیتا ہوں دوزخیوں کے حال سے۔"

(ب) "اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِي التَّفْكِيْرَ وَالتَّدَبُّرَ لِمَا يَتْلُوْهُ لِسَانِيْ مِنْ كِتَابِكَ وَالْفَهْمَ لَهٗ وَالْمَعْرِفَةَ بِمَعَانِيْهِ، وَالنَّظْرَ فِيْ عَجَآئِبِهٖ، وَالْعَمَلَ بِذٰلِكَ مَا بَقِيْتُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ."[2]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! مجھے غور و فکر اور سوچ و سمجھ نصیب فرما، اس میں جو کچھ میری زبان تلاوت کرتی ہے آپ کی کتاب میں سے، اور اس کی سمجھ بوجھ اور اس کی معانی کی معرفت نصیب فرما، اور اس کے عجائبات میں مہارت نصیب فرما اور عمل نصیب فرما، ان آیات پر جب تک میں زندہ رہوں، بے شک آپ ہر چیز پر قادر ہیں۔"

❸ حضرت امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے علم کے ساتھ حلم کو بھی جمع کیا تھا، جس طرح علم اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس طرح حلم بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، حلم کا معنی یہ ہے کہ آدمی بردبار ہو، ہر بات کو ٹھنڈے مزاج سے لے، غصہ کے تقاضوں پر فوراً عمل نہ کرے، غصہ کے کڑوے گھونٹ کو پی لے۔ ایک بہت پیاری دعا ہے جس میں علم، حلم اور تقویٰ تینوں چیزیں مانگی گئی ہیں وہ آپ بھی یاد کرلیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْنِنِيْ بِالْعِلْمِ وَزَيِّنِّيْ بِالْحِلْمِ وَاَكْرِمْنِيْ بِالتَّقْوٰى وَجَمِّلْنِيْ بِالْعَافِيَةِ."[3]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! مجھے علم دے کر بے نیاز کردے اور بردباری سے سرفراز فرما کر زینت بخش اور تقویٰ نصیب فرما کر بزرگی عطا کر اور عافیت بخش کر مزین فرما۔"

❹ خلیفہ عبدالملک نے بادشاہ کو لکھا تھا کہ میرے پاس وہ آدمی بھیجیں جو دین و دنیا دونوں کے معاملات سے واقف و سمجھ دار ہو۔ لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آدمی دنیا میں کتنا بھی ماہر بن جائے، لیکن وہ سمجھ دار اسی وقت

---

[1] اِبْنُ مَاجَۃ، اَبْوَابُ الدُّعَاءِ، بَابُ دُعَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ص ۲۷۲

[2] اَلنُّصُوْصُ الْأَدَبِيَّةُ، دُعَاءُ عُمَرَ الْاِبْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ

[3] كَنْزُالْعُمَّالِ، رَقْمُ الْحَدِيْثِ: ۳۶۶۰، ۸۱/۲

کہلائے گا جب کہ وہ دینی علم بھی جانتا ہو، مخلوقات کے علم پر آدمی زندگی لگادے اور خالق جل جلالہٗ کے آسمانی علوم کے حصول پر کچھ بھی وقت نہ لگائے، تو یہ انتہائی افسوس کی بات ہے۔

لہٰذا کوشش کریں کہ دین کا علم حاصل کرنے کے لیے بھی وقت نکالیں ہم کچھ کتابوں کے نام ذکر کرتے ہیں آپ یہ کتابیں اپنی لائبریری میں ضرور رکھیں اور ان کا مطالعہ روزانہ کرتے رہیں ان شاء اللہ اس طرح دین پر عمل کرنے اور دین سیکھنے کا شوق پیدا ہوگا۔

① اسوۂ رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ .... حضرت ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

② منتخب احادیث .... مولانا محمد سعد کاندھلوی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

③ حیاۃ الصحابہ (عربی، اردو) .... حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

④ آپ بیتی .... شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

⑤ اصلاحی خطبات .... مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

⑥ متاعِ وقت اور کاروانِ علم .... مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہم

⑦ مخزنِ اخلاق .... مولانا رحمت اللہ سبحانی صاحب

⑧ پرانے چراغ .... مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

⑨ علم وحلم .... مفتی محمود اشرف صاحب مدظلہم

⑩ جہانِ دیدہ .... مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
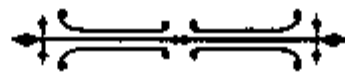
اپنے بچوں کے لیے گھر میں یہ کتابیں رکھیں۔

صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کے واقعات .... ناشر، دارالہدیٰ، کراچی

ذوق شوق (بچوں کے لیے دل چسپ کہانیاں) .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

آسان دینیات (اول تا پنجم) .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

ھدیۃ الاطفال (حصہ اوّل تا پنجم) .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

کہانیوں کی دنیا .... دارالہدیٰ، کراچی

کہانی آباد .... دارالہدیٰ، کراچی

کہانی نگر .... دارالہدیٰ، کراچی

کہانستان (زیرِ طبع) .... دارالہدیٰ، کراچی

بیڈ ٹائم اسٹوریز (انگریزی) .... دارالہدیٰ، کراچی

السلام علیکم (حصہ اوّل) .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

السلام علیکم (حصہ دوم) .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

ماشاء اللہ (حصہ سوم) .... بیت العلم ٹرسٹ، کراچی

❺ امام شعبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی ایک خصوصی صفت یہ تھی کہ وہ جھگڑے کو ناپسند کرتے تھے، ہمیشہ جھگڑوں سے دور رہتے تھے، لڑائی جھگڑے سے بچنے کی فضیلت یہ ہے، حدیث میں آتا ہے:

"اَنَا زَعِيْمٌ بِبَيْتٍ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ لِمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَاِنْ كَانَ مُحِقًّا۔"[1]

تَرجَمہ: "میں اس شخص کے لیے جنت کے بیچوں بیچ گھر دلوانے کی ضمانت لیتا ہوں جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے۔"

اس فضیلت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں بھی جھگڑوں سے بچنا چاہیے، اور اس فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اللہ نہ کرے اگر کبھی کسی سے کوئی جھگڑا یا ناراضگی ہوجائے تو ان نقصانات کو سوچنا چاہیے۔

① جھگڑے کا ایک نقصان یہ ہے کہ اس سے علم ضائع ہوجاتا ہے۔

② جھگڑے سے آپس میں دلوں میں بغض ونفرت پیدا ہوجاتی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے خوش نہیں ہوتے جن کے دلوں میں دوسرے بھائی بہنوں کے لیے بغض ونفرت ہو۔

اس لیے جب کسی سے جھگڑا ہوجائے یا کسی پر غصہ آئے تو اس کے تقاضہ پر عمل نہ کریں، مثلاً کسی نے آپ کو برا بھلا کہا یا چھوٹے بھائی بہن نے کوئی چیز آپ کی اجازت کے بغیر کھالی یا لے لی تو جی چاہے گا اس کی پٹائی کروں، لیکن اس وقت صبر کرلیں اور اللہ کے لیے ان کو معاف کردیں اور یقین رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس معاف کرنے پر اجروثواب عطا فرمائیں گے۔

اور حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا یہ قول یاد رکھیں، فرمایا:

"مَا تَجَرَّعَ عَبْدٌ جُرْعَةً مِنْ لَبَنٍ اَوْ عَسَلٍ خَيْرًا مِّنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ۔"[2]

تَرجَمہ: "غصے کے گھونٹ کا پینا زیادہ بہتر ہے دودھ یا شہد کے گھونٹ سے۔"

---

[1] اَبُوْدَاوُدْ، كِتَابُ الْأَدَبِ، بَابُ فِيْ حُسْنِ الْخُلُقِ: ۲/۳۰۵

[2] كَنْزُالْعُمَّالِ، كِتَابُ الْأَخْلَاقِ، كَظْمُ الْغَيْظِ: ۳/۳۱۶

مُذاکرہ

سُوال: امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے قبیلہ بنی اسد کی چھ خوبیاں بیان کی تھیں آپ ان میں سے چار بتلایئے یا اپنی کاپی میں لکھیے؟

سُوال: امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے زمانے کے مشہور تین علماء کے نام بتایئے؟

سُوال: جھگڑوں کے دو نقصانات اپنی طرف سے بتایئے یا جھگڑا چھوڑ دینے کے دو فائدے بتایئے۔

سُوال: کسی مفید بات کے لیے سفر کرنا امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسا تھا؟

سُوال: علم، حلم اور تقویٰ مانگنے کی دعا آپ نے اب تک کتنے طلبہ کو یاد کروائی؟

سُوال: امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے گالی کا جواب کس دعا سے دیا تھا؟

سُوال: امام شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ نے دیہاتی کی کون سی بات کو پسند فرمایا تھا جس کو وہ اکثر دہراتے رہتے تھے؟

سُوال: خاموش رہنے کے چار فائدے بتایئے۔

سُوال: کیا آپ کے ہاں کتابوں کی لائبریری بنی ہوئی ہے، اگر نہیں تو آج ہی سے اپنے گھر میں ایک جگہ لائبریری کے لیے مخصوص کرلیں، مسلمانوں کا گھر دینی وعلمی کتابوں سے خالی نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت سلمہ بن دینار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

"مَا رَأَیْتُ أَحَدًا اَلْحِکْمَۃَ أَقْرَبُ إِلٰی فَمِہٖ مِنْ أَبِیْ حَازِمٍ" (عبدالرحمن بن زید رحمۃ اللّٰہ علیہ)

تَرْجَمَۃ: "میں نے حکمت و دانش میں ابوحازم سے بڑھ کر کوئی نہیں دیکھا۔"

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کا لوگوں کو حج کے لیے بلانا

آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ جب حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے بیت اللہ کی تعمیر مکمل فرمالی، تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ اس گھر کی طرف لوگوں کو بلائیں، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: "اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دُبلی اونٹنیوں پر بھی۔"

حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے عرض کیا:

اے میرے رب! میں لوگوں میں اس بات کا کیسے اعلان کروں حالاں کہ میری آواز لوگوں تک نہیں پہنچ سکتی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

تم اعلان کر دو، آواز کا پہنچانا ہمارے ذمہ ہے، چناں چہ "صفا پہاڑ" پر اور ایک قول کے مطابق "جبلِ ابوقبیس" (ابوقیس کا پہاڑ) پر کھڑے ہوکر انہوں نے یوں آواز دے دی:

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ رَبَّكُمْ قَدِ اتَّخَذَ بَیْتًا فَحَجُّوْهُ."

تَرْجَمَۃ: "اے لوگو! یقین جانو تمہارے رب نے ایک گھر بنایا ہے لہٰذا تم اس کا حج کرو۔"

ان کے اس اعلان کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام گوشوں میں پہنچا دیا اور ہر وہ شخص جس کی تقدیر میں حج کرنا تھا، اسے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی آواز سنوا دی، حتیٰ کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو بھی حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی آواز پہنچا دی۔ اور جس جس کے لیے قیامت تک حج کرنا مقرر اور مقدر تھا، ان سب نے اسی وقت "لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ" پڑھ لیا۔ حضرت ابن عباس

[1] الحج: ۲۷

رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے اسی طرح منقول ہے۔

گزشتہ زمانہ میں تو لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ایک شخص کی آواز بیک وقت پورے عالم میں کیسے پہنچی ہوگی؟

لیکن اب تو جدید آلات نے سب پر واضح کر دیا کہ، یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ایک شخص ایشیا میں بولتا ہے تو اسی وقت اس کی آواز امریکہ میں سنی جاتی ہے، اور امریکہ میں بولتا ہے، تو ایشیا والے گھروں میں بیٹھے بیٹھے سن لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَامُ سے وعدہ فرمایا تھا کہ جب تم حج کی دعوت دے دو گے، تو تمہاری اس دعوت پر آواز سننے والے پیدل چل کر اور اونٹنیوں پر سفر کر کے، دور دراز راستوں سے حج کے لیے چلے آئیں گے۔[1]

خلیفۃ المسلمین کا سفرِ حج

چناں چہ خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک نے ۹۷ ہجری میں حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے حج پر جانے کا ارادہ کیا۔

چوں کہ شام سے جب ہم سعودیہ جائیں تو پہلے مدینہ منورہ آتا ہے، چناں چہ شاہی سواریاں شام کے دارالحکومت دمشق سے تیز رفتاری سے مدینہ منورہ کی طرف رواں دواں ہوئیں۔ ان کے دل میں مسجدِ نبوی میں نماز پڑھنے اور روضۂ رسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر درود سلام کا ہدیہ پیش کرنے کا شوق بھرا ہوا تھا۔

اس شاہی قافلے میں قراء...... محدثین...... فقہاء...... علماء...... وزراء...... اور قائدین شامل تھے۔ جب خلیفۃ المسلمین کی مدینہ منورہ میں آمد ہوئی تو شہر کے خاص خاص اور بڑے عہدوں کے لوگ مدینہ میں امیر المؤمنین کو سلام کرنے اور خوش آمدید کہنے کے لیے عقیدت کے انداز میں ان کے پاس آئے، لیکن سلمہ بن دینار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مدینہ کے قاضی...... اور عوام و خواص کے بااعتماد عالم...... اور فقیہ، بادشاہ کو سلام کرنے اور خوش آمدید کہنے والوں میں شامل نہ تھے۔

خلیفہ کے سوالات اور ابوحازم کے جوابات

خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک جب خوش آمدید کہنے والوں کے استقبال سے فارغ ہوئے، تو اپنے بعض دوستوں سے بات کرتے ہوئے کہا:

[1] تفسیر انوار البیان: ۲۲۷/۶

دھات کی طرح انسانی دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں، اگر بار بار ان کو کوئی نصیحت نہ کرے تو ان دلوں پر زنگ لگ جاتا ہے۔ دلوں کا زنگ اتارنے کے لیے ضروری ہے کہ کوئی اچھے انداز میں وعظ و نصیحت کرتا رہے۔

ساتھیوں نے کہا: امیر المؤمنین آپ نے درست فرمایا۔

خلیفۃ المسلمین نے پوچھا۔

"أَمَا فِي الْمَدِينَةِ رَجُلٌ أَدْرَكَ طَائِفَةً مِنْ صَحَابَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ يُذَكِّرُنَا؟."

تَرْجَمَہ: "کیا مدینہ منورہ میں کوئی ایسا خوش نصیب ہے، جس نے حضور اکرم ﷺ کو دیکھا ہو؟ تاکہ وہ ہمیں کچھ نصیحت کرے۔"

حاضرین نے بتایا: امیر المؤمنین یہاں ابوحازم اعرج رہتے ہیں، فرمایا: ابوحازم اعرج کون ہیں؟

حاضرین نے کہا:

وہ مدینہ کے عالم، قاضی، مفتی اور ایسے تابعی ہیں جنہیں اکثر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے۔

خلیفہ نے کہا:

اس عظیم المرتبت شخصیت کو ادب واحترام سے ہمارے پاس لاؤ۔

چند لوگ ان کی طرف گئے اور انہیں خلیفہ کے پاس بلا لائے خلیفۃ المسلمین نے انہیں اَھْلاً وَسَھْلاً مَرْحَبًا کہا!

یعنی خوش آمدید کہا اور محبت سے انہیں اپنے پاس بٹھایا اور شکایت کے لہجہ میں کہا:

ابوحازم! یہ بے وفائی کیسی ہے؟

انہوں نے فرمایا:

"وَأَيُّ جَفَاءٍ رَأَيْتَ مِنِّيْ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟."

تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین! اللہ خیر کرے، آپ نے میری طرف سے کون سی بے وفائی دیکھی ہے۔"

خلیفہ نے کہا:

مدینہ کے تمام خواص میری ملاقات کے لیے آئے، لیکن آپ نہ آئے۔ انہوں نے فرمایا:

امیر المؤمنین! بے وفائی جان پہچان کے بعد ہوا کرتی ہے، لیکن آپ آج سے پہلے مجھے جانتے نہ تھے اور

نہ ہی میں نے کبھی آپ کو دیکھا تھا، تو پھر بے وفائی مجھ سے کیسے سرزد ہوگئی؟

میں آپ کو جانتا ہوتا اور پھر آپ ملنے کے لیے آتے اور میں ملنے نہ آتا تو یہ بے وفائی ہوتی۔

خلیفہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

شیخ نے اپنا عذر صحیح بیان فرمایا اور خلیفہ اپنی شکایت کرنے میں ناکام ہوا؟

پھر ابوحازم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

ابوحازم! میرے دل میں کچھ پریشانیاں ہیں، کچھ سوالات ہیں، میں آپ کو بتاتا ہوں آپ میری صحیح رہنمائی فرمائیں، فرمایا:

"هَاتِهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ."

تَرجَمَہ: "امیر المؤمنین! آپ سوال کیجئے درست جواب سمجھانے کی اللہ تعالیٰ توفیق دے گا۔ اور میں جواب دینے میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا ہوں کہ وہ میری مدد فرمائے۔"

خلیفہ نے پوچھا:

"يَا أَبَاحَازِمٍ، مَالَنَا نَكْرَهُ الْمَوْتَ؟"

تَرجَمَہ: "اے ابوحازم! ہم موت سے کیوں گھبراتے ہیں۔"

فرمایا:

"لِأَنَّنَا عَمَّرْنَا دُنْيَانَا، وَ خَرَّبْنَا آخِرَتَنَا، فَنَكْرَهُ الْخُرُوْجَ مِنَ الْعِمَارِ إِلَى الْخَرَابِ."

تَرجَمَہ: "ہم نے اپنی دنیا کو آباد کرلیا اور اپنی آخرت برباد کرلی لہٰذا ہم آبادی سے ویرانے کی طرف جاتے ہوئے گھبراتے ہیں۔"

گھر کے محلات سے قبر کی طرف جانے سے گھبراتے ہیں۔

خلیفہ نے کہا:

"صَدَقْتَ."

تَرجَمَہ: "بہت خوب۔"

آپ نے بالکل سچ فرمایا:

خلیفہ نے پوچھا، ابوحازم! کاش ہمیں علم ہوجائے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے کیا رکھا ہے؟

فرمایا: اپنا عمل اللہ کی کتاب پر پیش کرو، اس کا جواب پالو گے۔

پوچھا کتاب اللہ میں اس کا جواب کہاں ملے گا؟

فرمایا: اس کا جواب اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ مبارک میں پالو گے:

﴿اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيْمٍ ۝ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ﴾ [1]

تَرجَمہ: ''نیک لوگ بے شک آسائشِ جنت میں ہوں گے اور بدکار لوگ بے شک دوزخ میں ہوں گے۔''

خلیفہ نے پوچھا، اللہ کی رحمت کہاں پائی جاتی ہے؟

ابوحازم نے کہا:

﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [2]

تَرجَمہ: ''بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔''

خلیفہ نے کہا: کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری کیسے رہے گی؟

ابوحازم نے کہا:

''أَمَّا الْمُحْسِنُ، فَكَالْغَائِبِ يَقْدَمُ عَلٰى أَهْلِهٖ ......

وَأَمَّا الْمُسِيْءُ، فَكَالْعَبْدِ الْاٰبِقِ يُسَاقُ إِلٰى مَوْلَاهُ سَوْقاً.''

تَرجَمہ: ''نیک انسان اس شخص کی طرح دربارِ الٰہی میں حاضر ہوگا، جو چند دن گھر سے غیر حاضر رہا ہو اور پھر وہ راضی خوشی اپنے گھر لوٹ آتا ہے۔ اور گناہ گار اس بھگوڑے غلام کی طرح ہوگا جسے ہانک کر اس کے آقا کی طرف لایا جاتا ہے۔''

خلیفہ یہ بات سن کر زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ ان کی آواز بلند ہوگئی اور ان کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر کہا:

''يَا أَبَا حَازِمٍ كَيْفَ لَنَا أَنْ نَصْلُحَ؟''

تَرجَمہ: ''اے ابوحازم! ہماری اصلاح کیسے ہوگی۔''

فرمایا:

''تَدْعُوْنَ عَنْكُمُ الصَّلَفَ، وَتَتَحَلَّوْنَ بِالْمُرُوْءَةِ.''

تَرجَمہ: ''تکبر چھوڑ دو اور عاجزی وانکساری کو اپنا لو۔''

خلیفہ نے پوچھا: مال و دولت میں تقویٰ کیسے اختیار کیا جائے؟

ابوحازم نے کہا: مال و دولت میں تقویٰ اختیار کرنے کے اصول یہ ہیں:

---

[1] الْاِنْفِطَار: ۱۳، ۱۴　[2] الْاَعْرَاف: ۵۶

❶ "إِذَا أَخَذْتُمُوْهُ بِحَقِّهٖ ......

❷ وَوَضَعْتُمُوْهُ فِي أَهْلِهٖ ......

❸ وَقَسَمْتُمُوْهُ بِالسَّوِيَّةِ ......

❹ وَعَدَلْتُمْ فِيهِ بَيْنَ الرَّعِيَّةِ."

تَرْجَمَہ: "① جب بھی کوئی مال لو یا کماؤ، تو حق کے ساتھ حاصل کرو (ناحق مال لو ہی نہیں اور ناحق مال کو ہاتھ ہی نہ لگاؤ کہ گندا مال جو جھوٹ بول کر حاصل ہوا یا رشوت سود لے کر حاصل ہوا وہ دوسرے صاف مال کو بھی لے جائے گا) ② جب صحیح مال مل جائے تو حق داروں پر مال خرچ کرو۔ ③ رعایا پر عدل وانصاف سے خرچ کرو۔ ④ اور مساوات کو اپناؤ۔"

خلیفہ نے کہا:

"يَا أَبَا حَازِمٍ، أَخْبِرْنِيْ مَنْ أَفْضَلُ النَّاسِ؟."

تَرْجَمَہ: "اے ابوحازم! مجھے یہ بتائیں کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے۔"

فرمایا:

"أُولُو الْمُرُوْءَ ةِ وَالتُّقٰى."

تَرْجَمَہ: "باضمیر، غیرت مند اور چھوٹے بڑے گناہوں سے پرہیز کرنے والا پرہیزگار شخص۔"

خلیفہ نے کہا: ابوحازم سب سے زیادہ انصاف والی بات کون سی ہے؟

فرمایا:

"كَلِمَةُ حَقٍّ يَقُوْلُهَا الْمَرْءُ عِنْدَ مَنْ يَخَافُهُ، وَعِنْدَ مَنْ يَرْجُوْهُ."

تَرْجَمَہ: "وہ حق وصداقت کی بات، جو آدمی اس کے سامنے بھی کھل کر کہتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے اور اس کے سامنے بھی، جس سے اس کو کچھ ملنے کی امید ہو۔"

خلیفہ نے پوچھا:

"فَمَا أَسْرَعُ الدُّعَاءِ إِجَابَةً يَا أَبَا حَازِمٍ؟"

تَرْجَمَہ: "اے ابوحازم! کون سی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔"

فرمایا:

"دُعَاءُ الْمُحْسِنِ لِلْمُحْسِنِيْنَ"

تَرْجَمَہ: "نیک آدمی کی دعا نیک لوگوں کے حق میں۔"

خلیفہ نے پوچھا:

"وَمَا أَفْضَلُ الصَّدَقَةِ؟"

تَرجَمہ: "کون سا صدقہ افضل ہے۔"

فرمایا:

"جُهْدُ الْمُقِلِّ يَضَعَهُ فِي يَدِالْبَائِسِ الْفَقِيْرِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّتْبَعَهُ مَنٌّ وَلَا أَذًى"

تَرجَمہ: "جس کے پاس مال کم ہو اور وہ اس میں سے اپنی ضرورت پر کم سے کم مال لگا کر جو مال بچے وہ اپنے دوسرے بھائی / بہنوں پر اللہ کو راضی کرنے کے لیے خرچ اس طرح کرے کہ جس کو دیا نہ اسے کبھی کوئی تکلیف دے اور نہ ہی احسان جتلائے، (یہ صدقہ اس غریب شخص کی طرف سے افضل صدقہ ہوگا)۔"

خلیفہ نے پوچھا:

"مَنْ أَكْيَسُ النَّاسِ يَا أَبَا حَازِمٍ؟"

تَرجَمہ: "اے ابوحازم! لوگوں میں عقل مند انسان کون ہے؟"

فرمایا:

"رَجُلٌ ظَفِرَ بِطَاعَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَعَمِلَ بِهَا، ثُمَّ دَلَّ النَّاسَ عَلَيْهَا."

تَرجَمہ: "جو شخص خود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور نافرمانیوں یعنی گناہوں سے بچے، اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی طرف دعوت دے، یعنی خود بھی نیک بننے کی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی اس بات کی دعوت دے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل کریں۔ یہ عقل مند انسان ہے۔"

خلیفہ نے پوچھا:

"فَمَنْ أَحْمَقُ النَّاسِ؟"

تَرجَمہ: "لوگوں میں سب سے زیادہ احمق کون ہے۔"

فرمایا:

"رَجُلٌ انْسَاقَ مَعَ هَوٰى صَاحِبِهٖ، وَصَاحِبُهٗ ظَالِمٌ، فَبَاعَ آخِرَتَهٗ بِدُنْيَا غَيْرِهٖ"

تَرجَمہ: "اپنے دوست کی خواہش کے مطابق گناہوں والی زندگی بسر کرے، اور وہ دوست ظالم اور نافرمان ہو، گویا اس نے اپنی آخرت کو دوسرے کی دنیا بنانے کی خاطر برباد کر دیا۔ (میرے نزدیک ایسا شخص سب سے بڑا احمق ہے)۔"

خلیفہ نے گزارش کی، ابوحازم کیا آپ ہمارے ساتھ رہنا پسند کریں گے؟
آپ ہم سے فائدہ اٹھائیں اور ہم آپ سے فائدہ اٹھائیں۔ فرمایا:
"كَلَّا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ."
تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین ہرگز نہیں! (میں اپنے ہی حال میں رہنا پسند کروں گا، بادشاہوں کے ساتھ رہن سہن مجھے پسند نہیں)۔"
خلیفہ نے پوچھا: آخر کیوں؟
فرمایا:
"أَخْشٰى أَنْ أَرْكَنَ إِلَيْكُمْ قَلِيْلاً، فَيُذِيْقَنِي اللّٰهُ ضِعْفَ الْحَيَاةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ"
تَرْجَمَہ: "مجھے اندیشہ ہے، اگر میں نے آپ پر تھوڑا سا بھی اعتماد اور بھروسہ کرلیا اور دنیا کی طرف مائل ہوگیا، تو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت کا ہاتھ مجھ پر سے اٹھالیں گے، اور اس طرح میں دنیا کی مشقت اور آخرت کے عذاب کا مستحق بن جاؤں گا۔"
خلیفہ نے کہا:
"اِرْفَعْ إِلَيْنَا حَاجَتَكَ يَا أَبَا حَازِمٍ"
تَرْجَمَہ: "ابوحازم کوئی اپنی ضرورت ہمیں بتائیں۔"
آپ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔
خلیفہ نے دوبارہ کہا: ابوحازم! کچھ تو ارشاد فرمائیں، ہم آپ کے کام آنا چاہتے ہیں اور آپ کی خدمت بجالانا اپنے لیے سعادت سمجھتے ہیں۔
جب خلیفہ نے بہت زیادہ اصرار کیا تو ارشاد فرمایا:
"حَاجَتِيْ أَنْ تُنْقِذَنِيْ مِنَ النَّارِ، وَتُدْخِلَنِيَ الْجَنَّةَ......"
تَرْجَمَہ: "میری ضرورت یہ ہے کہ آپ مجھے جہنم سے بچالیں اور جنت میں داخل کردیں۔"
خلیفہ نے کہا:
"ذٰلِكَ لَيْسَ مِنْ شَأْنِيْ يَا أَبَا حَازِمٍ"
تَرْجَمَہ: "اے ابوحازم! یہ تو میرے بس میں نہیں۔"
ابوحازم نے کہا:
"مَالِيْ مِنْ حَاجَةٍ سِوَاهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ"

تَرْجَمَۃ: ''امیر المؤمنین! اس کے علاوہ میری کوئی ضرورت نہیں۔''

خلیفہ نے کہا: ابوحازم میرے لیے دعا کریں۔

ابوحازم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور کہا:

''اللّٰھُمَّ إِنْ کَانَ عَبْدُكَ سُلَیْمَانُ مِنْ أَوْلِیَائِكَ، فَیَسِّرْهُ إِلٰی خَیْرَی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ......

وَ إِنْ کَانَ مِنْ أَعْدَائِكَ، فَأَصْلِحْهُ وَاهْدِهِ إِلٰی مَاتُحِبُّ وَتَرْضٰی.''

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! تیرا بندہ سلیمان اگر آپ کے دوستوں میں سے ہے، تو اسے دنیا و آخرت کی بھلائی عطا فرمائیں، اگر یہ آپ کے دشمنوں میں سے ہے تو اس کی اصلاح فرمائیں، اسے ہدایت دے کر اس راستے پر چلائیں جس کو آپ پسند کرتے ہیں اور آپ اس سے خوش ہوتے ہیں۔''

حاضرین میں سے ایک نے کہا:

جب سے امیر المؤمنین کے پاس تم بیٹھے باتیں کر رہے ہو، یہ بات تم نے سب سے بری کہی ہے، تم نے امیر المؤمنین کو اللہ کا دشمن کہہ کر انہیں تکلیف دی ہے۔

ابوحازم بولے: بل کہ آپ کیسی بری بات اپنی زبان پر لا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے علماء سے یہ عہد و پیمان لیا ہے کہ، وہ حق بات کھلم کھلا کہتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا۔

﴿لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْنَهٗ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: ''کہ اس (قرآن کریم) کو بیان کرو گے لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے۔''

یاد رکھیں! علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ پھر خلیفہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''یَا أَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ، إِنَّ الَّذِیْنَ مَضَوْا قَبْلَنَا مِنَ الْأُمَمِ الْخَالِیَةِ ظَلُّوْا فِيْ خَیْرٍ وَّ عَافِیَةٍ مَا دَامَ أُمَرَاؤُهُمْ یَأْتُوْنَ عُلَمَاءَ هُمْ رَغْبَةً فِیْمَا عِنْدَهُمْ......''

تَرْجَمَۃ: ''اے امیر المؤمنین وہ لوگ جو ہم سے پہلے گذرے ہیں وہ اس وقت تک صحیح راستے پر بھلائی اور عافیت کے ساتھ تھے، جب تک ان کے حکمران علماء کے پاس علم، عمل اور تقویٰ حاصل کرنے کے لیے دلی شوق و جذبہ کے ساتھ حاضر ہوتے رہے۔''

پھر ایسے بے وقوف اور لالچی لوگ آئے، جنہوں نے علم حاصل کیا پھر حکمرانوں کے درباروں میں دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے لیے، ان کے پاس پہنچے کہ ان سے اس نکمی (اور فانی ہونے والی) دنیا میں سے کچھ

[1] آلِ عِمْرَان: ۱۸۷

حاصل کریں۔ ابوحازم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مزید فرمایا:

"فَاسْتَغْنَتِ الْأُمَرَاءُ عَنِ الْعُلَمَاءِ...... فَتَعِسُوْا وَنُكِسُوْا، وَسَقَطُوْا مِنْ عَيْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ. وَلَوْ أَنَّ الْعُلَمَاءَ زَهِدُوْا فِيْمَا عِنْدَ الْأُمَرَاءِ، لَرَغِبَ الْأُمَرَاءُ فِيْ عِلْمِهِمْ...... وَلٰكِنَّهُمْ رَغِبُوْا فِيْمَا عِنْدَ الْأُمَرَاءِ، فَزَهِدُوْا فِيْهِمْ...... وَهَانُوْا عَلَيْهِمْ."

تَرْجَمَۃ: "اس طرح حکمران علماء سے بیزار ہو گئے، ایسے بعض علماء ذلیل و خوار ہوئے وہ بیک وقت حکمرانوں اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے گر گئے۔ اگر علماء حکمرانوں سے بے نیاز رہتے تو یقیناً حکمران ان کے علم و تقویٰ کی طرف رغبت کرتے۔ لیکن بعض علماء نے حکمرانوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھا جس سے وہ ان کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہو گئے۔"

خلیفہ نے کہا: ابوحازم! آپ بالکل سچ کہتے ہیں۔

مجھے اور وعظ و نصیحت کیجئے اے ابوحازم! میں نے آج تک کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا، جس کی زبان پر اکثر اوقات حکمت کی باتیں جاری ہوں۔

ابوحازم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: اگر آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے دلوں پر اچھی بات اثر کرتی ہے، تو جو کچھ اب تک میں کہہ چکا ہوں وہ کافی ہے، اور اگر آپ کا شمار ان میں سے نہیں، تو پھر میں ایسے خالی تیر جو بغیر کمان کے چلائے جائیں، اس بات کے حق میں نہیں ہوں۔

خلیفہ نے کہا: ابوحازم! میں قسم دے کر کہتا ہوں آپ مجھے ضرور کوئی وصیت کریں۔ فرمایا: سنئے! میں ایک مختصر وصیت کرتا ہوں۔

"عَظِّمْ رَبَّكَ عَزَّوَجَلَّ وَنَزِّهْهُ أَنْ يَرَاكَ حَيْثُ نَهَاكَ ......
وَأَنْ يَفْقِدَكَ حَيْثُ أَمَرَكَ."

تَرْجَمَۃ: "اپنے رب عزوجل کی تعظیم کریں اور یہ کوشش کریں کہ اللہ آپ کو وہاں دیکھے جہاں رہنے کا حکم دیا ہے اور وہاں کبھی نہ دیکھے جہاں سے اس نے منع کیا ہے۔"

یعنی جن گناہوں سے اللہ تعالیٰ نے بچنے کا حکم دیا ہے وہاں کبھی بھی اللہ ہمیں نہ دیکھے اور جن اعمال کے کرنے کا حکم دیا ہے وہاں سے کبھی غائب نہ پائے۔ (مثلاً فجر کے وقت مسجد میں حاضر ہونے کا حکم ہے تو اس وقت ہم بستر پر نہ ہوں۔ بازار میں نیچے نگاہ رکھ کر چلنے کا حکم ہے تو ایسا نہ ہو کہ ہماری نگاہیں اِدھر اُدھر بھٹکتی رہیں، اور اس حال میں اللہ ہمیں دیکھ رہا ہو کہ میری ہی دی ہوئی آنکھوں سے میری ہی نافرمانی کر رہے ہیں)۔

پھر الوداعی سلام کہا اور چلے گئے۔

خلفیہ نے کہا:

"جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْ عَالِمٍ نَاصِحٍ"

تَرجَمَہ: "اے خیر خواہ عالم اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ خیر عطا کرے۔"

دینی گفتگو پر عوض نہ لینا

حضرت ابوحازم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ابھی اپنے گھر پہنچے ہی تھے کہ امیر المؤمنین نے دیناروں سے بھری تھیلی بھیجی، اور ساتھ ہی یہ لکھ کر بھیجا ابوحازم! یہ رقم آپ کے خرچ کے لیے ہے، آپ اس کو خرچ کیجئے، میرے پاس آپ کے لیے اور بھی بہت سارا مال ہے، بعد میں بھی بھیجوں گا۔

آپ نے وہ تھیلی واپس بھیج دی اور ساتھ ہی یہ تحریر لکھ کر بھیجی۔

"يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، أَعُوْذُ بِاللّٰهِ أَنْ يَكُوْنَ سُؤَالُكَ إِيَّايَ هَزْلًا، وَرَدِّيْ عَلَيْكَ بَاطِلًا. فَوَاللّٰهِ مَا أَرْضٰى ذٰلِكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَ ...... فَكَيْفَ أَرْضَاهُ لِنَفْسِيْ؟. يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ، إِنْ كَانَتْ هٰذِهِ الدَّنَانِيْرُ لِقَاءَ حَدِيْثِيَ الَّذِيْ حَدَّثْتُكَ بِهِ، فَالْمَيْتَةُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ فِيْ حَالِ الْاِضْطِرَارِ أَحَلُّ مِنْهَا ......"

تَرجَمَہ: "امیر المؤمنین: میں اللہ کے حضور پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ آپ کے سوالات، جو آپ نے مجھ سے کیے وہ مذاق بن جائیں اور میرا جواب دینا باطل اور بے کار ہو جائے۔ اے امیر المؤمنین: اللہ کی قسم! میں یہ مال تو آپ کے لیے پسند نہیں کرتا اپنے لیے کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ امیر المؤمنین! اگر یہ دینار میری اس دینی گفتگو کے بدلے میں دیئے گئے ہیں، جو میں نے آج آپ سے کی ہے، تو میں اس مجبوری میں بھی مردار اور خنزیر کا گوشت اس سے کہیں زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔"

اور اگر آپ نے ویسے ہی بیت المال سے مجھے یہ مال دیا ہے، تو جتنا مجھے دیا ہے اتنا دوسرے مسلمانوں کو بھی برابر برابر دیا جائے۔

حضرت ابوحازم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی عبدالرحمٰن اور ان کے بیٹے کو نصیحت

حضرت ابوحازم سلمہ بن دینار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا گھر علم حاصل کرنے والوں، اور تربیت کا دلی شوق رکھنے والوں، کے لیے رحمت کا مرکز بنا ہوا تھا وہاں بھائیوں اور طالب علموں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جاتا

تھا۔

ایک دن عبدالرحمٰن بن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اپنے پیارے بیٹے کے ساتھ ابوحازم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے پاس آئے، ادب واحترام سے بیٹھے، سلام عرض کیا اور دنیا وآخرت کی بہتری کے لیے دعا کی درخواست کی۔

آپ نے سلام کا جواب بڑے ہی اچھے انداز میں دیا، دونوں کو خوش آمدید کہا: پھر سلسلۂ گفتگو جاری ہوا، عبدالرحمٰن بن جریر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ان سے کہا:

"كَيْفَ نَحْظٰى بِالْفُتُوحِ يَا أَبَا حَازِمٍ؟."

تَرجَمَہ: "اے ابوحازم! دل کے تالوں کو کھولنے کی چابیاں کیا ہیں؟"

فرمایا:

"عِنْدَ تَصْحِيْحِ الضَّمَائِرِ تُغْفَرُ الْكَبَائِرُ......"

تَرجَمَہ: "انسانی ضمیر اگر زندہ ہو تو کبیرہ گناہ سے بچنے کا جذبہ دل میں بھرا ہوا ہوتا ہے۔"

جب انسان گناہ چھوڑنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے دل کے تالے کھل جاتے ہیں۔ اور یہی دل کے تالے کی چابی ہے کہ، کبیرہ گناہ سے انسان بچتا رہے اور توبہ استغفار کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے۔ ہاں! اگر کسی بندہ کا دل دکھایا ہے تو اس سے بھی معافی مانگ کر اس کو راضی کر لے۔

پھر فرمایا:

"وَلَا تَنْسَ يَا عَبْدَالرَّحْمٰنِ أَنَّ يَسِيْرَ الدُّنْيَا يَشْغَلُنَا عَنْ كَثِيْرِ الْاٰخِرَةِ ...... وَكُلُّ نِعْمَةٍ لَا تُقَرِّبُكَ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَهِيَ نِقْمَةٌ"

تَرجَمَہ: "اے عبدالرحمٰن! میری یہ بات کبھی نہ بھولنا کہ دنیا کے تھوڑے مال ودولت نے آخرت کی بہت زیادہ نعمتوں سے ہمیں غافل کر رکھا ہے، ہر وہ نعمت جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے قریب نہ کرے وہ بلاشبہ ایک عذاب ہے۔"

بیٹے نے سوال کیا: ہمارے علماء بہت ہیں ہم ان میں سے کس کی پیروی کریں؟ فرمایا:

"يَا بُنَيَّ، اِقْتَدِ بِمَنْ يَخَافُ اللّٰهَ فِيْ ظَهْرِ الْغَيْبِ، وَيَعِفُّ عَنِ التَّلَبُّسِ بِالْعَيْبِ...... وَيُصْلِحُ نَفْسَهُ فِيْ أَوَانِ الصِّبَا، وَلَا يَرْجِيْ ذٰلِكَ إِلٰى عَهْدِ الشَّيْبِ."

تَرجَمَہ: "بیٹا! آپ اس عالم کی پیروی کریں، جو تنہائی میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور کسی عیب میں ملوث ہونے سے بچتا ہو، جس نے جوانی ہی میں اپنی اصلاح کر لی ہو اور بڑھاپے تک انتظار نہ کیا ہو، (کہ بعد میں اصلاح کر لوں گا اور برے کاموں سے مکمل طور پر بچتا ہو)۔"

طلبہ کے لیے نصیحت

حضرت ابوحازم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

بیٹا! یہ بات خوب اچھی طرح جان لیں کہ ہر دن جس میں آفتاب طلوع ہوتا ہے، طالب علم کے سینے میں دو قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہیں ایک یہ کہ آج کا پورا دن محنت سے علم حاصل کرنے میں گذار لوں، اور دوسرا یہ کہ چلو آج مدرسہ اسکول کی چھٹی کرلوں، آج گھومنے چلا جاؤں آج فلاں جگہ چلا جاؤں وغیرہ۔

دو جھگڑنے والوں کی طرح خواہشات اور علم کی کشمکش ہوتی ہے، جس دن وہ ہمت کر کے علم سیکھنے کے ارادے کو، اور محنت اور پابندی کے فوائد کو سوچ کر خواہشات پر غالب آجاتا ہے، وہ دن اور لمحے اس کے لیے غنیمت ہوتے ہیں۔

اور جس دن اس کی خواہشات علم پر غالب آجائیں، تو وہ دن اس کے لیے نقصان اور بوجھ کا ہوتا ہے۔

عبدالرحمٰن بن جریر نے پوچھا، ابوحازم!

"كَثِيرًا مَا حَضَضْتَنَا عَلَى الشُّكْرِ يَا أَبَا حَازِمٍ، فَمَا حَقِيقَةُ الشُّكْرِ؟."

تَرْجَمَہ: "آپ ہمیں اکثر و بیشتر اللہ کا شکر بجالانے کی تلقین فرماتے رہتے ہیں، مجھے یہ بتائیں شکر کی حقیقت کیا ہے۔"

فرمایا:

"لِكُلِّ عَضْوٍ مِنْ أَعْضَائِنَا حَقٌّ عَلَيْنَا مِنَ الشُّكْرِ."

تَرْجَمَہ: "ہمارے جسم کے تمام اعضاء اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں، لہٰذا ہر عضو کی نعمت کا شکر کرنا ہم پر واجب ہے۔"

عبدالرحمٰن نے پوچھا:

"مَا شُكْرُ الْعَيْنَيْنِ؟."

تَرْجَمَہ: "آنکھوں کی نعمت کا شکر کیا ہے۔"

فرمایا:

"إِنْ رَأَيْتَ بِهِمَا خَيْراً أَعْلَنْتَهُ، وَإِنْ رَأَيْتَ بِهِمَا شَرًّا سَتَرْتَهُ."

تَرْجَمَہ: "اگر اپنی آنکھوں سے کوئی خیر و بھلائی دیکھو اس کا اظہار کرو اور اگر کوئی برائی دیکھو تو اسے چھپاؤ یہی آنکھوں کی نعمت کا شکر ہے۔"

عبدالرحمٰن نے پوچھا: کان کی نعمت کا شکر کیا ہے؟

فرمایا: اپنے کان سے کوئی خیر اور بھلائی کی بات سنو، اسے یاد رکھو اور اگر بری بات سنو تو اسے بھلا دو۔

عبدالرحمٰن نے پوچھا:

"فَمَا شُكْرُ الْيَدَيْنِ؟."

تَرْجَمَہ: "ہاتھوں کی نعمت کا شکر کیا ہے؟"

فرمایا:

"أَنْ لَا تَأْخُذَ بِهِمَا مَا لَيْسَ لَكَ ......

وَأَنْ لَا تَمْنَعَ بِهِمَا حَقًّا مِنْ حُقُوْقِ اللّٰهِ ...."

تَرْجَمَہ: "ہاتھوں سے وہ چیز نہ پکڑو جو تمہاری نہیں اور نہ ہی ان کے ذریعے کسی کا حق مارو۔"

(اسی طرح گھر میں استعمال کی جو چیزیں ہیں اس میں اپنے بھائی بہنوں کی چیزیں پوچھ کر استعمال کرنی چاہئیں، فریج سے کھانے پینے کی چیزیں امی کو بتا کر استعمال کرنا چاہئے۔)

عبدالرحمٰن! میری یہ بات یاد رکھو، جو صرف زبان سے شکر ادا کرتا ہے اور اس کے ساتھ اپنے دل اور جسمانی اعضاء کو شریک نہیں کرتا، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو (سردی کا) لباس پکڑ کر کھڑا رہے اور اسے پہنے نہیں، تو بلاشبہ یہ لباس بغیر پہنے اسے سردی سے بچا نہیں سکتا۔

اہلِ علم کا اہلِ دنیا کے پاس نہ جانا

ایک مرتبہ حضرت ابوحازم سلمہ بن دینار رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کا بھرپور جذبہ دل میں لیے ہوئے، سرزمینِ روم کی طرف جانے والی جماعت کے ساتھ چلے، جب یہ جماعت سفر کی آخری منزل پر پہنچی تو دشمن سے مقابلہ ہونے سے پہلے، کچھ دیر ستانے اور آرام کرنے کے لیے ایک جگہ قیام کیا۔

جماعت کے امیر بنوامیہ میں سے تھے، انہوں نے حضرت ابوحازم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو بلانے کے لیے ایک قاصد بھیجا۔

اس نے آ کر پیغام دیا کہ امیر جماعت آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ ان سے اہم مسائل پر گفتگو کریں۔

آپ نے امیر جماعت کو تحریری جواب دیا: اور لکھا۔

"أَيُّهَا الْأَمِيْرُ، لَقَدْ أَدْرَكْتُ أَهْلَ الْعِلْمِ وَهُمْ لَا يَحْمِلُوْنَ الدِّيْنَ إِلٰى أَهْلِ الدُّنْيَا.

وَلَا أَحْسِبُكَ تُرِيْدُ أَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ ......

فَإِنْ كَانَتْ لَكَ بِنَا حَاجَةٌ فَأْتِنَا ......
وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى مَنْ مَعَكَ.''

تَرْجَمَۃ: ''اے امیر! میں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بہت سارے اہلِ علم کی صحبت پائی، لیکن اہل علم کو دنیا کی طرف اپنا دین اور علم اٹھا کر لے جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس بدعت کو جاری کرنے والا پہلا ایسا بدنصیب کہلاؤں۔

اگر آپ کو علمِ دین کی ضرورت ہے تو مجھے بلانے کی بجائے خود چل کر میرے پاس تشریف لائیے۔ تو اس علم میں سے آپ حصہ پاسکیں گے۔''

جب امیرِ جماعت نے خط پڑھا تو خود چل کر ان کے پاس آئے سلام کیا اور بلند درجات کی دعا دی، اور کہا:

ابوحازم! آپ نے جو ہماری طرف خط لکھ کر بھیجا تھا، اس کو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، اس خط سے ہمارے دلوں میں آپ کی عزت اور آپ کا مقام مزید بلند ہوا، اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ کو بہترین بدلہ عطا فرمائے، ہمیں وعظ ونصیحت کیجئے۔

آپ نے جی بھر کر انہیں وعظ ونصیحت سے نوازا۔

نصائح میں ایک یہ بھی تھا:

"أُنْظُرْ مَا تُحِبُّ أَنْ يَكُوْنَ مَعَكَ فِي الْآخِرَةِ، فَاحْرِصْ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا ...... مَا تَكْرَهُ أَنْ يَكُوْنَ مَعَكَ هُنَاكَ، فَازْهَدْ فِيْهِ هُنَا ...... وَاعْلَمْ! أَيُّهَا الْأَمِيْرُ. أَنَّهُ إِنْ نَفَقَ الْبَاطِلُ عِنْدَكَ وَرَاجَ، أَقْبَلَ عَلَيْكَ الْمُبْطِلُوْنَ الْمُنَافِقُوْنَ، وَالْتَفُّوا حَوْلَكَ ......
وَ إِنْ نَفَقَ عِنْدَكَ الْحَقُّ وَرَاجَ، إِلْتَفَّ حَوْلَكَ أَهْلُ الْخَيْرِ، وَأَعَانُوْكَ عَلَيْهِ ......
فَاخْتَرْ لِنَفْسِكَ مَا يَحْلُوْ.''

تَرْجَمَۃ: ''دیکھو آخرت میں جس چیز کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو دنیا میں حریص بن کر اس کے حصول کے لیے خوب کوشش کرتے رہو۔

اور جس چیز سے آخرت میں بچنا چاہتے ہو تو دنیا ہی میں اس سے بچنا شروع کردو، امیر اس بات کو خوب اچھی طرح جان لو۔

اگر آپ پر باطل (جھوٹ) اور ناحق غالب آگیا، تو جھوٹے اور منافق لوگ آپ کے اردگرد جمع ہو جائیں گے اور اگر حق وصداقت آپ کے ہاں پسندیدہ ہوں تو نیک دل اور اہلِ خیر آپ کے اردگرد

جمع ہوں گے اور وہ سچے دل سے آپ کے معاون بنیں گے اب آپ کو جو پسند ہو وہ اختیار کر لیجئے۔“

وفات

جب حضرت ابوحازم سلمہ بن دینار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے انتقال کا وقت قریب آیا تو یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾[1]

تَرجَمَہ: ”بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے اللہ تعالیٰ ان کے لیے محبت پیدا کردے گا“

یہ آیت بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ روح جسم مبارک سے پرواز کر گئی۔

فوائد و نصائح

❶ ایک بات تجربہ کی یہ معلوم ہوئی کہ جب بھی دل میں کوئی غم ہو پریشانی ہو، فکر ہو تو فوراً اپنے کسی بڑے کو بتا دینی چاہئے۔ دل ہی دل میں نہیں رکھنی چاہئے۔

نبی اکرم ﷺ جب غارِ حرا سے پریشان واپس تشریف لائے تو حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اپنی پریشانی کو ذکر فرمایا، تو حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے تسلی دی۔

دل ہی دل میں غم رکھنے سے اور سوچنے سے مزید بڑھتا ہے لہٰذا غم کی بات، کوئی فکر یا خوف و پریشانی ہو تو ضرور کسی سمجھدار، تجربہ کار، امانت دار شخص کو بتا دینا چاہئے۔ جس طرح خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے اپنا غم ابو حازم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو بتلا دیا، اس سے غم ہلکا ہو جاتا ہے۔

نوٹ: اس موضوع پر ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کا مطالعہ بھی بہت فائدہ مند ہوگا۔ ”پریشان ہونا چھوڑ دیجئے“ (ناشر دارالہدیٰ، کراچی)

❷ ابو حازم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی ایک مختصر وصیت یہ تھی کہ گناہوں سے بچنا چاہئے۔ اور گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم صبح شام ذکر کا اہتمام کریں۔

جو روزانہ پابندی سے ذکر کرے گا، تلاوت کا اہتمام کرے گا، اور مسنون دعاؤں کا اہتمام کرے گا، اس کو

[1] مریم: ۹۶

خود گناہوں سے ایسی نفرت ہو جائے گی کہ گناہوں میں بدبو محسوس ہوگی، گناہ سے خود بھاگے گا۔ چاند کی پہلی تاریخ سے پہلا پارہ شروع کرے اور روزانہ کم از کم ایک پارہ تلاوت کا تو اہتمام کرے۔

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو، اس سے ہمارا ہی فائدہ ہے، اس لیے کہ دنیا میں جتنے جرائم، بدعنوانیاں اور بداخلاقیاں برائیاں ہوتی ہیں اگر ان سب برائیوں کی جڑ دیکھی جائے تو وہ اللہ سے غفلت ہے۔

جب انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھتا ہے، تب گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر دل میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس دل میں ہو، کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے تو پھر گناہ سرزد نہیں ہوگا۔

چور جس وقت چوری کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو چوری کا ارتکاب نہ کرتا، بدکار جس وقت بدکاری کر رہا ہے، اس وقت وہ اللہ کی یاد سے غافل ہے، اگر اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتا تو وہ بدکاری کا ارتکاب نہ کرتا، اسی بات کو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

"لَا يَزْنِيْ الزَّانِيْ حِيْنَ يَزْنِيْ وَهُوَ مُؤمِنٌ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِيْنَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤمِنٌ وَلَا يَشْرِبُ الْخَمْرَ حِيْنَ يَشْرَبُهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ"[1]

یعنی جب زنا کرنے والا زنا کرتا ہے، اس وقت وہ مؤمن نہیں ہوتا، (مومن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایمان اس وقت مستحضر نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر مستحضر نہیں ہوتا)، جب چور چوری کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا، (یعنی اس وقت اللہ کی یاد دل میں ہوتی تو یہ گناہ کا ارتکاب نہ کرتا)۔

لہٰذا ساری برائیاں، سارے مظالم، ساری بداخلاقیاں جو دنیا کے اندر پائی جارہی ہیں، ان کا بنیادی سبب اللہ کے ذکر سے غفلت ہے۔[2]

لہٰذا ہمیں بھی صبح شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی لوگوں کے درمیان بیان کرنی چاہئے تاکہ ہمارا یقین اللہ تعالیٰ کی ذات پر زیادہ سے زیادہ پختہ ہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت ہمارے دل میں جم جائے۔

[1] مُسْلِمٌ، كِتَابُ الإِيْمَانِ، بَابُ بَيَانِ نُقْصَانُ الإِيْمَانِ الخ: ۱/۵۵

[2] اصلاحی خطبات: ۴/۱۳۶

مذاکرہ

سوال: حضرت ابو حازم رحمہ اللہ تعالیٰ نے دلوں کے تالوں کو کھولنے کے لیے کیا چیز ضروری بتلائی؟

سوال: مال و دولت میں تقویٰ کیسے اختیار کیا جائے؟

سوال: ابو حازم اعرج رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کو کون سی وصیت کی؟

سوال: ابو حازم اعرج رحمہ اللہ تعالیٰ نے طلبہ کو کیا نصیحت کی؟

سوال: شکر کی کیا حقیقت ہے؟

حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

"كَانَ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ يُفْتِيْ وَالصَّحَابَةُ أَحْيَاءٌ." (المؤرخون)

تَرجَمہ: "حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فتویٰ دیا کرتے تھے جب کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنہُم بھی حیات تھے۔"

مسجدِ نبوی میں علمی حلقے

امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان نے حجِ بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی زیارت اور حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر درود و سلام پیش کرنے کے لیے سفر کا ارادہ فرمایا۔ جب ذی قعدہ کے مہینہ کا آغاز ہوا تو امیر المؤمنین بنوامیہ کے معزز سرداروں، وزیروں اور چند شہزادوں کے ساتھ، سرزمینِ حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔

پہلے مرحلہ میں یہ قافلہ دمشق سے مدینہ منورہ کی طرف خوشیوں کے ساتھ روانہ ہوا، نہ تو بہت تیز نہ بہت آہستہ بل کہ درمیانی رفتار کے ساتھ۔

یہ شاہی قافلہ جب کسی منزل پر پڑاؤ ڈالتا، تو خیمے نصب کر دیے جاتے، بستر بچھا دیے جاتے، علم کی اور دین کی باتوں کی مجلسیں منعقد کی جاتیں، تاکہ دینی لحاظ سے سمجھ بوجھ میں اضافہ ہو اور دلوں کو حکمت اور ایمان کی باتوں سے روشن کیا جائے۔

امیر المؤمنین نے مدینہ منورہ پہنچتے ہی حرمِ نبوی کا ارادہ کیا اور سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے روضۂ اقدس پر حاضری دے کر درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ جس سے انہیں وہ اطمینان، سرور اور دلی ٹھنڈک نصیب ہوئی، جو اس سے پہلے نصیب نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے واپسی کی تاریخ بدل کر مدینہ منورہ میں زیادہ دیر تک قیام کرنے کا ارادہ کرلیا۔

مدینہ منورہ میں قیام کے دوران، ان علمی حلقوں نے انہیں بہت زیادہ متاثر کیا جن سے مسجد نبوی ان دنوں آباد تھی۔ اور حضرات تابعین رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ میں سے بڑے بڑے علماء، ان حلقوں میں اس طرح چمکتے دمکتے دکھائی دیتے تھے جس طرح آسمان پر تارے جگمگاتے ہیں۔

ایک طرف حضرت عروہ بن زبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا علمی حلقہ، علم وعمل میں مصروف ہے۔ تو دوسری طرف حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا علمی حلقہ لگا ہوا ہے، تعلیم ہو رہی ہے، ہر مسلمان دین سیکھ رہا

ہے اور پھر اس کو لے کر اپنے اپنے قبیلوں میں جا کر دوسروں کو سکھا رہا ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عتبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنے علمی حلقے میں مشکل مسائل کے حل کرنے میں منہمک دکھائی دیتے ہیں، کیسا خوب صورت منظر ہے، کیسا دل کش ماحول ہے، جی چاہتا ہے کہ اس ماحول میں گم ہو جائیں اور یہاں سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ دکھائی نہ دے۔

(کاش دوبارہ یہ حلقے ساری دنیا کی ساری مسجدوں میں زندہ ہو جائیں اور رواج پا جائیں، مسلمانوں کی ہر مسجد صبح سے شام تک آباد ہو، مسجد کے آس پاس رہنے والے مسجد کے ماحول سے اپنا دین سیکھ رہے ہوں، مسجد کے آس پاس رہنے والے جتنے لوگ ہیں وہ اپنے کاروبار پر جانے سے پہلے مسجد میں جا کر اس کاروبار سے متعلق دینی احکام سیکھ رہے ہوں، غرض ہر شعبہ کا دین لوگ سیکھ رہے ہوں اور خود بھی اس پر عمل کر رہے ہوں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دے رہے ہوں۔ از مترجم) ''آمین''

حضرت سعید بن میسّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی بے نیازی

ایک دن امیر المؤمنین دوپہر کو سو کر اٹھے، طبیعت کچھ ناساز تھی، دربان کو آواز دی، ارے میسرہ! اس نے کہا:

''لَبَّيْكَ يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ''

تَرجَمَہ: ''امیر المؤمنین! حاضر ہوں۔''

فرمایا:

''اُمْضِ إِلٰى مَسْجِدِ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَادْعُ لَنَا أَحَدَ الْعُلَمَاءِ لِيُحَدِّثَنَا......''

تَرجَمَہ: ''ابھی مسجدِ نبوی میں جاؤ اور کسی عالم کو بلاؤ، تاکہ وہ ہمیں کوئی دینی بات سنائیں کہ اس سے دل کو اطمینان حاصل ہو۔''

میسرہ شاہی حکم پا کر سیدھا مسجدِ نبوی کی طرف گیا، وہاں پہنچ کر نظر دوڑائی تو اسے صرف ایک ہی علمی حلقہ دکھائی دیا، جس کے درمیان میں ایک عالم بیٹھے ہیں جن کی عمر تقریباً ساٹھ سال سے زیادہ ہو چکی ہوگی، ان پر علماء جیسی سادگی ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی بہت زیادہ عزت اور رعب ہے۔

میسرہ نے علمی حلقے سے تھوڑا دور کھڑے ہو کر ان بزرگ کو انگلی سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

شیخ نے اس کی طرف جھانکا اور نہ ہی اس کی کوئی پرواہ کی، شاہی دربان نے تھوڑا قریب ہو کر کہا:

آپ کو میں اشارے سے اپنی طرف بلا رہا ہوں، آپ توجہ نہیں فرما رہے۔ فرمایا: مجھے؟

کہا: جی ہاں۔ فرمایا: کیا کام ہے؟

دربان نے کہا: امیر المؤمنین نیند سے بیدار ہوئے تو مجھے حکم دیا، جو کوئی اس وقت تجھے ایسا شخص نظر آئے، جو قصہ سنا کر میرا دل بہلا دے تو اسے میرے پاس بلاؤ۔

شیخ نے فرمایا: جاؤ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو قصہ سنا کر دل بہلاتے ہوں۔

سرکاری دربان میسرہ نے کہا:

امیر المؤمنین ایک ایسے شخص کو بلا رہے ہیں جو ان کے پاس بیٹھ کر دین کی عالمانہ گفتگو کرے۔

شیخ نے کہا:

"إِنَّ مَنْ يَبْغِيْ شَيْئًا يَأْتِيْ إِلَيْهِ ......

وَ إِنَّ فِيْ حَلْقَةِ الْمَسْجِدِ مُتَّسَعاً لَهُ إِذَا كَانَ رَاغِبًا فِيْ ذٰلِكَ.

وَالْحَدِيثُ يُؤْتَى إِلَيْهِ، وَلَكِنَّهُ لَا يَأْتِيْ ......"

تَرْجَمَہ: "جسے کوئی طلب ہو وہ خود چل کر آتا ہے، مسجد نبوی میں اس علمی حلقہ میں ہر شخص شامل ہو سکتا ہے۔ اس میں اگر امیر المؤمنین سائل بن کر شامل ہونا چاہیں تو یہ ہمارے لیے بڑی خوشی کی بات ہے۔ علم حاصل کرنے کے لیے چل کر آیا جاتا ہے علم خود چل کر نہیں جایا کرتا۔"

دربان یہ باتیں سن کر واپس پلٹا اور امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہو کر مکمل بات بتا دی، کہ پہلے تو کوئی مجھے نظر ہی نہیں آیا، پھر ایک شخص نظر آئے، انہوں نے بھی معذرت کر دی۔

یہ بات سن کر خلیفہ عبدالملک بن مروان غم گین اور پریشان ہو کر اٹھے۔ تیزی سے یہ کہتے ہوئے یک دم کھڑے ہوئے اور اپنے کمرہ کے اندر داخل ہوتے ہوئے یہ کہا: یقیناً وہ سعید بن مسیب ہوں گے۔

کاش! تو ان کے پاس نہ جاتا، تو ان سے بات ہی نہ کرتا، اس سے ہماری ذلت ہوئی ہے۔

جب خلیفۃ المسلمین صحن سے اٹھ کر آرام کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے، تو چھوٹے شہزادے نے اپنے بڑے بھائی سے پوچھا وہ کون شخص ہیں، جو والد صاحب کے سامنے اکڑتے ہیں؟

ان کے پاس آنے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے سے کتراتے ہیں؟ حالاں کہ دنیا ان کے سامنے فرماں بردار ہے اور لوگ ان کے رعب کی وجہ سے ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔

بڑے بھائی نے کہا:

"ذَاكَ الَّذِيْ خَطَبَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِنْتَهُ لِأَخِيْكَ الْوَلِيْدِ، فَأَبٰى أَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْهُ."

تَرجَمۃ: ''یہ وہ شخص ہیں جن سے والد صاحب نے ہمارے بھائی ولید کے لیے ان کی بیٹی کا رشتہ مانگا تھا، لیکن انہوں نے رشتہ دینے سے صاف انکار کر دیا تھا۔''

شہزادے نے بڑے تعجب سے پوچھا، کیا واقعی انہوں نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا؟

انہیں اور کیا چاہئے تھا کہ انہوں نے ایسے نوجوان کو ٹھکرا دیا جو امیر المؤمنین کے بعد خلافت کی کرسی پر بیٹھنے والا ہے۔

ان کے اس انجام سے بے خبر فیصلے پر بڑا تعجب ہے، کیا انہیں اس سے بھی بہتر کسی کی تلاش ہے جو امیر المؤمنین کے بعد مسلمانوں کا خلیفہ بننے والا ہے؟

بڑا بھائی چھوٹے شہزادے کی باتیں سن کر خاموش ہو گیا اور کہا:

حقیقت کا تو مجھے علم نہیں۔ چھوٹے بھائی نے پوچھا: کیا انہوں نے اس رشتہ کا انکار کر کے اس سے بہتر کوئی رشتہ ڈھونڈ لیا یا اب تک اس لڑکی کو گھر پر ہی بٹھا رکھا ہے جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں؟

بڑے بھائی نے کہا: مجھے کچھ پتہ نہیں۔

پاس بیٹھے مدینہ کے ایک رہنے والے نے دونوں شہزادوں کی طرف دیکھا اور کہا:

مجھے اس قصہ کی پوری خبر ہے، اگر اجازت ہو تو مکمل داستان بیان کروں؟

دونوں نے کہا: کیوں نہیں ضرور بیان کیجئے۔

اس نے بتایا:

''فَقَدْ تَزَوَّجَتْ فَتًى مِنْ فِتْيَانِ حَيِّنَا يُقَالُ لَهُ: (أَبُوْ وَدَاعَةَ)

وَهُوَ جَارُنَا بَيْتَ بَيْتَ ......

وَلِزَوَاجِهِ مِنْهَا قِصَّةٌ طَرِيفَةٌ رَوَاهَا لِيْ بِنَفْسِهِ.''

تَرجَمۃ: ''اس لڑکی کی شادی ایک غریب، مفلس اور کنگال نوجوان کے ساتھ طے پا گئی ہے، اس کا نام ابو وَداعہ ہے، وہ میرا پڑوسی ہے، اس کی شادی کی داستان بھی بڑی دل چسپ ہے جو اس نے مجھے خود سنائی۔''

ابووَداعہ کی شادی کی داستان

ابووداعہ نے مجھے بتایا کہ میں علمِ دین حاصل کرنے کے لیے مسجدِ نبوی میں رہتا تھا، اور حضرت سعید بن میسیب (رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی) کے علمی حلقہ میں بڑے ذوق وشوق اور توجہ سے بیٹھا کرتا تھا۔

شیخ کے حلقہ سے میں چند دن غیر حاضر رہا، شیخ کو مجھے حلقہ میں نہ دیکھ کر شک ہوا کہ، میں یا تو بیمار ہو گیا ہوں یا کوئی اچانک مجبوری لاحق ہو گئی ہے۔ میرے متعلق ساتھیوں سے پوچھا، لیکن انہیں بھی میرے بارے میں کوئی خبر نہ تھی۔

چند دنوں کے بعد جب میں واپس آیا، شیخ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا:

"أَيْنَ كُنْتَ يَا أَبَا وَدَاعَةَ"

تَرْجَمَہ: "اے ابووداعہ! اتنے دن کہاں رہے؟"

میں نے عرض کیا استادِ محترم:

"تُوُفِّيَتْ زَوْجَتِي، فَاشْتَغَلْتُ بِأَمْرِهَا."

تَرْجَمَہ: "میری بیوی فوت ہو گئی تھی، اس لیے میں مصروف ہو گیا اور درس میں شریک نہ ہو سکا۔"

آپ نے فرمایا:

"هَلَّا أَخْبَرْتَنَا يَا أَبَا وَدَاعَةَ فَنُوَاسِيَكَ، وَنَشْهَدَ جَنَازَتَهَا مَعَكَ، وَنُعِينَكَ عَلَى مَا أَنْتَ فِيهِ."

تَرْجَمَہ: "اے ابووداعہ! ہمیں بتایا ہوتا ہم آپ کے پاس غم خواری کے لیے آتے اور اس کے جنازہ میں شریک ہوتے، اور کسی کام میں مدد کی ضرورت ہوتی تو ہم مدد کرتے۔"

میں نے کہا:

"جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا"

تَرْجَمَہ: "اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔"

میں جب گھر جانے کے لیے اٹھا، آپ نے فرمایا:

ابھی میرے پاس بیٹھو، جب تمام شاگرد اٹھ کر چلے گئے، تو آپ نے فرمایا:

"أَمَا فَكَّرْتَ فِي اسْتِحْدَاثِ زَوْجَةٍ لَكَ يَا أَبَا وَدَاعَةَ؟."

تَرْجَمَہ: "اے ابووداعہ! کیا ابھی تک دوسری شادی کا ارادہ نہیں کیا۔"

میں نے عرض کیا:

"يَرْحَمُكَ اللّٰهُ ......

وَمَنْ يُزَوِّجُنِي ابْنَتَهُ وَأَنَا شَابٌّ نَشَأَ يَتِيمًا، وَعَاشَ فَقِيرًا......

فَأَنَا لَا أَمْلِكُ غَيْرَ دِرْهَمَيْنِ، أَوْ ثَلَاثَةِ دَرَاهِمَ"

تَرجَمۃ: ''اللہ آپ کو خوش رکھے! بھلا اب کون اپنی بیٹی مجھے دے گا۔ میں ایک ایسا نوجوان ہوں جس کی پرورش یتیمی میں ہوئی، مسلسل غربت اور فقیری میں زندگی کے دن پورے کر رہا ہوں، میرے پاس دو یا تین درہم سے زیادہ رقم بھی نہیں۔''

استادِ محترم نے میری یہ داستانِ غم سن کر شفقت و محبت کے انداز میں ارشاد فرمایا:

''أَنَا أُزَوِّجُكَ ابْنَتِي.''

تَرجَمۃ: ''(پریشان نہ ہو) میں اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی تم سے کرتا ہوں۔''

اپنے استاد کے منہ سے یہ الفاظ سن کر میں حیران رہ گیا، میں نے شرماتے ہوئے کہا آپ! پھر تھوڑی ہمت کر کے میں نے کہا:

''أَنْتَ! ...... أَتُزَوِّجُنِي ابْنَتَكَ بَعْدَ أَنْ عَرَفْتَ مِنْ أَمْرِيْ مَا عَرَفْتَ؟''

تَرجَمۃ: ''استادِ محترم! کیا آپ اپنی بیٹی کی شادی مجھ سے کریں گے، حالاں کہ آپ کو میرے حالات کا اچھی طرح علم ہے۔''

فرمایا:

''نَعَمْ! فَنَحْنُ إِذَا جَائَنَا مَنْ نَرْضٰى دِيْنَهُ وَخُلُقَهُ زَوَّجْنَاهُ، وَأَنْتَ عِنْدَنَا مَرْضِيُّ الدِّيْنِ وَالْخُلُقِ''

تَرجَمۃ: ''جی ہاں! ہمارے پاس جب کوئی ایسا شخص آتا ہے جس کے دین اور اخلاق سے ہم راضی ہوں، تو ہم اسے اپنا بنانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں، چوں کہ میرے نزدیک دین و اخلاق کے لحاظ سے آپ بہت بہتر ہیں، اس لیے میں آپ کو اپنا داماد بنانے میں خوشی محسوس کرتا ہوں۔''

پھر آپ نے مسجد میں موجود لوگوں کو اپنے پاس بلایا، جب چند لوگ آپ کے پاس آ کر بیٹھ گئے تو آپ نے نکاح کا خطبہ پڑھ کر اپنی لاڈلی حسین وجمیل اور سمجھ دار بیٹی کی شادی مجھ سے کر دی۔ اور مہر صرف دو درہم مقرر کیا، میں وہاں سے اٹھا، خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا۔

مجھے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ زبان سے کیا کہوں، کس طرح شکریہ ادا کروں، انہیں خیالات میں کھویا ہوا میں اپنے گھر پہنچ گیا، میرا اس دن روزہ تھا وہ بھی مجھے یاد نہ رہا، میں اپنے دل سے کہنے لگا:

''وَيْحَكَ يَا أَبَا وَدَاعَةَ ...... مَا الَّذِيْ صَنَعْتَ بِنَفْسِكَ؟ ...... مِمَّنْ تَسْتَدِيْنُ؟ ...... وَمِمَّنْ تَطْلُبُ الْمَالَ؟''

تَرجَمۃ: ''اے ابووداعہ! تجھ پر افسوس تو نے یہ کیا کر دیا، اب کس سے قرض لو گے، کس سے مال

طلب کرو گے۔"

میں سارا دن اسی غم و رنج میں مبتلا رہا اور آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے پریشانی کے عالم میں سوچتا رہا، یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔

میں نے نماز ادا کی پھر کھانے کے لیے بیٹھا، گھر میں روٹی اور زیتون کے تیل کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ میں نے ابھی ایک یا دو لقمے ہی لیے ہوں گے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا، میں نے وہیں بیٹھے ہوئے پوچھا:

"مَنِ الطَّارِقُ؟"

تَرجَمَہ: "کون ہے رات کے وقت آنے والا۔"

جواب ملا سعید، یہ نام سن کر میں سوچنے لگا، میرا جاننے والا سعید کون ہے؟

حضرت سعید بن مسیّب کی طرف میرا دھیان ہی نہیں گیا، اور نہ ہی میرے تصور میں تھا کہ وہ بھی اس طرح اچانک میرے دروازے پر تشریف لا سکتے ہیں، کیوں کہ گزشتہ چالیس سال کے عرصے میں وہ اپنے گھر اور مسجدِ نبوی کے علاوہ کہیں نہیں دیکھے گئے۔

میں نے دروازہ کھولا تو یہ دیکھ کر حیرت میں گم ہوگیا، کہ سامنے حضرت سعید بن مسیّب کھڑے ہیں، دل میں کھٹکا محسوس ہوا کہ شاید انہوں نے رائے بدل لی ہے۔ میں نے کہا:

"هَلَّا أَرْسَلْتَ إِلَيَّ فَآتِيَكَ."

تَرجَمَہ: "حضرت آپ نے پیغام بھیج دیا ہوتا، تو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔"

فرمایا: ہرگز نہیں! میں آج ایک ضروری کام کے لیے آیا ہوں۔

میں نے کہا: اللہ رحم کرے ایسا کون سا ضروری کام پڑ گیا؟

فرمایا:

"إِنَّ ابْنَتِيْ أَصْبَحَتْ زَوْجَةً لَكَ بِشَرْعِ اللّٰهِ مُنْذُ الْغَدَاةِ، وَأَنَا أَعْلَمُ أَنَّهُ لَيْسَ مَعَكَ أَحَدٌ يُؤْنِسُ وَحْشَتَكَ، فَكَرِهْتُ أَنْ تَبِيْتَ أَنْتَ فِيْ مَكَانٍ وَزَوْجَتُكَ فِيْ مَكَانٍ آخَرَ، فَجِئْتُكَ بِهَا"

تَرجَمَہ: "چوں کہ میں نے اپنی بیٹی کا آج دوپہر کو تم سے نکاح کر دیا ہے، اس لیے وہ تمہاری بیوی بن چکی ہے، میں جانتا ہوں کہ گھر میں تمہارا کوئی ساتھی نہیں، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ تم ایک مکان میں رات گذارو اور وہ الگ مکان میں رات گذارے، اس لیے تمہاری بیوی کو چھوڑنے آیا ہوں۔"

میں نے تعجب سے پوچھا، میری بیوی کو آپ اپنے ساتھ لے آئے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: ہاں۔

میں نے چند قدم آگے بڑھ کر دیکھا، ایک عورت ان کے پیچھے کھڑی ہے، پھر انہوں نے اپنی بیٹی کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:

"أُدْخُلِيْ إِلٰى بَيْتِ زَوْجِكِ يَا بِنْتِيْ عَلٰى اسْمِ اللّٰهِ وَبَرَكَتِهٖ"

تَرجَمَہَ: "بیٹی بسم اللہ اور (مسنون دعا کے ساتھ) اللہ کے نام اور اس کی برکت سے اپنے شوہر کے گھر میں قدم رکھو۔"

بیٹی! اپنے شوہر کی عزت کرنا اور احترام سے پیش آنا۔

جب اس نے شرماتے ہوئے میرے گھر کے دروازے کی طرف قدم بڑھایا تو وہ شرما کر لڑکھڑا گئی، قریب تھا کہ زمین پر گر جاتی لیکن وہ سنبھل گئی، میں اس کے سامنے حیرت و تعجب سے کھڑا تھا، کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں اس موقع پر کیا کہوں۔

بیوی کو چار پائی پر بٹھایا، جلدی سے کھانے کا پیالہ اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا کہ کہیں بیوی کی نظر باسی روٹی اور زیتون پر نہ پڑ جائے، چوں کہ اس میں روٹی اور زیتون کے تیل کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

میرے خیال میں آیا کہ اگر بیوی کی نظر اس سادہ اور معمولی سے کھانے پر پڑ گئی، تو مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا۔ پھر میں نے مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی، انہوں نے گھبرا کر پوچھا کیا بات ہے؟

میں نے کہا:

"عَقَدَ لِيْ سَعِيْدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ عَلَى ابْنَتِهِ الْيَوْمَ فِي الْمَسْجِدِ وَقَدْ جَاءَ نِيْ بِهَا الْآنَ عَلٰى غَفْلَةٍ ...... فَتَعَالَوْا آنِسُوْهَا حَتّٰى أَدْعُوَ أُمِّيْ، فَهِيَ بَعِيْدَةُ الدَّارِ."

تَرجَمَہَ: "حضرت سعید بن میتب نے آج دوپہر اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دیا ہے، اب وہ اچانک میری بیوی کو اپنے ساتھ لے کر میرے گھر تشریف لے آئے اور اسے یہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ ازراہ کرم چند خواتین کو میرے گھر بھیج دیں، تاکہ وہ میری بیوی کے پاس بیٹھیں اور اس کا دل بہلائیں اور میں اپنی والدہ کو بلا لاؤں وہ یہاں سے کچھ دور رہتی ہیں۔"

پڑوسیوں میں سے ایک بڑھیا نے کہا:

تمہاری عقل ٹھکانے ہے کیا کہہ رہے ہو کہ سعید بن میتب نے اپنی بیٹی کی تم سے شادی کر دی ہے، اور پھر وہ خود ہی اپنی بیٹی کو چھوڑنے تمہارے گھر آ گئے ہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

انہوں نے تو شہزادہ ولید بن عبدالملک کو رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نہیں مانتی، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ابووداعہ نے کہا:

خالہ جان! آپ یقین کیجئے یہ ہو چکا ہے یقین نہیں آتا تو آپ میرے گھر آ کر دیکھ لیں۔ میری یہ باتیں سن کر چند پڑوسی خواتین میرے گھر آئیں، انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تو حیران رہ گئیں۔

خواتین نے اسے خوش آمدید کہا، اور اس سے اس کا دل بہلانے کے لیے باتیں کرنے لگیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد میں اپنی والدہ کو اپنے گھر لے آیا، جب انہوں نے میری بیوی کو دیکھا تو ان کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا اور فرمانے لگیں:

''وَجْهِي مِنْ وَجْهِكَ حَرَامٌ إِنْ لَمْ تَتْرُكْهَا لِيْ حَتّٰى أُصْلِحَ شَأْنَهَا ...... ثُمَّ أَزُفَّهَا إِلَيْكَ كَمَا تُزَفُّ كَرَائِمُ النِّسَاءِ.''

تَرْجَمَہ: ''اسے میرے ساتھ جانے دو، یہ چند دن میرے گھر میں رہے گی، پھر اسے دلہن کی طرح سجا کر تمہارے پاس لاؤں گی اگر تم نے آج میری بات نہ مانی، تو میں تمہارے ساتھ زندگی بھر بات نہیں کروں گی۔''

میں نے کہا: جی ہاں! جو آپ کا حکم ہو میں ماننے کے لیے تیار ہوں۔ والدہ محترمہ نے اسے تین دن اپنے گھر میں رکھا، پھر اسے دلہن کی طرح سجا کر میرے گھر لائیں، واقعی وہ بہت حسین وجمیل، قرآن وحدیث کی حافظہ اور شوہر کے حقوق کا خیال رکھنے والی سمجھ دار خاتون تھی، اس کے ساتھ ہنسی خوشی کے کئی دن گذر گئے، لیکن اس کے گھر والوں کی طرف سے اس دوران کوئی ملنے نہیں آیا۔

میں چند دنوں کے بعد مسجد نبوی میں شیخ کے علمی حلقہ میں شریک ہونے گیا، میں نے سلام کیا، آپ نے سلام کا صرف جواب دیا اور کوئی بات نہ کی، جب علمی مجلس ختم ہوئی تو وہاں میرے سوا کوئی باقی نہ رہا، آپ نے فرمایا ابووداعہ تمہاری بیوی کا کیا حال ہے؟

میں نے کہا:

''هِيَ عَلٰى مَا يُحِبُّ الصَّدِيقُ وَيَكْرَهُ الْعَدُوُّ ......''

تَرْجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ نے ایسی نعمت عطا فرمائی ہے، کہ دوست اس نعمت پر خوش ہوں اور دشمنوں کو تکلیف ہو۔''

یہ سن کر شیخ خوش ہوئے اور فرمایا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

جب میں گھر جانے لگا تو آپ نے مجھے کافی رقم عنایت کی، تاکہ ہم میاں بیوی اسے گھریلو ضروریات میں

خرچ کریں۔

عبدالملک بن مروان کے بیٹے نے کہا:

"عَجِيبٌ أَمْرُ هٰذَا الرَّجُلِ ......"

تَرجَمَہ: "یہ شخص بھی عجیب ہے (اس نے شاہی خاندان کو ٹھکرا دیا)۔"

اہلِ مدینہ میں سے ایک شخص نے کہا: شہزادہ صاحب اس میں کون سی تعجب کی بات ہے؟

یہ شخصیت حضرت سعید بن میسّب کی ہے، جنہوں نے اپنی دنیا کو آخرت کے لیے سواری بنا رکھا ہے۔

انہوں نے اپنے اور خاندان کے لیے باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی چیز کے بدلہ خرید لیا ہے۔

اللہ کی قسم! انہوں نے امیر المؤمنین کے بیٹے کو اپنی بیٹی کا رشتہ دینے میں بخل نہیں کیا اور نہ ہی یہ وجہ تھی کہ وہ شہزادہ کو اچھا نہیں سمجھتے، بل کہ صرف انہیں اپنی بیٹی کے بارے میں دنیا کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا ڈر تھا۔

حضرت سعید بن میسّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے بعض دوستوں نے ان سے تعجب سے پوچھا:

کیا آپ امیر المؤمنین کو جواب دے کر، اپنی بیٹی کا رشتہ ایک عام مسلمان کے ساتھ کر رہے ہیں؟

انہوں نے فرمایا: میری بیٹی میرے پاس امانت ہے، میں اس کے حق میں ہمیشہ بہتر سوچتا ہوں۔ پوچھا وہ کیسے؟

فرمایا: تمہارا کیا خیال ہے، اگر میری بیٹی بنو امیہ کے محلات میں منتقل ہو جائے، شاہی لباس پہننے لگے، قیمتی ساز و سامان استعمال کرے، خدمت گذاری کے لیے کنیزیں اور خادمات ہر وقت اس کے سامنے اور دائیں بائیں ہاتھ باندھ کر کھڑی رہیں، پھر وہ اپنے آپ کو رانی، خلیفہ کی بیوی اور اپنے کو سب عورتوں سے بہتر تصور کرنے لگے، مجھے بتایئے اس قدر غرور کے بعد اس کے دین کا کیا بنے گا؟

اہلِ شام میں سے ایک شخص نے کہا:

معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعید بن میسّب ایک عالم، زاہد اور دنیا سے بالکل بے نیاز شخص تھے۔

مدینہ کے ایک باسی (رہنے والے) نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا:

حضرت سعید بن میسّب (رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ) کبھی حق سے الگ نہ ہوئے، وہ اکثر اوقات دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

آپ نے زندگی میں چالیس حج کیے۔ اور مسلسل چالیس برس تک مسجدِ نبوی میں باجماعت نماز ادا کی۔

ہمیشہ پہلی صف اور تکبیرِ اولیٰ میں شامل ہوئے۔ اس طرح کہ نماز میں ان کو کسی کی گردن پیٹھ نظر نہ آتی تھی یعنی ہمیشہ پہلی صف میں ہوتے تھے۔

انہیں ایسے موقعہ بھی ملے تھے کہ قریش کی جس خاتون سے بھی چاہیں شادی کرلیں، لیکن انہوں نے حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی بیٹی کو اپنی بیوی بنانے کے لیے تمام قریشی خواتین پر ترجیح دی اور انہیں اپنی بیوی منتخب کیا، اس لیے کہ ان کے والد کے رسولِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے، احادیثِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سب سے بڑے راوی، احادیثِ رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سچے عاشق اور شوق رکھنے والے تھے ان کے نزدیک یہ وجہ ترجیح تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اپنی کتاب ''دو شہید، حضرت سعید بن مسیّب اور حضرت سعید بن جبیر'' میں حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بارے میں لکھتے ہیں:

آپ کی ولادت اور تحصیل علم

آپ کا وطن مدینہ طیبہ کی مقدس زمین ہے۔ آپ ایک جلیل الشان (اونچی شان والے) تابعی ہیں۔ خلافتِ فاروقیہ کا دوسرا سال آپ کی ولادت کا سن ہے۔

یعنی آفتابِ نبوت کے غروب کو ابھی صرف پانچ سال ہوئے ہیں، مگر عالم ان نورانی ستاروں سے بقعہ نور (نور کا چشمہ) بنا ہوا ہے، جنہوں نے اس آفتاب سے نور حاصل کیا ہے۔ یعنی دنیا کے ہر خطہ اور ہر گوشہ میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نجومِ ہدایت (ہدایت کے ستارے) بنے ہوئے ہیں۔

حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو بچپن سے علم حاصل کرنے کا شوق تھا، آپ نے بچپن میں ازواجِ مطہرات رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُنَّ سے بھی علم حاصل کیا۔ اور ان کے اساتذہ میں حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ جیسے اکابر صحابہ کرام تھے۔

حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت صہیب رومی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ جیسے جلیل القدر صحابہ سے بھی احادیث سنی، ان کے اخلاق اپنائے اور ان کے اوصاف و عادات سے آراستہ ہوئے، وہ اس جملہ کو بار بار دہرایا کرتے تھے، گویا یہ کلمات ان کا تکیہ کلام بن گئے تھے:

''مَا أَعَزَّتِ الْعِبَادُ نَفْسَهَا بِمِثْلِ طَاعَةِ اللّٰهِ......
وَلَا أَهَانَتْ نَفْسَهَا بِمِثْلِ مَعْصِيَتِهِ''

تَرْجَمَہ: ''بندوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اپنے آپ کو معزز بنایا اور اس کی نافرمانی سے ذلیل وخوار ہوئے۔''

آپ نے بعض باتیں خود حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے خطبہ کے دوران سنیں اور حضرت عثمان

غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور زید بن ثابت رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہَا اور حضرت سعد رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ جیسے جلیل القدر صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ تو آپ کے باقاعدہ استادِ حدیث ہیں۔[1]

آپ کا نکاح بھی حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اپنی صاحب زادی سے کر دیا تھا۔[2]

حضرت مالک بن انس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

میں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہے کہ حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرمایا کرتے تھے:

میں ایک حدیث کی طلب میں بہت دنوں تک شب و روز پھرا کرتا تھا۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ! اساتذہ وہ (ایسے) کاملین کہ انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بعد آسمان و زمین ان کی نظیر (مثال) پیدا کرنے سے عاجز۔ اور پھر شاگردِ رشید کی طلبِ علم میں یہ جفاکشی۔

اسبابِ علم و عمل کے اس قدرتی اجتماع کا جو نتیجہ ہونا تھا، وہی ہوا صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کے فیضِ صحبت سے وہ رنگ چڑھا کہ جس کی آب و تاب آج تک صحائفِ عالم میں جلوہ گر ہے۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

آپ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی جلالتِ شان

اس امام ہمام کا ترجمہ یا کوئی تعریف لکھنا چوں کہ میں (مفتیِ اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ) اپنی حیثیت سے بہت بالاتر دیکھتا ہوں اس لیے آپ کی عظمتِ شان کے متعلق چند کلمات حافظ شمس الدین ذہبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی زبانی سنانا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہیں:

"كَانَ وَاسِعُ الْعِلْمِ وَافِرُ الْحُرْمَةِ مَتِيْنُ الدِّيَانَةِ قَوَّالًا بِالْحَقِّ فَقِيْهُ النَّفْسِ."[3]

تَرْجَمَہ: "آپ وسیع العلم کثیر الحرمت اور مضبوط دیانت والے تھے اور کلمہ حق کو صاف کہنے والے اور فقہ کا ملکہ طبعی رکھنے والے تھے۔"

ائمہ سلف کی آراء آپ کے متعلق

حضرت قتادہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب سے زیادہ عالم دنیا میں نہیں دیکھا۔ اور یہی مضمون زہری اور مکحول اور دوسرے ائمہ حدیث رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ سے بھی منقول ہے۔

---

[1] تَذْكِرَةُ الْحُفَّاظ: ۱/۴۸　[2] ابن خلکان　[3] تَذْكِرَةُ الْحُفَّاظ: ۱/۴۶

حضرت علی بن مدینی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

تمام تابعین میں کوئی شخص میری نظر میں سعید بن میتب سے زیادہ وسیع العلم نہیں (بہت زیادہ علم والا)۔

یہ بات عام طور پر مشہور تھی کہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے فتاوی کا آپ سے زیادہ کوئی عالم نہیں۔

حضرت حسن رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو جب کسی مسئلہ میں شبہ ہوتا تھا، تو حضرت سعید بن میتب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے دریافت فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا فرمایا کرتے تھے:

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اگر سعید بن میتب کو دیکھتے تو (ان کے اخلاق و اعمال کی وجہ سے) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خوش ہوتے۔

آپ کا زہد وعبادت

آپ کی عالمگیر شہرت اور اس عام محبت نے، جو اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کے لیے تمام (لوگوں کے) دلوں میں پیدا کر دیتا ہے، اگرچہ آپ کو اس قدر مجمع خواص وعوام بنایا تھا کہ، اگر آپ تحائف اور ہدایا کے قبول کرنے میں انتہائی تنگی (اور سختی) نہ برتتے تو آپ کو کسی قسم کے کسبِ معاش (کمائی) کی ضرورت نہ تھی۔

لیکن ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب (دل) کو نورِ قناعت سے بھی مالا مال فرمایا تھا اور یہ بات آپ کی طبیعت میں رکھ دی تھی کہ

معاش (کمائی) سب سے بہتر وہی ہے جو اپنی قوتِ بازو سے ہو۔

اس لیے آپ کی عادت تھی کہ ہدیہ کے قبول کرنے میں بہت تنگی کرتے تھے، بالخصوص امراء اور حکام (امیروں، وزیروں) کے ہدایا بالکل قبول نہ فرماتے تھے۔

ایک مرتبہ بعض خلفائے بنی مروان نے تیس ہزار دینار سے زیادہ آپ کے سامنے پیش کئے آپ نے فرمایا:

مجھے نہ اس کی حاجت ہے اور نہ بنی مروان کی۔ جب تک کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے اور بنی مروان کے معاملہ میں فیصلہ نہ فرمائے۔

بل کہ چار سو دینار آپ کے پاس موجود تھے جس سے زیت (زیتون کا تیل) وغیرہ کی تجارت کرتے تھے۔

حضرت سعید بن میتب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ خود فرمایا کرتے تھے کہ الحمد للہ پچاس سال سے میری تکبیر اولیٰ

قضا نہیں ہوئی، اور پچاس سال سے میں نے کسی آدمی کی پیٹھ سوائے امام کے نہیں دیکھی۔

کیوں کہ ہمیشہ صفِ اوّل میں کھڑے ہونے کا التزام (اہتمام) تھا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے پچاس سال کامل عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی ہے اور چالیس حج کیے۔[1]

اس زمانہ کے لوگوں کا متفقہ بیان ہے کہ چالیس سال کامل حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو کسی نے مسجد یا گھر، اور یا نماز جنازہ وعیادت کے سوا کہیں نہیں دیکھا۔

حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرمایا کرتے تھے:

بندہ کے لیے اطاعتِ خداوندی سے زیادہ کوئی عزت نہیں۔ کیا ہی بہتر اس مضمون پر یہ شعر ہے ؎

اَلَارُبَّ ذُلٍّ سَاقِ لِلنَّفْسِ عِزَّۃً

وَیَا رُبَّ نَفْسٍ بِالتَّذَلُّلِ عِزَّتِ

تَرجَمَۃ: ''بہت سی ذلتیں ہیں جو انسان کے لیے عزت کا سبب بن جاتی ہیں اور بہت سے لوگ ذلت ہی کے ذریعہ سے عزت والے ہوگئے۔''

آپ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی صاحب زادی کا قابلِ تقلید نکاح

حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی ایک صاحب زادی تھیں جو اگرچہ جنس کے اعتبار سے عورتوں میں داخل تھیں، لیکن سمجھ بوجھ اور تجربہ کاری میں ہزاروں مردوں سے بہتر تھیں اور علمی اور عملی کمالات کا مجسمہ تھیں۔

جس پر تقویٰ و دیانت کے سدا بہار زیور نے چار چاند لگا رکھے تھے۔

ظاہری حسن و جمال بھی اللہ تعالیٰ نے وہ عطا فرمایا تھا کہ اپنی نظیر آپ تھیں۔ خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان کو اتفاق سے یہ حالات معلوم ہوگئے تو اس نے نہایت اشتیاق کے ساتھ اپنے بیٹے ولید کے لیے ان سے نکاح کرنے کی کوشش کی۔

حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ایک گوشہ نشین عالم، امراء و سلاطین سے طبعاً علیحدہ رہنے والے، اس صورت کو کب پسند فرمانے والے تھے، فوراً قطعی انکار کردیا۔

اس روز سے عبدالملک کو حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے کچھ ناراضگی تھی اور ہمیشہ بہانا

---

[1] ابن خلکان: ۲۹۱/۱

ڈھونڈتا تھا کہ کسی طرح ان کو تکلیف پہنچانے کی صورت نکلے، چناں چہ ایک مرتبہ سخت سردی کے دنوں میں آپ کے سر پر پانی چھڑوا دیا اور پھر مار پٹائی کے ذریعے سے دل کی بھڑاس نکالی، مگر وہ استقامت کے پہاڑ تھے جس کو یہ مصائب کی آندھیاں اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتی تھیں۔

فوائد و نصائح

حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے مزید تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے ایک عرب عالم شیخ سلمان نصیف الدحدوح کا رسالہ۔

"مَعَ السَّعِيْدَيْنِ، سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ وَسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ"

کا مطالعہ کرنا چاہیے ہم اس میں سے کچھ نصائح یہاں ذکر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کے لیے ان نصائح کو ہدایت کا ذریعہ بنا دے آمین۔

❶ حضرت یحییٰ بن سعید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

"اَنَّ سَعِيْدَ بنَ الْمُسَيَّبِ كَانَ يُكْثِر اَن يَقُوْلَ فِيْ مَجْلِسِهِ (اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ)."

تَرجَمَہ: "سعید بن میّب اکثر یہ دعا اپنی مجالس میں مانگا کرتے تھے: اے اللہ! سلامتی عطا فرما اے اللہ! سلامتی عطا فرما۔"

❷ ان کا ایک مشہور جملہ تھا:

"مَنْ حَافَظَ عَلَى الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ فِيْ جَمَاعَةٍ، فَقَدْ مَلَاءَ الْبَرَّ وَالْبَحْرَ عِبَادَةً."[1]

تَرجَمَہ: "جو شخص پانچ نمازوں کی جماعت کے ساتھ پابندی کرتا ہے تو بے شک ایسا شخص بحر و بر (یعنی خشکی و تری) دونوں کو عبادت سے بھر دیتا ہے۔"

❸ حضرت طلحہ بن محمد بن سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے روایت ہے: ایک مرتبہ مطلب بن حنطب حضرت سعید بن میّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی عیادت کے لیے تشریف لائے تو وہ لیٹے ہوئے تھے، انہوں نے کسی حدیث کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا:

"أُقْعُدُوْنِيْ، فَأَقْعَدُوْهُ. قَالَ: اِنِّيْ اَكْرَهُ اَنْ اُحَدِّثَ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا مُضْطَجِعٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ: اِنِّيْ لَأَسْتَحْيِيْ أَنْ أَتَحَدَّثَ عَنِ الرَّسُوْلِ

[1] مَعَ السَّعِيْدَيْنِ: ص ۲۱

وَأَنَا مُضْطَجِعٌ." [1]

تَرْجَمَۃ: "مجھے بٹھاؤ، لوگوں نے انہیں بٹھایا تو فرمایا! میں یہ بات ناپسند کرتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کروں اور میں لیٹا ہوا ہوں۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کوئی بات لیٹ کر بیان کروں۔"

❹ "وَعَنْ يَحْيٰى بْنِ سَعِيْدٍ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّهُ مَاتَ وَتَرَكَ الْفَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةَ الَافِ دِيْنَارٍ وَقَالَ: مَا تَرَكْتُهَا إِلَّا لِأَصُوْنَ بِهَا دِيْنِيْ وَحَسْبِيْ وَقِيْلَ: تَرَكَ مِائَةَ دِيْنَارٍ، وَقَالَ: أَصُوْنُ بِهَا دِيْنِيْ وَعِرْضِيْ." [2]

تَرْجَمَۃ: "یحیٰ بن سعید حضرت سعید بن میسّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے ترکہ میں دو یا تین ہزار دینار چھوڑے اور فرمایا کہ یہ ترکہ میں نے صرف اپنے دین اور عزت کی حفاظت کے لیے چھوڑا ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ سو دینار ترکہ چھوڑا اور فرمایا اس سے میں اپنے دین اور عزت کی حفاظت کا ارادہ کرتا ہوں۔"

❺ حضرت سعید بن میسّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بیٹے یحیٰ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت سعید بن میسّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

رات برقرار تھی میں نے نماز پڑھنا شروع کی، پھر دعا میں لگ گیا اچانک میرے پیچھے سے ایک غیبی آواز آئی:

"اے اللہ کے بندے کہہ" میں نے کہا "کیا کہوں۔"

آواز آئی یہ دعا پڑھ:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ مَالِكُ الْمُلْكِ وَأَنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَمَا تَشَاءُ مِنْ أَمْرٍ يَكُنْ."

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ میں تجھ سے اس بات کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ، تو تمام ملکوں کا مالک ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے اور جو کوئی معاملہ تو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔"

حضرت سعید بن میسّب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

[1] مَعَ السَّعِيْدَيْنِ: ص ۱۸ [2] مَعَ السَّعِيْدَيْنِ: ص ۲۰

جس کسی چیز کے بارے میں بھی میں نے ان الفاظ سے دعا کی ہے اس میں میں نے کام یابی دیکھی ہے۔[1]

❻ حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے منقول ہے فرماتے ہیں:
سب سے زیادہ انسان کو فتنہ اور آزمائش میں مبتلا کرنے والی چیز میرے نزدیک عورت ہے۔

❼ محمد بن ہلال رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے نقل فرماتے ہیں:
میرے نزدیک کپڑے کی تجارت سے اچھی اور کوئی تجارت نہیں جب تک کہ اس میں قسم داخل نہ ہو، یعنی قسم نہ اٹھائی جائے۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی کتنے سال تک تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی اور کون سی صف میں نماز پڑھتے تھے؟

سُؤال: حضرت حسن اور حضرت قتادہ رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالیٰ کی حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے متعلق کیا رائے تھی؟

سُؤال: حضرت سعید بن مسیّب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنی بیٹی کا رشتہ عبدالملک بن مروان کے بیٹے کو کیوں نہیں دیا تھا؟

---

[1] مَعَ السَّعِیْدَیْنِ: ص ٤٢

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

"لَقَدْ قُتِلَ سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ، وَمَا عَلَى الْأَرْضِ أَحَدٌ إِلَّا وَهُوَ مُحْتَاجٌ إِلٰى عِلْمِهٖ" (احمد بن حنبل)

تَرجَمَہ: "حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس وقت شہید کر دیے گئے جب کہ روئے زمین پر ہر کوئی ان کے علم کا محتاج تھا۔"

حلیہ

مضبوط جسم اور لمبا چوڑا آدمی، چاق و چوبند چالاک ہوشیار ہونے کے ساتھ ساتھ ہر بھلائی کی طرف بڑھنے والا اور ہر برے کام سے بچنے والا تھا، اس نوجوان کے لیے سیاہ رنگ، گھنگھریالے بال، حبشی ہونا اور غریبی و فقیری اس کی ممتاز شخصیت میں کوئی رکاوٹ نہ تھے اور نہ ہی یہ چیزیں اس کو علم اور عمل کے اعلیٰ درجات تک پہنچنے سے رکاوٹ بن سکیں۔

نوجوان نے جو نسل کے اعتبار سے حبشی اور نسب (خاندان) کے اعتبار سے عربی تھا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ علم ہی وہ بہترین اور آسان ذریعہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکتا ہے اور تقویٰ ہی وہ سیدھا راستہ ہے جو اسے جنت تک پہنچانے کا باعث بنے گا۔

اس نے تقویٰ کا ہتھیار اپنے دائیں ہاتھ میں لیا اور علم کا جھنڈا اپنے بائیں ہاتھ میں تھاما۔ دونوں کو نہایت مضبوطی سے پکڑا اور بغیر کسی کمی کوتاہی اور سستی کے زندگی کے مشکل سفر پر چل رہا تھا۔

بچپن ہی سے لوگ اسے پوری توجہ سے کتاب پڑھتا ہوا یا مسجد کے ایک کونے میں دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بے خبر عبادت کرتا ہوا دیکھتے۔

یہ تھے اپنے زمانے میں مسلمانوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

تحصیلِ علم

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے جلیل القدر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُم سے علم حاصل کیا، ان کے اساتذہ کرام مردوں میں سے حضرت ابوسعید خدری، حضرت عدی بن حاتم طائی، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت

ابو ہریرہ دوسی، حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ تھے اور عورتوں میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا تھیں۔

ان کے علاوہ علم کے سمندر حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا ان کے بڑے استاد اور معلم تھے جو امت محمدیہ کے علماء فقہا کے سردار ہیں، جن کا لقب "بَحْرُ عِلْمِ الْاُمَّۃ" (یعنی امت کے علم کا سمندر) ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے ساتھ سائے کی مانند چمٹے رہے، ان سے قرآنِ کریم تفسیر، اصولِ تفسیر، حدیث، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ اور لغت کا علم حاصل کیا اور ان علوم میں مکمل مہارت حاصل کی۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ علمی مقام عطا فرمایا کہ ان کے زمانے کا کوئی شخص ایسا نہ تھا جو ان کے علم کا محتاج نہ ہو، انہوں نے خود بھی حصولِ علم کے لیے مختلف ممالک کا سفر اختیار کیا۔

طالب علمی کے زمانے سے فارغ ہونے کے بعد شہر کوفہ کو اپنا وطن اقامت بنایا (یعنی رہنے کی جگہ) اور اہل کوفہ کے معلّم اور امام بن گئے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اپنی کتاب ''دو شہید'' حضرت سعید بن میسّب اور حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ میں لکھتے ہیں:

آپ ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ ہجرت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے چھیالیس سال بعد آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، وہ زمانہ بڑے بڑے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کے وجود سے معمور تھا۔

انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عدی بن حاتم، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن مغفل وغیرہم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ جیسے کبار (بڑے بڑے) صحابہ سے علم حاصل کیا۔

یوں تو آپ کے زمانہ میں صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کی مقدس جماعت کے بہت سے حضرات موجود تھے، مگر تحصیلِ علم اور روایتِ حدیث بکثرت دو ہی حضرات سے کی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا اور خَیْرُ الْاُمَّہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے، ان دونوں میں بھی آپ کے علوم کا بڑا حصہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے علوم کا پرتو (عکس) تھا۔ قرأت اور تفسیرِ قرآن خصوصیت کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے حاصل کی تھی۔

آپ کی تواضع اور علم

اس کے ساتھ تقویٰ و تواضع (عاجزی) کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے ان سے درخواست کی کہ

آپ قرآن کی ایک تفسیر لکھ دیجیے تو غضب ناک (بہت غصہ) ہو کر فرمایا کہ خدا کی قسم! میرے نزدیک اس سے یہ سہل ہے کہ میں ہلاک ہو جاؤں کیوں کہ اس عظیم الشان کام کی میں اہلیت نہیں رکھتا۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ سے فرمایا کہ سعید! تم حدیث پڑھایا کرو، تو گھبرا کر فرمایا کہ کیا ابن اُمّ دَہما (ابن دَہما سعید بن جبیر کی کنیت ہے) کی یہ مجال ہے کہ آپ کے کوفہ میں تشریف رکھتے ہوئے مسند حدیث (حدیث پڑھانے کی جگہ) پر قدم رکھ سکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اے عزیز! یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم ہمارے سامنے درس دو اور ہم تمہارے صواب کی تصویب اور خطاؤں کی اصلاح کیا کریں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوتا اور علوم کے بیش بہا (قیمتی) جواہرات سے مالا مال ہو کر اٹھتا تھا۔

بعض مرتبہ تو یہ نوبت پہنچتی کہ میری بیاض (اوراق) اور صحائف آپ کی دریا کی طرح امنڈنے والی تقریر سے قاصر رہ جاتیں اور میں اپنے کپڑوں اور ہتھیلیوں کو لکھ لکھ کر چھاپ لیتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب نابینا ہو گئے تو (اس وقت) جب کوئی آپ سے مسئلہ پوچھتا تو آپ متعجبانہ (تعجب سے) فرمادیا کرتے تھے کہ کیا اِبن أمِ دَھما کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسئلہ پوچھتے ہو۔[1]

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے کوئی فرائض کا مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

سعید بن جبیر کے پاس جاؤ کہ وہ حساب میں مجھ سے زیادہ عالم ہیں اور فرائض وہ بھی وہی بتلائیں گے جو میں بتلاتا۔

یہ واقعات درحقیقت آپ کے دونوں استادوں کی جانب سے آپ کے لیے نیابت (یعنی نائب ہونے) کا پیغام اور صحیح قائم مقام ہونے پر مہر ہیں۔

کثرتِ عبادت کا حال

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی کثرت عبادت کا یہ حال تھا کہ وفاء بن ایاس فرماتے ہیں:

ایک دن رمضان المبارک میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا: ذرا قرآن شریف

[1] طَبَقَاتُ ابْنُ سَعْدٍ: ۶/ ۱۷۸، ۱۷۹

ہاتھ میں لے کر میرا قرآن سن لو۔ میں سننے لگا۔ تو جب تک قرآن شریف ختم نہیں فرمایا اپنی مجلس سے نہیں اٹھے۔[1]

اور خود حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بیت اللہ کے اندر ایک رکعت میں پورا قرآن مجید ختم کیا۔[2]

اور ظاہر ہے کہ حضرت سعید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا یہ ختم ہمارے زمانہ کا شبینہ نہ ہوگا جس کی پرواز ہمارے گلوں سے اونچی نہیں ہوتی۔ لیکن سچ ہے کہ خداوند عالم اپنے مقبول بندوں کے اوقات میں کچھ ایسی برکت عطا فرما دیتا ہے کہ وہ تھوڑے وقت میں بہت بڑے بڑے کام کر گزرتے ہیں جن کے لیے دوسروں کی طویل طویل (لمبی لمبی) عمریں بھی کفایت نہ کریں''

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ رمضان شریف میں نماز تراویح پڑھایا کرتے تھے، ایک رات حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے لہجے میں قرأت فرماتے۔

دوسری رات حضرت زید بن ثابت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا لہجہ اختیار فرماتے۔

اور تیسری رات تیسرے لہجہ میں قرأت فرماتے تھے۔ یہ مختلف قرأتوں میں مہارت رکھتے تھے، جب اکیلے نماز پڑھتے تو بعض اوقات ایک ہی نماز میں پورا قرآن مجید ختم کر دیتے جب اس آیت پر گزر ہوتا۔

﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ۭ يُسْحَبُوْنَ ۝ فِي الْحَمِيْمِ ڏ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝﴾[3]

تَرْجَمَہ: ''عن قریب انہیں معلوم ہو جائے گا جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں جن سے پکڑ کر وہ کھولتے ہوئے پانی کی طرف کھینچے جائیں گے پھر دوزخ کی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔''

اسی طرح جب جنت کی خوش خبری اور دوزخ کی سزا والی آیات سے گزر ہوتا تو ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے دل کانپ اٹھتا، بدن کپکپانے لگتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے، پھر وہ ان آیات کو گڑگڑاتے ہوئے بار بار دہراتے، دیکھنے والوں کو یہ شک ہونے لگتا کہ کہیں ان کی موت واقع نہ ہو جائے۔

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ہر سال دو مرتبہ بیت اللہ کا سفر اختیار فرماتے، ایک مرتبہ عمرے کے لیے رجب کے مہینے میں اور دوسری مرتبہ حج کے لیے ذی قعدہ کے مہینے میں۔

علم و اصلاح طلب کرنے والے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا، ان کے پاس دور دور سے لوگ کوفہ (شہر)

---

[1] اِبْنُ خَلِّکَان: ۲۸۸/۱ [2] تَذْکِرَۃُ الْحُفَّاظ: ۶۶/۱ [3] مؤمن: ۷۰ - ۷۲

آتے تھے اور ان کے پاس حاضر خدمت ہوتے اور ان کے علم سے ہر ایک اپنی اپنی طاقت کے مطابق فائدہ اٹھاتا۔

درس کے ختم ہونے کے بعد جب لوگ سوال کرتے تو ان کے جوابات علم و حکمت سے بھرے ہوئے ہوتے تھے، مختصر جواب کے اندر کئی علوم کا خلاصہ ہوتا تھا۔

مثلاً ایک شاگرد نے سوال کیا:

"اَلْخَشْيَةُ مَا هِيَ؟."

تَرْجَمَہ: "خشیت کسے کہتے ہیں؟"

آپ نے جواب دیا:

"اَلْخَشْيَةُ أَنْ تَخْشَى اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ حَتّٰى تَحُولَ خَشْيَتُهٗ بَيْنَكَ وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ."

تَرْجَمَہ: "خشیت اسے کہتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرو کہ یہ ڈر تمہارے اور گناہ کے درمیان حائل ہو جائے (یعنی اللہ سے ڈرنے والا وہ ہے جو گناہ سے باز آ جائے)"

دوسرے شاگرد نے سوال کیا:

"اَلذِّكْرُ مَا هُوَ؟."

تَرْجَمَہ: "ذکر الٰہی کسے کہتے ہیں؟"

آپ نے فرمایا:

"اَلذِّكْرُ هُوَ طَاعَةُ اللّٰهِ جَلَّ وَعَلَا ......

فَمَنْ أَقْبَلَ عَلَى اللّٰهِ وَأَطَاعَهٗ فَقَدْ ذَكَرَهٗ ......

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ وَلَمْ يُطِعْهُ فَلَيْسَ بِذَاكِرٍ لَهٗ وَلَوْ بَاتَ لَيْلَهٗ يُسَبِّحُ وَيَتْلُوْ."

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری ہی دراصل ذکر الٰہی ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور اس کی اطاعت بجالایا، گویا اس نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا۔"

جس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی یعنی گناہوں سے نہ بچا (والدین کا ادب و احترام نہ کیا، کسی کا دل دکھانے سے باز نہ رہا) خواہ وہ ساری رات تسبیح اور تلاوت کرتا رہے، اسے حقیقی معنوں میں ذکر کرنے والا نہیں کہا جا سکتا۔"

اب اس چھوٹے سے جملے میں شریعت کے کئی ابواب کی شرح فرمادی کہ اصل اللہ کی بات مان کر گناہوں سے بچنا ہے، ایک آدمی راستہ چلتے ہوئے اپنی آنکھوں سے کوئی گناہوں کی چیز نہیں دیکھتا تو اس نے گویا اللہ کا

ذکر کیا، کیوں کہ آنکھوں کی حفاظت کا حکم تھا اس نے اطاعت کی۔

عراق سے چلے جانے کا فیصلہ

جب سے حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کوفہ میں رہائش اختیار کی تھی یہ شہر حجاج بن یوسف کی گورنری میں آ چکا تھا۔ حجاج ان دنوں عراق، ایران اور سرزمین ماوراء النہر (ایک علاقہ ہے جو اس نام سے مشہور ہے) کا گورنر تھا۔ اور اس کا رعب و دبدبہ، ظلم وستم اور حکومت و اختیار بہت زیادہ تھا۔

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو یقین ہو گیا کہ اگر مجھے حجاج کے سامنے پیش کیا گیا تو دو صورتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے تیسری صورت نہیں ہو گی۔

یا میری گردن اُڑا دی جائے گی۔

یا مجھے کفر کا ارتکاب کرنا ہو گا۔ (یعنی کافر ہونا پڑے گا)۔

یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے جو سب سے زیادہ میٹھی معلوم ہوتی ہے وہ حقیقت میں اتنی ہی زیادہ کڑوی ہے لہٰذا انہوں نے چھپ کر عراق سے نکل جانے کو ترجیح دی۔

وہ اللہ کی وسیع سرزمین میں حجاج اور اس کے کارندوں سے آنکھ بچا کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ دور دراز کا سفر طے کرتے ہوئے مکہ معظمہ کے قریب ایک بستی میں انہوں نے پناہ لی، اس میں پورے دس سال رہے۔ اتنا عرصہ دراز حجاج کے دل میں غیظ وغضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کافی ہونا چاہئے تھا۔

لیکن وہاں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو کسی کے ذہن و خیال میں بھی نہ تھا۔ ہوا یہ کہ مکہ معظمہ میں بنو امیہ کا ایک نیا گورنر مقرر کیا گیا، جس کا نام خالد بن عبداللہ القسری تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے ساتھیوں نے اس کی یہ عادت دیکھی کہ وہ معمولی بات پر سخت سزا دیتا ہے اور بہت بدمزاج ہے تو اس کی وجہ سے خطرہ محسوس کیا، بعض مخلص ساتھیوں نے حضرت سعید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے کہا:

"إِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ قَدِمَ مَكَّةَ، وَ إِنَّا. وَاللّٰهِ لَا نَأْمَنُهُ عَلَيْكَ ......
فَاسْتَجِبْ لِطَلَبِنَا، وَاخْرُجْ مِنْ هٰذَا الْبَلَدِ."

تَرجَمَہ: "اب جسے مکہ کا گورنر مقرر کیا گیا ہے اللہ کی قسم! ہمیں اس سے خطرہ ہے کہ وہ آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ ہماری بات مانیں از راہ کرم اس شہر سے چلے جائیں۔"

آپ نے فرمایا،

"وَاللّٰهِ لَقَدْ فَرَرْتُ حَتّٰى صِرْتُ اسْتَحِيْ مِنَ اللّٰهِ ......

وَلَقَدْ عَزَمْتُ عَلٰی أَنْ أَبْقٰی فِيْ مَکَانِيْ هٰذَا ......

وَلْيَفْعَلِ اللّٰهُ بِيْ مَا يَشَاءُ."

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! میں پہلے (عراق) سے بھاگا یہاں آکر پناہ لی (مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا)، مجھے اب اللہ سے شرم آتی ہے (وہیں رہ کر مجھے حالات کا مقابلہ کرنا زیادہ بہتر تھا، میں اپنی اس کمزوری پر پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں)۔

لیکن اب میں نے پختہ ارادہ کرلیا ہے، اب میں یہیں رہوں گا کہیں نہیں جاؤں گا، اور اللہ کو جو منظور ہوگا وہ ہو کر رہے گا (جو بھی معاملہ میرے ساتھ پیش آئے میں اسے خوش دلی سے قبول کروں گا)۔"

آپ کی گرفتاری

گورنر مکہ خالد بن عبداللہ کے بارے میں لوگوں نے جو اندازہ کیا تھا وہ صحیح ثابت ہوا، جب اسے حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی رہائش کا علم ہوا تو اس نے پولیس کو حکم دیا کہ انہیں گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کے پاس واسط شہر میں لے جاؤ۔

پولیس نے ان کے گھر کا محاصرہ کرلیا، آخر کار انہیں گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کی طرف چلنے کو کہا گیا۔

آپ بغیر کسی اعتراض کے واسط شہر کی طرف چلنے لگے اپنے ساتھیوں پر آخری نظر ڈالی اور فرمایا مجھے لگتا ہے اب ظالم و جابر حجاج کے ہاتھوں شاید مجھے شہید کردیا جائے گا۔

اس لیے کہ ایک رات ہم تین ساتھی عبادت میں مصروف رہے۔ دعا کی لذت اور مٹھاس کا احساس ہوا تو جی بھر کر اللہ کے حضور دعائیں کیں اور اس کی بارگاہ میں دل کھول کر گڑگڑائے اور جو مانگ سکے مانگا، اس میں یہ بھی مانگا۔

"ثُمَّ سَأَلْنَا اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ أَنْ يَكْتُبَ لَنَا الشَّهَادَةَ، وَقَدْ رَزَقَهَا اللّٰهُ لِصَاحِبَيَّ كِلَيْهِمَا، وَبَقِيْتُ أَنَا أَنْتَظِرُهَا ......"

تَرْجَمَہ: "پھر ہم نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ ہمارے لیے شہادت کی موت مقدر فرمادے۔ میرے دونوں ساتھیوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے شہادت کی موت نصیب فرمادی، لیکن میں ابھی تک اس کے انتظار میں ہوں۔"

یہ بات کہہ ہی رہے تھے کہ آپ کی ایک چھوٹی بیٹی آگئی، اس نے دیکھا کہ آپ کو گرفتار کرلیا گیا ہے اور

سپاہی آپ کو لے کر جارہے ہیں تو وہ آپ سے چمٹ کر زار و قطار رونے لگی۔

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بڑے پیار و محبت سے اس بچی کو اپنے سینے سے الگ کیا اور کہا:

"قُوْلِيْ لِأُمِّكِ يَا بُنَيَّةَ: إِنَّ مَوْعِدَنَا الْجَنَّةُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى"

تَرْجَمَۃ: "میری پیاری بیٹی! اپنی امی کو میرا پیغام پہنچا دینا کہ اب ان شاء اللہ تعالیٰ جنت میں ملاقات ہوگی۔"

یہ کہہ کر آپ پولیس والوں کے ساتھ روانہ ہوگئے۔

حجاج کے دربار میں پیشی اور شہادت

جب اس عبادت گزار، پرہیزگار، رات کو عبادت کے لیے جاگنے والے، عالم فاضل اور عظیم مرتبہ شخصیت کو حجاج بن یوسف کے دربار میں پیش کیا گیا تو حجاج نے انہیں بری نگاہوں سے دیکھا اور بڑی حقارت سے پوچھا:

"مَا اسْمُكَ؟" تیرا نام کیا ہے؟

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: "سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ" جس کا ترجمہ ہے ٹوٹی ہوئی چیزوں کی اصلاح کرنے والے باپ کا نیک بخت بیٹا۔

حجاج نے کہا: نہیں بل کہ تیرا نام "شَقِيُّ بْنُ كَسِيْرٍ" ہے۔

جس کا معنی جڑی ہوئی چیزوں کے توڑنے والے شخص کا بدبخت بیٹا۔

حضرت سعید نے فرمایا:

"بَلْ كَانَتْ أُمِّيْ أَعْلَمَ بِاسْمِيْ مِنْكَ"

تَرْجَمَۃ: "میری والدہ میرے نام کے متعلق تجھ سے بہتر جانتی تھیں۔"

حجاج نے کہا: تیری والدہ بھی بدبخت ہے اور تو بھی۔

حضرت سعید نے فرمایا: غیب کی باتوں (سعادت وشقاوت) کا جاننے والا تو کوئی اور ہی ہے۔

حجاج نے کہا: اللہ کی قسم میں تیرے سارے عیش کو بھڑکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔

حضرت سعید نے فرمایا: اگر میں یہ جانتا کہ نفع ونقصان یا راحت و آرام تیرے قبضہ میں ہے تو میں تجھے خدا سمجھ کر سجدہ کیا کرتا۔

حجاج نے پوچھا:

"مَا تَقُوْلُ فِيْ مُحَمَّدٍ؟."

تَرْجَمَۃ: "حضرت محمد ﷺ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

فرمایا:

"تَعْنِيْ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ؟!."

تَرْجَمَۃ: "تمہاری مراد اس سے محمد بن عبداللہ جن پر اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہو وہ ہیں؟"

حجاج نے کہا:

"نَعَمْ."

تَرْجَمَۃ: "جی ہاں!"

تو فرمایا:

"سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ، اَلنَّبِيُّ الْمُصْطَفٰى......

خَيْرُ مَنْ بَقِيَ مِنَ الْبَشَرِ، وَخَيْرُ مَنْ مَضٰى......

حَمَلَ الرِّسَالَةَ، وَأَدَّى الْأَمَانَةَ......

وَنَصَحَ لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَخَاصَّتِهِمْ."

تَرْجَمَۃ: "وہ اولاد آدم کے سردار، نبی مصطفیٰ، ساری مخلوق میں سب سے اعلیٰ، اونچی شان والے، اور بہتر و برتر ہیں۔

رسالت کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا۔

آپ ﷺ نے امانت رسالت کی ادائیگی کا حق ادا کر دیا۔

آپ ﷺ نے اللہ اور اس کی کتاب کی طرف لوگوں کو بلایا اور عام و خاص مسلمانوں کو دنیا و آخرت کی خیروں اور بھلائیوں کی طرف بلایا۔"

حجاج نے پوچھا:

"فَمَا تَقُوْلُ فِيْ أَبِيْ بَكْرٍ؟."

تَرْجَمَۃ: "(حضرت) ابوبکر صدیق (رَضِيَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْهُ) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

فرمایا:

"هُوَ الصِّدِّيْقُ خَلِيْفَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ذَهَبَ حَمِيْداً، وَعَاشَ سَعِيْداً ......

وَمَضٰی عَلٰی مِنْهَاجِ النَّبِيِّ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ، لَمْ يُغَيِّرْ وَلَمْ يُبَدِّلْ۔"

تَرْجَمَہ: "وہ صدیق ہیں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ہیں، انہوں نے سعادت کی زندگی بسر کی دنیا سے قابل رشک انداز میں رخصت ہوئے، نبی کے طریقے پر چلے نہ اس میں کسی قسم کی کمی کی نہ زیادتی اور نہ ہی اس کو تبدیل کیا۔"

حجاج نے پوچھا:

"فَمَا تَقُولُ فِيْ عُمَرَ؟!۔"

تَرْجَمَہ: "(حضرت) عمر (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

فرمایا:

"هُوَ الفَارُوْقُ الَّذِيْ فَرَقَ اللّٰهُ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ ......

وَخِيَرَةُ اللّٰهِ وَخِيَرَةُ رَسُوْلِهٖ، وَلَقَدْ مَضٰی عَلٰی مِنْهَاجِ صَاحِبَيْهِ ...... فَعَاشَ حَمِيْداً، وَقُتِلَ شَهِيْداً۔"

تَرْجَمَہ: "وہ فاروق ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کیا، وہ اللہ کے برگزیدہ اور رسول اقدس کی مراد ہیں۔

(یعنی حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ کر ان کو اسلام کے لیے قبول کروایا)۔ انہیں اللہ تعالیٰ سے مانگا تھا، وہ زندگی بھر رسول اقدس ﷺ اور صدیق اکبر رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ کے راستے پر چلے، آپ نے زندگی بھر قابل فخر کارنامے سرانجام دیئے، قابل رشک زندگی بسر کی اور شہادت حاصل کی۔"

حجاج نے پوچھا:

"فَمَا تَقُوْلُ فِيْ عُثْمَانَ۔"

تَرْجَمَہ: "(حضرت) عثمان (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ) کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟"

فرمایا:

"هُوَ الْمُجَهِّزُ لِجَيْشِ الْعُسْرَةِ ......

اَلْحَافِرُ بِئْرَ رُوْمَةَ ......

اَلْمُشْتَرِيْ بَيْتاً لِنَفْسِهٖ فِي الْجَنَّةِ ......

صِهْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى ابْنَتَيْهِ۔

وَلَقَدْ زَوَّجَهُ النَّبِيُّ بِوَحْيٍ مِنَ السَّمَاءِ، وَهُوَ الْمَقْتُوْلُ ظُلْمًا."

ترجمہ: "وہ جیش عسرہ کو تیار کرنے والے۔

(جیش عسرہ سے مراد غزوۂ تبوک ہے جب سخت گرمی کا زمانہ تھا۔ فصل کی کٹائی بھی نہیں ہوئی تھی اور مسلمانوں کے پاس آلات حرب بھی کم تھے۔ اوپر سے سواریوں کی بھی خوب کمی تھی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے چندے کی اپیل کی تھی۔ اس موقع پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سو اونٹ کا تحفہ دیا تھا)۔

مدینہ منورہ میں بئر رومہ (کنواں) کو خرید کر وقف کرنے والے۔

جنت میں اپنا گھر بنانے والے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کے شوہر بن کر ذو النورین کا اعزاز حاصل کرنے والے ہیں۔

ان کی شادی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق کی۔

پھر آخر میں ظلم و ستم کا نشانہ بنا کر شہید کر دیے گئے۔"

حجاج نے پوچھا:

"فَمَا تَقُوْلُ فِيْ عَلِيٍّ؟!."

ترجمہ: "(حضرت) علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

فرمایا:

"اِبْنُ عَمِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الْفِتْيَانَ وَهُوَ زَوْجُ فَاطِمَةَ الْبَتُوْلِ وَاَبُوالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدَيْ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ."

ترجمہ: وہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے، سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے خاوند، اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار حسن اور حسین کے والد۔"

حجاج نے پوچھا: بنو امیہ میں سے تجھے کون سا خلیفہ پسند ہے؟

فرمایا:

"أَرْضَاهُمْ لِخَالِقِهِمْ"

ترجمہ: "جو اپنے خالق کو سب سے زیادہ راضی کرنے والا ہو۔"

حجاج نے پوچھا:

"فَأَيُّهُمْ أَرْضٰى لِلْخَالِقِ؟."

تَرْجَمَہ: "ان میں سے کون اپنے خالق کو سب سے زیادہ راضی کرنے والا تھا؟"

فرمایا:

"عِلْمُ ذٰلِكَ عِنْدَ الَّذِيْ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ."

تَرْجَمَہ: "اس کا علم اس ذات کو ہے جو ان کے ظاہر و باطن کو برابر جانتا ہے۔"

حجاج نے پوچھا:

"فَمَا تَقُوْلُ فِيَّ؟."

تَرْجَمَہ: "میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے، تمہارا کیا خیال ہے؟"

فرمایا:

"أَنْتَ أَعْلَمُ بِنَفْسِكَ."

تَرْجَمَہ: "تو اپنے بارے میں زیادہ جاننے والا ہے۔"

حجاج نے کہا:

"بَلْ أُرِيْدُ عِلْمَكَ أَنْتَ."

تَرْجَمَہ: "میں تمہاری رائے اپنے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

فرمایا:

"إِذَنْ يَسُوْئُكَ وَلَا يَسُرُّكَ."

تَرْجَمَہ: "میری رائے تجھے اچھی نہیں لگے گی۔"

حجاج نے کہا:

"لَا بُدَّ مِنْ أَنْ أَسْمَعَ مِنْكَ."

تَرْجَمَہ: "میں ضرور سننا چاہتا ہوں۔"

فرمایا:

"إِنِّيْ لَأَعْلَمُ أَنَّكَ مُخَالِفٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى......
تُقْدِمُ عَلٰى أُمُوْرٍ تُرِيْدُ بِهَا الْهَيْبَةَ، وَهِيَ تُقْحِمُكَ فِى الْهَلَكَةِ......
وَتَدْفَعُكَ إِلَى النَّارِ دَفْعًا."

تَرْجَمَہ: "میری معلومات کے مطابق تو کتاب اللہ کا مخالف ہے اور ایسے کام کرتا ہے جس سے تیرا

رعب و دبدبہ چھا جائے اور یہ انداز تجھے ہلاکت کی طرف لے جا رہا ہے آخر کار تجھے یہ جہنم میں دھکیل دے گا۔''

حجاج نے یہ باتیں سنتے ہی آگ بگولہ ہو کر کہا:

''أَمَا وَاللّٰهِ لَأَقْتُلَنَّكَ.''

تَرجَمَہ: ''اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور قتل کر دوں گا۔''

فرمایا:

''إِذَنْ تُفْسِدَ عَلَيَّ دُنْيَايَ، وَأُفْسِدَ عَلَيْكَ آخِرَتَكَ.''

تَرجَمَہ: ''تو میری دنیا خراب کر دے گا میں تیری آخرت برباد کر دوں گا۔''

حجاج نے کہا:

''اِخْتَرْ لِنَفْسِكَ أَيَّ قِتْلَةٍ شِئْتَ.''

تَرجَمَہ: ''تم اپنے قتل کے لیے جون سا طریقہ پسند کرتے ہو اس کو اختیار کرو۔''

فرمایا:

''بَلِ اخْتَرْهَا أَنْتَ لِنَفْسِكَ يَا حَجَّاجُ......

فَوَاللّٰهِ مَا تَقْتُلَنِي قِتْلَةً إِلَّا قَتَلَكَ اللّٰهُ مِثْلَهَا فِي الْآخِرَةِ''

تَرجَمَہ: ''اے حجاج! بل کہ تو اپنے قتل کا طریقہ پسند کر، اللہ کی قسم! جس انداز سے تو مجھے قتل کرے گا وہی انداز قیامت کے روز تجھے قتل کرنے کا اختیار کیا جائے گا۔''

حجاج نے پوچھا:

''أَفَتُرِيْدُ أَنْ أَعْفُوَ عَنْكَ؟''

تَرجَمَہ: ''کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے معاف کر دوں؟''

فرمایا:

''إِنْ كَانَ عَفْوٌ فَمِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى......

أَمَّا أَنْتَ فَلَا بَرَاءَةَ لَكَ وَلَا عُذْرَ.''

تَرجَمَہ: ''اگر ایسا بھی ہوا تو وہ معافی اللہ کی جانب سے ہوگی، تو مجھے چھوڑ کر اپنے گھناؤنے جرم سے بری نہ ہو سکے گا۔''

حجاج بن یوسف غصے سے آگ بگولہ ہوا اور دربان سے کہا:

"اَلسَّيْفَ وَالنَّطْعَ يَا غُلَامُ."

تَرْجَمَہ: "اے لڑکے! تلوار اور چمڑے کی چادر لے آؤ۔"

یہ سن کر سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مسکرائے۔

حجاج نے پوچھا:

"وَمَا تَبَسُّمُكَ؟!."

تَرْجَمَہ: "تم کیوں مسکرائے ہو؟"

فرمایا:

"عَجِبْتُ مِنْ جَرَاءَتِكَ عَلَى اللّٰهِ وَحِلْمِ اللّٰهِ عَلَيْكَ"

تَرْجَمَہ: "تیری جرات اور تیرے متعلق اللہ تعالیٰ کی بردباری دیکھ کر مسکرایا ہوں۔"

حجاج نے حکم دیا:

"اُقْتُلُوْهُ يَا غُلَامُ."

تَرْجَمَہ: "ارے جلاد! اسے قتل کر دو!"

آپ نے قبلہ رخ منہ کیا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾[1]

تَرْجَمَہ: "میں (سارے مذاہب باطلہ سے) الگ ہو کر اپنا رخ صرف اس ذاتِ قدوس کی طرف پھیرتا ہوں جس نے آسمان وزمین پیدا کئے اور میں مشرکین میں داخل نہیں۔"

حجاج نے کہا: اس کا منہ قبلہ کی طرف سے ہٹا دو۔

آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ﴾[2]

تَرْجَمَہ: "جس طرف بھی منہ پھیرو اسی طرف اللہ ہے"

حجاج نے کہا اسے منہ کے بل لٹا دو۔

تو یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی﴾[3]

---

[1] انعام: ۷۹ [2] بقرہ: ۱۱۵ [3] طٰہٰ: ۵۵

تَرْجَمَۃ: ''اسی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوبارہ تمہیں نکالیں گے۔''

حجاج نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا:

''اللہ کے اس دشمن کو قتل کر دو میں نے زندگی میں آیات قرآنی کو اس سے زیادہ یاد رکھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔''

حجاج اللہ کے سچے اس ولی کی کرامت دیکھ رہا ہے، مگر بدبختی اسے اپنے خیال سے پھرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اور اسی حالت میں ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ'' پڑھ کر بولے:

''اے حجاج! لے میرا یہ آخری کلمہ محفوظ رکھ یہاں تک کہ ہم قیامت میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں۔''

آخر میں حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ یہ دعا کرتے ہیں:

''اَللّٰهُمَّ لَا تُسَلِّطْهُ عَلٰى اَحَدٍ يَقْتُلُهٗ بَعْدِيْ.''

تَرْجَمَۃ: ''اے اللہ! میرے بعد اس کو کسی شخص کے قتل پر مسلط نہ فرمائیے۔''

حجاج: اس گستاخ کو زیادہ بولنے کی فرصت نہ دو۔

جلاد بے رحم بڑھا اور اس مقدس سر کو بدن سے جدا کر دیا جس کا زمانہ محتاج تھا۔

حضرت سعید شہید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بدن سے خلاف دستور خون کا فوارہ شدت سے جاری ہے۔

حجاج کو اس وقت یہ حیرت ہے کہ اس کے ظلم کا ہاتھ کسی غریب کے خون پر صرف آج ہی نہیں اٹھا بلکہ یہ اس کی ہمیشہ عادت رہی ہے۔ مگر آج سے پہلے کسی شہید کا اتنا خون بہتے ہوئے اس نے نہ دیکھا تھا۔

حجاج کا حضرت سعید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بدلے ستر بار قتل کیا جانا

حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے قتل کو ابھی پندرہ دن نہ گزرے تھے کہ حجاج بن یوسف شدید بخار میں مبتلا ہو گیا، کبھی بے ہوش ہو جاتا اور کبھی ہوش میں آتا جب آنکھ لگتی تو چیخ مار کر اٹھتا اور کہتا:

"هٰذَا سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ آخِذٌ بِخِنَاقِيْ......
هٰذَا سَعِيْدُ بْنُ جُبَيْرٍ يَقُوْلُ: فِيْمَ قَتَلْتَنِيْ؟.
ثُمَّ يَبْكِيْ وَيَقُوْلُ:
مَالِيْ وَلِسَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ؟!! رُدُّوْا عَنِّيْ سَعِيْدَ بْنَ جُبَيْرٍ......"

تَرجَمَہ: "سعید بن جبیر نے میرا گلا پکڑ رکھا ہے سعید بن جبیر مجھ سے پوچھتا ہے بتاؤ تو نے مجھے قتل کیوں کیا؟

پھر حجاج بچوں کی طرح رونے لگتا اور کہتا بھلا سعید بن جبیر سے میرا کیا واسطہ مجھے کیا ہو گیا، دنیا والو! سعید کو مجھ سے پیچھے ہٹا دو سعید بن جبیر سے مجھے بچا لو، میں مارا گیا، میں لوٹا گیا میں تباہ و برباد ہو گیا۔"

جب حجاج بن یوسف مر گیا اور اسے دفنا دیا گیا تو ایک شخص نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا:

"مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِكَ فِيْ مَنْ قَتَلْتَهُمْ يَا حَجَّاجُ؟."

تَرجَمَہ: "اے حجاج! جن کو تو نے قتل کیا ان کا بدلہ تجھ سے کیسے لیا گیا؟"

اس نے کہا ہر قتل کے بدلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک بار قتل کیا لیکن سعید بن جبیر کے بدلے مجھے ستر بار قتل کیا گیا۔

فَوائِدُ وَنَصَائِحُ

❶ دنیا اور اس کی چیزوں سے بے رغبت ہو کر انسان جس چیز کی تلاش میں لگ جاتا ہے وہ اس کو پالیتا ہے، حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ علم کی تلاش میں اسی طرح لگ گئے تھے کہ آخر کار ایک وہ وقت آیا کہ آپ علم کے اعلیٰ اور ارفع (بلند) مقام پر پہنچ گئے۔

عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے "مَنْ قَرَعَ البَابَ وَلَجَّ وَلَجَ" جو دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور دروازہ کو چھوڑتا نہیں ہے تو ایک نہ ایک دن دروازہ کھل ہی جاتا ہے اور وہ شخص اندر داخل ہو جاتا ہے۔ "مَنْ جَدَّ وَجَدَ" جو کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے محنت کرتا ہے ضرور اس کو پالیتا ہے۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہئے کہ ہم یہ نیت کریں کہ علم حاصل کرنے میں بھرپور کوشش کریں گے اور اس میں اعلیٰ سے اعلیٰ معیار تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ ہے۔

﴿اِنِّيْ لَا أُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾[1]

[1] آل عمران: ۱۹۵

تَرجَمَہ: ''تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا۔''

❷ دوسری بات یہ کہ مسلمان کو بزدل نہیں بننا چاہئے جس طرح سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بہادر تھے، کہ حجاج جیسے ظالم سے بھی نہیں ڈرے۔

اسی طرح ہر مسلمان کو بہادر ہونا چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہوگا وہی جو اللہ چاہیں گے۔

زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ موت آ جائے گی تو مسلمان کو کبھی موت سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ موت آ جانا دراصل کوئی ناکامی نہیں ہے۔ بل کہ موت تو ایک پل ہے جو اس عالم دنیا سے اس عالم آخرت میں جانے کے لیے ہر ایک کو پار کرنا ہے چاہے ہمت سے پار کرے یا ڈر وخوف سے پار کرے۔

ڈر اور فکر اگر ہے تو اس بات کا ہے کہ اس مالک الملک کو میں ناراض کر کے نہ جاؤں۔ اب خوف کا کوئی مرحلہ پیش آ ہی گیا تو اس خوف اور فکر کو یہ سوچ کر مزید دگنا نہ کریں کہ ہائے کیا ہوگا، اس سے وہ پیش آنے والی چیز تو ٹلے گی نہیں بل کہ دل کا خوف مزید پریشانی کا باعث ہوگا۔

یوں سوچیں کہ وہ حاکم بھی ہے حکیم بھی ہے، ہم پر جو حالات آئے ہیں ظاہر ہے کہ اس قادر مطلق کے حکم ہی سے آئے ہیں اور اسی میں ہماری کوئی بھلائی پوشیدہ ہے، ہم اپنا حال سنوارنے کی فکر کریں کیوں کہ ہر حال ماضی بننے والا ہے اور ہر مستقبل حال بننے والا ہے۔ اللہ جل جلالہ نے جو حال بھیجا ہے تو وہ خبیر ہے ہمارے حال سے باخبر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ لطیف بھی ہے یعنی مہربان بھی ہے اور وہ علیم بھی ہے ہماری کمزوریوں کو بھی جانتا ہے، اب جس کا مالک خبیر ہو حکیم ہو اور ساتھ ساتھ لطیف وکریم بھی ہو اس کو خوف گھبراہٹ کی کیا ضرورت ہے۔

پریشانیوں کو دور کرنے کے لیے استغفار کا اہتمام ضرور کریں مگر ڈریں نہیں اس بے جا ڈرنے اور ہائے کرنے کا ایک فوری نقصان یہ ہوتا ہے کہ مزید کسی کام کی راہ نہیں سوجھتی۔

اور اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے جو کوشش کر سکتے تھے وہ بھی رک جاتی ہے اور اس ذہنی دباؤ اور گھبراہٹ کی وجہ سے جلد بازی میں غلط سے غلط فیصلے واقع ہو جاتے ہیں۔ دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے چھوٹوں پر بے جا غصہ ہوتا رہتا ہے اور پھر اپنے چھوٹوں کی آہوں اور بددعاؤں سے بھی کام مزید سنورنے کے بجائے خراب سے خراب تر ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا کسی بھی پریشانی کے موقع پر سوچ کر اور استغفار اور دعاؤں کے اہتمام کے ساتھ فیصلہ کرنا چاہئے۔ دو ڈر وخوف کو جمع نہ کریں ایک مصیبت کا، ایک ہائے کیا ہوگا، مستقبل کے وہم وخوف شکوک کو دور کرنے

کے لیے یہ جملہ دوہرائیں ''ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا، ہوگا وہی جو اللہ چاہے گا۔''

ساری دنیا کے بادشاہ، وزیر، فوج، جنات اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے پھر مخلوق سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پریشانیوں سے حفاظت کے لیے توبہ و استغفار کا اہتمام تو ضرور ہو لیکن ڈرنا بالکل نہیں چاہئے، ڈرنے سے مزید خوف ہی مسلط ہوگا۔

اسی طرح بزدلی دور کرنے کے لیے صبح و شام یہ دعا بھی مانگتے رہنا چاہئے:

''اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحَزَنِ وَالْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَضَلَعِ الدَّیْنِ وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ.''[1]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں فکر سے، غم سے اور عاجز ہونے سے (یعنی کسی کمال کے حاصل کرنے میں) اور کاہلی سے، اور تیری پناہ لیتا ہوں بزدلی سے اور بخل سے اور تیری پناہ لیتا ہوں قرض کے دباؤ سے اور لوگوں کے ظلم و ستم سے۔''

اس دعا کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں داخل ہوئے تو وہاں ایک انصاری صحابی کو دیکھا جن کا نام ابوامامہ تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ابوامامہ کیا ہوا کہ تم نماز کے وقت کے علاوہ مسجد میں بیٹھے ہو؟

انہوں نے جواب دیا: یا رسول اللہ! مجھ پر فکروں اور قرضوں کا ہجوم ہوگیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

میں تمہیں وہ کلمات نہ سکھاؤں کہ جب تم انہیں پڑھو تو تمہارے غم دور ہوں اور تمہارا قرضہ ادا ہو؟

انہوں نے عرض کیا: ضرور یا رسول اللہ۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: صبح و شام یہ (مذکورہ بالا) کلمات پڑھا کرو۔

وہ صحابی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری پریشانیوں کو دور کر دیا اور میرے قرضوں کو مجھ سے ادا کروا دیا۔[2]

نوٹ: گھریلو پریشانیوں کو دور کرنے کی تدابیر اور بزرگوں کو بتائے ہوئے نسخے معلوم کرنے کے لیے مرد

[1] بُخَارِیْ، كِتَابُ الدَّعْوَاتِ، بَابُ الْاِسْتِعَاذَةِ مِنَ الْجُبْنِ الخ: ۹۴۲/۲

[2] اَبُوْدَاوُدْ، بَابٌ فِی الْاِسْتِعَاذَةِ: رَقْم: ۱۵۵۵

حضرات ''تحفۂ دولہا'' اور ''مثالی باپ'' اور خواتین ''تحفۂ دلہن'' اور ''مثالی ماں'' کا مطالعہ کریں۔

اسی طرح کتاب ''پریشان ہونا چھوڑ دیجئے'' کا مطالعہ بھی بہت ہی مفید ہوگا۔

❸ تیسرا سبق یہ ملا کہ خشیت کی تعریف حضرت سعید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس طرح کی کہ تم اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرو کہ یہ ڈر تمہارے اور گناہ کے درمیان حائل ہو جائے۔ اسی مضمون کو ان دعاؤں میں سکھایا گیا ہے۔ گناہوں سے بچنے کے لیے ان دعاؤں کو بار بار مانگتے رہنا چاہئے۔

(الف) "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَخْشَاكَ حَتّٰى كَاَنِّيْ اَرَاكَ اَبَدًا حَتّٰى أَلْقَاكَ وَاَسْعِدْنِيْ بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنِيْ بِمَعْصِيَتِكَ"[1]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! مجھے ایسا بندہ بنا لے کہ تجھ سے ایسا ڈرا کروں جیسا کہ تجھ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، اور مجھ کو تقویٰ کی سعادت نصیب فرما، اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے مجھ کو بدبخت نہ بنا۔''

(ب) "اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعْصِيَتِكَ."[2]

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! ہمیں اپنا اتنا خوف نصیب فرما جس کی وجہ سے تو ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے۔''

سُؤال: حضرت سعید بن جبیر رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُمَا سے کتنے علوم حاصل کیے؟

اور کیا آپ نے بھی ان علوم میں مہارت حاصل کرنے کی نیت کر لی ہے، نیز اس کے لیے آپ نے اب تک کیا کوشش کی یا ان تدابیر پر کتنا عمل کیا ہے؟

(الف): کیا آپ نے دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اس مقصد میں کامیابی کے لیے دعا مانگی؟

(ب): کیا آپ نے اپنے والدین سے یہ دعا کرنے کی درخواست کی کہ اللہ مجھے قرآن و حدیث کے علوم نصیب فرمائے؟

[1] مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ، كِتَابُ الْأَدْعِيَةِ، بَابُ الْأَدْعِيَةِ الْمَأْثُوْرَةِ الخ: ۱۰/ ۲۰۶

[2] عَمَلُ الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ لِابْنِ السُّنِّيِّ رَقْمُ الْحَدِيْثِ: ۴۴۶

(ج): اگر ابھی آپ کی عمر چھوٹی ہے تو کسی دینی عربی ادارہ میں داخلہ لیا؟

(د): کتنے بچوں کو ترغیب دے کر آپ نے عربی زبان سیکھنے اور حافظ بننے پر آمادہ کیا؟

سُوال: آپ بتایئے کہ خشیت کی کیا تعریف ہے؟

سُوال: ذکرِ الٰہی کسے کہتے ہیں؟

سُوال: جب حجاج نے کہا سعید بن جبیر کو اوندھے منہ لٹا دو، اس وقت انہوں نے کون سی آیت پڑھی تھی، اس آیت کا مفہوم کیا ہے اور یہ آیت کس وقت پڑھی جاتی ہے؟

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

(اپنے زمانے کے عبادت گزاروں کے استاد)

"لِلْأُمَرَاءِ قُرَّاءٌ وَلِلْأَغْنِيَاءِ قُرَّاءٌ، وَإِنَّ مُحَمَّدَ بْنَ وَاسِعٍ لَمِنْ قُرَّاءِ الرَّحْمٰنِ" (مالك بن دينار)

تَرجَمَۃ: ''بعض لوگ بادشاہوں کے قراء ہوتے ہیں اور بعض مال داروں کے قراء ہوتے ہیں اور محمد بن واسع رحمٰن کے قراء میں سے ہے''

تعارف

کتنا دور آج ہم آپ کو لیے جا رہے ہیں، آج سے کئی سو سال پہلے مسلمانوں کے ایک بادشاہ گزرے ہیں جن کا نام سلیمان بن عبدالملک تھا۔ ان کے عہد میں ایک نیک شخص گزرے ہیں، ان کا نام محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی تھا۔ آج ہم آپ کو ان کے حالات بتلائیں گے۔

حضرت مالک بن دینار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا قول ہے کہ محمد بن واسع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی رحمٰن کے قراء (یعنی قرآن مجید کو اچھی طرح پڑھنے والوں) میں سے تھے۔

حضرت یزید بن مہلب بن ابی صفرہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اسلام کی تلواروں میں سے ایک تلوار تھے یعنی بہادر اور نڈر جرنیل تھے، جن سے اسلام کے دشمن ہر وقت ڈرتے تھے اور خراسان کے مضبوط والیوں میں سے تھے۔

ایک مرتبہ جرجان وطبرستان کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے نکلے تو ایک لاکھ تربیت یافتہ مسلمان، اللہ کی طرف بلانے والے جوان ان کے ساتھ تھے۔

اس لشکر کی پہلی صف میں ایک بہت بڑے تابعی جن کا نام محمد بن واسع ازدی بصری تھا، وہ بھی ساتھ تھے جن کا لقب "زِيْنَةُ الْفُقَهَاء" تھا اور بصرہ میں ''عابدِ بصرہ'' کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔

اور حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خادم حضرت انس بن مالک الانصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے شاگرد تھے۔

حضرت یزید بن مہلب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے چلتے چلتے ''دِہستان'' کے ایک مقام پر اپنی جماعت کے ساتھ قیام کیا، یہاں کے لوگ اسلام کی دعوت ملنے کے باوجود اسلام نہ لائے، بل کہ مسلمانوں سے لڑائی کے لیے میدان میں آگئے اور یہ جنگجو طاقت ور، مضبوط قلعوں کی مالک ترک قوم تھی، دن کو مسلمانوں سے لڑتی تھی

جب مسلمان غالب آنے لگتے تھے تو یہ قوم اپنے قلعوں میں اور بلند پہاڑ کی چوٹیوں کے غاروں میں جا کر پناہ لے لیتی تھی اس طرح وہ اپنی حفاظت کی تدبیر کرتے۔

لڑائیوں میں بلند مقام اور شجاعت

محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ان لڑائیوں میں بڑا بلند مقام تھا، حالاں کہ وہ جسمانی طور پر کم زور اور عمر کے اعتبار سے بوڑھے تھے۔

مسلمان اس نور ایمان کی جھلک دیکھ کر بہت خوشی محسوس کرتے جو محمد بن واسع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے چہرے پر چمکتا تھا۔ اور ان کی نصیحتوں کو سن کر تازگی محسوس کرتے تھے، جو ان کی میٹھی زبان سے پھولوں کی طرح نکلتی تھیں۔ اور مطمئن رہتے تھے ان کی موجودگی سے کہ مشکل وقت میں ان کی مقبول دعائیں اللہ سے مشکلات حل کروا دیں گی۔ ان کا یہ طرز عمل تھا کہ جب امیر جماعت لڑائی کا حکم دیتے تو یہ بآواز بلند پکارتے ہوئے کہتے:

''یَا خَیْلَ اللّٰہِ ارْکَبِیْ......

یَا خَیْلَ اللّٰہِ ارْکَبِیْ......''

تَرجَمَہ: ''اے اللہ کے گھوڑو! سواری کے لیے تیار ہو جاؤ......

اے اللہ کے گھوڑو! سواری کے لیے تیار ہو جاؤ......''

جب مسلمانوں کے جوان اس بزرگ کی درد بھری آواز سنتے تو مد مقابل دشمن پر اس طرح حملہ کرتے جیسے بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے، اور میدانِ جنگ کی طرف اس طرح لپکتے جیسے کوئی گرم ترین دن میں ٹھنڈے میٹھے پانی کی طرف لپکتا ہے۔

ان ہلاکت برپا کرنے والی لڑائیوں میں ایک نہایت خطرناک و خوف ناک لڑائی کے دوران دشمن کی صفوں میں ایک ایسا گھڑ سوار نکلا کہ کسی آنکھ نے اس سے زیادہ لمبا چوڑا، موٹا تازہ، نڈر اور بہادر نہ دیکھا ہوگا وہ میدان جنگ میں بڑی تیزی سے چکر لگانے لگا۔

یہاں تک کہ مسلمانوں کو تھوڑا پیچھے ہٹنا پڑا۔ اور ان کے دلوں میں خوف و ہراس اور رعب و دبدبہ پیدا ہوا۔ پھر وہ لڑاکو بڑے تکبر اور غرور سے لشکرِ اسلام میں سے کسی ایک کو اپنے مقابلے میں آنے کی دعوت دینے لگا، اس کی پکار میں بڑا جوش تھا۔ اس کا حقارت بھرا رویہ دیکھ کر حضرت محمد بن واسع ازدی مقابلے میں آنے کے لیے تیار ہوئے۔

انہوں نے جب کم زوری اور بڑھاپے کے باوجود عزم کا مظاہرہ کیا تو لشکرِ اسلام کے ہر جوان میں بے

پناہ جوش و جذبہ پیدا ہوا، ہر کسی کے دل میں آیا کہ ایک بوڑھا اور یہ جوش، ہم جوان اور یہ خوف و ہراس بہت افسوس ہے ہماری جوانی پر۔

پھر دیکھتے ہیں کہ ایک نوجوان جذبہ جہاد سے سرشار بزرگ سے عرض کرتا ہے کہ جناب مجھے اس دشمن سے مقابلہ کرنے کی اجازت دیجئے لیکن وہ بزرگ بدستور دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے سینہ تانے کھڑے ہیں، میں آپ کو قسم دیتا ہوں ہمارے ہوتے ہوئے آپ اس کے مقابلے میں جائیں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

ہماری جوانی کس کام کی؟ وہ التجا کرتا ہے اللہ کے لیے مقابلہ کرنے کی آپ مجھے اجازت دیں۔ آپ اس مجاہد کے قسم کی لاج رکھتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور اس بہادر کی کامیابی کے لیے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہیں۔

اس کے بعد دونوں شہسوار ایک دوسرے پر اس طرح جھپٹتے ہیں کہ جیسے موت اپنے شکار پر حملہ کرتی ہے۔ دونوں بہادر جنگجو ایک دوسرے پر خطرناک بھوکے شیروں کی طرح حملہ آور ہوتے ہیں، تمام لشکر کی نگاہیں ان کے جھپٹنے پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے پر لگی ہوئی تھیں وہ دونوں ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، مقابلہ برابر کا دکھائی دے رہا تھا۔

کبھی ایک غالب آتا دکھائی دیتا اور کبھی دوسرا بالآخر دونوں کی تلواریں ایک ہی لمحے میں ایک دوسرے کے سروں سے ٹکرائیں، ترکی شہسوار کی تلوار مسلمان شہسوار کے سر پر پہنے ہوئے لوہے کے خول میں گھس گئی، لیکن مسلمان شہسوار کی تلوار نے ترکی نوجوان کی پیشانی کو چیرتے ہوئے اس کی کھوپڑی کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

اس کے بعد بہادر مسلمان، لشکرِ اسلام کی طرف دو تلواروں کے ساتھ فاتحانہ شان و شوکت سے واپس پلٹا۔ مسلمان نوجوان کے ہاتھ میں ایک خون سے بھری تلوار اور اس کے سر میں لوہے کے خول میں جکڑی ہوئی دشمن کی دوسری تلوار ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی۔

لشکرِ اسلام کے نوجوانوں نے جذبہ جہاد سے بھرپور تہلیل و تکبیر (لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ) کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا، جرنیل یزید بن مہلب نے دونوں تلواروں کی چمک، لوہے کا خول اور ہتھیاروں سے لیس بہادر کو دیکھا تو پکار اٹھے:

"لِلّٰهِ أَبُوْهُ مِنْ فَارِسٍ!! ......

أَيُّ رَجُلٍ هٰذَا؟!

فَقِيْلَ لَهٗ: إِنَّهٗ رَجُلٌ بَارَكَتْهُ دَعَوَاتُ مُحَمَّدِ بْنِ وَاسِعِ الْأَزْدِيِّ......"

ترجمہ: "شاباش اس بہادر پر! یہ شخص کون ہے؟

اسے بتایا گیا یہ نوجوان حضرت محمد بن واسع ازدی کی دعاؤں سے اس مقام کو پہنچا ہے۔''

ترکی شہسوار کے موت کے گھاٹ اترنے کی وجہ سے طاقت میں واضح فرق پیدا ہو گیا، مشرکین کے دلوں میں خوف وہراس اس طرح پیدا ہوا جس طرح آگ خشک گھاس میں پھیل جاتی ہے، اور مسلمانوں کے سینوں میں مزید ہمت اور قوت پیدا ہوئی۔ تو انہوں نے بڑی قوت سے دوبارہ اللہ کے دشمنوں پر حملہ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں انہیں اس طرح گھیرے میں لے لیا جس طرح طوق (پھندا) گردن کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے، اور مسلمانوں نے ان کے پانی اور اناج کی فراہمی بند کر دی۔

لہٰذا ان کے بادشاہ نے صلح کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو مسلمانوں کی جماعت کے امیر کی طرف صلح کا پیغام بھیجا، اور ساتھ ہی یہ اطلاع بھی پہنچائی کہ میرے قبضے میں جو کچھ بھی ہے میں اسے خوشی اور شوق سے آپ کے سپرد کرنے کے لیے تیار ہوں، بشرط یہ کہ آپ میری اور میرے خاندان کی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دے دیں۔

امیر جماعت نے صلح کی پیش کش کو درج ذیل شرائط پر قبول کیا کہ: سات لاکھ درہم آسان قسطوں میں ادا کیے جائیں۔ پہلی قسط یہ کہ چار لاکھ درہم فوراً نقد ادا کیے جائیں۔

اور چار سو جانور زعفران کے لدے ہوئے مسلمانوں کے سپرد کیے جائیں۔ اس کے علاوہ کچھ اور شرائط بھی تھیں۔

(چوں کہ مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو عام کرنا اپنا مقصد زندگی سمجھ رکھا تھا اور اس کے لیے اپنے گھر بار کو چھوڑا، اللہ پاک کے راستہ میں پھرے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو جہنم سے بچانے کی فکر میں لگے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے مال و دولت کو مسلمانوں کے قدموں میں ڈال دیا)۔

آپ کی دنیا سے بے رغبتی

جب لڑائی رک گئی، امن کی فضا قائم ہوئی تو امیر جماعت نے خازن (خزانچی) سے کہا، مال غنیمت کا حساب لگاؤ تاکہ ہر ایک حق دار کو اس کا حق ادا کر دیا جائے خازن اور اس کے معاونین نے مال غنیمت کا حساب لگانا چاہا لیکن مال غنیمت اتنا زیادہ تھا کہ حساب نہ کر سکے، لہٰذا پورے لشکر میں مال غنیمت وصول کرنے والوں کی طلب و رضا کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقسیم کر دیا گیا۔

مال غنیمت میں ایک ایسا تاج ملا جس پر سونے سے کڑھائی کی گئی تھی اسے موتیوں اور جواہرات سے سجایا گیا تھا، جس پر عمدہ، دلکش اور خوب صورت نقش و نگار بنائے گئے تھے، جس کی چمک دمک دیکھ کر نگاہیں خود اس

پر لگ جاتی تھیں۔

حضرت یزید بن مہلب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اسے ہاتھ میں پکڑ کر اوپر اٹھایا تا کہ جس نے نہ دیکھا ہو وہ بھی دیکھ لے اور پورے لشکر کو دکھلاتے ہوئے پوچھا، کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس تاج کو حاصل کرنے کی دلی خواہش نہ رکھتا ہو؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا:

"أَصْلَحَ اللّٰهُ الْأَمِيْرَ ......

وَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَزْهَدُ بِهٖ؟!."

تَرْجَمَہ: "اللہ ہمارے امیر کا بھلا کرے وہ کون ایسا شخص ہوگا جسے یہ تاج پسند نہ ہو جس کی آنکھوں کو یہ بھاتا نہ ہو؟۔"

امیر نے کہا: امت محمدیہ میں اب بھی ایسے افراد ہیں جنہیں اس تاج میں اور اس طرح کے سینکڑوں تاجوں میں بھی کوئی دل چسپی نہیں ہے۔

پھر امیر نے اپنے خادم کو حکم دیا:

"اِلْتَمِسْ لَنَا مُحَمَّدَ بْنَ وَاسِعٍ الْأَزْدِيَّ."

تَرْجَمَہ: "ابھی جناب محمد بن واسع ازدی کو ڈھونڈ کر ہمارے پاس لاؤ۔"

دربان یہ حکم سن کر تلاش کے لیے نکلا تو اسے محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ لوگوں سے الگ تھلگ ایک کونے میں عبادت کرتے ہوئے دکھائی دیئے۔ پاس جا کر دیکھا کہ وہ بارگاہ الٰہی میں دعا مانگتے ہوئے رو رہے ہیں۔

خادم نے ادب واحترام سے سلام عرض کیا اور امیر کا پیغام دیا آپ اسی وقت اُس کے ساتھ چل پڑے۔

وہاں پہنچ کر امیر جماعت کو سلام کیا اور ان کے پاس بیٹھ گئے، امیر لشکر نے محبت وعقیدت بھرے انداز میں سلام کا جواب دیا۔

پھر انہوں نے تاج پکڑا اور کہا: ابوعبداللہ! لشکرِ اسلام کو یہ قیمتی تاج مال غنیمت سے ملا ہے، میں یہ تاج آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں، پورا لشکر میرے اس فیصلے سے خوش ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

"تَجْعَلُهٗ مِنْ نَصِيْبِيْ أَنَا أَيُّهَا الْأَمِيْرُ؟!."

تَرْجَمَہ: "امیر لشکر کیا آپ مال غنیمت میں سے میرا حصہ اس صورت میں عنایت کرنا چاہتے

ہیں؟''

امیر نے کہا: ہاں یہ آپ کا حصہ ہے۔

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

"لَاحَاجَةَ لِيْ بِهٖ أَيُّهَا الْأَمِيْرُ......

وَجُزِيْتَ وَ إِيَّاهُمْ عَنِّيْ خَيْرًا."

تَرجَمہ: ''امیر محترم! مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔

اللہ آپ کو اور ساری جماعت کے ساتھیوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔''

امیر نے کہا:

"أَقْسَمْتُ عَلَيْكَ بِاللّٰهِ لَتَأْخُذَنَّهٗ."

تَرجَمہ: ''میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں یہ تاج آپ کو ضرور لینا ہوگا۔''

جب امیر جماعت نے قسم کھا لی تو حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے تاج لے لیا، پھر امیر سے اجازت لی اور چلے گئے۔

جو لوگ حضرت محمد بن واسع ازدی کو جانتے نہیں تھے وہ بولے بڑے تعجب کی بات ہے کہ وہ تو تاج لے کر چلے گئے، یہ تو بالکل دنیادار ثابت ہوئے، تاج دیکھ کر ان کی آنکھیں بدل گئیں تاج قبضے میں لیا اور اپنے گھر چلے گئے۔

لیکن امیر یزید بن مہلب نے ایک شخص کو کہا ان کے پیچھے پیچھے جاؤ اور دیکھتے جاؤ کہ وہ اس تاج کا کیا کرتے ہیں اور چپکے چپکے جانا کہ ان کو پتہ نہ چلے۔

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اپنے خیالوں میں چلے جا رہے تھے تاج ان کے ہاتھ میں تھا۔

ایک فقیر بہت برے حال میں پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ان کے پاس آیا اور اس نے کہا:

اللہ کے مال میں سے مجھے بھی کچھ دے دو، شیخ نے اپنے دائیں بائیں اور پیچھے دیکھا، جب انہیں یقین ہو گیا کہ کوئی شخص ہمیں دیکھ نہیں رہا تو آپ نے فقیر کو وہ قیمتی تاج دے دیا اور خوشی خوشی اپنے ٹھکانے واپس جانے لگے، جیسے کسی شخص پر کوئی بوجھ ہو اور وہ بوجھ اتر جائے تو وہ کس طرح خوش ہوتا ہے چناں چہ فقیر وہ تاج لے کر خوشی سے ایک طرف کو چل دیا اور شیخ یہ بوجھ اپنے کندھوں سے اتار کر منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

امیر کے بھیجے ہوئے آدمی نے فقیر کو پکڑا اور سیدھا امیر کے پاس لے آیا اور پورا قصہ سنایا کہ اس طرح ان کو فقیر ملا، انہوں نے اس فقیر کو وہ تاج دے دیا اور خود چلے گئے اور اس فقیر کو میں آپ کے پاس لے آیا

ہوں۔

امیر نے فقیر سے وہ قیمتی تاج لے لیا اور اس کے بدلے اتنا مال دیا جس سے وہ خوش ہو گیا، پھر لشکر کی طرف دیکھ کر کہا:

"أَمَا قُلْتُ لَكُمْ: إِنَّهُ مَا زَالَ فِي أُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَنْ يَزْهَدُ بِهٰذَا التَّاجِ، وَأَمْثَالِ أَمْثَالِهِ."

تَرْجَمَہ: "کیا میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں ایسے اشخاص اب بھی موجود ہیں، جنہیں اس قسم کی دنیوی قیمتی چیزوں سے کوئی دل چسپی نہیں۔"

فریضۂ حج ادا کرنا

حضرت محمد بن واسع ازدی رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت یزید بن مہلب کی قیادت میں مشرکین کے خلاف جہاد میں مصروف تھے، یہاں تک کہ حج کا وقت قریب آ گیا حج میں بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے تھے۔ آپ نے امیر جماعت سے فریضہ حج ادا کرنے کے لیے اجازت طلب کی۔

امیر جماعت نے کہا: ابوعبداللہ اجازت آپ کے اختیار میں ہے آپ جب چاہیں جا سکتے ہیں، ہم نے آپ کے لیے کچھ مال کا بھی بندوبست کیا ہے، جو سفر میں آپ کے کام آئے گا۔ آپ نے فرمایا:

اے امیر لشکر! کیا آپ نے جماعت کے دوسرے ساتھیوں کو اتنا مال دیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا:

"لَاحَاجَةَ لِيْ بِشَيْءٍ أُخَصُّ بِهٖ مِنْ دُوْنِ جُنْدِ الْمُسْلِمِيْنَ."

مجھے کسی ایسی چیز کی ضرورت نہیں جو مجھے دوسرے ساتھیوں سے خاص بنا دے، میری حیثیت ایک عام مسلمان مجاہد کی طرح ہے۔ پھر ان سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے۔

مسلمانوں پر اور خود امیر جماعت پر ان کا سفر بہت مشکل گزرا، ان کی جدائی کا صدمہ ہر ایک کو تھا، ہر ایک ان کی مجلس یاد کرتا تھا اور ہر ایک کی تمنا تھی کہ وہ جلد ہی حج سے فارغ ہو کر سلامتی اور عافیت کے ساتھ دوبارہ ہمارے پاس لوٹ آئیں، بل کہ اور دوسری جماعتیں جو دوسرے ملکوں میں دعوت کا کام کر رہی تھیں ان کی بھی خواہش تھی کہ محمد بن واسع ازدی کچھ وقت ہماری جماعت کے ساتھ بھی گزار لیں ان کے علوم سے ہم بھی فائدہ اٹھائیں اور ان کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے سفر میں کامیاب فرمائے۔

فوائد ونصائح

بصرہ کے اس عابد پرہیز گار، رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے، عظیم مرتبہ شخصیت کی ایک اور ملاقات قتیبہ بن مسلم باہلی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ سے ہوئی جس کا تذکرہ اگلے صفحات میں ہے۔ اسے پڑھ کر آپ کا ایمان مزید تازہ ہو جائے گا اور اس کے تذکرے سے آپ اپنی منزل کا راستہ متعین کر سکیں گے۔

کس قدر معزز ہیں وہ ہستیاں جو اپنے آپ کو حقیر جانیں لیکن اللہ تعالیٰ اور عام لوگوں کے نزدیک اعلیٰ، اونچی شان والے اور محبوب ہوں ان مبارک، اور پاکیزہ ہستیوں کے تذکرے تاریخ کے اوراق میں جگہ جگہ لکھے ہوئے ہیں۔

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ خود کو اپنی نظر میں بڑا ثابت کرنے کے لیے نہ لگے رہیں اس سے خامیاں نظر نہیں آتیں۔ اس طرح آپ اپنی نظر میں تو بڑے بن جائیں گے اور دوسروں کی نظر میں چھوٹے بنیں گے۔ اونچا درجہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب آدمی اپنی نظر میں چھوٹا بنے اور اس کی فکر میں لگا رہے کہ میرے اندر کون کون سی خامیاں ہیں انہیں ایک ایک کرکے دور کرے تب جا کے متقیوں کا درجہ حاصل ہوگا۔

اسی درجہ کے لیے حدیث میں ایک دعا سکھلائی گئی ہے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَّفِيْ اَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا."[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! مجھے اعلیٰ درجے کا صبر کرنے والا اور نہایت شکر گزار بندہ بنا دے، اور مجھے اپنی نگاہ میں چھوٹا بنا دے اور لوگوں کی نگاہ میں بڑا بنا دے۔"

سُؤال: حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کا لقب کیا تھا اور وہ بصرہ میں کس نام سے پکارے جاتے تھے؟

سُؤال: امیر جماعت جب لڑائی کا حکم دیتے تو حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ اس پکار پر کیا کہتے تھے؟

سُؤال: امیر جماعت نے صلح کی پیش کش کو کن شرائط پر قبول کیا؟

سُؤال: حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے تاج کس کو دیا تھا اور کس وجہ سے دیا تھا؟

سُؤال: حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے کیسی زندگی گزاری؟

---

[1] مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ، كِتَابُ الْأَدْعِيَةِ، بَابُ الْأَدْعِيَةِ الْمَأْثُوْرَةِ الخ: ۲۱۱/۱۰

حضرت محمد بن واسع ازدی رحمہ اللہ تعالیٰ

(قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ)

"إِنَّ إِصْبَعَ مُحَمَّدِ بْنِ وَاسِعِ الْأَزْدِيِّ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَلْفِ سَيْفٍ شَهِيْرٍ ...... يَحْمِلُهَا أَلْفُ شَابٍّ طَرِيْرٍ......" (قتیبة بن مسلم)

ترجمہ: "محمد بن واسع ازدی کی وہ ایک انگلی جو اللہ تعالیٰ کی جانب اٹھی ہوئی ہے۔ مجھے ان ہزار قیمتی تلواروں سے زیادہ محبوب ہے، جو تجربہ کار، تیز طرار، جہاد کا جذبہ رکھنے والے نوجوانوں کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ہوں۔"

۸۷ ہجری کے حالات

اب ہم آپ کو ماضی کے دنوں میں ۸۷ ہجری میں لے جا رہے ہیں یہاں ایک مسلمانوں کے عظیم قائد قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بخارا کی طرف جا رہے ہیں اور یہ ارادہ ہے کہ ماوراء النہر کے باقی علاقوں اور پھر چین کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دیں گے، اگر انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو ہمارے بھائی بن جائیں گے ورنہ صلح کر کے ہمیں جزیہ دیں گے اور ہم آگے دوسرے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔

اور اگر یہ بھی قبول نہیں تو جنگ کریں گے۔ اہلِ بخارا کو جب پتا چلا کہ مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے تو وہ جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

اہلِ بخارا کو خطرناک صورت حال کا علم ہو گیا، انہوں نے ہر طرف جنگ کا اعلان کر دیا اور اپنے آس پاس آباد قوموں کو مدد کے لیے پکارا تو ہر رنگ، نسل، زبان اور مذہب کے لوگ گروہ کی صورت میں ان کے پاس پہنچنے لگے، یہاں تک کہ ان کی تعداد لشکرِ اسلام سے کہیں زیادہ بڑھ گئی۔

پھر یہ لوگ جنگی ہتھیاروں سمیت میدان میں نکلے اور لشکر اسلام کے سارے راستے بند کر دیے، یہاں تک کہ جرنیل حضرت قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ تعالیٰ کے لیے یہ ممکن ہی نہ رہا، کہ کسی جاسوس کو دشمن کی صفوں میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے بھیج سکیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی شخص واپس آ سکا، جنہیں دشمن کی پوشیدہ کاروائیوں کی کارگزاری کے لیے پہلے سے وہاں بھیج رکھا تھا۔

حضرت قتیبہ بن مسلم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے لشکر کے ساتھ بیکند شہر کے قریب (جو ماوراء النہر کے پاس تھا) مورچہ لگا لیا وہ یہاں جم کر بیٹھ گئے، نہ یہاں سے پیچھے ہٹتے تھے نہ آگے جاتے تھے۔

ہر روز صبح دشمن کی فوجیں نکلتی تھیں اور شام تک مسلمانوں کے لشکر کے بھگانے اور ان کے قدم اکھاڑنے کے لیے کوششیں کرتی رہتی تھیں۔ جب شام ہو جاتی تو واپس اپنے محفوظ اور مضبوط قلعوں میں چلی جاتی تھیں، یہ صورت حال مسلسل دو ماہ تک جاری رہی۔

جرنیل حضرت قتیبہ بن مسلم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بھی بڑے حیران پریشان تھے، انہیں کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ کیا کریں آگے بڑھیں یا پیچھے ہٹ جائیں۔

اس صورت حال کی خبر تمام مسلمان شہروں میں پھیل گئی، سارے مسلمان پریشان تھے کہ مسلمانوں کا اتنا بڑا لشکر آج غالب نہیں ہو رہا اور مسلمانوں کے اتنے بڑے قائد اپنے لشکر کے ساتھ پھنسے ہوئے ہیں۔ تمام شہروں کے اُمراء نے مساجد میں اعلان کر دیا کہ ہر نماز کے بعد دعا کی جائے، اس حکم کو پاتے ہی مساجد دعاؤں کی آواز سے گونج اٹھیں۔

تمام مسلمان رو رو کر دعائیں کرنے لگے۔ ائمہ کرام ہر نماز میں قنوتِ نازلہ (یعنی وہ دعا جو آخری رکعت میں رکوع کے بعد سجدے سے پہلے کسی اجتماعی مصیبت کے وقت پڑھی جاتی ہے) پڑھنے لگے۔

لشکر اسلام کو مدد پہنچانے کے لیے بہت سارے مسلمان میدان جنگ پر جانے کے لیے آمادہ ہوئے، ان سب کے آگے جلیل القدر تابعی حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مجاہدانہ شان وشوکت سے جا رہے تھے۔ ہر ایک کے دل میں ایک ہی تڑپ تھی کہ لشکرِ اسلام کو دشمن کے قبضے سے نکال کر دم لیں گے۔

تیذر کی غداری اور قتل

دشمنوں نے ایک چال یہ چلی کہ مسلمانوں کے اندر ہی غدار بنانے کی کوشش کی جائے اور وہ اس میں اس طرح کام یاب ہوئے کہ حضرت قتیبہ بن مسلم باہلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا ایک عجمی جاسوس جو عقل وسمجھ داری، اور سیاست میں مشہور تھا۔

اس کا نام تیذر تھا دشمن نے اس کے ساتھ رابطہ کر کے مال و دولت کا لالچ دے کر اس کو ورغلایا کہ وہ اپنی ذہانت کو استعمال کر کے مسلمانوں کے لشکر میں پھوٹ ڈال دے اور ایسی کوئی تدبیر کرے کہ مسلمان لڑے بغیر علاقہ چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔

مال و دولت کی پیش کش کو دیکھ کر تیذر پر لالچ کا غلبہ ہوا اور یہ لالچ ہی دنیا وآخرت دونوں کو تباہ کر دیتی

ہے، وہ سیدھا جرنیل حضرت قتیبہ بن مسلم باہلی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے پاس گیا۔ ان کے ہاں مسلم کمانڈروں اور اہل شوریٰ مشورے کے لیے بیٹھے ہوئے تھے وہ بے دھڑک اجازت لیے بغیر جرنیل کے پہلو میں جا بیٹھا۔

پھر جھک کر ان کے کان میں کہا مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے ہو سکے تو آپ مجلس ختم کر دیں، جرنیل نے اہلِ مجلس کو چلے جانے کا اشارہ کیا، لیکن صرف ضرار بن حصین کو اپنے پاس روک لیا۔

تیذر جاسوس نے بڑے رازدارانہ انداز میں جرنیل سے کہا:

"لَكَ عِنْدِيْ أَخْبَارٌ أَيُّهَا الأَمِيرُ ......"

تَرْجَمَہ: "جناب میرے پاس آپ کے لیے بہت اہم خبریں ہیں۔"

جرنیل نے کہا:

"هَاتِهَا."

تَرْجَمَہ: "جلدی کیجیے (بتایئے کون سی خبریں ہیں)"

تیذر نے کہا:

"إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. فِيْ دِمَشْقَ. قَدْ عَزَلَ الْحَجَّاجَ بْنَ يُوسُفَ الثَّقَفِي ......
وَعَزَلَ القُوَّادَ الَّذِيْنَ يَتْبَعُوْنَهُ، وَأَنْتَ وَاحِدٌ مِنْهُمْ ......"

تَرْجَمَہ: "امیر المؤمنین نے دمشق کے اندر گورنر حجاج بن یوسف کو اس کے عہدہ سے ہٹا دیا اور اس کے ساتھ، ان تمام امیروں کو بھی ان کے عہدوں سے ہٹا دیا ہے جو حجاج کے ماتحت کام کرتے تھے۔ اور ان ہٹائے جانے والوں میں آپ کا نام بھی ہے۔"

نئے کمانڈروں کو مقرر کر دیا گیا ہے اور وہ اپنے عہدے سنبھالنے کے لیے دارالحکومت دمشق سے روانہ ہو چکے ہیں۔ آپ کی جگہ لینے کے لیے بھی ایک کمانڈر صبح یا شام تک پہنچنے والا ہے۔

میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ لشکر اس علاقے سے واپس لے جائیں، یہاں جنگ کے علاقے سے دور مرو (شہر) جا کر سوچتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے، لہٰذا یہاں سے فوری طور پر چلنا چاہیے۔

تیذر اپنی بات ابھی پوری کرنے پایا ہی تھا کہ جرنیل حضرت قتیبہ بن مسلم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے اپنے غلام، جس کا نام سیاہ تھا کو حکم دیا کہ ادھر آؤ اور کہا اس دھوکے باز، غدار اور خائن کی گردن اڑا دو۔ اس نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کی گردن اڑا دی۔

جرنیل حضرت قتیبہ بن مسلم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے اپنے پاس بیٹھے ضرار بن حصین سے کہا: دیکھو جو اس نے یہ جھوٹی خبر بتلائی روئے زمین پر میرے اور تمہارے سوا کسی کو یہ خبر نہیں۔

میں اللہ اعلیٰ اور عظیم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر لڑائی ختم ہونے سے پہلے کسی کو تم نے بتایا تو تمہارا انجام بھی اس دھوکے باز جیسا ہوگا۔ اگر کوئی ایسا خیال بھی دل میں آجائے تو زبان بند رکھنا۔ خوب اچھی طرح جان لو اس جھوٹے راز کے پھیلانے سے مسلمانوں کی طاقت کم زور ہو جائے گی، ان کے پاؤں میدانِ جہاد سے اکھڑ جائیں گے۔ جس سے ہمیں عبرت ناک شکست سے دوچار ہونا پڑے گا۔

پھر آپ نے کمانڈر اور اہل شوریٰ کو اجازت دے دی وہ آپ کے پاس اندر آئے جب انہوں نے تیذر کو زمین پر گرا ہوا خون میں لت پت دیکھا تو حیران رہ گئے اور تعجب کرنے لگے کہ یہ تو ہمارا جاسوس تھا اس کو امیر نے قتل کیوں کروا دیا؟ امیر نے ان سے کہا:

"مَا يَرُوْعُكُمْ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ غَادِرٍ خَائِنٍ؟!."

تَرجَمَہ: "خوف و ہراس میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی تعجب کی بات ہے۔ میں نے آج ایک غدار، خائن اور دھوکے باز کو قتل کیا ہے۔"

انہوں نے کہا: ہم تو اسے مسلمانوں کا خیر خواہ سمجھتے تھے۔

جرنیل نے بتایا، یہ مسلمانوں کا غدار تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے گناہ کی بنا پر دنیا ہی میں سزا دے دی، مجھے تو آج اس کی اصلیت کا پتا چلا، آج اس نے ایک ایسا داؤ لگانے کی کوشش کی اگر میں اس کے چکر میں آجاتا تو لشکرِ اسلام کو بھاری جانی و مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑتا، اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے جرم کی سزا دی ہے، پھر بلند آواز سے کہا:

"وَالْاٰنَ انْصَرِفُوْا إِلٰى قِتَالِ عَدُوِّكُمْ ...... وَالْقَوْهُ بِقُلُوْبٍ غَيْرِ الْقُلُوْبِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تَلْقَوْنَهُ بِهَا مِنْ قَبْلُ."

تَرجَمَہ: "میرے شیر دل جوانو! دشمن کا صفایا کرنے کے لیے میدان میں اترو، ایک ایسا زوردار حملہ کرو جس سے دشمن کے پاؤں اکھڑ جائیں۔ (آج جرأت، بہادری اور زندہ دلی کی مثال قائم کر دو، تمام مسلمانوں کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں۔ اسلام کی حفاظت کے لیے آگے بڑھو فتح و کام یابی تمہارا مقدر بننے والی ہے)۔"

امیر کی لشکر کو تسلی اور حضرت محمد بن واسع رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا دعائیں مانگنا

مسلمانوں کا لشکر اپنے امیر کا حکم پا کر میدان میں اتر گیا، دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے، مسلمانوں نے

جب دشمن فوج کی تعداد اور تیاری دیکھی تو کچھ گھبرائے، جرنیل حضرت قتیبہ بن مسلم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حالات کا جائزہ لیا اور لشکر میں پھیلے ہوئے خوف و ہراس کا اندازہ کیا تو جوانوں کو حوصلہ دلانے کے لیے لشکر میں تیزی سے چکر لگانا شروع کیا ان کو تسلی دی، جہاد کی ترغیب دی، موت اور بزدلی سے ڈرایا کہ مسلمان بزدل نہیں ہوتا، موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے پہلے موت نہیں آئے گی، پھر کیا ڈرنا اور یہ موت تو مبارک موت ہے جو خوش نصیب لوگوں کو ملتی ہے۔

جہاں سے گزرتے آپ کی ہمت اور بہادری کو دیکھ کر مجاہدین کے حوصلے بلند ہو جاتے۔ ایک جگہ رک کر جرنیل نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پوچھا:

"أَيْنَ مُحَمَّدُ بْنُ وَاسِعِ الْأَزْدِيُّ؟!"

تَرْجَمَہ: "محمد بن واسع ازدی نظر نہیں آ رہے وہ کہاں چلے گئے؟"

مجاہدین نے بتایا:

"إِنَّهُ هُنَاكَ فِي الْمَيْمَنَةِ أَيُّهَا الْأَمِيرُ."

تَرْجَمَہ: "وہ لشکر کی دائیں جانب کھڑے ہیں۔"

پوچھا: وہ وہاں کیا کر رہے ہیں؟

انہوں نے بتایا اپنے نیزے پر ٹیک لگائے نگاہیں اوپر اٹھائے آسمان کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کر رہے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے انگلی کے اشارے سے اللہ تعالیٰ دشمن کی تباہی اور لشکر اسلام کی فتح و کامیابی کی دعا کر رہے ہیں۔ مجاہدین نے پوچھا: کیا ہم انہیں بلا لائیں؟

امیر نے کہا: نہیں انہیں وہیں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنے میں لگے رہنے دو۔

پھر فرمایا:

"وَاللّٰهِ إِنَّ تِلْكَ الْإِصْبَعَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَلْفِ سَيْفٍ شَهِيْرٍ، يَحْمِلُهَا أَلْفُ شَابٍّ طَرِيْرٍ......

اتْرُكُوْهُ يَدْعُوْ......

فَمَا عَرَفْنَاهُ إِلَّا مُسْتَجَابَ الدُّعَاءِ......"

تَرْجَمَہ: "ربّ کائنات کی قسم! مجھے ان کی یہ انگلی جو اللہ تعالیٰ کی جانب اٹھی ہوئی ہے، ان ہزاروں قیمتی تلواروں سے زیادہ محبوب ہے جو تجربہ کار، تیز طرار جہاد کا جذبہ رکھنے والے نوجوانوں کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی ہوں۔ انہیں اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ دعا میں مشغول رہنے دو۔ ہم نے ان کو

اکثر مستجاب الدعوات لوگوں میں پایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرتے ہیں۔"

مسلمانوں کی فتح اور ایک قیدی کا قتل

دونوں لشکر آمنے سامنے آئے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح ٹکرائے جیسے سمندر کی طوفانی موجیں آپس میں ٹکراتی ہیں۔

مجاہدین نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر سکون واطمینان نازل کیا۔

یہ دن بھر دشمن پر تلوار بازی اور تیر اندازی کرتے رہے۔ یہ سلسلہ شام تک اسی طرح جاری رہا۔ شام ہوتے ہی دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، مسلمان مجاہدین نے بہادری کے ساتھ ان کا پیچھا کیا بہت سے کفار قتل ہوئے، بعضوں کو قیدی بنا دیا گیا اور بعضوں نے فدیہ (ٹیکس کی رقم) ادا کر کے صلح کا پیغام امیر کو بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

قیدیوں میں ایک ایسا شخص گرفتار ہوکر آیا جس نے مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، وہ اپنی قوم کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا اس کی سازش مسلمانوں کے خلاف بہت زیادہ تھی اس نے امیر جماعت سے کہا:

"أَنَا أَفْدِيْ نَفْسِيْ أَيُّهَا الْأَمِيرُ."

تَرجَمَہ: "امیر لشکر! میں اپنا فدیہ ادا کر کے قید سے آزادی چاہتا ہوں۔"

آپ نے پوچھا کیا فدیہ ادا کرو گے؟

اس نے کہا: پانچ ہزار گز ملک چین کا بنا ہوا ریشم کا قیمتی کپڑا ادا کروں گا۔

جرنیل نے لشکر کے احباب حل وعقد (سوچ بچار کرنے والے) سے پوچھا تمہاری کیا رائے ہے؟

سب نے کہا: فدیہ وصول کر کے اسے چھوڑ دیا جائے، اس فتح وکام یابی کے بعد اس قسم کے برے لوگ مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے، اس کپڑے سے بیت المال میں ایک قیمتی چیز کا اضافہ ہوگا جس سے مسلمانوں کو خاطر خواہ فائدہ پہنچے گا۔

جرنیل نے حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے رائے طلب کی۔

انہوں نے فرمایا:

"أَيُّهَا الْأَمِيرُ، إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ لِجَمْعِ الْغَنَائِمِ، وَتَكْدِيْسِ

الأَمْوَالِ، وَ إِنَّمَا خَرَجُوْا مَرْضَاةً لِلّٰه......

وَنَشْرًا لِدِيْنِهِ فِي الأَرْضِ......

وَقَهْرًا لِأَعْدَائِهِ......"

تَرْجَمَۃ: ''مسلمان اپنے گھروں سے مالِ غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے نہیں نکلے اور نہ ہی مال و دولت جمع کرنا ان کی زندگی کا مقصد ہے۔

وہ تو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے اور پوری زمین پر اس کا دین پھیلانے کے لیے نکلے ہیں۔

اسلام کے دشمنوں کو کم زور کرنے کے لیے نکلے ہیں۔

میری رائے میں یہ شخص کسی وقت بھی مسلمانوں کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔''

جرنیل حضرت قتیبہ بن مسلم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے یہ بات سن کر کہا:

''جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا......

وَاللّٰهِ لَا أَدَعُهُ يُرَوِّعُ امْرَأَةً مُسْلِمَةً بَعْدَ السَّاعَةِ، وَلَوْ بَذَلَ مَالَ الدُّنْيَا فِدَاءً لِنَفْسِهِ......

تَرْجَمَۃ: ''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے، اللہ کی قسم! میں کسی ایسے شخص کو معاف نہیں کروں گا جو کسی بھی مسلمان کو تکلیف پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہو، خواہ وہ پوری دنیا کا مال اپنے فدیہ میں ادا کرنے کے لیے تیار ہو۔''

واقعی ہم اپنے گھروں سے مال اکٹھا کرنے کے لیے نہیں نکلے، ہمارا اصل کام اللہ کے دین کی سربلندی اور اسلام کے دشمنوں کا مکمل خاتمہ ہے پھر جرنیل نے اس شریر و سخت ظالم کافر کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

آپ کے گورنروں سے تعلقات

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا تعلق بنو امیہ کے امراء میں سے صرف حضرت یزید بن مہلب اور حضرت قتیبہ بن مسلم باہلی رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالیٰ کے ساتھ ہی نہیں رہا، بل کہ ان کے علاوہ بھی کئی ایک گورنروں اور سربراہوں کے ساتھ تعلقات رہے، ان میں سب سے زیادہ نمایاں اور قابلِ رشک تعلقات بصرہ کے گورنر بلال بن ابی بردہ کے ساتھ رہے۔

ایک دن محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اون کی موٹی کھردری اور پھٹی پرانی قمیص پہنے گورنر کے پاس آئے۔ گورنر بلال نے پوچھا:

"مَا يَدْعُوْكَ إِلٰى لُبْسِ هٰذَا الْكِسَاءِ الْخَشِنِ يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ؟"

تَرْجَمَہ: "ابوعبداللہ ایسی پھٹی پرانی قمیص پہننے کی آپ کو کیا ضرورت ہے؟"

اللہ نہ کرے کیا کوئی ایسی مجبوری ہے؟"

انہوں نے گورنر کی بات سنی اَن سنی کر دی اور اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ انہوں نے دوبارہ کہا:

ابوعبداللہ کیا بات ہے آپ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

فرمایا:

"أَكْرَهُ أَنْ أَقُوْلَ زُهْدًا فَأُزَكِّيَ نَفْسِيْ......"

تَرْجَمَہ: "یہ بات بھی پسند نہیں کہ اپنے آپ کو زاہد (دنیا کا چھوڑنے والا) بتاؤں کہ میں نے جان بوجھ کر یہ پہنا۔"

وَأَكْرَهُ أَنْ أَقُوْلَ فَقْراً فَأَشْكُوَ رَبِّيْ......

وَأَنَا لَا أُرِيْدُ هٰذَا وَلَا ذَاكَ."

تَرْجَمَہ: "اسی طرح مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ اپنے رب کی ناشکری کر کے اپنے رب کی شکایت کروں (کہ اس نے مجھے اتنا اچھا لباس نہیں دیا کہ میں پہن سکوں، یہ ناشکری بیان کرنے کا انداز مجھے پسند نہیں)۔"

یہ دونوں انداز مجھے پسند نہیں اس لیے خاموشی اختیار کی۔

اور فرمایا: میری ایسی کوئی ضرورت نہیں جس کا سوال میں لوگوں سے کروں۔

ہاں اپنے مسلمان بھائی کی ایک ضرورت آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

"فَإِنْ أَذِنَ اللّٰهُ فِيْ قَضَائِهَا قَضَيْتَهَا، وَكُنْتَ مَحْمُوْدًا ......

وَإِنْ لَمْ يَأْذَنْ فِيْ قَضَائِهَا لَمْ تَقْضِهَا، وَكُنْتَ مَعْذُوْراً."

تَرْجَمَہ: "اگر آپ اسے اللہ کی توفیق سے پورا کر دیں گے تو قابل تعریف ہوں گے اور اگر پورا نہ کر سکیں گے تو پھر بھی آپ سے کوئی شکوہ شکایت نہیں بل کہ آپ کو مجبور سمجھا جائے گا۔"

گورنر بلال نے کہا ہم اسے ضرور پورا کریں گے۔

ارشاد فرمایئے اسے کیا ضرورت ہے؟

آپ نے وہ ضرورت بتا دی جسے اسی وقت پورا کر دیا گیا۔

گورنر بلال نے پوچھا موت اور تقدیر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

فرمایا:

''إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَا يَسْأَلُ عِبَادَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَنِ الْقَضَاءِ وَالْقَدَرِ......
وَ إِنَّمَا يَسْأَلُهُمْ عَنْ أَعْمَالِهِمْ.''

تَرجَمَہ: ''قیامت کے روز اللہ تعالیٰ موت اور تقدیر کے متعلق سوال نہیں کرے گا، بل کہ ہر ایک سے اس کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔''

گورنر یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور خاموش ہو گیا۔

ابھی وہ اپنی جگہ پر ہی بیٹھا تھا کہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ گورنر نے حضرت محمد بن واسع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو کھانے کی دعوت دی۔ انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس نے بڑا ہی زور لگایا لیکن آپ کھانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

گورنر بلال کو غصہ آ گیا کہ میں اتنی عاجزی سے ان کو دعوت دے رہا ہوں اور یہ انکار کر رہے ہیں تو ناراض ہو کر کہا:

''أَرَاكَ تَكْرَهُ أَنْ تُصِيبَ شَيْئًا مِنْ طَعَامِنَا يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ!!!.''

تَرجَمَہ: ''اے ابوعبداللہ! میرے خیال میں آپ ہمارے کھانے سے کوئی لقمہ اٹھانا مکروہ سمجھتے ہیں۔''

فرمایا: امیر صاحب! یہ بات نہ کہیں یہ بات بالکل نہیں۔ پھر ارشاد فرمایا:

اے امراءِ بنی امیہ! تم میں سے جو بہتر ہیں وہ ہمیں اپنی اولاد اور خاندان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، کھانے کی مجھے طلب نہیں ورنہ ضرور آپ کے ساتھ کھانا کھا لیتا۔

قاضی کا عہدہ قبول نہ کرنا

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو کئی مرتبہ قاضی (یعنی ملک کا جج) بننے کے لیے پیشکش کی گئی، لیکن آپ نے ہمیشہ اس عہدے کو قبول کرنے سے سختی سے انکار کیا اور اس انکار کی وجہ سے اپنے آپ کو تکلیف میں مبتلا کرنا گوارا کر لیا۔

ایک مرتبہ بصرہ کی پولیس کے سربراہ محمد بن منذر نے انہیں اپنے پاس بلایا۔ آپ تشریف لے گئے۔

اس نے کہا: عراق کے گورنر نے مجھ سے مطالبہ کیا ہے کہ میں آپ کو قاضی کے منصب پر فائز کروں۔

آپ نے فرمایا:

"اُعْفُوْنِیْ مِنْ ذٰلِكَ عَافَاكُمُ اللّٰهُ."

تَرجَمۃ: "(مجھے یہ عہدہ پسند نہیں) میں معافی چاہتا ہوں مجھے اس عہدہ سے دور رکھیں اللہ تعالیٰ آپ پر کرم کرے۔"

اس نے دو تین مرتبہ اپنا مطالبہ دہرایا اور انہیں مجبور کیا کہ قاضی کا منصب سنبھال لیں، لیکن آپ نے بڑی سختی سے اس کا انکار کیا، پولیس کے سربراہ نے تنگ آ کر کہا:

"وَاللّٰهِ لَتَتَوَلَّيَنَّ الْقَضَاءَ، أَوْ لَأَجْلِدَنَّكَ ثَلَاثَ مِائَةِ جَلْدَةٍ، وَلَأُعَذِّرَنَّكَ."

تَرجَمۃ: "اللہ کی قسم! آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا، ورنہ میں آپ کو سرِ عام تین سو کوڑے لگا کر رسوا کروں گا۔"

آپ نے بڑے اطمینان سے فرمایا: میرے ساتھ یہ سلوک کرنا پسند کرتے ہیں تو بڑی خوشی سے شوق سے پورا کیجیے:

"وَ إِنَّ مُعَذَّبَ الدُّنْيَا خَيْرٌ مِنْ مُعَذَّبِ الْاٰخِرَةِ ......"

تَرجَمۃ: "میرے نزدیک دنیا کی تکلیف آخرت کی تکلیف سے کہیں بہتر ہے۔"

پولیس کا سربراہ یہ جواب سن کر شرمندہ ہوا اور انہیں ادب و احترام اور حسنِ سلوک سے رخصت کیا۔

آپ کی علمی مجلس

بصرہ کی مرکزی مسجد حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی علمی مجلس کی وجہ سے علم وفقہ کے طالب علموں کے لیے مدرسہ اور ٹھکانا بنی ہوئی تھی۔

تاریخ وسیرت کی کتابیں اس مجلس کی داستان سے بھری پڑی ہیں، اہلِ مجلس میں سے ایک شخص نے کہا:

"اَوْصِنِيْ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ."

تَرجَمۃ: "ابوعبداللہ! مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔"

فرمایا:

"أُوْصِيْكَ أَنْ تَكُوْنَ مَلِكًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ."

تَرجَمۃ: "میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو دنیا و آخرت کا بادشاہ بن جا۔"

سوال کرنے والا حیرانی سے پوچھتا ہے جناب یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

فرمایا:

"اِزْهَدْ بِعَرَضِ الدُّنْيَا تَكُنْ مَلِكًا هُنَا بِالْاِسْتِغْنَاءِ عَمَّا فِيْ أَيْدِي النَّاسِ......
وَمَلِكًا هُنَاكَ بِالفَوْزِ بِمَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ حُسْنِ الثَّوَابِ ......"

تَرجَمہ: "جو کچھ لوگوں کے قبضہ میں دنیا کا مال ہے اس سے بے غرض ہو جاؤ، تو تم دنیا کے بادشاہ ہو گے۔

(لوگوں کی چیزوں کی طرف ان کے مالوں کی طرف لالچی نظروں سے مت دیکھو)۔

اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت میں ہے اسے اپنے نیک عمل سے حاصل کرنے کی کوشش کرو تو آخرت کے بادشاہ بن جاؤ گے۔"

اہلِ مجلس میں سے ایک شخص نے کہا:

"اِنِّيْ لَأُحِبُّكَ فِي اللّٰهِ يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ."

تَرجَمہ: "جناب! میں آپ سے اللہ کی رضا کے لیے محبت کرتا ہوں۔"

فرمایا:

"أَحَبَّكَ اللّٰهُ الَّذِيْ أَحْبَبْتَنِيْ مِنْ أَجْلِهِ......"

تَرجَمہ: "اللہ آپ سے محبت کرے، جس نے آپ کو اپنی خاطر مجھ سے محبت کرنے کی توفیق عطا کی۔"

پھر وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ أَنْ أُحَبَّ فِيْكَ وَأَنْتَ لِيْ مَاقِتٌ."

تَرجَمہ: "الٰہی! میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ تیری محبت کی جائے، اور تو مجھ سے ناراض ہو الٰہی! تو مجھ سے راضی ہو جا میرے گناہ بخش دے۔"

آپ کی تواضع وتقویٰ

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالٰی جب بھی کسی کو اپنی تعریف بیان کرتے ہوئے سنتے تو ارشاد فرماتے:

"لَوْكَانَ لِلذُّنُوْبِ رَائِحَةٌ تَفُوْحُ مَااسْتَطَاعَ أَحَدٌ مِنْكُمْ أَنْ يَدْنُوَ مِنِّيْ لِمَا يُصِيْبُهُ مِنْ أَذٰى رَائِحَتِيْ."

تَرجَمہ: "اگر گناہوں کی بو محسوس ہوتی تو کوئی شخص بھی میرے قریب ان گناہوں کی بو کی وجہ سے

نہ آسکتا، کیوں کہ میں بہت بڑا گنہگار ہوں، گناہوں کی دلدل میں پھنسا ہوا ہوں۔“

وہ ہمیشہ اپنے طلبہ کو قرآن مجید کے احکامات پر عمل کرنے اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے۔

وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

”اَلْقُرْآنُ بُسْتَانُ الْمُؤْمِنِ......

فَأَيْنَمَا حَلَّ مِنْهُ، نَزَلَ فِيْ رَوْضَةٍ......“

تَرْجَمَہ: ”قرآن مجید مؤمن کا باغ ہے، اس باغ میں جہاں سے بھی کوئی گزرے گا اسے خوشبو اور تروتازگی محسوس ہوگی۔“

(لہٰذا ہمیں بھی قرآنِ کریم کی تلاوت اہتمام سے کرنی چاہئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہر ماہ چاند کی پہلی تاریخ سے قرآن کریم شروع کریں اور آخری تاریخ پر ختم کریں، جب کوئی پوچھے کہ آج تاریخ کیا ہے تو پارے کے حساب سے اندازہ لگائیں مترجم)

اسی طرح وہ ہمیشہ کم کھانے کی تلقین کیا کرتے تھے وہ اکثر فرمایا کرتے تھے:

”مَنْ قَلَّ طَعَامُهُ فَهِمَ، وَأَفْهَمَ ...... وَصَفَا وَرَقَّ......“

تَرْجَمَہ: ”جس نے کم کھانا کھایا اس نے سمجھ بوجھ عقل و ذہانت اور اخلاص میں نمایاں مقام حاصل کیا، کھانے کی زیادتی انسان کو مست اور بوجھل بنا دیتی ہے اور بہت سے نیکی کے کاموں سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔“

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تقویٰ و پاکیزگی میں ایک نمایاں مقام حاصل کیا۔ ان کے پاکیزہ اخلاق اور تقویٰ کے کئی قصے منقول ہیں۔ ایک بازار میں انہیں اپنا گدھا فروخت کرتے ہوئے دیکھا گیا۔

کسی نے پوچھا جناب! کیا یہ گدھا آپ میرے لیے پسند کرتے ہیں کہ میں اسے خریدلوں؟

فرمایا اگر یہ گدھا مجھے پسند ہوتا تو اسے بیچتا ہی کیوں۔

حضرت محمد بن واسع ازدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی پوری زندگی گناہوں سے ڈرتے ہوئے گزاری، انہیں ہمیشہ اپنے رب کے سامنے قیامت کے دن پیش ہونے کا احساس رہتا تھا، آپ سے پوچھا گیا:

”كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ؟.“

تَرْجَمَہ: ”ابوعبداللہ! صبح کیسے گزری؟“

فرمایا:

''أَصْبَحْتُ قَرِيبًا أَجَلِيْ......
بَعِيدٌ أَمَلِيْ......
سَيِّئًا عَمَلِيْ......''

ترجمہ: ''اپنی موت کو قریب سمجھتے ہوئے امید و توقع کو دور سمجھتے ہوئے اور اپنی بدعملی کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھتے ہوئے صبح گزاری۔''

جب یہ سوال کرنے والوں کے چہروں پر خوف و ہراس اور دہشت کے آثار دیکھتے تو ارشاد فرماتے: آپ کا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو ہر روز آخرت کی طرف اپنی منزل کا ایک مرحلہ طے کر لیتا ہو؟

وفات

جب حضرت محمد بن واسع ازدی رحمہ اللہ تعالیٰ بہت سخت بیمار ہوئے تو عیادت کرنے والوں کا آپ کے گھر جمگھٹا ہو گیا، کثرت سے لوگ آ جا رہے تھے اور بہت سے آپ کے گھر کھڑے اور بیٹھے تھے۔ آپ نے پہلو بدل کر چہرہ اپنے عزیز کی طرف کیا اور فرمایا:

مجھے یہ بات بتاؤ جب مجھے پیشانی اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا تو یہ لوگ مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکیں گے، اگر مجھے پکڑ کر جہنم میں ڈالا گیا تو کیا یہ لوگ مجھے چھڑا سکیں گے؟

پھر اپنے ربّ سے التجا کرنے لگے:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ مَقَامِ سُوْءٍ قُمْتُهُ......
وَمِنْ كُلِّ مَقْعَدِ سُوْءٍ قَعَدْتُهُ......
وَمِنْ كُلِّ مَدْخَلِ سُوْءٍ دَخَلْتُهُ......
وَمِنْ كُلِّ مَخْرَجِ سُوْءٍ خَرَجْتُهُ......
وَمِنْ كُلِّ عَمَلِ سُوْءٍ عَمِلْتُهُ......
وَمِنْ كُلِّ قَوْلِ سُوْءٍ قُلْتُهُ......
اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَغْفِرُكَ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ، فَاغْفِرْهُ لِيْ......
وَأَتُوبُ لَكَ مِنْهُ، فَتُبْ عَلَيَّ ......''

ترجمہ: ''الٰہی! میں ہر اس برے مقام پر جہاں میں زندگی میں کھڑا ہوا تھا اور جہاں میں بیٹھا ہوا تھا اس سے معافی چاہتا ہوں۔

الٰہی! ہر بری جگہ جہاں میں گیا تھا اور جہاں سے آیا تھا اس سے معافی چاہتا ہوں۔
الٰہی! ہر برا عمل جو میں نے کیا اور ہر بری بات جو میں نے کہی اس سے معافی کا طلب گار ہوں۔
الٰہی! میں تمام گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں مجھے معاف کر دے، مجھ پہ نظر کرم فرما۔"
میں گرفتار ہو کر تیرے حضور پیش کیے جانے سے پہلے ہی پر امن اور سلامتی کے ساتھ تجھ سے ملاقات کی دلی تمنا رکھتا ہوں، یہ فرمایا اور آپ کا انتقال ہو گیا۔

فَوائِدْ وَنَصَائِحُ

حضرت محمد بن واسع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے واقعہ سے ایک سبق ہمیں یہ ملا کہ ہم اپنی حاجت وضرورتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں، کسی مخلوق سے کوئی حاجت ہو تو بھی پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگیں پھر مخلوق کے سامنے ذکر کریں، جس طرح بصرہ کے گورنر بلال بن ابی بردہ نے محمد بن واسع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے پوچھا تھا:

"اَلَكَ مِنْ حَاجَةٍ يَا اَبَا عَبْدِاللّٰهِ؟"

تَرجَمَۃ: "ابو عبداللہ! کوئی ضرورت ہو تو بتائیں ہم اسے پورا کر دیں گے۔"

انہوں نے جواب دیا:

"أَمَّا أَنَا فَمَا لِيْ مِنْ حَاجَةٍ أَسْأَلُهَا أَحَدًا مِنَ النَّاسِ......
وَ إِنَّمَا أَتَيْتُكَ فِيْ حَاجَةٍ لِأَخٍ مُسْلِمٍ......"

تَرجَمَۃ: "میری ایسی کوئی ضرورت نہیں جس کا سوال میں لوگوں سے کروں، ہاں اپنے مسلمان بھائی کی ایک ضرورت آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں (اگر آپ اسے اللہ کی توفیق سے پورا کر دیں گے، تو قابلِ تعریف ہوں گے اور اگر اللہ کو یہ پورا کروانا آپ سے منظور نہیں تو ہم آپ کو مجبور سمجھیں گے)۔"

ہم سب کو بھی اس بات کی مشق کرنی چاہیے کہ ہر حاجت وضرورت میں ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مانگیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مؤمن کے لیے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں دراصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور معتمد ترین (مکمل اعتماد والا) طریقہ جو رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ نماز حاجت ہے جن بندوں کو ان سچی اور پکی باتوں پر یقین ہے ان کا یہی تجربہ ہے کہ انہوں نے "نماز حاجت" کو اللہ تعالیٰ کے خزانوں کی کنجی (چابی) پایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں اُن حاجتوں کے لیے بھی "نماز حاجت" تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندے سے ہو۔

اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجت کے لیے بھی نماز حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا تو اس کا یہ عقیدہ ویقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا دراصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے، بل کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور اس بندہ کو اللہ تعالیٰ نے صرف ذریعہ بنایا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ پختہ یقین عطا فرما دے۔ آمین

مذاکرہ

سُؤال: مسلمانوں کے عظیم قائد حضرت قتیبہ بن مسلم باہلی رحمہ اللہ تعالیٰ بخارا کی طرف کس ارادے سے جارہے تھے؟

سُؤال: دشمنوں نے مسلمانوں کے خلاف کون سی چال چلی؟

سُؤال: تیز رجاسوس نے مسلمانوں کے لشکر کے امیر کو کیا ہدایت کی تھی؟

سُؤال: جناب محمد بن واسع ازدی رحمہ اللہ تعالیٰ نے انتقال کے وقت اللہ تعالیٰ سے کیا التجا کی تھی؟

سُؤال: امیر لشکر نے میدانِ جنگ میں حضرت محمد بن واسع ازدی رحمہ اللہ تعالیٰ کو نہ پاکر ان کے متعلق کیا فرمایا؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ

(کے تین دل چسپ واقعات)

"عُمَرُ بْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ مَعْدُوْدٌ عِنْدَ أَھْلِ الْعِلْمِ مِنَ الْعُلَمَاءِ الْعَامِلِیْنَ وَالْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ" (الذھبی)

ترجمہ: "اہلِ علم کے ہاں ان کا شمار پرہیزگار علماء اور خلفاء راشدین کی جماعت میں تھا۔"

پانچویں خلیفہ کی زندگی کے حالات کا ذکر بہت مبارک ہے، ان کے متعلق گفتگو مشک سے زیادہ خوش بودار اور ہرے بھرے باغ سے زیادہ خوب صورت ہے۔ ان کی زندگی کے حالات کا تذکرہ ایک ایسے خوش رنگ اور خوشبو سے بھرے دلکش باغ کی طرح ہے کہ اس باغ میں آپ جہاں بھی سیر وتفریح کے لیے پھریں آپ کو وہاں تروتازہ گھاس پودے، خوب صورت پھول، اور عمدہ مزیدار خوش ذائقہ تازہ پھل دکھائی دیں گے۔

اگرچہ اس مختصر کتاب میں ہم ان کی زندگی کے حالات کی تفصیل نہیں لکھ سکتے جو تاریخ کی کتابوں میں بھری پڑی ہے، اس کے باوجود اس مبارک باغ سے چند مبارک پھول وکلیاں چن سکتے ہیں (یعنی ان کی زندگی کے کچھ واقعات ذکر کر سکتے ہیں) اور ان کے تذکرہ سے اپنے ایمان میں اضافہ حاصل کر سکتے ہیں۔

عربی کا ایک مشہور جملہ ہے:

"مَالَا یُدْرَکُ کُلُّهُ لَا یُتْرَکُ بَعْضُهُ."

ترجمہ: "جو چیز مکمل حاصل نہ کی جا سکے اس کے کچھ حصے کو چھوڑ دینا کوئی عقل مندی نہیں۔"

اسی جملے کا خیال رکھتے ہوئے ہم ان کی سیرت مبارکہ (حالاتِ زندگی) میں سے تین واقعات آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں یہ دعا کرتے ہوئے کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ لکھنا آسان فرمادے اور ہم سب کے لیے ان واقعات کو ہدایت کا ذریعہ بنا دے، آمین۔

پہلا واقعہ

اس واقعہ کو روایت کرنے والے آپ جانتے ہیں کون ہیں؟ یہ وہی مدینہ کے بڑے عالم اور مشہور قاضی اور قابل احترام بزرگ جناب سلمہ بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جو ابوحازم اعرج کے نام سے پہچانے جاتے

ہیں۔

وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے پاس گیا، وہ سرزمین شام کے مشہور شہر ''حلب'' کے معاملات کو نمٹانے میں انتہائی مصروف تھے، ان دنوں میں بھی بوڑھا ہو چکا تھا۔

میرے اور ان کے درمیان ملاقات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا، میں نے انہیں اپنے گھر کے ایک کمرے میں بیٹھے دیکھا۔ میں انہیں پہچان نہ سکا، کیوں کہ میں نے بہت پہلے انہیں اس وقت دیکھا تھا جب وہ مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔

انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور فرمایا: ابوحازم میرے قریب بیٹھو! میں جب ان کے پاس قریب ہو کر بیٹھا تو میں نے سوال کیا:

''أَلَسْتَ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ بْنَ عَبْدِالعَزِيْزِ؟

تَرْجَمَہ: ''کیا آپ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز نہیں ہیں؟''

فرمایا:

''بَلٰی ......''

تَرْجَمَہ: ''کیوں نہیں میں وہی ہوں۔''

میں نے کہا:

''مَا الَّذِيْ حَلَّ بِكَ؟!! ...... أَلَمْ يَكُنْ وَجْهُكَ بَهِيًّا ......

وَ إِهَابُكَ طَرِيًّا ...... وَعَيْشُكَ رَخِيًّا ......''

تَرْجَمَہ: ''آپ کو کیا ہو گیا (آپ تو بالکل پہچانے ہی نہیں جاتے کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے؟ جب آپ مدینہ منورہ میں تھے) اس وقت آپ کا چہرہ تر و تازہ، جلد نرم و نازک اور زندگی کے لمحات نہایت خوش گوار گزر رہے تھے۔''

انہوں نے کہا:

''بَلٰی ......''

تَرْجَمَہ: ''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔''

میں نے کہا:

''فَمَا الَّذِيْ غَيَّرَ مَا بِكَ بَعْدَ أَنْ غَدَوْتَ تَمْلِكُ الْأَصْفَرَ وَالْأَبْيَضَ، وَأَصْبَحْتَ أَمِيْرًا

لِلْمُؤْمِنِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "اب سونے چاندی کے مالک بن کر، امیر المؤمنین کے اونچے عہدے پر فائز ہو کر آپ کو کس چیز نے بالکل بدل کر رکھ دیا؟"

فرمایا:

"وَمَا الَّذِيْ تَغَيَّرَ بِيْ يَا أَبَا حَازِمٍ؟"

تَرْجَمَہ: "ابوحازم آپ کو مجھ میں کون سی تبدیلی نظر آ رہی ہے؟"

میں نے کہا: آپ کا جسم کمزور اور جلد سخت ہو چکی ہے۔ آپ کے چہرے پر بل پڑ چکے ہیں، رنگ زرد ہو چکا ہے، آنکھوں کی چمک ہلکی ہو چکی ہے۔ یہ باتیں سن کر آپ رو پڑے اور فرمایا:

"فَكَيْفَ لَوْ رَأَيْتَنِيْ فِيْ قَبْرِيْ بَعْدَ ثَلَاثٍ...... قَدْ سَالَتْ حَدَقَتَايَ عَلٰى وَجْنَتَيَّ ...... وَتَفَسَّخَ بَطْنِيْ وَتَشَقَّقَ ...... وَانْطَلَقَ الدُّوْدُ يَرْتَعُ فِيْ بَدَنِيْ إِنَّكَ لَوْ رَأَيْتَنِيْ آنَذَاكَ. يَا أَبَا حَازِمٍ! لَكُنْتَ أَشَدَّ إِنْكَارًا لِّيْ مِنْ يَوْمِكَ هٰذَا ......"

تَرْجَمَہ: "اے ابوحازم! اس وقت کیسا محسوس کرو گے جب میری موت کے تین دن بعد تم مجھے اس حالت میں دیکھو کہ میری آنکھوں کے ڈھیلے بہہ کر میرے چہرے پر لٹک جائیں گے میرا پیٹ پھول کر پھٹ جائے گا اور کیڑے میرے بدن کو نوچنے لگیں تو آپ کو میری اس وقت کی حالت آج کے مقابلے میں زیادہ عجیب وغریب دکھائی دے گی۔"

پھر میری طرف دیکھا اور فرمایا: اے ابوحازم! کیا حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی وہ حدیث آپ کو یاد ہے جو مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ نے مجھے سنائی تھی؟

میں نے کہا: امیر المؤمنین مدینہ منورہ میں قیام کے دوران تو بہت سی احادیث بیان کیں تھیں۔ آپ کون سی حدیث سننا چاہتے ہیں؟

آپ نے فرمایا: وہ حدیث جس کے راوی ابوہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ہیں۔ میں نے کہا: ہاں امیر المؤمنین وہ حدیث مجھے یاد آ گئی۔

فرمایا: برائے مہربانی اسے دوبارہ بیان کیجئے میں اسے آپ ہی سے سننے کا دلی شوق رکھتا ہوں۔ میں نے وہ حدیث بیان کی:

"سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ عَقَبَةً كَؤُوْدًا، مُضَرَّسَةً، لَنْ يَجُوْزَهَا إِلَّا كُلُّ ضَامِرٍ مَهْزُوْلٍ.

ترجمہ: ”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ انسان کے سامنے ایک کٹھن اور دشوار گزار گھاٹی ہے جس کو ہر وہ آدمی عبور کر سکے گا جو دبلا پتلا ہو۔“

یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ بہت روئے، اتنا روئے کہ مجھے شک ہوا کہ کہیں اتنے زیادہ غم سے ان کا انتقال نہ ہو جائے۔ پھر آپ نے آنسو صاف کئے اور میری طرف دیکھا اور فرمایا۔

اے ابوحازم! کیا اب بھی آپ مجھے اس بات پر افسوس دلاتے ہیں جب کہ میں نے یہ گھاٹی عبور (پار) کرنے کے لیے اپنے آپ کو دبلا پتلا کیا ہوا ہے، لیکن پھر بھی مجھے ڈر ہے کہ شاید میں نجات نہ پاسکوں گا اور امید بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ فضل و کرم والا معاملہ فرمائیں گے۔

دوسرا واقعہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی قابل رشک زندگی کا دوسرا حیرت انگیز واقعہ طبری نے طفیل بن مرداس کے حوالے سے تحریر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ امیر المومنین بنائے گئے تو آپ نے وسط ایشیا کی ریاست صغد کے گورنر سلیمان کو خط لکھا:

”اِتَّخِذْ فِيْ بِلَادِكَ فَنَادِقَ لِاسْتِضَافَةِ الْمُسْلِمِيْنَ

ترجمہ: ”پہلی فرصت میں مسلمانوں کی مہمان نوازی کے لیے بڑے بڑے شہروں میں ہوٹل تعمیر کراؤ!“

فَإِذَا مَرَّ بِهَا أَحَدٌ مِنْهُمْ فَاسْتَضِيْفُوْهُ يَوْمًا وَلَيْلَةً ...... وَأَصْلِحُوْا شَأْنَهُ، وَتَعَهَّدُوْا دَوَابَّهُ.

ترجمہ: ”جب کوئی بھی مسلمان وہاں آئے اسے ایک دن رات ہوٹل میں بطور مہمان ٹھہراؤ، اس کی خوب خاطر مدارت کرو۔“

فَإِذَا كَانَ يَشْكُوْ نَصَبًا فَاسْتَضِيْفُوهُ يَوْمَيْنِ وَلَيْلَتَيْنِ ......
وَوَاسُوْهُ.

ترجمہ: ”اگر وہ زیادہ تھکاوٹ محسوس کرے تو اسے دو دن اور دو راتیں سرکاری خرچ پر ہر قسم کی سہولت مہیا کرو، تاکہ وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرے۔“

فَإِذَا كَانَ مُنْقَطِعًا لَا مَؤُوْنَةَ عِنْدَهُ وَلَا دَابَّةَ تَحْمِلُهُ، فَأَعْطُوْهُ مَا يَسُدُّ حَاجَتَهُ، وَأَوْصِلُوْهُ إِلٰى بَلَدِهِ.''

تَرْجَمَہ: ''اگر دوران سفر اس کے پاس خرچ ختم ہو چکا ہو یا اس کے پاس سواری کا بندوبست نہ ہو تو اس کی ضرورت کے مطابق خرچ اور سواری مہیا کرو۔ اور اسے گھر تک باعزت طریقے سے پہنچانا حکومت کا فرض ہے۔''

گورنر نے امیر المؤمنین کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے بڑے بڑے شہروں میں عالی شان ہوٹل تعمیر کروائے، جس کی خبر ہر جگہ جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ اسلامی ممالک کے مشرق و مغرب میں آباد لوگوں میں امیر المؤمنین کی فیاضی، عدل و انصاف اور رحم دلی کے متعلق چرچا ہونے لگا، لیکن سمرقند کے باشندوں کے چہرے اترے ہوئے تھے، انہوں نے گورنر سلیمان کے پاس وفد بھیجا، اس نے گورنر سے کہا:

آپ کے جرنیل قتیبہ بن مسلم باہلی کے آدمیوں نے ہمارے شہروں پر بغیر ہمیں اطلاع دیئے حملہ کر دیا، ہمارے مکانوں پر قبضہ کر لیا، حالاں کہ ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ آپ سب سے پہلے اپنے دشمنوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیں آپ کی دعوت کو قبول نہ کریں تو آپ انہیں جزیہ ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اس سے بھی انکاری ہوں، تو آپ ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیتے ہیں۔

ہم خلیفہ کے عدل و انصاف کو دیکھ کر لشکر کے خلاف کسی شکوہ شکایت کی جرات نہ کر سکے، لیکن چند لوگوں نے ہم پر ظلم کیا جس کی فریاد لے کر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، ہمیں خلیفۃ المسلمین سے ملاقات کرنے کی اجازت دیں، تاکہ ہم ظلم و جبر کے خلاف ان کی خدمت میں فریاد کر سکیں، اگر ہم حق پر ہوئے تو ہماری مدد کی جائے گی اور اگر ناحق ہوئے تو واپس لوٹ آئیں گے۔

گورنر سلیمان نے وفد کو امیر المؤمنین سے ملنے کی اجازت دے دی۔ وفد نے دارالحکومت دمشق پہنچ کر اپنا مقدمہ خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی خدمت میں پیش کیا۔ خلیفہ نے تمام باتیں سن کر اپنے گورنر سلیمان کو خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا:

''أَمَّا بَعْدُ ...... فَإِذَا كِتَابِيْ هٰذَا فَأَجْلِسْ إِلٰى أَهْلِ ''سَمَرْقَنْدَ'' قَاضِيًا يَنْظُرُ فِيْ شَكْوَاهُمْ ......

فَإِنْ قَضٰى لَهُمْ، فَمُرْ جَيْشَ الْمُسْلِمِيْنَ بِأَنْ يُغَادِرَ مَدِيْنَتَهُمْ ......

وَادْعُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُقِيْمِيْنَ بَيْنَهُمْ إِلَى النُّزُوْحِ عَنْهُمْ ...... وَعُوْدُوْا كَمَا كُنْتُمْ

وَكَانُوا، قَبْلَ أَنْ يَدْخُلَ دِيَارَهُمْ «قُتَيْبَةُ بْنُ مُسْلِمِ الْبَاهِلِيُّ»۔''

تَرجَمَہ: ''جونہی یہ خط آپ کے پاس پہنچے آپ اسی وقت سمرقند میں ان کی شکایات سننے کے لیے ایک قاضی بٹھا دیں، اگر قاضی ان کے حق میں فیصلہ دے دے تو پھر آپ مسلمانوں کے لشکر کو ان کا شہر خالی کرنے کا حکم دیں۔

جن مسلمانوں نے ان کے گھروں پر قبضہ کیا ہے وہ فوری طور پر خالی کر کے وہاں چلے جائیں، ہاں وہ قتیبہ بن مسلم باہلی کے دور میں رہتے تھے۔''

جب وفد نے گورنر سلیمان کو امیر المؤمنین کا خط دیا تو انہوں نے بڑے قاضی جمیع بن حاضر ناجی کو سمرقند پہنچ کر وہاں کے باشندوں کی شکایات سننے کے لیے کہا، انہوں نے اس قوم کے شکوے شکایات سنے اور لشکر اسلام کے کمانڈروں کے بیانات بھی لکھے، دونوں کے بیانات سے صحیح صورتِ حال کھل کر سامنے آ گئی، قاضی جمیع بن حاضر نے سمرقند کے باشندوں کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

گورنر سلیمان نے مسلمانوں کو ان کے گھر خالی کر دینے اور انہیں فوراً چھاؤنی میں واپس آ جانے کا حکم صادر کر دیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ اب دوبارہ کسی مناسب موقع پر یا پھر صلح کی بنیاد پر یا لڑائی میں کامیابی حاصل کر کے اس علاقے میں داخل ہونا۔

جب سمرقند میں آباد اس قوم کے سرداروں نے مسلمانوں کے قاضی کے فیصلہ کے مطابق گورنر کا حکم سنا تو آپس میں چہ میگوئیاں (سرگوشیاں) کرنے لگے۔ وہ اپنی قوم سے کہنے لگے:

افسوس صد افسوس تم مسلمان قوم کے ساتھ مل جل کر رہے۔ تم نے ان کے اخلاق، سیرت، عدل و انصاف اور صداقت و حق گوئی کا مشاہدہ کیا۔ کیا ہوا اگر انہوں نے چند مکانوں پر قبضہ کر لیا، آخر انہیں سر چھپانے کے لیے جگہ چاہئے۔ ہماری مانو! انہیں اپنے پاس رہنے دو، انہیں یہاں سے واپس نہ جانے دو، ان کا ساتھ رہنا تمہارے لیے آرام و برکت کا سبب ہوگا۔

انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟ تم اپنے پاؤں پر کیوں کلہاڑی مار رہے ہو؟

کچھ سوچو! مسلمانوں کا یہاں سے یوں چلے جانا تمہارے مستقبل کے لیے بہتر نہ ہوگا۔

تیسرا واقعہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کی زندگی کا تیسرا حیرت انگیز واقعہ ابن عبدالحکم نے اپنی کتاب (سِيْرَةُ عُمَرِ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيْز) میں تحریر کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ جب امیر المؤمنین کی وفات کا وقت قریب آیا تو مسلمہ بن عبدالملک ان کے پاس آئے اور کہا:

اے امیر المؤمنین! آپ نے اپنی اولاد کے منہ سے نوالے چھین لیے اور مال و دولت سے انہیں محروم کر دیا، کتنا ہی اچھا ہوا گر آپ مجھے یا اپنے خاندان میں سے کسی اور کو اولاد کے متعلق وصیت کر جائیں۔

جب انہوں نے اپنی بات ختم کر لی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ارشاد فرمایا:

"أَجْلِسُوْنِي ......"

تَرْجَمَہ: "مجھے ذرا سہارا دے کر بٹھاؤ۔"

جب آپ بیٹھ گئے تو ارشاد فرمایا: اے مسلمہ! میں نے آپ کی پوری بات سنی ہے:

"إِنِّيْ قَدْ قَطَمْتُ أَفْوَاهَ أَوْلَادِيْ عَنْ هٰذَا الْمَالِ ......

تَرْجَمَہ: "آپ کا یہ کہنا کہ میں نے اپنی اولاد کو مال و دولت سے محروم کر دیا ہے، اور ان کے منہ سے کھانے کے نوالے چھین لیے ہیں، بالکل درست نہیں ہے۔"

فَإِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا مَنَعْتُهُمْ حَقًّا هُوَ لَهُمْ، وَلَمْ أَكُنْ لِأُعْطِيَهُمْ شَيْئًا لَيْسَ لَهُمْ ......"

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! میں نے ان کا کوئی حق نہیں مارا اور نہ ہی میں نے انہیں کوئی ایسی چیز دی ہے جس پر ان کا کوئی حق نہیں بنتا۔"

رہا آپ کا یہ مشورہ کہ میں آپ کو یا اپنے خاندان میں آپ سے بہتر کسی شخص کو ان کے متعلق وصیت کر جاؤں، تو خوب اچھی طرح سن لیں:

"فَإِنَّمَا وَصِيِّيْ وَوَلِيِّيْ فِيْهِمُ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ، وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ."

تَرْجَمَہ: "میرا وارث اور کارساز وہ اللہ ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب نازل کی، اور وہی نیک لوگوں کا مددگار ہے۔"

"وَاعْلَمْ يَا مَسْلَمَةُ أَنَّ أَبْنَائِيْ أَحَدُ رَجُلَيْنِ:

تَرْجَمَہ: "اے مسلمہ! خوب اچھی طرح جان لیں میرے بیٹوں کے لیے دو طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔"

إِمَّا رَجُلٌ صَالِحٌ مُتَّقٍ، فَسَيُغْنِيْهِ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ، وَيَجْعَلُ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ مَخْرَجًا ......

تَرْجَمَہ: "اگر وہ متقی صالح اور پرہیزگار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہیں غنی کر دے

گا اور اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے ان کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دے گا۔"

وَ إِمَّا رَجُلٌ طَالِحٌ مُكِبٌّ عَلَى الْمَعَاصِيْ، فَلَنْ أَكُوْنَ أَوَّلَ مَنْ يُعِيْنُهُ بِالْمَالِ عَلٰى مَعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى."

تَرْجَمَہ: "اور اللہ نہ کرے اگر وہ بدکردار اور گناہ گار ہوں گے تو میں اس صورت میں مال و دولت ان کے حوالے کر کے گناہ والی زندگی میں ان کا معاون نہیں بن سکتا۔"

پھر فرمایا: میرے پاس میرے بیٹوں کو بلاؤ!

بیٹے بلائے گئے جن کی تعداد تقریباً انیس (۱۹) تھی۔ جب انہیں اپنے پاس کھڑے دیکھا تو خلیفہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا: ہائے افسوس! میں نے اپنے بیٹوں کو کنگال و مفلس (غریب) کر دیا! پھر ان کی طرف دیکھ کر اشارہ فرمایا:

"إِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ لَكُمْ خَيْرًا كَثِيْرًا ......

تَرْجَمَہ: "پیارے بیٹو! میں نے تمہارے لیے بہت کچھ چھوڑا ہے۔"

فَإِنَّكُمْ لَا تَمُرُّوْنَ بِأَحَدٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ أَوْ أَهْلِ ذِمَّتِهِمْ إِلَّا رَأَوْا أَنَّ لَكُمْ عَلَيْهِمْ حَقًّا.

تَرْجَمَہ: "تم پورے ملک میں جہاں بھی جاؤ گے تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، ہر کوئی تمہاری خدمت کرنے کو اپنے لیے سعادت سمجھے گا۔ (میرے نزدیک نیک نامی بہت بڑی دولت ہے)۔"

يَا بَنِيَّ، إِنَّ أَمَامَكُمْ خِيَارًا بَيْنَ أَمْرَيْنِ:

تَرْجَمَہ: "میرے پیارے بیٹو! اب دو چیزوں میں تمہیں پورا اختیار ہے۔"

فَإِمَّا أَنْ تَسْتَغْنُوْا، وَيُدْخَلَ أَبُوْكُمُ النَّارَ......

تَرْجَمَہ: "یا (لوگوں کا مال چھین کر رشوت و ظلم کے ذریعہ مال جمع کر کے) تمہارے لیے میں بہت مال چھوڑ کر جاؤں۔ اور تمہارا والد اس کی وجہ سے جہنم میں داخل کر دیا جائے۔"

وَ إِمَّا أَنْ تَفْتَقِرُوْا، وَيُدْخَلَ الْجَنَّةَ......

تَرْجَمَہ: "یا فقر و فاقہ اختیار کر لو (اور جو حلال روزی ملے اس پر راضی ہو جاؤ) اور اس وجہ سے تمہارا والد جنت میں داخل کر دیا جائے۔"

وَلَا أَحْسِبُ إِلَّا أَنَّكُمْ تُؤْثِرُوْنَ إِنْقَاذَ أَبِيْكُمْ مِنَ النَّارِ عَلَى الْغِنٰى.

تَرجَمَۃ: ''میرا خیال ہے کہ تم اپنے والد کو جہنم سے آزاد کرانے کو اپنی مال داری و دولت مندی پر ترجیح دو گے۔''

پھر ان کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھا اور ارشاد فرمایا: اللہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے، اللہ تمہیں (پاکیزہ اور حلال) رزق عطا کرے۔

مسلمہ نے امیر المؤمنین کی طرف دیکھا اور کہا:

امیر المؤمنین میرے پاس انہیں دینے کے لیے بہتر چیز موجود ہے۔ فرمایا: وہ کیا ہے؟

اس نے کہا: میرے پاس تین لاکھ دینار ہیں، میں یہ آپ کے حوالے کرتا ہوں، آپ یہ رقم بطور ہدیہ ان کو دے دیں یا فقراء، مساکین میں صدقہ کے طور پر تقسیم کر دیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ارشاد فرمایا: اے مسلمہ! میرے پاس اس سے بہتر تجویز ہے۔

اس نے کہا: وہ کیا ہے؟

فرمایا:

''تَرُدُّهَا إِلٰى مَنْ أُخِذَتْ مِنْهُ، فَإِنَّهَا لَيْسَتْ لَكَ بِحَقٍّ ......''

تَرجَمَۃ: ''یہ دینار جس سے (ناجائز ٹیکس کے ذریعہ) چھینے ہیں اسے واپس کر دیں آپ کا ان پر کوئی حق نہیں۔''

یہ سن کر مسلمہ کی آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے اور کہا:

''رَحِمَكَ اللّٰهُ. يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. حَيًّا وَ مَيِّتاً ......

تَرجَمَۃ: ''امیر المؤمنین! آپ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔''

فَقَدْ أَلَنْتَ مِنَّا قُلُوْباً قَاسِيَةً ......

تَرجَمَۃ: ''آپ نے ہمارے سخت دلوں کو نرم کر دیا۔''

ذَكَّرْتَهَا، وَقَدْ كَانَتْ نَاسِيَةً ......

تَرجَمَۃ: ''آپ نے بھولا ہوا سبق ہمیں یاد دلا دیا۔''

وَأَبْقَيْتَ لَنَا فِي الصَّالِحِيْنَ ذِكْراً ......''

تَرجَمَۃ: ''اور آپ کی تربیت سے ہمیں صالحین (نیک لوگوں) میں شامل ہونے کی سعادت حاصل

ہوئی۔"

لوگوں نے خلیفۃ المسلمین کی وفات کے بعد ان کے تمام بیٹوں کے حالات دیکھے، ان میں سے کسی کو نہ محتاج دیکھا اور نہ ہی فقیر و غریب، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

﴿وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ص فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾[1]

تَرجَمَہ: "لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد کو چھوڑتے اور مرتے وقت انہیں بچوں کے حق میں کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے وہ خدا کا خوف کریں اور راستی (سچائی) کی بات کریں۔"

فوائد و نصائح

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے واقعات کو پڑھ کر ہمیں ان سے چند اسباق ملے:

❶ ہمارے سامنے ہر وقت آخرت کی زندگی اور اس دنیا کا بے حقیقت ہونا ہو اور ہمیں ہر وقت اپنی موت کی تیاری کی فکر ہو۔ اس کے لیے ہم یہ دعا بھی مانگا کریں:

شہادت کی موت حاصل کرنے کی دعا

﴿اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِي الْمَوْتِ وَفِيْ مَا بَعْدَ الْمَوْتِ﴾[2]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! موت میں برکت عطا فرما اور موت کے بعد جو ہوتا ہے اس میں بھی برکت عطا فرما۔"

حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص روزانہ اس دعا کو پچیس مرتبہ پڑھتا ہے، اسے اللہ تعالیٰ شہادت کی موت عطا فرماتے ہیں۔

❷ ہمیشہ مظلوم کی ظالم کے خلاف مدد کریں، چاہے وہ مظلوم ہمارا دشمن اور ظالم ہمارا دوست ہی کیوں نہ ہو۔

❸ اس دنیا کی زندگی کو قیمتی سمجھتے ہوئے آخرت کی زندگی میں کام آنے والے اعمال کریں ایسے اعمال جو صدقۂ جاریہ بن جائیں یعنی مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی ان کا نفع ملتا رہے۔

---

[1] نساء: ۹

[2] مَجْمَعُ الزَّوَائِدِ، كِتَابُ الْجِهَادِ، بَابٌ فِيْمَا تَحْصُلُ بِهِ الشَّهَادَةُ: ۵/۳۹۰

۴ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ہمیں ہر وقت آخرت کی فکر کرنی چاہئے مرنے کے بعد کام آنے والی چیزیں ایمان اور اعمال ہیں۔ اس لیے دنیا میں جتنا زیادہ نیک عمل کرسکیں اس میں کمی نہیں کرنی چاہئے۔ ہر وقت آخرت کے بارے میں سوچنا چاہئے۔ سونے سے پہلے ایک منٹ موت کو سوچ لیا کریں مثلاً اگر آج میرا انتقال ہوگیا، تو قبر میں میرا کیا حال ہوگا کبھی یہ سوچیں کہ میں جنت کی نعمتوں میں ہوں۔ کبھی سوچیں جنت کی نہروں پر میں چکر لگا رہا ہوں وغیرہ وغیرہ، اس سوچ کا فائدہ یہ ہوگا کہ برے کاموں کا خیال بھی دل میں نہیں آئے گا اور آدمی نیک اعمال ہی اختیار کرے گا۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ سے پہلے مسلمانوں کے کتنے خلیفہ گزرے؟

سُؤال: حضرت ابوحازم رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کو کون سی حدیث سنائی تھی؟

سُؤال: سمرقند کے لوگوں کی شکایت پر حضرت امیر المؤمنین نے کیا احکامات ارشاد فرمائے؟

سُؤال: میراث کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے اپنے بیٹوں کو کیا وصیت کی؟

حضرت محمد بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ تعالیٰ

(عرف محمد بن حنفیہ)

"لَا أَعْلَمُ أَحَدًا أَخَذَ عَنْ عَلِيٍّ وَأَفَادَ مِنْهُ أَكْثَرَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ" (ابن الجنید)

تَرجَمَہ: "میری معلومات کے مطابق حضرت علی سے ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے سب سے زیادہ علم وادب حاصل کیا۔"

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان صلح

حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے بھائی حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آپس میں تعلقات خراب ہو گئے۔ حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا جس میں تحریر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی اعتبار سے اونچا درجہ نصیب فرمایا ہے۔ کئی اعتبار سے آپ کو مجھ پر برتری عطا کی، وہ اس طرح کہ:

آپ کی والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہیں اور میری والدہ ماجدہ قبیلہ بنو حنیفہ کی ایک عام عورت ہیں۔

اسی طرح آپ کے نانا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی مخلوق کے سردار ہیں۔

اور میرے نانا جعفر بن قیس ایک عام آدمی ہیں۔

جب میرا یہ خط آپ کے پاس پہنچے تو میرے ساتھ صلح کرنے کے لیے فوراً چلے آیئے، تاکہ اس میں بھی آپ کو ہی فضیلت و برتری حاصل رہے۔ جب یہ خط حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس پہنچا تو وہ جلد ان کے پاس آئے اور صلح فرمالی۔

یہ عقل مند و سمجھ دار شخص جنہوں نے ہمیشہ ہوشیاری سے لڑائی پر صلح کو ترجیح دی، (یعنی صلح کو پسند کیا) اور حکمت عملی سے دوسرے کو بھی صلح پر بہترین طریقے سے تیار کرلیا یہ شخص کون تھے؟

آیئے شروع سے ہم ان کی زندگی کے حالات لکھتے ہیں، آپ دعا کر کے ان کے حالات پڑھیں کہ اللہ

تعالیٰ ہمیں بھی بھائیوں سے صلح کی اسی طرح توفیق نصیب فرما دے، اور جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کو نیک بنایا تھا ہمیں بھی نیک بنا دے، آمین۔

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی ولادت باسعادت

اس واقعہ کا آغاز رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زندگی مبارک کے آخری دنوں سے ہوتا ہے۔

ایک روز حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے عرض کیا:

"أَرَأَيْتَ إِنْ وُلِدَ لِيْ وَلَدٌ مِنْ بَعْدِكَ أَفَأُسَمِّيْهِ بِاسْمِكَ وَأُكَنِّيْهِ بِكُنْيَتِكَ؟"

تَرجَمَہ: "یا رسول اللہ! اگر اب مجھے آپ کے انتقال کے بعد اللہ سبحانہ وتعالیٰ بیٹا عطا کرے تو کیا اس کا نام آپ کے نام پر اور اس کی کنیت آپ کی کنیت کی طرح رکھ سکتا ہوں؟"

فرمایا: ہاں، کیوں نہیں!

پھر یونہی دن گزرنے لگے، نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے انتقال کے چند ماہ بعد آپ کی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ بتول رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کا بھی انتقال ہو گیا۔

ان کی وفات کے بعد حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے قبیلہ بنو حنیفہ کی ایک خاتون خولہ بنت جعفر بن قیس سے شادی کر لی۔ ان کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا۔ اس کی کنیت رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی اجازت کے مطابق ابو القاسم رکھی گئی، لوگ انہیں محمد بن حنفیہ کے نام سے پکارنے لگے تاکہ حضرت فاطمۃ الزہراء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کے لاڈلے بیٹوں حضرت حسن اور حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے درمیان ان کا فرق ہو سکے۔ پھر یہ تاریخ میں اسی نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی خلافت کے آخری دنوں میں پیدا ہوئے، اپنے والد محترم حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی نگرانی میں پرورش پائی اور انہیں سے علم، زہد اور تقویٰ حاصل کیا، ان کی طاقت اور بہادری کے وارث بنے اور انہی سے صاف بات کرنے کے گُر سیکھے۔

وہ الحمدللہ بیک وقت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے میدان جنگ کے نڈر اور بہادر مجاہد بھی تھے اور ساتھ ساتھ تقریر و بیان اور میدان خطابت کے عظیم شہسوار بھی تھے۔

جب رات کی تاریکی چھا جاتی، لوگ نیند کے مزے لوٹ رہے ہوتے تو یہ مصلّے پر کھڑے ہو کر تہجد کی نماز میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتے، سجدہ ریز ہوتے، گڑگڑاتے اور آہ وزاریاں کر کے دعائیں مانگتے

تھے۔

حضرت محمد بن حنفیہ کا جنگوں میں شریک ہونا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام جنگوں میں ساتھ رکھا جن میں خود شریک ہوئے، اس سے حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے والد کی قائدانہ صلاحیت اور جنگی مہارت سے بہت کچھ سیکھا۔

کسی جنگ میں نہ تو ان کو کوئی شکست ہوئی اور نہ کبھی انہوں نے جنگ کے ارادے میں سستی کا اظہار کیا۔

ایک دفعہ ان سے سوال کیا گیا:

"مَالِأَبِيْكَ يُقْحِمُكَ فِي الْمَهَالِكِ، وَيُوْلِجُكَ فِي الْمَضَايِقِ، دُوْنَ أَخَوَيْكَ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ؟"

ترجمہ: "کیا بات ہے آپ کے ابا جان نے آپ کو خطرناک جنگوں میں شریک کیا، جب کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جنگوں سے الگ تھلگ رکھا؟"

فرمایا:

"ذٰلِكَ لِأَنَّ أَخَوَيَّ يَنْزِلَانِ مِنْ أَبِيْ مَنْزِلَةَ عَيْنَيْهِ
وَأَنْزِلُ أَنَا مِنْهُ مَنْزِلَةَ يَدَيْهِ ......
فَهُوَ يَقِيْ عَيْنَيْهِ بِيَدَيْهِ."

ترجمہ: "اس لیے کہ وہ دونوں میرے بھائی اپنے باپ کی آنکھیں اور میں ان کا ہاتھ تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کی حفاظت کیا کرتے تھے۔"

کتنا بہترین جواب دیا، کہ نہ معلوم سوال کرنے والے نے کس غلط نیت سے سوال کیا ہو، لیکن جواب دینے والے نے کتنا حکمت سے جواب دیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خلیفہ بننا

جنگِ صفین کے بعد جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک بد بخت کے ہاتھوں شہید ہوئے، تو امتِ مسلمہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت پر متفق ہوگئی، حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے

بھی اس وقت بہت ہی زیادہ سمجھ داری سے اور صبر سے کام لیا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو جائے اختلافات دور ہو جائیں، اس لیے انہوں نے حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بھی ان کی بیعت کے بعد ان پر بہت زیادہ اطمینان ہو گیا۔ اس لیے انہوں نے حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو اپنے پاس دارالحکومت میں بلایا، جب وہ حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ملنے کے لیے دارالحکومت دمشق تشریف لائے تو آپ کو شاہی اعزاز و اکرام سے نوازا گیا۔ آپ کئی مرتبہ امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا رومی کے ساتھ کشتی لڑنا

ایک مرتبہ روم کے بادشاہ نے حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا:

"إِنَّ الْمُلُوْكَ عِنْدَنَا تُرَاسِلُ الْمُلُوْكَ، وَيُطْرِفُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً بِغَرَائِبِ مَا عِنْدَهُمْ ......

تَرجَمہ: "ہمارے ہاں یہ دستور ہے کہ بادشاہ ایک دوسرے کو خیریت معلوم کرنے کے لیے پیغامات بھیجتے ہیں، اور قیمتی تحائف کے تبادلے سے خوشی محسوس کرتے ہیں۔"

وَيُنَافِسُ بَعْضُهُمْ بَعْضاً بِعَجَائِبِ مَا فِيْ مَمَالِكِهِمْ.

تَرجَمہ: "اور بعض اوقات اپنے ملک کی عجیب و غریب اور قیمتی اشیاء کے تبادلے میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

فَهَلْ تَأْذَنُ لِيْ بِأَنْ يَكُوْنَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ مَا يَكُوْنُ بَيْنَهُمْ؟"

تَرجَمہ: "کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ یہ دستور میرے اور آپ کے درمیان بھی رائج ہو؟

"فَأَجَابَهُ مُعَاوِيَةُ بِالإِيْجَابِ، وَأَذِنَ لَهُ."

تَرجَمہ: "حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے قیمتی تحائف اور دل پسند اشیاء کے تبادلے کے لیے رضامندی کا اظہار کر دیا۔"

روم کے بادشاہ نے اپنے ملک کے دو عجیب و غریب قسم کے آدمی حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف بھیجے۔

ایک بہت لمبا تڑنگا تھا، قد کی لمبائی حیرت انگیز تھی، یوں معلوم ہوتا جیسے جنگل میں ایک انتہائی لمبا درخت کھڑا ہے یا کوئی اونچا مینار ہے۔

اور دوسرا بہت زیادہ طاقت ور تھا اسے دیکھ کر یوں معلوم ہوتا جیسے کوئی چیر پھاڑ کرنے والا درندہ کھڑا ہے ان کے پاس روم کے بادشاہ کا ایک خط بھی تھا جس میں یہ لکھا ہوا تھا:

"أَفِيْ مَمْلَكَتِكَ مَنْ يُسَاوِيْ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ طُوْلًا وَقُوَّةً؟"

تَرْجَمَہ: "کیا آپ کے ملک میں لمبائی اور طاقت کے لحاظ سے ان جیسا کوئی شخص ہے؟"

حضرت معاویہ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ یہ خط پڑھ کر حضرت عمرو بن عاص رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے فرمانے لگے، اتنا لمبا آدمی بل کہ اس سے بھی دو قدم آگے ہمارے پاس ہے اور وہ ہے قیس بن سعد بن عبادہ، رہا اس دوسرے شخص جیسا طاقت ور تو آپ بتایئے وہ کون ہوسکتا ہے؟

حضرت عمرو بن عاص رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے فرمایا، ہمارے ملک میں دو شخص طاقت میں اس سے بڑھ کر ہیں۔

ایک محمد بن حنفیہ اور دوسرے عبداللہ بن زبیر (رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا) لیکن یہ دونوں دارالحکومت سے بہت دور رہتے ہیں۔

حضرت معاویہ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے ارشاد فرمایا: محمد بن حنفیہ ہم سے دور ہیں۔

حضرت عمرو بن عاص رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے کہا: کیا خیال ہے وہ اپنے مرتبہ و مقام کے اعتبار سے لوگوں کے سامنے ایک رومی شخص کے ساتھ کشتی لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟

حضرت معاویہ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے ارشاد فرمایا: ہاں اسلام کی عزت کی خاطر وہ اس کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

پھر حضرت معاویہ رَضِيَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے حضرت قیس بن سعد اور حضرت محمد بن حنیفہ رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالیٰ کو بلایا، جب مقابلے کے لیے مجلس منعقد کی گئی تو حضرت قیس بن سعد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے دھوتی باندھ کر پاجامہ اتارا اور اس رومی شخص کے سامنے پھینک دیا۔ (جس کا مطلب یہ تھا کہ اس پاجامہ سے ہی اپنا قد ناپ لو اگر ہمت ہے تو مقابلہ کے لیے تیار ہو جاؤ) اور اس سے کہا: یہ پہنو!

اس نے پاجامہ پہنا جو اس کے گلے تک پہنچ گیا اہلِ مجلس یہ منظر دیکھ کر ہنس دیے، حضرت قیس بن سعد رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کا قد اس سے کہیں زیادہ لمبا تھا، رومی یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا۔

اور حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ نے ترجمان سے کہا:

"قُلْ لِلرُّوْمِيِّ ......

إِنْ شَاءَ أَنْ يَجْلِسَ وَأَكُوْنَ أَنَا قَائِماً ثُمَّ يُعْطِيْنِيْ يَدَهُ.

تَرجَمہ: ''میرے (مقابلے کے لیے) آنے والے رومی سے کہو، اگر وہ چاہے تو بیٹھ جائے اور میں کھڑا رہوں اور وہ اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دے''۔

فَإِمَّا أَنْ أُقِيمَهُ وَ إِمَّا أَنْ يُقْعِدَنِيْ ......

تَرجَمہ: ''میں اسے بزورِ بازو کھڑا کرنے کی کوشش کروں گا اور وہ مجھے بزورِ بازو بٹھانے کی کوشش کرے گا۔''

وَ إِنْ شَاءَ فَلْيَكُنْ هُوَ الْقَائِمُ وَأَنَا الْقَاعِدُ ......''

تَرجَمہ: ''اور اگر وہ چاہے تو خود کھڑا ہو جائے میں بیٹھ جاتا ہوں (اس صورت میں وہ مجھے کھڑا کرنے کی کوشش کرے گا جب کہ میں اسے بٹھانے کی کوشش کروں گا)۔''

اس طرح ہم دونوں اپنی طاقت کا مظاہرہ کریں گے۔

''فَاخْتَارَ الرُّوْمِيُّ الْقُعُوْدَ.''

تَرجَمہ: ''رومی نے بیٹھنے کو ترجیح دی۔''

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے آنِ واحد (ایک ہی جھٹکے) میں کھڑا کر دیا لیکن رومی حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو بٹھانے میں ناکام رہا۔

رومی کے سینے میں قومی غیرت ابھر گئی۔ اس نے کھڑا ہو کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی اور حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بیٹھ کر اس کے ہاتھ کو ایک ایسا زور دار جھٹکا دیا، جس سے وہ زمین سے آلگا اور ایسا الٹ پلٹ ہونے لگا جیسے اس کا بازو کندھے سے الگ ہو گیا ہو۔ مقابلہ ختم ہو گیا۔ دونوں رومی شرمندہ و پشیمان اپنے بادشاہ کے پاس اپنا سا منہ لے کر واپس لوٹ گئے۔

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا بیعت سے انکار کرنا

پھر زمانے نے اپنا ایک اور رخ بدلا ......

حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے بیٹے یزید اور مروان بن حکم اپنے رب کو پیارے ہو گئے۔ بنو امیہ کی باگ ڈور عبدالملک بن مروان کے ہاتھ آئی، وہ خلیفۃ المسلمین کہلانے لگا، اہل شام نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اہل حجاز و عراق نے حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے ہاتھ پر بیعت کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے مطالبہ کیا کہ وہ بھی اہلِ حجاز کی طرح ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی پر بیعت کا مقصد واضح تھا،

وہ خوب سمجھتے تھے کہ جس کی بیعت کی جائے اس کے بیعت کرنے والے پر کیا حقوق لازم ہوتے ہیں، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس کے بچاؤ میں تلوار اٹھائی جائے اور اس کے مخالفین کو قتل کیا جائے۔ اس لیے انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے صاف صاف کہہ دیا:

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مجھے اس بیعت سے کوئی دل چسپی نہیں، میں امت مسلمہ کا ایک فرد ہوں، میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کروں گا جس کی خلافت پر پوری قوم متفق ہو جائے، اس وقت نہ میں آپ کی بیعت کروں گا اور نہ عبدالملک بن مروان کی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو اپنی بیعت پر آمادہ کرنے کے لیے کبھی نرم رویہ اختیار کرتے اور کبھی سخت۔

تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے لوگ ملتے گئے دیکھتے ہی دیکھتے سات ہزار افراد نے ان کی قیادت کو تسلیم کرلیا اور انہوں نے اس بھڑکتی ہوئی فتنے کی آگ کا ایندھن بننے سے صاف انکار کر دیا۔

حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ملک شام کی طرف روانہ ہونا

جب عبدالملک بن مروان کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جانب سے حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے ساتھیوں پر کی جانے والی سختیوں اور تکالیف کا پتہ چلا تو اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک خط دے کر قاصد کو ان کی طرف روانہ کیا، جس میں نہایت ہی محبت اور شفقت کا انداز اپنایا گیا تھا۔ کبھی اس انداز سے اپنے بیٹوں کو بھی خط نہیں لکھا۔ اس میں یہ پیغام بھیجا کہ:

مجھے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن زبیر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آپ کو سختیوں اور تکالیف میں ڈال رکھا ہے، سر زمین شام کے راستے آپ کے لیے کھلے ہیں، آپ تشریف لائیں ہم آپ کے تمام ساتھیوں کو خوش آمدید کہیں گے، ہمارے پاس تشریف لایئے ہم آپ کا پرجوش استقبال کریں گے یہاں پہنچ کر آپ یوں محسوس کریں گے جیسے آپ اپنے گھر میں ہوں، آپ ہمیں اپنے قدردانوں میں سے پائیں گے اور آپ کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا۔

جب یہ خط ملا تو حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھیوں کو لے کر سرزمین شام کی طرف روانہ ہوئے۔ جب سرحدی علاقے ابلہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں پڑاؤ ڈالا۔ ابلہ کے رہنے والوں نے ان کی بہت قدر کی، دل کھول کر ان کی مہمان نوازی کی، ان کی عبادت، دنیا کی طرف سے بے رغبتی اور پاکیزہ زندگی سے متاثر

ہو کر ان کی بہت عزت کی۔

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ابلہ کے رہنے والوں کو نیکی کا حکم دینے، برائی سے روکنے، اسلامی زندگی قائم کرنے، ان کے آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنے اور ان کے درمیان صلح کرانے میں مصروف رہے۔ اس علاقے میں کوئی ایسا نہ رہا جو کسی دوسرے پر ظلم کرتا ہو۔

جب یہ خبر عبدالملک بن مروان تک پہنچی تو اس پر بڑی بھاری گزری۔ اس نے اپنے خاص اور اپنے قریبی لوگوں سے مشورہ کیا۔

انہوں نے کہا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ محمد بن حنفیہ کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دیں ورنہ وہ آپ کے لیے خطرہ بن جائیں گے۔ ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو آپ خود اچھی طرح جانتے ہیں، اگر انہوں نے یہاں رہنا ہے تو آپ کے ہاتھ بیعت کریں ورنہ جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں۔

عبدالملک بن مروان نے ان کی طرف خط لکھا جس میں تحریر تھا:

''آپ میرے ملک میں تشریف لائیں اور میرے ساتھ رہیں، جیسے کہ آپ کو معلوم ہے کہ میرے عبداللہ بن زبیر کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں ہیں۔ مسلمانوں میں آپ کی عزت، شہرت اور ایک اہم مقام ہے۔ میرا خیال ہے کہ اگر آپ میرے ملک میں رہائش اختیار کرنا چاہتے ہیں تو میری بیعت کر لیں، آپ کے لیے یہ بہتر ہوگا، اگر آپ بیعت کر لیں تو میں آپ کو وہ سو بحری جہاز جو سامان سے لدے ہوئے ابھی ابھی پہنچے ہیں مع ان کے عملے کے آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا، آپ اس کے مالک ہوں گے۔

ان کے علاوہ دس لاکھ درہم بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے تیار ہوں، انہیں خرچ کرنے کا آپ کو مکمل اختیار ہوگا۔ آپ یہ رقم اپنی ذات، اپنی اولاد، رشتہ دار اور ساتھیوں پر خرچ کر سکیں گے، اگر آپ میری بیعت سے راضی نہیں ہیں تو پھر وہاں تشریف لے جائیں، جہاں میری حکومت نہ ہو۔''

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جواباً یہ خط لکھا:

''محمد بن علی کی جانب سے عبدالملک بن مروان کی طرف السلام علیکم:

میں اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثناء بیان کرتے ہوئے یہ خط آپ کی طرف لکھ کر بھیج رہا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔

اما بعد!

شاید آپ مجھ سے ڈرے ہوئے ہیں، میرا خیال تھا کہ آپ بیعت کے سلسلے میں میرے مقصد کو جان چکے ہوں گے۔ اللہ کی قسم! اگر پوری امت میرے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے راضی ہو جائے اور صرف ایک بستی

والے مجھے اپنا خلیفہ ماننے پر راضی نہ ہوں تب بھی میں یہ خلافت قطعاً قبول نہ کروں اور اس بات پر کبھی بھی ان سے لڑائی نہ کروں۔

میں مکہ معظمہ میں رہنے لگا، حضرت عبداللہ بن زبیر نے چاہا کہ میں ان کی بیعت کرلوں، جب میں نے انکار کر دیا تو انہوں نے میرا فیصلہ نامنظور کر دیا اور میرے لیے مشکلات پیدا ہوگئیں، پھر آپ نے مجھے اپنے ملک شام میں رہائش اختیار کرنے کے لیے دعوت دی میں آپ کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے یہاں چلا آیا اور آپ کے ملک میں رہنے لگا اب آپ نے یہ پیغام بھیج دیا ہے۔ میں ان شاء اللہ اپنے ساتھیوں کو لے کر یہاں سے بھی چلا جاؤں گا آپ گھبرایئے نہیں۔''

حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اپنے ساتھیوں سے خطاب کرنا

حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے گھر والوں اور اپنے مخلص ساتھیوں کو لے کر سرزمین شام سے واپس لوٹے۔ جس جگہ بھی آپ ٹھہرتے آپ کو وہاں سے آگے جانے کا حکم دیا جاتا۔ اور آپ سفر کی تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتے رہے، اس سے بڑھ کر آپ کو ایک اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا۔

ہوا یہ کہ آپ کے چند ساتھیوں نے اپنی غفلت، سستی اور کاہلی کی بنا پر حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کی اولاد کو علم وحکمت سکھائی تھی، اور خاص طور پر اہل بیت (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان) کو علم وحکمت کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا اتنی بڑی سعادت کسی اور کے حصے میں نہیں آئی ...... اور ہمارے راہ نما حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی اہل بیت میں سے ہیں، لیکن ان مشکلات اور پریشانیوں میں ان کی حکمت عملی کسی کام نہیں آرہی۔

حضرت محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ کی دی ہوئی صلاحیت، سمجھ داری اور قابل رشک ذہانت کی بنا پر اس خطرے کو محسوس کر لیا کہ یہ لوگ مشکلات سے گھبرا کر اب آپ کو چھوڑنا چاہتے ہیں، آپ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور آپ ان سے خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام کے بعد ارشاد فرمایا:

''بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اہل بیت کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ایسے خصوصی علم سے نوازا ہے جو کسی اور کو عطا نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اس علم کے وارث ہیں جو قرآن مجید میں محفوظ

ہے، جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم کتاب الٰہی کے علاوہ کچھ اور پڑھتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

یہ سن کر لوگ مطمئن ہوگئے اور اپنی کاہلی و سستی کو چھوڑ کر چست چاق و چوبند ہو کر آپ سے محبت کرنے لگے۔ آپ کے بعض ساتھی محبت سے آپ کو یوں سلام کرتے۔

السلام علیک یا مہدی۔

آپ فرماتے: میں خیر و بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والا ہوں اور آپ تمام بھی خیر و بھلائی کی طرف راہ نمائی کرنے والے ہیں۔

جب کوئی مجھے سلام کہے تو وہ میرا نام لیا کرے اور یوں کہے السلام علیک یا محمد بن علی۔''

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی عبدالملک بن مروان کے ہاتھ پر بیعت

حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور ان کے ساتھیوں کے لیے یہ تکلیف دہ صورت زیادہ دیر تک نہ رہی، ہوا یوں کہ حجاج بن یوسف حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا پر غالب آ گیا، انہیں شہید کر دیا۔ تمام لوگوں نے عبدالملک بن مروان کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے عبدالملک بن مروان کی طرف خط لکھا جس میں یہ تحریر تھا۔

''محمد بن علی کی طرف سے امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان کی طرف السلام علیکم امّا بعد!

جب میں نے یہ منظر دیکھا کہ سب لوگوں نے متفقہ طور پر آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیا ہے، میں بھی امت مسلمہ کا ایک فرد ہوں۔ میں نے حجاز میں آپ کی طرف سے مقرر کردہ گورنر کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے، یہ بیعت بھی آپ کی خلافت کو تسلیم کرتے ہوئے کی ہے اور آپ کو اس کی اطلاع کر رہا ہوں۔ والسلام علیک۔''

عبدالملک بن مروان نے جب یہ خط اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا، تو سب نے بیک زبان کہا:

امیر المؤمنین اس خط سے محمد بن حنفیہ کے اخلاص کا پتہ چلتا ہے اگر وہ آپ کی مخالفت کرنا چاہتے، تو آپ کے لیے مشکلات پیدا کر سکتے تھے۔ یہ ان کی مہربانی ہے کہ انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کی بیعت کا اعلان کیا ہے۔ اب آپ کو ان کی قدر کرنی چاہیے، ان کو پہلی فرصت میں جوابی خط لکھیں جس میں ان کا شکریہ ادا کریں۔ اور انہیں ہر طرح کے تعاون کا یقین دلائیں۔

ساتھ ہی انہیں یہ تسلی بھی دیں کہ آج کے بعد انہیں اور ان کے کسی بھی ساتھی کے لیے حکومت کی جانب

سے کوئی پریشانی پیدا نہیں کی جائے گی اور نہ ہی کسی گھبراہٹ میں مبتلا کیا جائے گا۔ آپ امن وسکون سے زندگی بسر کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی ایک خط حجاج بن یوسف کو لکھا جس میں اسے یہ حکم دیا:

محمد بن حنفیہ کی تعظیم بجالائیں اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھیں۔

لیکن حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى زیادہ عرصے زندہ نہ رہ سکے۔

اور انتقال کر گئے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ. رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَ اَرْضَاهُ۔

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو راضی کر دیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى کی قبر کو منور کرے اور ان کی پاکیزہ روح کو جنت میں تر و تازہ رکھے، وہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جو زمین میں فساد اور اپنا نام ومشہوری نہیں چاہتے تھے۔

فوائد ونصائح

❶ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت اور سربلندی کے لیے گزارنی چاہیے۔

جس طرح حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى نے ساری زندگی دین کے لیے وقف کر دی۔ کبھی کس علاقے کا سفر کیا کبھی کس علاقے کا سفر کیا۔ اور مختلف قسم کی تکلیفیں برداشت کیں، لیکن دین پر جمے رہے۔

❷ ساتھ ہی یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں بہادر بننا چاہیے حدیث شریف میں آتا ہے:

﴿اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ﴾

تَرْجَمَہ: ''طاقت ور مومن کم زور مومن سے بہتر ہے۔''

جس طرح حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى طاقت ور اور بہادر تھے اور انہوں نے اپنے مقابلے میں آنے والے رومی شخص کو ایک دم شکست دی اس لیے روزانہ آپ بھی ورزش کرنے کا اہتمام کریں اپنی صحت کا خیال رکھیں۔

❸ ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ ہمیں ہر جگہ نیکی کی بات کرنی چاہیے آپس کے جھگڑوں کو ختم کرنا چاہیے اور آپس میں پیار محبت سے رہنا چاہیے اس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے بندے بھی ہم سے خوش ہوں گے اور ہماری عزت واحترام کریں گے۔

آیئے ہم بھی عزم کریں کہ:

(الف) اگر کبھی کسی سے جھگڑا ہو جائے تو صلح صفائی کی کوشش کریں گے اور دوسرے کی غلطی کو معاف کر کے خود ملاقات میں پہل کریں گے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ صلاحیتوں کو (صحت وتندرستی، وقت، مال وغیرہ) کو اللہ تعالیٰ کے دین کو زندہ کرنے میں خرچ کریں گے اور اس مقصد کو پورا کرنے میں جو بھی مصیبت اور پریشانی رکاوٹ آئے گی تو اس پریشانی میں ان شاء اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہیں گے اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعا بھی مانگیں گے:

"يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ"[1]

تَرجَمَہ: "اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر جمائے رکھ۔"

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت محمد بن علی بن ابی طالب محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نام سے کیوں مشہور ہوئے؟

سُؤال: آپ کا نام محمد رکھنے کے لیے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کس سے اجازت طلب کی؟

سُؤال: حضرت محمد بن حنفیہ کی رومیوں کے ساتھ کشتی لڑنے کی کیا وجہ بنی؟

سُؤال: حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے عبدالملک بن مروان کی بیعت کے حکم پر کیا جواب عنایت فرمایا؟

سُؤال: حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے تین جگہ صلح میں پہل فرمائی آپ بتا سکتے ہیں کہاں کہاں؟

سُؤال: حضرت محمد بن حنفیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی زندگی سے آپ نے کیا سبق حاصل کیا؟

[1] مُسْنَدُ اَحْمَدَ، رَقْمُ الْحَدِيْثِ: ۲۵۹۸۰، ۴۱۷/۷

حضرت طاووس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ

(محمد بن یوسف ثقفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ)

"مَا رَأَیْتُ أَحَدًا قَطُّ مِثْلَ طَاوُوْسِ بْنِ کَیْسَانَ" (عمرو بن دینار)

ترجمہ: "میں نے طاووس بن کیسان جیسا نڈر جید عالم کوئی نہیں دیکھا۔"

حضرت طاووس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صفات

حضرت طاووس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ ان مبارک ہستیوں میں سے تھے جو بہت متقی، پرہیز گار اور ایمان والے تھے۔

مسجدِ نبوی کے اندر جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت تیار ہوئی تھی، اس جماعت کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد حضرت طاووس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے اساتذہ کرام کی اتباع کی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی بہت سی صفات اپنے اندر پیدا کیں مثلاً:

١ "رُسُوخُ الْاِیْمَانِ"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمانِ کامل اور پختہ یقین۔"

٢ "وَصِدْقُ اللَّهْجَةِ"

ترجمہ: "بات کی سچائی۔"

٣ "وَالتَّعَالِیْ عَلَی عَرَضِ الدُّنْیَا"

ترجمہ: "فانی دنیا اور اس کی چیزوں سے دل نہ لگانا۔"

٤ "وَالتَّفَانِیْ فِیْ مَرْضَاةِ اللّٰهِ"

ترجمہ: "ہر لمحہ اور ہر وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی فکر، (کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے، کوئی ایسا کام نہ کروں جس سے اللہ ناراض ہو جائے)۔"

❺ "وَالْجَهْرُ بِكَلِمَةِ الْحَقِّ مَهْمَا كَانَ ثَمَنُ كَلِمَةِ الْحَقِّ غَالِيًا"

تَرجَمہ: ''حق بات کہنے میں کسی سے نہ جھجکنا اور کسی کی پرواہ کیے بغیر حق بات کہنا۔ چاہے اس کے لیے کتنی ہی بڑی قربانی دینی پڑے۔''

یہ وہ مبارک صفات تھیں جو ان کو اپنے اساتذہ کرام سے ملیں تھیں۔

رسول اللہ ﷺ سے انہیں یہ تعلیم ملی:

"أَنَّ الدِّيْنَ النَّصِيْحَةُ......"

تَرجَمہ: ''دین خیر خواہی کا نام ہے۔''

"اَلنَّصِيْحَةُ لِلّٰهِ،"

تَرجَمہ: ''وہ خیر خواہی اللہ تعالیٰ۔''

"وَكِتَابِهٖ،"

تَرجَمہ: ''اس کی کتاب۔''

"وَرَسُوْلِهٖ،"

تَرجَمہ: ''اس کے رسول۔''

"وَأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَعَامَّتِهِمْ"

تَرجَمہ: ''اور مسلمان حکمرانوں اور عام لوگوں کے لیے ہے۔''

یہ ہیں ذکوان بن کیسان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ جن کا لقب طاووس تھا، انہیں یہ لقب اس بنا پر دیا گیا کہ وہ حقیقتاً اپنے دور میں تمام علماء وفقہاء میں اونچا درجہ رکھتے تھے کیوں کہ علم فقہ میں بڑے ماہر تھے۔

طاووس عربی زبان میں مور کو کہا جاتا ہے۔ جس طرح مور تمام پرندوں میں اپنے حسن و جمال کی وجہ سے ایک الگ حیثیت رکھتا ہے، اسی طرح یہ بھی علم کے اعتبار سے علماء فقہاء میں ایک الگ حیثیت رکھتے تھے۔

حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ یمن کے رہنے والے تھے ان دنوں یمن کا گورنر حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف ثقفی تھا۔ حجاج بن یوسف نے سارے علاقے میں رعب و دبدبہ اور شان وشوکت قائم ہو جانے کے بعد اپنے بھائی محمد بن یوسف کو یمن کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔

اس میں اپنے بھائی حجاج کی بہت سی برائیاں تو پائی جاتی تھیں، لیکن اس کی کوئی بھی خوبی اس میں نہیں تھی۔

حضرت طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ کی یمن کے گورنر کو نصیحت کرنا اور اس کی شال کو قبول نہ کرنا

سردی کے موسم میں ایک دن صبح سویرے حضرت طاوس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ یمن کے گورنر محمد بن یوسف ثقفی کو وعظ ونصیحت کی نیت سے ملنے گئے۔ محل میں پہلے ہی بہت سے لوگ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ نے آتے ہی وعظ و نصیحت شروع کر دی۔

گورنر نے اپنے ایک دربان کو حکم دیا کہ ایک قیمتی اور بہترین قسم کی شال لاؤ اور اس واعظ (نصیحت کرنے والے) مہمان کے کندھوں پر ڈال دو!

دربان نے شاہی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک قیمتی، عالی شان شال حضرت طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ کے کندھوں پر ڈال دی، لیکن انہوں نے وعظ ونصیحت کے دوران ہی اپنے کندھوں کو جھٹکا دینا شروع کیا، جس سے آہستہ آہستہ شال کندھوں سے سرکتی ہوئی نیچے گر گئی۔ آپ اسے وہیں چھوڑ کر دربار سے باہر چلے گئے اور اسے دیکھا تک نہیں جیسے طبیعت پر اس کا وجود بہت گراں گزرا ہو۔

گورنر کے چہرے کا رنگ غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ جب حضرت طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے ساتھی مجلس سے باہر گئے تو ان کے دوست وہب بن منبہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مشورہ دیا:

اگر آپ قیمتی شاہی شال کا تحفہ قبول کر لیتے تو کیا حرج تھا؟

گورنر کو غصہ دلانے سے بھی بچ جاتے! اگر آپ اسے اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے تھے تو اسے بیچ کر فقراء و مساکین (فقیروں اور مسکینوں) کی مدد کر دیتے۔

حضرت طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ بولے آپ مجھے یہ کیسا مشورہ دے رہے ہیں؟

"لَوْلَا أَنَّنِي خَشِيْتُ أَنْ يَقُوْلَ الْعُلَمَاءُ مِنْ بَعْدِيْ: نَأْخُذُ كَمَا أَخَذَ طَاوُوْسٌ......"

ترجمہ: "اگر آج میں اسے قبول کر لیتا اور فقراء و مساکین میں اسے تقسیم بھی کر دیتا، تو کل علماء اپنے حکمرانوں سے تحائف قبول کرنے کے لیے یہ دلیل اور ثبوت پیش کرتے کہ طاوس نے بھی تو تحفہ قبول کیا تھا۔"

لیکن وہ خدا نہ کرے فقراء و مساکین میں تقسیم کرنے کی بجائے خود استعمال کرتے تو ہم گناہ کا ذریعہ بن جاتے۔

یمن کے گورنر کا حضرت طاوس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے امتحان لینا

یمن کے گورنر محمد بن یوسف نے اسے اپنی توہین سمجھا اور حضرت طاوس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے بدلہ لینے کا پختہ ارادہ کرلیا، کہ جس طرح انہوں نے میرا امتحان لیا ہے تو میں بھی ان کا امتحان لوں۔

اس نے انہیں شکار کرنے کے لیے ایک خطرناک جال پھینکا۔ وہ یہ کہ سونے کے سات سو دینار تھیلی میں بند کیے اور اپنے دربار کے لوگوں میں سے ایک نہایت ہی ذہین ہوشیار اور چاق چوبند شخص کو بلا کر کہا:

"اِمْضِ بِھٰذِہِ الصُّرَّةِ إِلٰی طَاوُوْسِ بْنِ کَیْسَانَ، وَاحْتَلْ عَلَیْهِ فِيْ أَخْذِهَا ......

تَرْجَمَہ: "یہ دیناروں کی تھیلی طاوس کو سپرد کر کے آؤ، اگر وہ اسے قبول کرنے سے انکار کریں تو پھر کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے وہ تھیلی لینے کے لیے تیار ہو جائیں۔"

فَإِنْ أَخَذَهَا مِنْكَ أَجْزَلْتُ عَطِیَّتَكَ ...... وَکَسَوْتُكَ، وَقَرَّبْتُكَ."

تَرْجَمَہ: "اگر تم اس مشن میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے یہ تھیلی قبول کر لی، تو میں تمہیں اپنا قریبی ساتھی بنالوں گا اور تمہیں انعام واکرام سے نوازوں گا۔"

وہ شخص تھیلی لے کر اس بستی کی طرف روانہ ہوا جس میں حضرت طاوس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ رہتے تھے۔ اس بستی کا نام "جند" تھا جو یمن کے دارالحکومت صنعاء کے قریب ہی واقع تھی یہ شخص وہاں پہنچا، حضرت طاوس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے پاس حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور نہایت ہی مؤدبانہ انداز میں کہا:

جناب والا! گورنر نے یہ کچھ رقم آپ کے لیے ہدیہ بھیجی ہے، اسے قبول فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔

آپ نے بڑی بے نیازی سے فرمایا:

مجھے اس کی ضرورت نہیں۔

اس نے یہ تھیلی دینے کے لیے ہر حربہ (طریقہ) استعمال کیا، لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے سے بالکل انکار کر دیا، اب قاصد بے بسی کے عالم میں پریشان وفکرمند تھا کہ کیا کروں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اتنے میں جب حضرت طاوس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کسی کام سے اٹھے تو اس قاصد نے چھپ کر تھیلی کو دیوار میں بنی ہوئی چھوٹی الماری میں رکھا اور چلا گیا، گورنر کو جا کر بتایا کہ طاوس نے تھیلی قبول کر لی ہے۔

وہ یہ خبر سن کر بڑا خوش ہوا کہ اب ہمارے جال میں شکار پھنسا، اب ان سے پوچھوں گا کہ جناب آپ کی بے نیازی کدھر گئی؟ کیا محض دربار میں مجھے رسوا کرنے کے لیے تقویٰ کا ڈھونگ (تماشا) رچا رکھا تھا، قاصد

خاموش رہا اور اس راز سے اسے آگاہ نہ کیا۔

جب چند دن گزر گئے تو دربار کے دو قابل اعتماد کارندوں کو حضرت طاووس رَحِمَہُاللّٰهُ تَعَالیٰ کی طرف روانہ کیا اور ان کے ساتھ اس شخص کو بھی بھیجا جو پہلے انہیں تھیلی دینے گیا تھا، جب یہ وہاں پہنچے تو حضرت طاووس رَحِمَہُاللّٰهُ تَعَالیٰ سے کہنے لگے:

"إِنَّ رَسُولَ الْأَمِيْرِ قَدْ أَخْطَأَ فَدَفَعَ إِلَيْكَ الْمَالَ، وَهُوَ مُرْسَلٌ لِغَيْرِكَ ......

تَرْجَمَہ: "چند دن پہلے گورنر کی طرف سے دیناروں کی ایک تھیلی غلطی سے آپ کے پاس آ گئی تھی دراصل وہ کسی اور کے لیے تھی اور قاصد غلطی سے آپ کے سپرد کر گیا۔"

وَقَدْ أَتَيْنَا لِنَسْتَرِدَّهُ مِنْكَ، وَنَحْمِلَهُ إِلَى صَاحِبِهٖ."

تَرْجَمَہ: "وہ برائے مہربانی واپس لوٹا دیجئے تاکہ اسے اصل مقام تک پہنچا دیا جائے۔"

حضرت طاووس رَحِمَہُاللّٰهُ تَعَالیٰ نے یہ سن کر فرمایا:

"مَا أَخَذْتُ مِنْ مَالِ الْأَمِيْرِ شَيْئًا حَتّٰى أَرُدَّهُ إِلَيْهِ."

تَرْجَمَہ: "میں نے کوئی تھیلی لی ہی نہیں تو اسے لوٹاؤں کیسے۔"

دونوں نے بیک زبان کہا:

آپ نے چند دن پہلے ہی تو وہ تھیلی وصول کی تھی اور یہ شخص آپ کو تھیلی دے کر گیا ہے۔

حضرت طاووس رَحِمَہُاللّٰهُ تَعَالیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور اس سے پوچھا:

"هَلْ أَخَذْتُ مِنْكَ شَيْئًا؟"

تَرْجَمَہ: "ارے بتاؤ کیا میں نے کوئی چیز تم سے لی ہے؟"

یہ منظر دیکھ کر اس شخص کے جسم میں کپکپی طاری ہو گئی اور کہنے لگا:

"كَلَّا ......"

تَرْجَمَہ: "ہرگز نہیں۔"

"وَإِنَّمَا وَضَعْتُ الْمَالَ فِيْ هٰذِهِ الْكُوَّةِ فِيْ غَفْلَةٍ مِنْكَ."

تَرْجَمَہ: "بل کہ میں نے آپ سے چھپ کر اس الماری میں رکھ دی تھی (انعام کے لالچ میں)۔ اور میں نے گورنر کو جا کر یہ اطلاع دی کہ آپ نے یہ تھیلی قبول کر لی ہے۔ آپ کا اس میں کوئی قصور نہیں، یہ میری غلطی ہے جس کا میں کھلے دل سے اعتراف کرتا ہوں۔"

آپ نے فرمایا:

"دُوْنَكُمَا الْكُوَّةَ، فَانْظُرَا فِيْهَا."

تَرْجَمَہ: "جاؤ اس الماری میں جا کر دیکھو۔"

وہ دونوں سرکاری نمائندے کیا دیکھتے ہیں کہ الماری میں ایک تھیلی پڑی ہوئی ہے اور مکڑی نے اس پر جالا بن رکھا ہے۔

انہوں نے وہ تھیلی اٹھائی اور گورنر کے پاس واپس لے گئے۔ اور سارا قصہ گورنر کو سنا دیا۔

وہ یہ سن کر حیران رہ گیا اور سمجھ گیا کہ حضرت طاوس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ آخرت کے سچے طالب ہیں کہ ان کی دنیا کی زندگی بھی اصل آخرت کے لیے ہی ہے، دنیا کی چندروزہ زندگی سے انہوں نے اپنا دل ہٹا لیا ہے۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

آپ نے یہ مقولہ تو سنا ہوگا کہ "جیسی کرنی ویسی بھرنی" آپ کسی کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو گے تو آپ کے ساتھ بھی بھلائی کا معاملہ ہوگا، اور اگر برائی کا معاملہ کرو گے تو آپ کو بھی اس برائی کے لیے تیار ہونا چاہئے۔

یمن کے گورنر نے حضرت طاوس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو پریشان کیا تو اس گورنر کی شکایت حجاج کے ہاں پہنچ گئی وہ اس طرح کہ حضرت طاوس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں:

"جب میں حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ گیا، حجاج بن یوسف بھی وہاں موجود تھا۔ میری موجودگی کا سن کر ملاقات کے لیے اس نے مجھے بلایا۔ میں اس سے ملنے گیا تو اس نے مجھے خوش آمدید کہا اور اپنے قریب بٹھایا۔ میرے اکرام میں گاؤ تکیہ مجھے پیش کیا تاکہ میں ٹیک لگا کر آرام سے بیٹھ سکوں۔

پھر وہ مجھ سے حج کے مسائل پوچھنے لگا، ہم بات کر ہی رہے تھے کہ حجاج نے کسی تلبیہ کہنے والے کی سریلی اور بہترین آواز سنی۔ اس کی آواز میں ایک درد تھا اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرنے والے کی آواز تھی، ہر سننے والا اس کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ حجاج نے کہا:

اس شخص کو میرے پاس لاؤ!

اسے لایا گیا۔

حجاج نے پوچھا: تم کون ہو؟

اس نے کہا: میں ایک مسلمان ہوں۔

حجاج نے کہا: میں یہ نہیں پوچھنا چاہتا بلکہ میری مراد یہ ہے کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

اس نے کہا: میں یمن کا باشندہ ہوں۔

حجاج نے پوچھا:

"كَيْفَ تَرَكْتَ أَمِيرَكُمْ (يَعْنِيْ أَخَاهُ)؟"

ترجمہ: "اپنے گورنر کو کیسا پایا؟ (یعنی اپنے بھائی کے بارے میں پوچھا)۔"

اس نے کہا:

"تَرَكْتُهُ عَظِيْماً، جَسِيْماً ......

ترجمہ: "وہ بڑا موٹا تازہ ہے۔"

لَبَّاساً، رَكَّاباً ......

ترجمہ: "بار بار لباس تبدیل کرتا ہے گھوڑے پر سوار کبھی آتا ہے کبھی جاتا ہے۔ (اس کے شاہی اخراجات کے کیا کہنے؟)۔"

خَرَّاجاً، وَلَّاجاً ......"

"اس کا کام صرف اور صرف کھانا پینا اور گھومنا پھرنا ہے۔"

حجاج نے کہا: میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا:

اس نے کہا: پھر آپ نے کیا پوچھا ہے؟

حجاج نے کہا: میں اس کی زندگی اور اس کے اخلاق اور کردار کے متعلق پوچھتا ہوں۔

اس نے کہا:

"تَرَكْتُهُ ظَلُوْماً غَشُوْماً ......

ترجمہ: "وہ بڑا ہی ظالم جابر ہے۔"

مُطِيْعاً لِلْمَخْلُوْقِ، عَاصِياً لِلْخَالِقِ"

ترجمہ: "مخلوق کی اطاعت کرنے والا اور اپنے خالق کا نافرمان ہے۔"

اپنے بھائی کی شکایت دوستوں کے سامنے سن کر حجاج بن یوسف کا چہرہ شرم و غصے کی وجہ سے سرخ ہو گیا۔

حجاج نے اس شخص سے کہا:

تجھے یہ سب کچھ کہنے کی جرات کیسے ہوئی، کیا تم نہیں جانتے ہو کہ گورنر کا میرے ساتھ کیا رشتہ ہے؟

اس نے بڑی بے نیازی سے کہا:

اس کا تعلق تم سے اور میرا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ کیا تم اس کے رشتے کو میرے اس تعلق سے بڑا سمجھتے ہو؟

اگر اپنے بھائی کی حمایت وحفاظت کرنے والے تم ہو تو میری حفاظت وحمایت کرنے والا اللہ ہے۔

سنو:

"وَأَنَا وَافِدُ بَيْتِهِ ......

تَرْجَمَہ: "میں اللہ تعالیٰ کے اس عظیم گھر کا مہمان ہوں۔"

وَمُصَدِّقُ نَبِيِّهِ ......

تَرْجَمَہ: "میں اس کے نبی ﷺ کی تصدیق کرنے والا ہوں۔"

وَقَاضِيْ دَيْنِهِ.

تَرْجَمَہ: "اور میں اس کا وہ قرض چکانے والا ہوں جو دینی اعتبار سے میرے ذمے ہے۔"

کہ اس نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے اور میں بیت اللہ شریف اس کی دعوت قبول کر کے حج کے لیے آیا ہوں۔ یہ سن کر حجاج خاموش ہو گیا۔

حضرت طاووس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ بیان کرتے ہیں:

وہ یہ جرات مندانہ بات کرتے ہی بغیر اجازت لیے وہاں سے چلا گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے ہولیا، میں نے اپنے دل میں کہا، یہ شخص بہت نیک اور بہادر ہے، گناہوں سے بچنے والا ہے اس کا اللہ تعالیٰ سے بہت مضبوط تعلق ہے، اسی لیے وہ حجاج سے بالکل نہیں ڈرا ہے۔ اس سے ملاقات کرنی چاہئے کہیں یہ لوگوں کی بھیڑ کی وجہ سے نگاہوں سے غائب نہ ہو جائے۔

لہٰذا میں اس کے پیچھے پیچھے چلا، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ وہ کعبہ کے پردے سے چمٹا ہوا اللہ تعالیٰ سے آہ وزاری کرتے ہوئے کہہ رہا ہے:

"اَللّٰهُمَّ بِكَ أَعُوْذُ ...... وَبِجَنَابِكَ أَلُوْذُ ......

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! میں آپ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں کہ مجھے اپنی حفاظت میں رکھے۔"

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ فِي الْاِطْمِئْنَانِ إِلٰى جُوْدِكَ، وَالرِّضَا بِضَمَانِكَ مَنْدُوْحَةً عَنْ مَنْعِ الْبَاخِلِيْنَ، وَغِنًى عَمَّا فِيْ أَيْدِي الْمُسْتَأْثِرِيْنَ ......

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! آپ کے لامحدود غیبی خزانوں پر اطمینان نصیب فرما، اپنی سخاوت کی وجہ سے مجھے بخیلوں کی روک ٹوک سے محفوظ فرما۔ اور جو کچھ دنیا والوں کے قبضے میں ہے اس سے بے نیاز

کر دے۔“

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فَرَجَكَ الْقَرِيبَ ...... وَمَعْرُوْفَكَ الْقَدِيمَ ......

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری بارگاہ میں خوش حالی اور نعمتوں کے زیادہ ہونے کا طلب گار ہوں اور تیری رحمت کا سوالی ہوں۔“

وَعَادَتَكَ الْحَسَنَةَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ.“

ترجمہ: ”اے اللہ! میں تیری جانب سے نازل کردہ خیر و برکت کو چاہتا ہوں۔“

پھر طواف کرنے والوں کی ایک جماعت گزری جس سے وہ شخص میری آنکھوں سے غائب ہو گیا۔

مجھے یقین ہو گیا کہ اب اس سے ملاقات نہیں ہو سکے گی لیکن پھر میں نے میدان عرفات میں شام کے وقت اسے دیکھا کہ لوگوں کے شانہ بشانہ (ساتھ ساتھ) مزدلفہ کی طرف جا رہا ہے۔ میں اس کے قریب ہوا وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا، اور کہہ رہا تھا۔

”اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ لَمْ تَقْبَلْ حَجِّيْ، وَتَعَبِيْ، وَنَصَبِيْ ......“

ترجمہ: ”اے اللہ! آپ نے میرا حج، میرا سفر، میری تھکاوٹ قبول نہ کی تو میرا کیا بنے گا؟“

”فَلَا تَحْرِمْنِي الْأَجْرَ عَلٰى مُصِيْبَتِيْ، بِتَرْكِكَ الْقَبُوْلَ مِنِّيْ.“

ترجمہ: ”اے اللہ! اپنی مہربانی سے کم از کم اس مبارک سفر کے اجر و ثواب سے مجھے محروم نہ کرنا۔“

پھر وہ رات کی تاریکی میں میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا، اور میں کافی تلاش کے باوجود اسے نہ دیکھ سکا۔ اس کی ملاقات سے مایوس ہو گیا، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے لگا۔

”اَللّٰهُمَّ اقْبَلْ دُعَائِيْ وَدُعَاءَهٗ ......“

ترجمہ: ”الٰہی! میری اور اس شخص کی دعا کو قبول فرما۔“

”وَاسْتَجِبْ رَجَائِيْ وَرَجَاءَهٗ ......“

ترجمہ: ”الٰہی! میری اور اس کی امیدوں کو پورا فرما۔“

”وَثَبِّتْ قَدَمَيَّ وَقَدَمَيْهِ يَوْمَ تَزِلُّ الْأَقْدَامُ ......“

ترجمہ: ”الٰہی! مجھے اور اسے قیامت کے دن ثابت قدم رکھنا جس دن اکثر لوگوں کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔“

”وَاجْمَعْنِيْ مَعَهٗ عَلٰى حَوْضِ الْكَوْثَرِ يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِيْنَ.“

ترجمہ: ”اے کرم کرنے والے خدایا! میری اور اس کی ملاقات حوض کوثر پہ کرانا۔“

فوائد ونصائح

اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے:

❶ ہمیں کسی کے ساتھ برائی نہیں کرنی چاہیے، ہماری زبان اور ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، کیوں کہ جو شخص کسی کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے تو اس کا بدلہ دنیا میں بھی اور آخرت میں اس کو ملتا ہے۔

اس لیے اگر ہم سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو اس سے فوراً معافی مانگیں اور آئندہ کے لیے ہم پکا عزم کریں کہ کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائیں گے۔ اور ساتھ ہی ان تمام کاموں سے بچیں جن سے کسی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو، مثلاً کوئی پھل وغیرہ کھا کر اس کے چھلکے راستے میں نہ پھینکیں، کسی کا مذاق نہ اڑائیں، گاڑی وغیرہ صحیح جگہ پر کھڑی کریں وغیرہ وغیرہ۔

❷ زبان کو استعمال کرنے سے پہلے ذرا سوچ لینا چاہیے کہ جو بات میں کہنے والا ہوں اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اور دوسرے پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟ اور یہ بھی سوچنا چاہیے کہ جو بات میں دوسرے سے کہنے والا ہوں اگر دوسرا شخص مجھ سے یہ بات کہتا تو مجھ پر اس کا کیا اثر ہوتا؟ مجھے اچھا لگتا یا برا لگتا۔

حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں یہ تعلیم دی اور یہ اصول بتایا:

"وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ"[1]

تَرجَمَہ: "دوسرے کے لیے وہی بات پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو۔"

اگر اس پر ہم عمل کرنا شروع کر دیں تو سارے جھگڑے ختم ہو جائیں اور آپس میں پیار ومحبت پیدا ہو جائے۔

سُؤال: حضرت ذکوان بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا نام طاوس کیسے پڑا؟

سُؤال: محمد بن یوسف حضرت طاوس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے کیوں ناراض ہوا؟

سُؤال: محمد بن یوسف کو کس بات پر ندامت کا سامنا کرنا پڑا؟

سُؤال: حضرت طاوس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے سامنے یمن سے آنے والے آدمی نے کعبہ کے پردے سے چمٹ کر کیا دعا مانگی؟

---

[1] ترمذی، کِتَابُ الزُّهْدِ، بَابُ مَنِ اتَّقَى الْمَحَارِمَ فَهُوَ أَعْبَدُ النَّاسِ: ۵۶/۲

حضرت طاووس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ

(بحیثیت واعظ و راہ نما)

"رَأَیْتُكَ یَا أَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ فِی الْحُلْمِ، وَأَنْتَ تُصَلِّیْ فِی الْكَعْبَةِ وَالنَّبِیُّ عَلٰی بَابِهَا وَهُوَ یَقُوْلُ لَكَ: اِكْشِفْ قِنَاعَكَ وَبَیِّنْ قِرَاءَ تَكَ یَا طَاوُوْسُ" (مجاهد)

ترجمہ: "اے ابو عبدالرحمٰن! میں نے تجھے خواب میں دیکھا کہ تو بیت اللہ کے اندر نماز پڑھ رہا ہے اور دروازے پر کھڑے نبی اکرم ﷺ تجھے فرمارہے ہیں، اے طاووس! اونچی آواز سے قرآن مجید پڑھو"

سلیمان بن عبدالملک کا ماہر عالم بلوانا

خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک بیت اللہ کی ایک جانب پڑاؤ ڈالے ہوئے اسے شوق بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے انہوں نے اپنے دربان سے کہا: کسی ماہر عالم کو بلا کر لاؤ تاکہ وہ ہمیں ان مبارک دنوں کی مناسبت سے حج کے مسائل بتائے۔

دربان حجاج کرام سے امیر المؤمنین کی خواہش کے مطابق کسی ماہر عالم کے متعلق پوچھنے لگا۔ اسے بتایا گیا کہ طاووس بن کیسان اس دور کے فقہاء و علماء کے سردار ہیں، دعوت و تبلیغ کے میدان میں ان کا وعظ سب سے زیادہ دلوں پر اثر کرنے والا ہے، آپ بے فکر ہو کر انہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔

دربان نے حضرت طاووس رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر ادب سے درخواست کی: امیر المؤمنین نے آپ کو یاد فرمایا ہے!

آپ بغیر کسی تاخیر کے دربان کے ہمراہ امیر المؤمنین کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ کی سوچ یہ تھی، کہ ہر دین کی دعوت دینے والے پر لازم ہے کہ دعوت و تبلیغ کے لیے مناسب موقع کو غنیمت جانے۔ اسے کسی صورت ہاتھ سے نہ جانے دے۔

انہیں اس بات پر پختہ یقین تھا کہ وہ بات سب سے افضل ہے جو کسی بادشاہ کو راہ راست پر لانے اور اس کو ظلم و ستم سے روکنے کے لیے کی جائے۔ اسی طرح وہ بات بھی بہت افضل ہے جو کسی بادشاہ کا اللہ تعالیٰ سے تعلق جوڑنے کے لیے کی جائے۔

حج کے مسائل بتا کر نصیحت کرنا

حضرت طاووس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ دربان کے ساتھ چلے۔ جب وہ امیر المؤمنین کے پاس گئے تو انہیں سلام کیا۔ انہوں نے پرجوش استقبال کیا اور بڑی عقیدت سے سلام کا جواب دیا اور نہایت ہی عزت و اکرام کے ساتھ اپنے پاس بٹھایا۔

پھر وہ آپ سے حج کے مسائل دریافت کرنے لگے اور بڑے ادب و احترام سے ان کے جوابات سننے لگے۔

حضرت طاووس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں۔

جب میں نے محسوس کیا کہ امیر المؤمنین! اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں اور اب کوئی سوال باقی نہیں رہا، تو میں نے اپنے دل میں سوچا، یہ ایک ایسی مجلس ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجھ سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تم نے سربراہ مملکت کو کوئی نصیحت کیوں نہیں کی، یہ سوچ کر میں ان کی طرف متوجہ ہوا، اور کہا:

”اِنَّ صَخْرَةً كَانَتْ عَلٰى شَفِيْرِ بِئْرٍ فِيْ قَعْرِ جَهَنَّمَ“

تَرْجَمَہ: ”اے امیر المؤمنین! جہنم کے گہرے گڑھے میں کنوئیں کے کنارے پر ایک پتھر تھا۔“

”وَقَدْ ظَلَّتْ تَهْوِيْ فِيْ هٰذِهِ الْبِئْرِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا حَتّٰى بَلَغَتْ قَرَارَهَا“

تَرْجَمَہ: ”وہ اس میں گرا اور ستر سال میں کنوئیں کی تہہ تک پہنچا۔“

اے امیر المؤمنین! کیا آپ جانتے ہیں جہنم کا یہ ہولناک کنواں اللہ تعالیٰ نے کس کے لیے تیار کر رکھا ہے؟

انہوں نے جواب دیا مجھے علم نہیں۔

پھر امیر المؤمنین نے کہا: آپ ہی بتائیں وہ بھلا کس کے لیے تیار کیا گیا ہے؟

فرمایا:

”أَعَدَّهَا اللّٰهُ جَلَّ وَعَزَّ لِمَنْ أَشْرَكَهُ فِيْ حُكْمِهٖ، فَجَارَ......“

تَرْجَمَہ: ”اللہ تعالیٰ نے یہ کنواں اس شخص کے لیے تیار کیا ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا حکمران بنایا لیکن اس نے اپنی رعایا پر ظلم و تشدد کیا۔“

یہ سن کر خلیفہ سلیمان کے جسم میں لرزہ طاری ہوگیا، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ان کے جسم سے روح نکل جائے گی۔

وہ زار و قطار رونے لگے اور رونے کی وجہ سے اس قدر ہچکی بندھی ہوئی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ اب

ان کا آخری وقت ہے۔

میں نے اس حالت میں انہیں چھوڑا اور واپس آ گیا، وہ مجھے واپس ہوتے ہوئے دیکھ کر جزائے خیر کہہ رہے تھے۔

حضرت طاووس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو وصیت

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو جب خلیفہ بنایا گیا تو انہوں نے حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی طرف پیغام بھیجا کہ برائے مہربانی مجھے کوئی وصیت کیجئے۔

حضرت طاووس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے انہیں خط لکھا جو صرف ایک سطر پر مشتمل تھا اس میں یہ جملہ لکھا ہوا تھا۔

"إِذَا أَرَدْتَّ أَنْ يَكُوْنَ عَمَلُكَ خَيْرًا كُلُّهُ، فَاسْتَعْمِلْ أَهْلَ الْخَيْرِ، وَالسَّلَامُ."

تَرْجَمَہ: "اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے تمام کاموں میں خیر و برکت ہو، تو حکومت کے مختلف کاموں کی ذمہ داریاں نیک لوگوں کے سپرد کیجئے۔"

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے خط پڑھا تو پکار اٹھے اور بار بار کہنے لگے:

"كَفٰى بِهَا مَوْعِظَةً ...... كَفٰى بِهَا مَوْعِظَةً"

تَرْجَمَہ: "اتنی ہی نصیحت کافی ہے، اتنی ہی نصیحت کافی ہے۔"

ہشام بن عبدالملک کے سامنے جرأت مندانہ گفتگو

جب ہشام بن عبدالملک کو خلیفہ بنایا گیا تو حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسے نصیحت کا حق ادا کرتے ہوئے کئی مواقع پر ایمانی جرأت و سمجھ داری کا ثبوت دیا۔ جو ہر خاص و عام میں مشہور و معروف ہوا، ان تمام واقعات میں سے یہ واقعہ پیش خدمت ہے۔

جب ہشام حج کرنے کی غرض سے بیت اللہ شریف پہنچا، حرم میں بیٹھے ہوئے اس نے اپنی حکومت کے ان ذمہ دار افسران سے (جو مکہ معظمہ میں متعین تھے) سے کہا: کسی صحابی رسول (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ) کو ڈھونڈ کر لائیں!

انہوں نے کہا: امیر المؤمنین! صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ تو سب کے سب اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو چکے ہیں،

اب تو ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔

تو اس نے کہا: تابعین میں سے کسی کو لے آئیں۔

حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو اس کے پاس لایا گیا۔

جب آپ اس کے پاس آئے تو اپنا جوتا اس کے تخت پر ایک طرف اتار دیا۔

اسے سلام کیا اور امیر المؤمنین کے لقب سے اسے یاد نہ کیا، بل کہ سیدھا اس کا نام لے کر مخاطب ہوئے اور اس کی اجازت لیے بغیر بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ہشام کی آنکھیں غصے سے سرخ ہوگئیں۔

اس نے اس طریقے سے آنے کو شاہی دربار کے آداب کے خلاف سمجھا اور درباریوں کی موجودگی میں اسے اپنی بے ادبی اور گستاخی سمجھا لیکن اس نے بیت اللہ شریف کی حرمت کی وجہ سے اس غصے کا اظہار نہ کیا بل کہ نہایت ہی دھیمے (آہستہ) انداز میں کہا: اے طاووس! ایسا کرنے پر آپ کو کس چیز نے ابھارا؟

آپ نے فرمایا: میں نے کیا کیا ہے؟

خلیفہ کو پھر غصہ آیا اور کہا: آپ نے میرے تخت کی ایک جانب جوتے اتارے اور شاہی دربار کے آداب کا کچھ خیال نہ کیا۔ اور پھر آپ نے امیر المؤمنین کہہ کر سلام نہیں کیا!! مزید یہ کہ آپ نے اس گستاخانہ انداز میں نام لیا اور کنیت بھی نہ لی پھر آپ بغیر میری اجازت کے بیٹھ گئے۔

حضرت طاووس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بڑے ہی نرم اور دھیمے انداز سے فرمایا: جہاں تک آپ کے تخت کے نزدیک جوتے اتارنے کا تعلق ہے ذرا میری بات دھیان سے سنیں!

میں روزانہ پانچ مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنے جوتے اتارتا ہوں، اس نے آج تک نہ مجھے ڈانٹا ہے اور نہ ہی آج تک کبھی وہ مجھ سے ناراض ہوا۔

رہی یہ بات کہ میں نے آپ کو امیر المؤمنین پکار کر سلام نہیں کیا، تو اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کے خلیفہ بننے پر تمام مسلمان متفق نہیں۔

رہی یہ بات کہ میں نے آپ کا نام لیا ہے اور کنیت سے نہیں پکارا تو سنو! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو نام لے کر پکارا ہے جس طرح کہ قرآن مجید نے ارشاد فرمایا۔

يَا نُوحُ ...... يَا دَاوٗدُ ...... يَا يَحْيٰى ...... يَا مُوْسٰى ...... يَا عِيْسٰى

اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے پکارا ہے: جیسا کہ "تَبَّتْ يَدَا اَبِيْ لَهَبٍ" سے ظاہر ہے۔

رہی یہ بات کہ میں آپ کی اجازت کے بغیر ہی بیٹھ گیا، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میں نے امیر المؤمنین حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"اِذَا أَرَدْتَّ أَنْ تَنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ النَّارِ فَانْظُرْ اِلٰی رَجُلٍ جَالِسٍ، وَحَوْلَهُ قَوْمٌ قِیَامٌ بَیْنَ یَدَیْهِ"

تَرْجَمَہ: ''اگر کسی جہنمی کو دیکھنا چاہیں تو اس شخص کو دیکھ لیں جو خود بیٹھا ہو اور دوسرے لوگ ہاتھ باندھے اس کے اردگرد کھڑے ہوں۔''

مجھے ناگوار گزرا کہ آپ وہ شخص ہوں جسے اہل جہنم میں شمار کیا جائے۔

ہشام نے یہ سن کر شرمندگی سے اپنا سر جھکا لیا۔ پھر اس نے اپنا سر اٹھایا اور کہا: اے ابوعبدالرحمٰن! مجھے کوئی نصیحت کیجیے!

آپ نے فرمایا: میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

"إِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ حَيَّاتٌ كَالْقِلَالِ......"

تَرْجَمَہ: ''جہنم میں لمبے اور موٹے ستونوں کی طرح خوفناک سانپ ہوں گے۔''

"وَعَقَارِبَ كَالْبِغَالِ......"

تَرْجَمَہ: ''اور خچروں کی طرح بچھو۔''

"تَلْدَغُ كُلَّ رَاعٍ لَا يَعْدِلُ فِيْ رَعِيَّتِهٖ"

تَرْجَمَہ: ''جو ہر اس حکمران کو ڈسیں گے جو اپنی رعایا میں انصاف نہیں کرتا۔''

یہ کہہ کر آپ وہاں سے اٹھے اور چلے گئے۔

ابن نجیح سے سلام کا جواب نہ دے کر منہ پھیرنا

حضرت طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ بعض حکمرانوں کے پاس نصیحت اور تلقین کرنے کے لیے بخوشی چلے جایا کرتے تھے۔

بعض اوقات تنبیہ کے طور پر بلانے پر بھی حکمرانوں کے پاس نہیں جاتے تھے، ان کے ایک بیٹے بیان کرتے ہیں:

ایک سال میں ابا جان کے ساتھ حج کرنے کے لیے یمن سے روانہ ہوا۔ ہم نے دورانِ سفر ایک شہر میں قیام کیا۔ یہاں حکومت کی طرف سے ابن نجیح عامل مقرر تھا اور اس کی شہرت اچھی نہ تھی، یہ حق کی مخالفت کرنے اور باطل کی طرف داری کرنے کی بنا پر بدنام ہو چکا تھا۔

ہم نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں گئے، وہاں ابا جان کی آمد کا سن کر یہ بھی انہیں ملنے کے لیے آ گیا۔

اس نے آپ کے سامنے باادب بیٹھ کر سلام عرض کیا۔

آپ نے اس کے سلام کا جواب نہ دیا بل کہ نفرت کی بنا پر اس سے اپنا منہ پھیر لیا۔

اس نے آپ کی دائیں طرف ہو کر بات کی۔

آپ اعراض کرتے (منہ پھیرتے) ہوئے بائیں طرف سے مڑ گئے۔

اس نے بائیں جانب ہو کر بات کی آپ اس سے اعراض کرتے رہے۔

جب میں نے یہ منظر دیکھا تو میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور کہا جناب! میرے ابا جان نے آپ کو پہچانا نہیں۔

اس نے کہا: آپ کے ابا جان مجھے پہچانتے ہیں۔ میرے ساتھ ان کا جو برتاؤ آپ دیکھ کر رہے ہیں یہ اس بات کی علامت ہے کہ یہ مجھے اچھی طرح پہچانتے ہیں۔ پھر وہ خاموشی سے چلا گیا۔

جب ہم واپس اپنے کمرے میں آئے تو ابا جان نے غصے سے مجھے کہا: ارے احمق! تم غیر حاضری میں ان لوگوں کے خلاف باتیں کرتے ہو اور جب یہ سامنے آتے ہیں تو تم بھیگی بلی بن جاتے ہو۔

یہ منافقت نہیں تو اور کیا ہے؟

حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو نصیحت

حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ صرف حکمرانوں کو ہی وعظ و نصیحت نہیں کیا کرتے تھے، بل کہ ہر اس شخص کو وعظ و نصیحت کرتے جو آپ سے مانوس ہوتا یا کسی ضرورت پر آپ کے پاس آتا۔

مشہور و معروف تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے مجھے ایک حکمران کے پاس جاتے ہوئے دیکھ لیا، تو آپ نے مجھے ارشاد فرمایا:

"يَا عَطَاءُ، إِيَّاكَ أَنْ تَرْفَعَ حَوَائِجَكَ إِلٰى مَنْ أَغْلَقَ فِيْ وَجْهِكَ بَابَهُ ......"

تَرْجَمَہ: "عطاء میری بات غور سے سنو! اپنی کوئی ضرورت ایسے شخص کے سامنے پیش نہ کرو جس نے اپنے دروازے بند کر رکھے ہوں۔"

"وَأَقَامَ دُوْنَكَ حُجَّابَهُ ......"

تَرْجَمَہ: "اپنے دروازوں پر دربانوں کو بٹھا رکھا ہو۔"

"وَ إِنَّمَا اطْلُبْهَا مِمَّنْ أَشْرَعَ لَكَ أَبْوَابَهُ ......"

تَرْجَمَہ: "بل کہ اپنی ہر ضرورت اس کے سامنے پیش کرو جس نے ہر دم اپنے دروازے اپنے

بندوں کے لیے کھلے رکھے ہوئے ہیں۔"

"وَطَالَبَكَ بِأَنْ تَدْعُوَهُ ...... وَوَعَدَكَ بِالْإِجَابَةِ ......"

ترجمہ: "وہ تم سے مطالبہ کرتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ میں اپنے بندوں کی دعا کو قبول کروں گا۔"

بیٹے کو نصیحت

اپنے بیٹے کو مخاطب کر کے یہ ارشاد فرمایا:

"صَاحِبِ الْعُقَلَاءَ تُنْسَبُ إِلَيْهِمْ"

ترجمہ: "(میرے پیارے بیٹے! عقل مندوں کی مجلس میں بیٹھا کرو۔ لوگ تمہیں بھی عقل مند کہیں گے اگرچہ تم عقل وسمجھ کے اس معیار پر نہ بھی ہو) کیوں کہ عقل مندوں کے دوست کو انہی میں سے شمار کیا جاتا ہے۔"

"وَلَا تُصَاحِبِ الْجُهَّالَ، فَإِنَّكَ إِنْ صَحِبْتَهُمْ نُسِبْتَ إِلَيْهِمْ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مِنْهُمْ ......"

ترجمہ: "(یاد رکھو!) جاہلوں کے ساتھ مت بیٹھا کرو ورنہ لوگ تمہیں بھی جاہل کہیں گے اگرچہ جہالت کے ساتھ تمہارا دور کا بھی واسطہ نہ ہو۔"

"أَنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ غَايَةً......"

ترجمہ: "(خوب اچھی طرح جان لو) ہر چیز کا کوئی نہ کوئی بنیادی مقصد ہوتا ہے۔"

"وَأَنَّ غَايَةَ الْمَرْءِ تَمَامُ دِينِهِ"

ترجمہ: "اور انسان کا مقصد اپنے دین کے تمام فرائض کو پورا کرنا۔"

"وَكَمَالُ خُلُقِهِ"

ترجمہ: "اور اپنے اخلاق کو کمال درجہ تک پہنچانا ہے۔"

ان کے بیٹے عبداللہ اپنے والد کے نقش قدم پر چلے اور ان کے اخلاق کو اپنایا۔

حضرت عبداللہ بن طاووس رحمہ اللہ تعالیٰ کی ابو جعفر منصور کو نصیحت

ایک مرتبہ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے حضرت طاووس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے حضرت عبداللہ اور حضرت مالک بن انس رحمہما اللہ تعالیٰ کو ملاقات کے لیے بلایا۔ جب یہ دونوں اس کے دربار میں گئے تو

اس نے حضرت عبداللہ بن طاوس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی طرف دیکھا اور کہا:

ہمیں کوئی ایسی نصیحت کریں جو آپ نے اپنے ابا جان سے سنی ہو!

انہوں نے کہا: مجھے ابا جان نے یہ حدیث سنائی ہے:

"إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ أَشْرَكَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْ سُلْطَانِهٖ، فَأَدْخَلَ الْجَوْرَ فِيْ حُكْمِهٖ"

تَرْجَمَہ: "قیامت کے دن سب سے زیادہ اس شخص کو عذاب ہوگا، جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا حکمران بنایا لیکن اس نے ظلم وستم سے کام لیا۔"

حضرت مالک بن انس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ بات سنتے ہی اس اندیشے سے اپنے کپڑے سمیٹ لیے کہ خلیفہ غصے سے آگ بگولا ہو کر کہیں ان کی گردن نہ اڑا دے اور خون کے چھینٹے میرے کپڑوں پر نہ پڑ جائیں۔

لیکن خلاف توقع ابوجعفر یہ تلخ (ناگوار) حقیقت سن کر خاموش رہا اور پر امن انداز میں ہمیں واپس جانے کی اجازت دی۔

قرآن مجید کا عالم آخر دم تک ذہین رہتا ہے

حضرت طاوس بن کیسان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے سو سال سے کچھ زائد عمر پائی اس بڑھاپے میں بھی ان کا ذہن تر و تازہ رہا، فکر و سمجھ داری میں بدستور تیزی اور تازگی رہی، اور گفتگو میں بے ساختگی، طاقت اور روانی رہی۔

حضرت عبداللہ شامی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت طاوس بن کیسان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا چرچا (شہرت) سن کر ان سے علم حاصل کرنے کے لیے ان کے گھر حاضر ہوا۔ اس سے پہلے میں نے انہیں نہیں دیکھا تھا، میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے ایک بڑی عمر کے شیخ باہر نکلے، میں نے انہیں سلام کیا اور پوچھا: کیا آپ طاوس بن کیسان ہیں؟

انہوں نے فرمایا: نہیں میں ان کا بیٹا ہوں۔

میں نے یہ سن کر کہا: سبحان اللہ! اگر آپ ان کے بیٹے ہیں تو وہ انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے اپنا حافظہ کھو بیٹھے ہوں گے، میں تو بہت دور سے علم حاصل کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

اس نے کہا: آپ غم گین نہ ہوں وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ قرآن مجید کا عالم آخر دم تک ذہین و سمجھ دار رہتا ہے۔ آپ اندر تشریف لائیں، ان سے ملاقات کریں۔

میں اندر گیا، سلام عرض کیا اور اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ میں بڑی دور سے چند علمی مسائل سمجھنے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔

آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے سوال کیجئے لیکن مختصر۔

میں نے عرض کیا: ان شاء اللہ اپنی حد تک مختصر سوال کرنے کی کوشش کروں گا، میں ابھی سوال کرنے کے لیے پرتول (سوچ) ہی رہا تھا کہ آپ نے ارشاد فرمایا، کیا میں آپ کے سامنے تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید کا خلاصہ نہ بیان کردوں؟

میں نے کہا: کیوں نہیں؟ یہ میری خوش قسمتی کی بات ہوگی ارشاد فرمائیے۔

تو انہوں نے فرمایا:

"خَفِ اللّٰهَ تَعَالٰى خَوْفًا بِحَيْثُ لَا يَكُوْنُ شَيْءٌ أَخْوَفَ لَكَ مِنْهُ ......"

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ (کی نافرمانی) سے اتنا ڈرو کہ اس کی ناراضگی کے خوف پر کسی اور خوف کا غلبہ نہ ہونے پائے۔"

"وَارْجُهُ رَجَاءً أَشَدَّ مِنْ خَوْفِكَ اِيَّاهُ......"

تَرْجَمَۃ: "اور اس سے اس قدر امید رکھو کہ یہ امید اس کے خوف پر غالب آجائے۔"

"وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ ......"

تَرْجَمَۃ: "اور لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم خود اپنے لیے پسند کرتے ہو۔"

۱۰ر ذی الحجہ ۱۰۶ھ کی شام کو حضرت طاوس بن کیسان رحمہ اللہ تعالیٰ حجاج کرام کے ساتھ میدان عرفات سے مزدلفہ کی جانب لوٹ رہے تھے یہ ان کا چالیسواں حج تھا، جب مزدلفہ پہنچے، اس کی پاکیزہ فضا میں پڑاؤ ڈالا، مغرب اور عشاء ملا کر نماز ادا کی، آرام کی غرض سے ابھی زمین پر لیٹے ہی تھے کہ آپ کا انتقال ہوگیا۔

اپنے خاندان اور وطن سے دور اس حال میں اللہ تعالیٰ کو جا ملے کہ آپ نے احرام باندھا ہوا تھا۔

زبان پر "لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" کا دل فریب اور خوب صورت ترانہ تھا۔

اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید دل میں تھی۔ حج کی وجہ سے گناہوں سے یوں پاک ہو چکے تھے جیسے آج ہی والدہ نے انہیں جنم دیا ہو۔

جب صبح ہوئی زیارت کرنے والے لوگوں کا اس قدر ہجوم ہو چکا تھا، کہ جنازہ اور دفن کے لیے مکہ مکرمہ کے گورنر کو پولیس کی مدد لینا پڑی تاکہ وہ لوگوں کو پیچھے ہٹا سکے اور آپ کے کفن دفن کا اہتمام آسانی سے کیا جا سکے۔ بڑی بھاری تعداد میں لوگ جنازے میں شریک ہوئے۔ نماز جنازہ پڑھنے والوں میں خلیفہ وقت ہشام

بن عبدالملک بھی موجود تھا۔

فوائد ونصائح

انسان کی قدر اور عزت اس وقت ہوتی ہے جب وہ محنت کر کے کسی شعبے میں ماہر بنے۔ اور سب سے اونچا شعبہ علم کا ہے۔ جب آدمی اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت سے علم حاصل کرنے میں خوب محنت کرتا ہے، علم حاصل کرنے میں جو مشقت وتکلیف ہوتی ہے اسے برداشت کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسے بہت زیادہ عزت عطا فرماتے ہیں یہاں تک کہ بادشاہ، وزیر، عوام وخواص سب اس کی عزت کرنے لگ جاتے ہیں۔

ہم بھی علم حاصل کرنے میں خوب محنت کریں، دل لگا کر پڑھیں اور سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جن سے ہم علم حاصل کر رہے ہیں یعنی اساتذہ کرام، ان کا بہت زیادہ ادب کریں ان کا کہنا مانیں اور جتنا ہو سکے اپنے اساتذہ کی خدمت کریں اور جو علم حاصل کریں وہ دوسروں تک پہنچائیں۔

علم کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اسے حاصل کرنے کے بعد دوسروں تک پہنچایا جائے اس سے ہمارے اپنے علم میں ترقی اور اضافہ ہوگا۔ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے جب کہ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے۔

اس لیے جو وقت ملے اس میں علمی چیزوں میں لگے رہیں اور ایسے ہی لوگوں سے دوستی کریں جو علم حاصل کرنے والے ہوں، علم سے محبت کرتے ہوں اور اپنے وقت کو ضائع کرنے کے بجائے قیمتی بناتے ہوں۔ اور اس کے لیے ① ''کامیاب طالب علم'' ② ''مطالعہ کی اہمیت'' ③ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کے واقعات'' مطبوعہ دارالہدیٰ ④ ''تراشے'' مطبوعہ ادارۃ المعارف، ⑤ ''متاعِ وقت اور کاروانِ علم'' مطبوعہ مکتبہ عمر فاروق کراچی، ان کتابوں کا مطالعہ طلباء کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت فائدہ مند ہوگا۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو کیا نصیحت کی؟

سُؤال: ہشام بن عبدالملک حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے رویہ پر کیوں ناراض ہوئے؟

سُؤال: حضرت طاووس بن کیسان رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے ہشام بن عبدالملک کے سوالات کے کیا جوابات دیئے؟

سُؤال: خلیفہ ابوجعفر منصور کو حضرت عبداللہ بن طاووس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کون سی حدیث سنائی؟

حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ

"لَوْ كَانَ لِيْ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ لَوَلَّيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْخِلَافَةَ" (عمر بن عبدالعزیز)

ترجمہ: "اگر میرے اختیار میں ہوتا تو قاسم بن محمد کو خلیفہ مقرر کر دیتا۔"

تعارف

کیا آپ ان جلیل القدر (بڑے مرتبے والے) تابعی کے متعلق کچھ جانتے ہیں؟ یہ ایک ایسے نوجوان ہیں کہ ہر جانب سے قابلیت و بزرگی ان پر آ کر ٹھہرتی ہے وہ اس طرح:

ان کے دادا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

ان کی والدہ، ایران کے آخری حکمران یزدجرد کی بیٹی ہیں۔

ان کی پھوپھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں۔

ان تمام تر خصوصیات سے بڑھ کر یہ تقویٰ اور علم والے تھے۔ کیا اس سے بڑھ کر کوئی اور قابلیت ہو سکتی ہے کہ جس کی لوگ تمنا کریں؟

یہ ہیں قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رحمہ اللہ تعالیٰ۔

سات فقہائے مدینہ میں سے ایک......

اپنے دور کے سب سے بڑے عالم......

علماء میں سب سے بڑھ کر ذہین......

سب سے بڑھ کر متقی و پرہیزگار......

آیئے ان کی داستان زندگی کے بیان کا آغاز کرتے ہیں۔

بچپن میں والد کا انتقال

حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری دنوں میں پیدا ہوئے۔ یہ ننھے سے بچے ابھی جھولا جھول رہے تھے کہ مسلمانوں کے گھروں پر شرپسندوں نے حملہ کیا۔ عابد، زاہد، ذوالنورین (دو نور والے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیوں کے شوہر)

اور رقیق القلب (نرم دل) خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو اس حال میں شہید کر دیا گیا جب کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔

امیر المؤمنین حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اور ملک شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے درمیان حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی شہادت کی وجہ سے شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔

خون ریز لڑائی (ایسی لڑائی کہ جس میں بہت لوگ مارے جائیں) کا آغاز ہوا۔ دونوں طرف سے مسلمانوں کا خون بہنے لگا۔ افسوس ناک اور تکلیف دہ واقعات ہونے لگے۔ اس خوفناک دور میں حضرت قاسم اور ان کی بہن کو مدینہ سے مصر منتقل کر دیا گیا۔ کیوں کہ ان کے ابا جان کو امیر المؤمنین حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے مصر کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔

پھر اس خونی فتنے میں ان کے ابا جان بھی شہید کر دیے گئے۔

جب حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے ساتھی غالب آئے تو انہیں دوبارہ مصر سے مدینہ منورہ منتقل کر دیا گیا۔ اب یہ یتیم ہو چکے تھے۔

اپنی پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کے گھر پرورش

حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اپنے اس دردناک سفر کی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جب میرے ابا جان کو مصر میں شہید کر دیا گیا، تو میرے چچا عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق تشریف لائے۔ مجھے اور میری چھوٹی بہن کو گود میں لیا اور مدینہ منورہ روانہ ہوئے۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو میری پھوپھی حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا ہمیں چچا کے گھر سے اٹھا کر اپنے گھر لے گئیں اور اپنی نگرانی میں ہماری پرورش کرنے لگیں۔

میں نے ان سے بڑھ کر کسی ماں یا باپ کو اپنی اولاد پر اتنی شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔ یہ اپنے ہاتھ سے ہمیں کھانا کھلاتیں اور خود ساتھ نہ کھاتیں بل کہ جب کھانا ہم سے بچ جاتا تو پھر کھاتیں۔

یہ ہمارے ساتھ اس طرح شفقت سے پیش آتیں جیسے دودھ پلانے والی ماں اپنے دودھ پیتے بچے پر شفقت و محبت نچھاور کرتی ہے۔ ہمیں نہلاتیں ہمارے بالوں میں کنگھی کرتیں، اور صاف ستھرے، چمکیلے، سفید کپڑے پہناتیں۔ ہمیں ہر وقت نیکی کرنے کی ترغیب دلاتیں اور اچھے کام کرنے کی تربیت دیتیں، برے کاموں سے منع کرتیں اور ان سے باز رہنے کی تلقین کرتی رہتیں۔

قرآن مجید کی آیات کے ذریعے ہمیں اتنے اچھے اور آسان انداز میں نصیحت کرتیں کہ ہم آسانی سے سمجھ

جاتے اور ہمیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو روایت کرنے (آگے دوسروں کو بتانے) کی تربیت دیتیں۔

ہر عید کے موقع پر دل کھول کر ہمیں تحائف دیتیں، ۹ ذی الحجہ عرفہ کی شام کو میرے بال کٹواتیں، مجھے اور میری بہن کو نہلاتیں، ۱۰ ذی الحجہ عید کے دن ہمیں نئے کپڑے پہناتیں۔

اور نماز عید پڑھنے کے لیے پیار بھرے انداز میں روانہ کرتیں، جب ہم عید کی نماز سے فارغ ہو کر گھر آتے تو میرے اور میری بہن کے سامنے قربانی کا جانور ذبح کرواتیں۔

ایک روز آپ نے ہمیں سفید کپڑے پہنائے، مجھے آپ نے ایک گھٹنے پر بٹھالیا اور میری بہن کو دوسرے گھٹنے پر، پھر ہمارے چچا عبدالرحمٰن کو بلایا، جب وہ اندر تشریف لائے تو آپ نے انہیں سلام کیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد اتنے اچھے طریقہ سے بات کرنے لگیں کہ میں نے ایسی بہترین گفتگو پہلے کسی سے نہ سنی تھی۔

آپ نے ارشاد فرمایا: بھائی جان! جب سے میں نے یہ دونونہال آپ سے اپنی گود میں لیے، میں نے محسوس کیا کہ آپ کو یہ ناگوار گزرا اور آپ مجھ سے کچھ دور رہنے لگے۔

اللہ کی قسم! اس سے آپ کو کوئی تکلیف دینا میرا مقصد نہ تھا، نہ ہی میں آپ پر اپنی کوئی بڑائی جتلانا چاہتی تھی اور نہ ہی آپ کے بارے میں کوئی برا خیال دل میں آیا، کہ آپ ان کی پرورش میں کوتاہی کریں گے۔ بل کہ میں نے سوچا آپ بیوی بچے والے آدمی ہیں یہ چھوٹے بچے ہیں خود اپنا کام سنبھال نہیں سکتے، مجھے صرف یہ فکر ہوئی کہ کہیں آپ کی بیویاں انہیں اپنے لیے بوجھ نہ سمجھیں۔

میں نے سوچا کہ اس صورت حال میں سب سے زیادہ میرا فرض بنتا ہے کہ ان کی دیکھ بھال کروں۔ اب ماشاء اللہ یہ جوان ہو چکے ہیں، خود اپنے آپ کو سنبھال سکتے ہیں، اب آپ انہیں اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہمارے چچا عبدالرحمٰن ہمیں اپنے گھر لے گئے۔

لیکن حضرت قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کا دل اپنی پھوپھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر کے ساتھ وابستہ (جڑا) رہا۔

دن کا کچھ حصہ چچا کے گھر گزارتے اور باقی حصہ اپنی پھوپھی کے گھر۔ اپنی پھوپھی کے گھر کی نہ بھلائی جانے والی یادیں ان کے دل میں بسی رہیں۔ ان یادوں کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن اپنی پھوپھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا:

اماں جان! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے دونوں بہت قریبی ساتھیوں (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کی قبروں سے پردہ ہٹائیں، میں انہیں دیکھنا چاہتا ہوں، ان کی زیارت (یعنی دیکھنا) میرا دلی شوق ہے۔

یہ تینوں قبریں حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا کے حجرے (کمرے) میں بنائی گئی تھیں اور انہیں کپڑے سے ڈھانپا ہوا تھا۔

انہوں نے تینوں قبروں سے پردہ ہٹایا۔ میں نے دیکھا کہ نہ وہ زیادہ اونچی تھیں اور نہ ہی زمین کے ساتھ لگی ہوئیں، اوران پر سرخ رنگ کے پتھر کے وہ باریک ٹکڑے پھیلائے ہوئے تھے جو مسجد نبوی کے صحن میں بچھائے ہوئے تھے۔

میں نے پوچھا:

''أَيْنَ قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟''

تَرْجَمَہ: ''رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قبر کون سی ہے؟''

انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا:

''یہ!'' یہ کہتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، لیکن جلدی سے انہیں صاف کرنے لگیں تاکہ میں نہ دیکھ لوں۔

میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی قبر اپنے دونوں ساتھیوں کی قبروں سے تھوڑی سی آگے بڑھا کر بنائی گئی تھی۔

میں نے پوچھا: میرے دادا جان حضرت ابوبکر صدیق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی قبر کون سی ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ یہ ہے۔

ان کو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے سر مبارک کے نزدیک دفنایا گیا۔

میں نے کہا: یہ حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی قبر ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں۔

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا سر میرے دادا جان کے سینے اور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے مبارک قدموں کے قریب تھا۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے علمِ حدیث حاصل کرنا

جب حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ جوانی کو پہنچے تو قرآن مجید حفظ کر چکے تھے اور اپنی پھوپھی حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہَا سے حدیث رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کا علم بھی کافی حد تک حاصل کر چکے تھے۔

پھر وہ مزید علم حاصل کرنے کے لیے مسجد نبوی میں پھیلے ہوئے علمی حلقوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ یہ علمی

حلقے مسجد نبوی کے صحن میں اس طرح جگمگا رہے تھے جیسے آسمان پر ستارے۔

ان صدیقی نوجوان، عالم، فقیہ نے حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت عبداللہ بن جعفر، حضرت عبداللہ بن خباب، حضرت رافع بن خدیج اور حضرت اسلم مولیٰ عمر بن خطاب رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُمْ سے حدیث روایت کی، یہاں تک کہ یہ ایک بڑے امام کے منصب پر فائز ہوئے اور اپنے دور کے سب سے بڑے عالم، فقیہ اور محدث (حدیث کا علم رکھنے والے) کہلائے۔

مسجدِ نبوی میں درس دینا

جب یہ صدیقی نوجوان علم و معرفت کے اعلیٰ اور اونچے مقام پر فائز ہوئے تو لوگ ان سے علم حاصل کرنے کے لیے بہت شوق سے ان کی طرف لپکے، انہوں نے بھی کھلے دل سے علم حاصل کرنے کے لیے آنے والوں پر پوری توجہ دی۔

یہ ہر روز صبح کے وقت مسجدِ نبوی تشریف لاتے اور کبھی ناغہ نہ کرتے۔ دو رکعت نماز پڑھتے، پھر یہ روضۂ رسول اور منبر کے درمیان اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے، ہر جانب سے آنے والے طلبہ کا یہاں ہجوم رہتا اور وہ ان سے علم حاصل کرنے میں ہر وقت مشغول رہتے۔ اور جی بھر کر علم و معرفت کی باتیں کرتے۔ تھوڑے ہی عرصے میں حضرت قاسم بن محمد اور ان کے خالہ زاد بھائی حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رَحِمَهُمَا اللهُ تَعَالیٰ مدینہ کے قابل اعتماد امام مشہور ہوئے۔

لوگوں کے دلوں پر ان کی حکومت تھی حالاں کہ یہ حکومت و سلطنت کے کسی عہدے پر فائز نہ تھے، لوگوں نے انہیں اپنا سردار بنا لیا کیوں کہ یہ تقویٰ و پاکیزگی کے زیور سے آراستہ تھے، ان کا سینہ علم و فقہ سے منور تھا۔ یہ لوگوں سے بے نیاز (بے پروا) اور اللہ تعالیٰ کے ہر دم نیاز مند (محتاج) رہتے۔

مسجدِ نبوی کی توسیع

ان کے بلند مرتبے کا آپ یہاں سے اندازہ لگائیں کہ بنو امیہ کے حکمران، سلطنت کے معاملوں میں سے ہر اہم معاملہ ان کی رائے سے نپٹاتے۔

ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی کی توسیع (یعنی مسجد نبوی کو بڑا کرنے) کا ارادہ کیا، یہ توسیع اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک چاروں طرف سے اس کی دیواروں کو گرایا نہ جاتا اور ازواج مطہرات رَضِیَ اللهُ تَعَالیٰ عَنْهُنَّ کے گھروں کو گرا کر مسجد میں شامل نہ کر دیا جاتا۔ یہ بات عام لوگوں کے لیے ناگوار تھی، ان کے دل اس کام پر خوش نہ تھے۔

ولید بن عبدالملک نے مدینہ منورہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی طرف خط لکھا:

"لَقَدْ رَأَيْتُ أَنْ أُوَسِّعَ مَسْجِدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يُصْبِحَ مِائَتَيْ ذِرَاعٍ فِيْ مِائَتَيْ ذِرَاعٍ.

فَاهْدِمْ جُدْرَانَهُ الْأَرْبَعَةَ، وَأَدْخِلْ فِيْهِ حُجَرَ زَوْجَاتِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ......

وَاشْتَرِ مَا فِيْ نَوَاحِيْهِ مِنَ الْبُيُوْتِ......

وَقَدِّمِ الْقِبْلَةَ إِنْ قَدَرْتَ."

"وَ إِنَّكَ تَسْتَطِيْعُ ذٰلِكَ لِمَكَانِ أَخْوَالِكَ اٰلِ الْخَطَّابِ، وَمَنْزِلَتِهِمْ فِيْ قُلُوْبِ النَّاسِ.

فَإِذَا أَبٰى عَلَيْكَ أَهْلُ الْمَدِيْنَةِ ذٰلِكَ: فَاسْتَعِنْ بِالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَشْرِكْهُمَا مَعَكَ فِي الْأَمْرِ......

وَادْفَعْ إِلَى النَّاسِ أَثْمَانَ بُيُوْتِهِمْ بِسَخَاءٍ......

وَ إِنَّ لَكَ فِيْ ذٰلِكَ سَلَفَيْ صِدْقٍ......

هُمَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ."

تَرجَمَہ: "میں مسجد نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کی دوسوضرب دوسو (۲۰۰×۲۰۰) کے حساب سے توسیع کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی چاروں جانب سے دیواریں گرا دیں اور ازواج مطہرات رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُنَّ کے حجرے مسجد میں شامل کر دیں اور مسجد کے آس پاس کے گھر بھی خرید لیں۔ ہو سکے تو قبلے کی طرف مسجد کو مزید آگے بڑھا دیں۔"

"آپ یہ کام بخوبی کر سکتے ہیں کیوں کہ لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت اور آپ کا ایک مقام ہے۔ اگر مدینہ والے پھر بھی انکار کریں تو قاسم بن محمد اور سالم بن عبداللہ بن عمر کا تعاون حاصل کر لینا۔ لوگوں کے گھروں کی قیمتیں سخاوت کے ساتھ فوراً ادا کر دیں۔ یہ کام سرانجام دینے کے لیے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کا نمونہ آپ کے سامنے ہے۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ اور مدینہ منورہ کے دوسرے بڑے علماء کو بلایا۔ ان کے سامنے امیر المؤمنین کا خط پڑھ کر سنایا، مسجد نبوی کی توسیع سے متعلق خلیفہ کا عزم سن کر سب نے خوشی کا اظہار کیا اور اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے سب تیار ہو گئے۔

جب لوگوں نے دیکھا کہ مدینہ کے دو عظیم اور بڑے عالم اپنے ہاتھوں سے مسجد نبوی کی دیواریں گرا رہے ہیں تو سب لوگ آگے بڑھے تاکہ مسجد نبوی کی توسیع کے لیے زمین کو ہموار کیا جائے۔ اس وقت لشکر اسلام استنبول شہر کے مضبوط قلعوں تک پہنچ چکا تھا اور بہادر جرنیل مسلمہ بن عبدالملک بن مروان کی قیادت میں آس پاس کے قلعے فتح کر رہے تھے۔ یہ دراصل استنبول کو فتح کرنے کی تیاری تھی۔

جب روم کے بادشاہ کو امیر المؤمنین کے مسجد نبوی کی توسیع کے منصوبے کا علم ہوا، تو اس نے امیر المؤمنین سے اپنے تعلقات بڑھانے کے لیے ایک لاکھ سکّے، سو ماہر معمار، مزدوروں کی ایک بڑی تعداد اور کافی مقدار میں اعلیٰ قسم کا سنگ مرمر امیر المؤمنین ولید بن عبدالملک کی طرف روانہ کیا۔

ولید نے یہ تمام سامان حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ اسے مسجد نبوی کی تعمیر میں استعمال کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت قاسم بن محمد اور حضرت سالم بن عبداللہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے مشورے سے یہ قیمتی سامان مسجد نبوی میں استعمال کیا۔

حضرت قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ کا علم اور عاجزی

حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ عادات و مزاج میں ہو بہو اپنے دادا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان میں یہ لڑکا اخلاق کی پاکیزگی، ایمان وتقویٰ کی مضبوطی اور سخاوت میں بالکل صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشانی ہے۔

ان کی بہت سی باتیں اور عادتیں اس کا ثبوت ہیں۔

ایک بدوی (دیہاتی) نے مسجد میں ان سے سوال کیا:

"أَيُّمَا أَعْلَمُ أَنْتَ أَمْ سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ؟"

تَرجَمہ: "تم بڑے عالم ہو یا سالم بن عبداللہ؟"

آپ نے اس سوال کے جواب میں خاموشی اختیار کی۔

اس نے دوبارہ سوال کیا:

آپ نے جواب میں صرف سبحان اللہ کہا۔

اس نے تیسری مرتبہ سوال دوہرایا، تو آپ نے صرف یہ ارشاد فرمایا: دیکھو بھائی سالم وہاں بیٹھے ہیں ان سے دریافت کرلو۔

دراصل اپنے منہ سے یہ کہنا انہیں ناپسند تھا کہ میں سالم سے بڑا عالم ہوں اور یہ بھی کہنا نہیں چاہتے تھے کہ وہ بڑے عالم ہیں۔ اس طرح یہ جھوٹ ہو جاتا کیوں کہ حقیقت میں ان کا درجہ علم کے لحاظ سے سالم سے بڑا تھا۔

ایک دن منیٰ میں یہ منظر دیکھا گیا کہ حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی تشریف فرما ہیں، چاروں طرف سے حجاج کرام مسائل دریافت کرنے کے لیے سوالات کر رہے ہیں۔ جن مسائل کا انہیں علم تھا وہ جواب دے رہے ہیں اور جن کا علم نہیں تھا ان کے متعلق صاف صاف فرما رہے ہیں کہ اس مسئلے کا مجھے علم نہیں۔ میں یہ مسئلہ نہیں جانتا۔

لوگوں نے بڑا تعجب کیا۔ آپ نے انہیں فرمایا:

اللہ کی قسم! جو مسائل تم پوچھ رہے ہو وہ سب کے سب ہم نہیں جانتے۔ اگر جانتے ہوتے تو وہ آپ لوگوں سے چھپا کر نہ رکھتے اور نہ ہی دینی مسائل کو چھپانا ہمارے لیے جائز ہے اور فرمایا:

''وَلَأَنْ يَعِيْشَ الرَّجُلُ جَاهِلاً بَعْدَ أَنْ يَعْرِفَ حَقَّ اللّٰهِ عَلَيْهِ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَقُوْلَ مَالَا يَعْلَمُ.''

تَرْجَمَہ: ''میرے نزدیک جاہل کہلانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ وہ جانتے ہوئے بھی لوگوں کو غلط سلط مسائل بتائے۔''

حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی دیانت داری

ایک مرتبہ مستحقین میں صدقات و خیرات بانٹنے کی ذمہ داری انہیں سونپی گئی، آپ نے ہر حق والے کو حق ادا کرنے کے لیے پوری محنت، دیانت اور امانت کا ثبوت دیا۔ مستحقین میں سے صرف ایک آدمی اپنے حصے سے راضی نہ ہوا۔ وہ مسجد میں آیا، حضرت قاسم بن محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نماز پڑھ رہے تھے، اس آدمی نے صدقے کی تقسیم پر اعتراض کیا تو آپ کے بیٹے نے کہا:

اللہ کی قسم! تم اس شخص کے متعلق اعتراض کر رہے ہو جس نے تمہارے صدقے سے اپنے لیے ایک کوڑی بھی نہیں لی، کبھی ایک کھجور کی خیانت بھی نہیں کی۔

حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی نماز مختصر کی اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

بیٹا آج کے بعد کبھی ایسی کوئی بات نہ کرنا جس کا تجھے علم نہیں۔

لوگ بولے: بیٹے نے سچ کہا ہے، لیکن یہ اس کی تربیت کر رہے ہیں تاکہ اس کی زبان زیادہ بولنے سے

پرہیز کرے۔

حضرت قاسم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی اپنے بیٹے کو وصیت

حضرت قاسم بن محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بہتر (۷۲) سال سے کچھ زیادہ عمر پائی، آخری عمر میں بڑھاپے کی وجہ سے ان کی نظر جاتی رہی۔

آپ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں حج کی غرض سے مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ کیا، ابھی آپ راستے میں ہی تھے کہ موت کا وقت آگیا جب آپ کو اپنی زندگی کے آخری لمحات کا احساس ہوا تو اپنے بیٹے کو پاس بلایا اور ارشاد فرمایا:

"إِذَا أَنَا مِتُّ فَكَفِّنِّيْ بِثِيَابِيَ الَّتِيْ كُنْتُ أُصَلِّيْ فِيْهَا"

تَرجَمہ: "جب میں انتقال کر جاؤں تو مجھے میرے ان کپڑوں کا کفن پہنانا جن سے میں نماز پڑھتا ہوں۔"

"قَمِيْصِيْ......"

تَرجَمہ: "قمیض۔"

"وَ إِزَارِيْ......"

تَرجَمہ: "دھوتی۔"

"وَرِدَائِيْ......"

تَرجَمہ: "اور چادر۔"

"فَذٰلِكَ كَانَ كَفَنُ جَدِّكَ أَبِيْ بَكْرٍ"

تَرجَمہ: "یہی تیرے دادا ابوبکر (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ) کا کفن تھا۔"

"ثُمَّ سَوِّ عَلَيَّ لَحَدِيْ"

تَرجَمہ: "بیٹا! پھر مجھے لحد (قبر) میں اتار دینا۔"

"وَالْحِقْ بِأَهْلِكَ"

تَرجَمہ: "اور اپنے گھر چلے جانا۔"

"وَإِيَّاكُمْ أَنْ تَقِفُوْا عَلٰى قَبْرِيْ، وَتَقُوْلُوْا"

تَرجَمہ: "میری قبر پر کھڑے ہو کر یہ نہ کہنا:"

"كَانَ...... وَكَانَ"

تَرجَمہ: "میرا باپ ایسا تھا یا ایسی خوبیوں کا مالک تھا۔"

"فَمَا كُنْتُ شَيْئًا"

تَرجَمہ: "سنو! میں کچھ بھی نہیں ہوں اور نہ تھا۔"

فوائد و نصائح

❶ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہمیشہ آخرت کی تیاری میں لگے رہنا چاہئے اور زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنے چاہئیں تاکہ آخرت میں کام آسکیں۔ جب آدمی کا انتقال ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھ کوئی چیز نہیں لے کر جاتا، سب کچھ یہیں چھوڑ کر جاتا ہے۔

❷ دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ بڑائی صرف اللہ کے لیے ہے، ہمیں اپنے آپ کو بے حیثیت سمجھنا چاہئے، تکبر اور غرور سے بچنا چاہئے، کوئی ایسی بات بھی نہیں کرنی چاہئے جس میں تکبر یا غرور ہو۔ جو شخص اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتا تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی عزت اور محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں حدیث شریف میں ایک دعا مذکور ہے اور ہمیں اس دعا کا اہتمام کرنا چاہئے۔

نوٹ: یہ دعا صفحہ نمبر ۲۷۴ پر گزر چکی ہے۔

اس دعا کو اکثر نماز کے بعد مانگتے رہنا چاہئے۔ اور ہمیں اپنے اندر یہ صفات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

(الف) اگر کبھی ہمارے اوپر پریشانی کے حالات آئیں گے تو ہم نہ گھبرائیں گے اور نہ پریشان ہوں گے بلکہ ان حالات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہوئے ثابت قدم رہیں گے۔[1]

(ب) علم حاصل کریں گے اور اس کی جستجو میں کہیں بھی جانا پڑے دریغ نہیں کریں گے۔

(ج) آخرت کی تیاری کے اعمال خود بھی کریں گے اور اپنے دوستوں بھائیوں کو بھی ان اعمال کی ترغیب دیں گے۔

---

[1] ان شاء اللہ تعالیٰ پریشانیاں دور کرنے کی کتاب "پریشان ہونا چھوڑ دیجئے" (ناشر دارالہدیٰ) کا مطالعہ ہر شخص کے لیے بہت ہی فائدہ مند ہوگا، جس سے دل کو تسلی ملے گی، ذہنی سکون حاصل ہوگا اور پریشانیاں دور ہوں گی۔

سوال: حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے دادا کا کیا نام تھا؟

سوال: حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد کی شہادت کے بعد ان کی پرورش کس نے کی؟

سوال: حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے علم حاصل کیا ان میں سے تین کے نام بتائیں؟

سوال: حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا انتقال کس عمر میں اور کہاں ہوا؟

حضرت صلہ بن اشیم عدوی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ

"تَلَقّٰی صِلَةُ بْنُ أَشْيَمَ عَنْ جِلَّةِ الصَّحَابَةِ، وَاقْتَبَسَ مِنْ خِلَالِهِمْ، وَتَخَلَّقَ بِأَخْلَاقِهِمْ" (الاصبهانی)

تَرْجَمَہ: "حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ نے جلیل القدر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُمْ سے ملاقات کی، ان سے فیض حاصل کیا اور ان کے قابل تعریف اخلاق کو اپنایا۔"

قرآنِ کریم سے محبت

حضرت صلہ بن اشیم عدوی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ عبادت گزاروں میں سے ایک عبادت گزار اور شہ سواروں (گھڑ سواروں) میں سے ایک شہ سوار تھے۔ جب اندھیرا چھا جاتا، لوگ آرام کر رہے ہوتے تو یہ اٹھتے، جی لگا کر وضو کرتے پھر ایک کونے میں اس خاموش اور پرسکون ماحول کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، دنیا اور اس کی چیزوں سے بے خبر ہو کر اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو جاتے۔

عبادت کے دوران ان کے دل پر اللہ تعالیٰ کی محبت کا ایک خاص اثر ہونے لگتا اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ان کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو جاتیں۔

آپ صبح صادق کے وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے اور تلاوت بڑی سریلی اور دل لبھانے والی آواز میں کرتے، جس سے پورے ماحول میں سناٹا طاری ہو جاتا۔

قرآن مجید کی تلاوت سے ان کے دل پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی اور لذت و مٹھاس کا ایک گہرا احساس ہوتا۔

عقل و سمجھ خوفِ الٰہی کی وجہ سے متاثر ہو جاتی اور قرآن مجید کی تلاوت سے آپ کے جسم پر ایک ایسا لرزہ طاری ہوتا جس سے دل پر بہت اثر ہونے لگتا۔

حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ اس عبادت میں کبھی کوئی کوتاہی نہیں کرتے تھے۔ سفر ہو یا کسی جگہ ٹھہراؤ، کام ہو یا فراغت، وہ اپنے معمول میں کوئی فرق نہ آنے دیتے۔

حضرت جعفر بن زید رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم لشکر اسلام (اسلام کی فوج) کے ساتھ افغانستان کے دار الحکومت کابل کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے، اس لشکر میں صلہ بن اشیم بھی تھے۔

جب رات کا اندھیرا ہر طرف پھیل گیا تو لشکر پڑاؤ کی غرض سے رک گیا، سب نے کھانا کھایا اور نمازِ عشاء ادا کی پھر سب اپنے اپنے سفر کے سامان کے نزدیک آرام کے لیے لیٹ گئے۔ میں نے دیکھا کہ صلہ بن اشیم بھی اپنے سامان کے پاس جا کر لیٹ گئے۔

میں نے اپنے دل میں کہا:

لوگوں میں جو اِن کی عبادت اور خصوصاً رات کی عبادت کا چرچا ہے وہ کیا ہوا؟

لوگ تو کہتے تھے کہ یہ عبادت کے دوران اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ پاؤں میں ورم (درد) پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ کی قسم! آج میں رات بھر انہیں دیکھوں گا کہ ان کا معمول کیا ہے؟

میں کیا دیکھتا ہوں!!! جب لشکر کے تمام لوگ گہری نیند سو گئے تو یہ چپکے سے اٹھے، رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لشکر سے دور ایک گھنے جنگل کا رخ کیا، میں بھی چپکے سے ان کے پیچھے ہو لیا۔ وہ درختوں کے غول میں داخل ہوئے، گھاس اور جھاڑیوں نے اپنا سبز دامن ہر طرف پھیلا رکھا تھا، یوں معلوم ہوتا جیسے صدیوں سے کسی انسان کا یہاں سے گزر نہ ہوا ہو۔

وہ درختوں کے اس گھنے جنگل کے ایک خوف ناک اور ڈراؤنے ماحول میں قبلہ رخ ہو کر دنیا سے بے توجہ ہو کر نماز میں مصروف ہو گئے۔ میں نے دور سے دیکھا۔ ان کا چہرہ چمک رہا ہے...... جسمانی اعضاء پر سکون ہیں...... دل مطمئن ہے......... گویا کہ وہ اس خوف ناک ماحول کو پسند کرتے ہیں۔

انہیں اس دوری اور تنہائی میں قرب کا احساس ہو رہا ہے اور ایسی نہایت سخت تاریکی میں روشنی کی جھلک دکھائی دے رہی ہے۔

میں اچانک یہ دیکھ کر سکتے میں آ گیا کہ جنگل کی مشرقی جانب سے ایک شیر چلا آ رہا ہے۔ میں گھبراہٹ سے پسینہ پسینہ ہو گیا اور اس سے بچنے کی خاطر ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا۔

شیر صلہ بن اشیم کی طرف بڑھ رہا ہے اور وہ پوری توجہ سے اپنی نماز میں مشغول ہیں، صرف چند قدموں کا فاصلہ ہے۔

اللہ کی قسم! انہوں نے شیر کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا نہ اس کی پرواہ کی۔ جب آپ سجدے میں گئے تو میں نے کہا:

اب شیر ان پر حملہ کر دے گا۔ جب آپ سجدے سے اٹھ کر بیٹھ گئے تو شیر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا گویا کہ وہ آپ کو غور سے دیکھ رہا ہے، جب آپ نے سلام پھیرا تو بڑے سکون سے شیر کی طرف دیکھا اور چند کلمات پڑھے جو مجھے سنائی نہ دیئے۔ شیر اسی وقت بڑے آرام سے پلٹ کر اسی طرف چلا گیا جہاں سے آیا تھا۔ میں

یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔

جب صبح صادق ہوئی۔ وہ اٹھے اور فرض نماز ادا کی، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تعریف ایسے دل میں اثر پیدا کرنے والے انداز میں بیان کی کہ میں نے اس سے پہلے کسی کو بھی اس انداز میں تعریف کرتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ انہوں نے یوں دعا کی:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسَأَلُكَ أَنْ تُجِيْرَنِيْ مِنَ النَّارِ......"

تَرْجَمَہ: "الٰہی! مجھے جہنم کے عذاب سے بچالینا۔"

"وَهَلْ يَجْتَرِئُ عَبْدٌ خَاطِئٌ مِثْلِيْ أَنْ يَّسْأَلَكَ الْجَنَّةَ؟!"

تَرْجَمَہ: "الٰہی! کیا مجھ جیسا خطا کار بندہ بھی آپ سے جنت کا سوال کرنے کی جرات کر سکتا ہے؟"

یہ بات وہ بار بار دہرانے لگے یہاں تک کہ خود بھی رو پڑے اور مجھے بھی رلا دیا۔ پھر لشکر کی طرف واپس لوٹ آئے اور کسی کو رات بھر اپنی غیر حاضری کا پتہ بھی نہ چلنے دیا، وہ قوم کے سامنے اس طرح تازہ دم ظاہر ہوئے جیسے رات انہوں نے اپنے بستر پر گزاری ہو۔

میں بھی کچھ دیر بعد ان کے نقش قدم پر (پیچھے پیچھے) چلتا ہوا واپس آیا، لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ رات بھر جاگتے رہنے اور شیر کے خوف و ہراس کی وجہ سے میرا جسم تھکن سے چور ہو چکا تھا۔

حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ وعظ و نصیحت کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ آپ کے بیان کا انداز حکمت و دانائی اور مٹھاس سے بھرا ہوتا، جس سے سننے والوں کے دل بھی نرم ہو جاتے اور طبیعتوں میں اثر پیدا ہو جاتا۔

بعض اوقات تنہائی کی غرض سے عبادت کے لیے بصرہ کے قریبی جنگل کا رخ کرتے، تو نوجوانوں کے گروہ کے پاس سے آپ کا گزر ہوتا۔ آپ یہ دیکھتے کہ نوجوان کھیل کود اور ہنسی مذاق میں مشغول ہیں، آپ انہیں محبت بھرے انداز میں سلام کرتے اور بڑی نرمی سے گفتگو کرتے ہوئے ان سے کہتے:

"مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ قَوْمٍ أَزْمَعُوْا سَفَرًا لِأَمْرٍ عَظِيْمٍ: غَيْرَ أَنَّهُمْ كَانُوْا فِي النَّهَارِ يَحِيْدُوْنَ عَنِ الطَّرِيْقِ لِيَلْهُوْا وَيَلْعَبُوْا......"

تَرْجَمَہ: "بیٹو! مجھے یہ تو بتاؤ ایک قوم اگر کسی بڑے مقصد کے لیے سفر اختیار کرے، لیکن وہ راستے میں دن بھر کھیل کود میں مشغول ہو جائے۔"

"وَفِي اللَّيْلِ يَبِيْتُوْنَ لِيَسْتَرِيْحُوْا......"

تَرجَمَۃ: ''اور رات کو آرام کے لیے سوئی رہے۔''

''فَمَتٰی تَرَوْنَهُمْ یُنْجِزُوْنَ رِحْلَتَهُمْ......''

تَرجَمَۃ: ''کیا یہ قوم کبھی اپنی منزل پر پہنچ سکتی ہے؟''

اس بات کو آپ بار بار دہراتے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اسی طرح راستے میں نوجوانوں سے ملاقات ہوئی وہ کھیل میں مشغول تھے، آپ نے ان سے پھر یہی سوال پوچھا۔

تو ان میں سے ایک نوجوان اٹھا اور اس نے کہا:

اللہ کی قسم! جس قوم کے بارے میں یہ پوچھ رہے ہیں اس سے مراد ہم ہیں، ہم ہی تو وہ ہیں جو دن بھر کھیلتے ہیں اور رات کو سوتے رہتے ہیں۔ چناں چہ وہ نوجوان دوستوں کو چھوڑ کر حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللهُ تَعَالیٰ کے ساتھ رہنے لگا اور مرتے دم تک اس نے آپ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

سمجھانے کا انداز

ایک مرتبہ وہ اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ان کا کوئی کام نپٹانے کے لیے کہیں جا رہے تھے، ان کے سامنے سے ایک خوب صورت جوان گزرا، اس کا تہبند (لنگی) زمین پر گھسٹتا جا رہا تھا، اس کی چال ڈھال سے فخر اور تکبر ظاہر ہو رہا تھا، ساتھی اس کا یہ انداز دیکھ کر بھڑک اٹھے قریب تھا کہ اس پر حملہ کر دیتے۔

لیکن آپ نے انہیں روک دیا، پھر آپ نے فرمایا: اسے چھوڑ دیں اس کے لیے میں کافی ہوں۔

پھر آپ نے ایسے شفقت بھرے انداز سے نوجوان کو بلایا کہ جس طرح بہت محبت کرنے والا باپ اپنے لاڈلے بیٹے کو بلاتا ہے، یا کوئی مخلص دوست اپنے ساتھی کو محبت بھرے انداز میں بلاتا ہے۔ فرمایا:

''یَابْنَ أَخِيْ، اِنَّ لِيْ اِلَیْكَ حَاجَةً''

تَرجَمَۃ: ''بیٹا! مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔''

نوجوان ٹھہر گیا اور کہا: چچا جان! فرمائیے کیا کام ہے؟

آپ نے فرمایا:

''أَنْ تَرْفَعَ اِزَارَكَ، فَاِنَّ ذٰلِكَ أَنْقٰی لِثَوْبِكَ ...... وَأَتْقٰی لِرَبِّكَ ...... وَأَدْنٰی لِسُنَّةِ نَبِیِّكَ''

تَرجَمَۃ: ''اپنا تہبند ٹخنوں سے اوپر کر لیں، اس سے کپڑا بھی صاف رہے گا، تمہارا اور میرا رب بھی

راضی ہوگا اور تمہارے اور میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل ہو جائے گا۔"

"فَقَالَ الْفَتٰی فِیْ خَجَلٍ نَعَمْ، وَنِعْمَةَ عَيْنٍ......"

ترجمہ: "یہ محبت بھرا انداز دیکھ کر نوجوان شرمندہ ہو گیا اور عرض کیا: چچا جان! سر آنکھوں پر اور فوراً اپنی تہبند ٹخنوں سے اوپر اٹھا لیا۔"

حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

کسی کو سمجھانے کے لیے یہ انداز کس قدر اچھا ہے، اگر تم اسے مارتے یا گالی دیتے تو وہ بھی تمہیں مارتا اور گالی دیتا، اور وہ اپنے تکبر و غرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے کبھی بھی اپنی چادر اوپر نہ اٹھاتا اور وہ اسی طرح زمین پر گھسٹتی رہتی۔

ایک مرتبہ بصرہ کا ایک نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

ابوصہباء! (یہ حضرت صلہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کنیت ہے) مجھے وہ علم سکھلائیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا اور فرمایا:

بیٹا! آج تو نے مجھے جوانی کی یاد دلا دی جب کہ میں تیری طرح کا جوان ہوا کرتا تھا، میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ان سے بالکل یہی عرض کیا کرتا تھا، مجھے وہ علم سکھلائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مجھے ارشاد فرمایا:

"اِجْعَلِ الْقُرْاٰنَ عِصْمَةَ نَفْسِكَ، وَرَبِيْعَ قَلْبِكَ ......"

ترجمہ: "قرآن مجید کو سب سے زیادہ محبوب اور اپنے دل کی بہار بنالو۔"

"وَانْتَصِحْ لَهٗ، وَانْصَحِ الْمُسْلِمِيْنَ بِهٖ"

ترجمہ: "اس سے خود بھی نصیحت حاصل کرو اور اس کے ذریعے مسلمانوں کو بھی نصیحت کرو۔"

"وَأَكْثِرْ مِنْ دُعَاءِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مَا اسْتَطَعْتَ"

ترجمہ: "جتنا زیادہ ہو سکے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہا کرو۔"

نوجوان نے عرض کیا: میرے لیے دعا کیجئے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

آپ نے یہ دعا دی:

"رَغَّبَكَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِيْمَا يَبْقٰی......"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں باقی رہنے والی چیزوں کا شوق پیدا کرے۔"

"وَزَهَّدَكَ فِيمَا يَفْنٰى......"

تَرجَمَۃ: "اور فنا (ختم) ہونے والی چیزوں کا خیال دل سے نکال دے۔"

"وَوَهَبَ لَكَ الْيَقِيْنَ الَّذِيْ تَسْكُنُ إِلَيْهِ النُّفُوْسُ، وَيُعَوَّلُ عَلَيْهِ فِي الدِّيْنِ......"

تَرجَمَۃ: "تمہیں وہ یقین نصیب ہو جس سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے اور دین میں جسے بنیادی حیثیت حاصل ہے۔"

آپ کی بیوی حضرت معاذہ عدویہ رحمہا اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغولیت

حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بیوی کا نام معاذہ عدویہ رحمہا اللہ تعالیٰ تھا۔ یہ بھی ان کی طرح تابعیہ تھیں کیوں کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زیارت کی اور ان سے علم حاصل کیا۔ پھر انہوں نے حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا۔

یہ بڑی پاکیزہ سیرت، پرہیزگار، عبادت گزار اور دنیا سے بے نیاز (بے رغبت) خاتون تھیں۔

ان کی یہ عادت تھی کہ جب رات آتی تو کہتیں:

"قَدْ تَكُوْنُ هٰذِهٖ اٰخِرَ لَيْلَةٍ لِّيْ"

تَرجَمَۃ: "شاید یہ میری زندگی کی آخری رات ہو۔"

یہ رات بھر عبادت میں مصروف رہتیں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اور جب دن طلوع ہوتا تو کہتیں۔

"قَدْ يَكُوْنُ هٰذَا اٰخِرَ يَوْمٍ لِّيْ"

تَرجَمَۃ: "شاید یہ میری زندگی کا آخری دن ہو۔"

تو وہ یہ خیال کر کے ذکر وفکر میں پورا دن گزار دیتیں۔ سردی کے موسم میں باریک کپڑے استعمال کرتیں تاکہ سردی لگنے سے نیند نہ آئے اور عبادت کا سلسلہ ٹوٹ نہ جائے۔

وہ پوری رات نماز اور تلاوت میں گزار دیتیں، جب نیند کا غلبہ ہونے لگتا تو گھر کے صحن میں چکر لگاتے ہوئے اپنے آپ سے کہتیں:

"أَمَامَكِ يَا نَفْسُ نَوْمٌ طَوِيْلٌ ...... إِمَّا عَلٰى حَسْرَةٍ، وَ إِمَّا عَلٰى سُرُوْرٍ"

تَرجَمَۃ: "اے میری جان! تیرے سامنے لمبی نیند ہے کل اپنی قبر میں بہت لمبے عرصہ کے لیے تجھے سونا پڑے گا، یا تجھے حسرت (افسوس) کی نیند سونا ہوگا، یا خوشی کی نیند۔"

پھر اپنے آپ سے کہتیں:

"فَاخْتَارِيْ يَا مُعَاذَةُ لِنَفْسِكِ الْيَوْمَ مَا تُحِبِّيْنَ أَنْ تَكُوْنِيْ عَلَيْهِ غَدًا"

ترجمہ: "اے معاذہ! آج تو دنیا میں اپنے لیے وہ چیز پسند کر جو تجھے کل آخرت میں پسند ہے۔"

حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ ایک مجاہد کے روپ میں

حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ خوف الٰہی کے عادی، سچے دل سے توبہ کرنے والے، عبادت گزار، راتوں کو جاگنے والے اور دنیا سے بے رغبتی رکھنے والے ہی نہ تھے بل کہ وہ شہسوار، طاقتور، بہادر اور نڈر مجاہد بھی تھے۔

جنگ کے میدانوں نے ان جیسے بہادر، طاقت ور، مضبوط عزم والے کم ہی دیکھے ہوں گے۔ ہر مسلمان جنرل کا دلی شوق ہوتا کہ یہ اس کے لشکر میں شامل ہو جائیں تا کہ ان کی بہادری و تجربہ کاری کے ذریعہ کام یابی حاصل کی جائے۔

حضرت جعفر بن زید رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک موقع پر کافروں سے لڑائی کے لیے روانہ ہوئے، ہمارے ساتھ صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہشام بن عامر رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے، جب ہم دشمن کے مقابل ہوئے تو حضرت صلہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے ساتھی لشکر اسلام کی صفوں سے الگ ہو کر دشمن کی صفوں کو نیزوں اور تلواروں سے چیرتے ہوئے دشمن کی فوج کے سب سے اگلے دستے پر حملہ آور ہوئے۔

دشمن کے ایک جرنیل نے دوسروں سے کہا:

لشکر اسلام کے صرف دو آدمیوں نے ہمیں مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، اگر یہ سب ہی ایک ساتھ ہم پر حملہ آور ہو جاتے تو ہمارا کیا بنتا؟ میری مانو تو مسلمانوں کی اطاعت (فرماں برداری) اختیار کر لو اور ان کے آگے ہتھیار ڈال دو! اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

بیٹے کو نصیحت

۷۶ھ کو حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ لشکر اسلام کے ساتھ ماوراء النہر کے علاقہ جات کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا بیٹا بھی تھا، جب مسلمانوں اور کافروں کے لشکر آپس میں ٹکرائے اور جنگ شروع ہوئی تو حضرت صلہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیٹے سے کہا:

"أَيْ بُنَيَّ...... تَقَدَّمْ وَجَاهِدْ أَعْدَاءَ اللّٰهِ حَتّٰى أَحْتَسِبَكَ عِنْدَالَّذِيْ لَا تَضِيْعُ عِنْدَهُ الْوَدَائِعُ"

ترجمہ: ''بیٹا آگے بڑھو! اللہ کے دشمنوں سے آخری دم تک جہاد کرو، اللہ کے پاس رکھی ہوئی امانت کبھی ضائع نہیں ہوتی۔''

باپ کی بات سن کر نوجوان بیٹا دشمن سے مقابلہ کرنے کے لیے اس طرح تیزی سے لپکا جس طرح تیر کمان سے نکلتا ہے، وہ مسلسل لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ یہ منظر دیکھ کر آپ رحمہ اللہ تعالیٰ آگے بڑھے دشمن پر زبردست حملہ کیا، اور لڑتے لڑتے آخر کار یہ بھی اپنے بیٹے کے قریب شہید ہو کر گر پڑے۔

حضرت صلہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی شہادت

جب ان کی شہادت کی خبر بصرہ پہنچی تو خواتین افسوس کرنے کے لیے حضرت معاذہ عدویہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے پاس آئیں جن کے خاوند اور بیٹا دونوں شہید ہو چکے تھے۔ آپ نے آنے والی تمام خواتین سے کہا: ''اگر آپ مجھے مبارک باد دینے کے لیے آئی ہیں تو میں آپ کو خوش آمدید کہتی ہوں اور اگر اس کے علاوہ آپ کا کوئی مقصد ہے تو آپ واپس جا سکتی ہیں اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔''

''نَضَّرَ اللّٰهُ هٰذِهِ الْوُجُوْهَ النَّبِيْلَةَ الْكَرِيْمَةَ......''

ترجمہ: ''اللہ ان مبارک چہروں کو تروتازہ رکھے۔''

''وَجَزَاهَا عَنِ الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ خَيْرًا......''

ترجمہ: ''اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔''

تاریخ انسانیت میں بلاشبہ یہ گھرانہ تقویٰ اور پاکیزگی کے اعلیٰ معیار پر فائز تھا۔

فوائد و نصائح

❶ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ نیک کام میں کبھی دیر نہیں کرنی چاہیے، جیسے موقع ملے اپنے وقت کو نیک کام میں لگا کر قیمتی بنانا چاہیے۔ جس طرح حضرت صلہ بن اشیم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی رات کو عبادت میں گزار کر قیمتی بناتے تھے۔ اور ان کی بیوی حضرت معاذہ عدویہ رحمۃ اللہ علیہا بھی اپنے دن رات کو عبادت کے ذریعہ قیمتی بناتی تھیں۔

کیوں کہ وقت تو گزر ہی جاتا ہے اگر نیک کام میں نہ گزرا تو برے کام میں گزر جائے گا، عمر ختم ہو جائے گی، کچھ پتہ نہیں کہ کتنی عمر باقی ہے۔ نیکی کا جو جذبہ اس وقت پیدا ہوا ہے اس پر اسی وقت عمل کر لینا چاہیے، کیا معلوم کہ کل تک یہ جذبہ رہے یا نہ رہے، اوّل تو یہ بھی پتہ نہیں کہ کل تک ہم خود بھی زندہ رہیں گے یا نہیں؟ اور

اگر ہم خود زندہ بھی رہے تو یہ پتہ نہیں کہ نیکی کا جذبہ باقی رہے گا یا نہیں؟ اس لیے موقع کو غنیمت سمجھ کر نیک کام فوراً کر لینا چاہیے۔

❷ دوسرا سبق ہمیں یہ ملا کہ ہمیشہ نرم لہجہ اور اچھا انداز اپنانا چاہیے، کسی سے بات کریں تو بہت شفقت اور نرمی سے کریں۔ نرمی سے کی جانے والی بات چاہے کتنی مشکل کیوں نہ ہو آسانی سے سمجھ میں آ جاتی ہے اور جس سے بات کی جا رہی ہے وہ مان لیتا ہے، لیکن اگر کوئی اچھی اور آسان بات سختی سے کی جائے تو سننے والا نہ اس کو سمجھتا ہے نہ ہی مانتا ہے۔

جس طرح حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے نوجوان کو نرمی سے سمجھایا کہ تہبند لٹکنے سے یہ جلد ہی خراب ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی پورا نہیں ہوگا، تو اس نوجوان نے ان کی نرم گفتگو سے متاثر ہو کر فوراً عمل کیا۔ اس لیے ہم بھی ہمیشہ نرم لہجہ اختیار کریں۔

سُؤال: حضرت جعفر بن زید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی عبادت کا کون سا واقعہ بیان کیا؟

سُؤال: کیا حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی دعا آپ کو یاد ہے؟

سُؤال: نوجوانوں کو سمجھانے کا حضرت صلہ بن اشیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کون سا انداز اختیار فرماتے؟

سُؤال: حضرت معاذہ عدویہ رَحِمَہَا اللّٰہُ عَلَیْہَا رات دن کس خیال سے عبادت کرتی تھیں؟

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ

(کے ساتھ تین خوش گوار گھڑیاں)

"كَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ حَسَنَ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ، وَافِرَ الْعِلْمِ، فَقِيْهَ النَّفْسِ أَوَّاهًا مُنِيْبًا" (الذهبی)

ترجمہ: "حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ خوب صورت، خوب سیرت، بڑے عالم، پرہیزگار، اللہ سے ڈرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔"

جلیل القدر تابعی خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کی زندگی بڑی ہی بہترین قسم کی ہے، ان کی زندگی کا ہر ایک واقعہ آپ کو دوسرے سے زیادہ نمایاں، دل کش اور حیرت میں ڈالنے والا دکھائی دے گا۔

اس سے پہلے ہم نے ان پانچویں خلیفہ راشد کی زندگی کے تین عجیب واقعات بیان کئے تھے اب ہم تین اور واقعات بیان کرتے ہیں جو پہلے واقعات سے کسی طور کم پر اثر نہیں ہیں۔

پہلا واقعہ

پہلے واقعہ کے بیان کرنے والے ایک ممتاز شاعر دُکین بن سعید دارمی رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں۔

وہ فرماتے ہیں: جب حضرت عمر بن عبدالعزیز (رحمہ اللہ تعالیٰ) مدینہ کے گورنر تھے اس وقت میں نے ان کی تعریف میں شعر کہے۔ آپ نے مجھے عمدہ نسل کی پندرہ اونٹنیاں انعام کے طور پر دیں۔

جب میں نے ان اونٹنیوں کو دیکھا تو ان کی خوب صورتی نے مجھے متاثر کیا اور میں انہیں دیکھتا ہی رہ گیا، میرا حوصلہ نہ پڑا کہ انہیں میں اکیلا لے کر منزل کی طرف روانہ ہوں، کیوں کہ میری رہائش نجد میں تھی جو کہ مدینہ منورہ سے کافی فاصلے پر واقع تھا۔ راستے میں خطرہ تھا کہ کوئی یہ مجھ سے چھین نہ لے اور نہ ہی ایسی عمدہ اونٹنیاں بیچنے کو جی چاہتا تھا۔

میں انہی خیالات میں حیران و پریشان تھا کہ چند ساتھی میرے پاس آئے جو ہمارے علاقے نجد جانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے، میں نے ان سے کہا: مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے جایئے۔

انہوں نے کہا:

آپ کا حکم سر آنکھوں پر، ضرور چلیے، ہم آج رات روانہ ہوں گے آپ بھی تیاری کر لیں۔

میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو الوداعی سلام کہنے کے لیے گیا، جب میں سلام عرض کر کے واپس جانے لگا تو آپ نے میری طرف دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے دکین! مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی بڑے عہدہ پر مجھے فائز کر دیا جائے گا اور میرے دل میں ترقی کا شوق ہے، اگر تمہیں معلوم ہو کہ میں اس سے بڑے عہدہ پر فائز ہو چکا ہوں تو ملاقات کے لیے ضرور آنا، میں تمہیں مزید انعامات سے نوازوں گا اور تمہارے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤں گا۔

میں نے کہا: اس بات پر کوئی گواہ بنا لیجیے!

آپ نے فرمایا: اس بات پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ گواہ ہیں۔

میں نے کہا: اس کی مخلوق میں سے بھی کسی کو گواہ بنا لیجیے۔

آپ نے فرمایا: یہ دو بزرگ بیٹھے ہیں۔

میں نے ان میں سے ایک کی طرف متوجہ ہو کر کہا:

میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کا نام کیا ہے؟

انہوں نے بتایا: سالم بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ۔

میں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: کتنے اچھے گواہ ہیں۔

پھر میں نے دوسرے شیخ کی طرف دیکھا اور کہا:

میں آپ پر قربان جاؤں! آپ کا اسم گرامی کیا ہے؟

انہوں نے فرمایا گورنر کا غلام ابو یحییٰ۔

میں نے کہا: یہ گواہ اہلِ خانہ میں سے ہیں۔

پھر میں نے سلام عرض کیا اور اپنی اونٹنیاں لے کر نجد کی طرف روانہ ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے ان اونٹنیوں میں بے انتہا برکت عطا کی، جس کے نتیجہ میں میرے پاس بہت سے اونٹ اور نوکر چاکر جمع ہو گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا عہدۂ خلافت پر فائز ہو جانا

یونہی دن گزرتے گئے، میں ایک روز نجد کے علاقے یمامہ کے سنسان صحرا میں تھا، اتنے میں کسی نے امیر

المؤمنین سلیمان بن عبدالملک کے فوت ہو جانے کی خبر سنائی، میں نے اس سے پوچھا: ان کے بعد کس کو خلیفہ بنایا گیا ہے؟

انہوں نے بتایا: (حضرت) عمر بن عبدالعزیز کو۔

میں یہ خبر سنتے ہی سرزمینِ شام کی جانب روانہ ہوگیا، جب میں دمشق پہنچا تو سامنے سے بہت مشہور شاعر جریر آتے ہوئے نظر آئے، میں نے انہیں سلام کیا اور پوچھا: جناب کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟

انہوں نے بتایا: خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے ہاں سے آرہا ہوں، وہ فقراء و مساکین کو عطیات سے نواز رہے ہیں اور شعراء کو خالی ہاتھ واپس کر رہے ہیں۔ میری مانو جہاں سے آئے ہو وہیں واپس چلے جاؤ، یہی تمہارے لیے بہتر ہے۔

میں نے کہا: میرا معاملہ دوسرا ہے، میرے خلیفہ کے ساتھ تعلقات آپ لوگوں سے مختلف ہیں۔

انہوں نے کہا: جیسے تمہاری مرضی:

میں وہاں سے چلا اور خلیفہ کے گھر پہنچا، وہ گھر کے صحن میں تھے۔ چاروں طرف فقراء، یتیم، بیواؤں اور مظلوم لوگوں کا جمگھٹا تھا، اس بھیڑ کی وجہ سے مجھے ان تک پہنچنے کی کوئی صورت دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

میں نے بلند آواز سے کہا:

يَا عُمَرَ الْخَيْرَاتِ وَالْمَكَارِمِ وَعُمَرَ الدَّسَائِعِ الْعَظَائِمِ
إِنِّي امْرُءٌ مِنْ قَطَنٍ مِنْ دَارِمِ طَلَبْتُ دَيْنِي مِنْ أَخِي الْمَكَارِمِ

تَرْجَمَہ: "اے خیرات و اخلاق کی بے انتہا سخاوت کرنے والے عمر بن عبدالعزیز! میں (دور دراز علاقہ حضرموت میں واقع) قطن گاؤں سے قبیلہ بنو دارم کا ایک فرد اپنے سخی اور خوش اخلاق بھائی سے اپنا حق لینے کے لیے یہاں آیا ہوں میرا آپ پر کچھ قرض ہے وہ ادا کیجئے۔"

میری یہ بات سن کر ان کے غلام ابویحییٰ نے بڑے غور سے میری طرف دیکھا اور پھر خلیفہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

امیر المؤمنین: واقعی آپ نے ان سے وعدہ کیا تھا، میں اس وقت موجود تھا۔

انہوں نے فرمایا: میں جانتا ہوں۔

پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

دکین میرے قریب آؤ! جب میں ان کے سامنے آیا تو آپ نے بڑی شفقت سے فرمایا:

کیا تم جانتے ہو کہ میں نے مدینہ منورہ میں کہا تھا کہ میرے دل کا حال یہ ہے کہ جب بھی کوئی نعمت میسر

آتی ہے، تو میرا دل اس سے بہتر کی تلاش میں ہوتا ہے؟

میں نے کہا: ہاں امیر المؤمنین مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

آپ نے فرمایا:

"وَهَاأَنَا ذَا قَدْ نِلْتُ غَايَةَ مَا فِي الدُّنْيَا وَهُوَ الْمُلْكُ"

تَرْجَمَہ: "مجھے دنیا کا سب سے بڑا عہدہ حکومت کی سربراہی مل گئی۔"

"فَنَفْسِيْ تَتُوْقُ إِلٰى غَايَةِ مَا فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْجَنَّةُ"

تَرْجَمَہ: "اب میرا دل آخرت میں بھی سب سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونا چاہتا ہے اور وہ جنت ہے۔"

"وَتَسْعٰى إِلَى الْفَوْزِ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ"

تَرْجَمَہ: "اور میرا دل اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر کے کامیابی کی منزل پر پہنچنا چاہتا ہے۔"

"وَلَئِنْ كَانَ الْمُلُوْكُ يَجْعَلُوْنَ الْمُلْكَ سَبِيْلًا لِبُلُوْغِ عِزِّ الدُّنْيَا"

تَرْجَمَہ: "اگرچہ بادشاہ حکومت کے ذریعے دنیا کی عزت اور شان وشوکت کی تلاش میں ہوتے ہیں۔"

"فَلَأَجْعَلَنَّهٗ سَبِيْلًا إِلٰى بُلُوْغِ عِزِّ الْاٰخِرَةِ"

تَرْجَمَہ: "لیکن میں حکومت کے ذریعے آخرت کی عزت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

اے دُکین! اللہ کی قسم! جب سے میں خلافت کے عہدہ پر فائز ہوا ہوں، میں نے لوگوں سے ایک کوڑی بھی نہیں لی۔ میرے پاس ذاتی خرچ ایک ہزار درہم ہیں۔

آدھے تم لے لو اور آدھے میرے لیے رہنے دو۔

میں نے پانچ سو درہم لیے اور واپس اپنے گھر آ گیا۔ اللہ کی قسم! ان سے مجھے بہت فائدہ ہوا اور میرے لیے بڑے ہی بابرکت ثابت ہوئے۔

دوسرا واقعہ

دوسرے واقعہ کے راوی موصل شہر کے قاضی یحییٰ بن یحییٰ غسانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ہیں۔ فرماتے ہیں:

عمر بن عبدالعزیز (رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ) ایک روز حمص کے بازار میں گشت کر رہے تھے تاکہ چیزوں کی قیمتیں معلوم کر سکیں۔ ایک آدمی آپ کے سامنے آیا جس نے قطر کی بنی ہوئی سرخ رنگ کی دو چادریں اوڑھ رکھی

تھیں۔

اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! میں نے سنا ہے کہ آپ نے یہ اعلان کیا ہوا ہے کہ جس پر کوئی ظلم ہوا ہے وہ آپ کے پاس فریاد لے کر آئے؟

آپ نے فرمایا: ہاں!

اس نے کہا: یہ ایک مظلوم انسان ہے، بڑی دور سے فریاد لے کر آیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟

عرض کیا: عدن سے:

آپ نے فرمایا: واقعی بہت دور سے آئے ہو، یہ کہتے ہی اپنی سواری سے نیچے اترے اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے پوچھا: آپ پر کیا ظلم ہوا ہے؟

اس نے کہا: میرے پاس زمین تھی جس پر ایک شخص نے قبضہ کر لیا ہے اور وہ اپنا تعلق آپ سے ظاہر کرتا ہے۔ اس نے یہ زمین زبردستی مجھ سے چھین لی ہے۔ میں کم زور ہوں میرا کوئی بس نہیں چلتا، اس لیے فریاد لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے عدن کے گورنر عروہ بن محمد کو خط لکھا:

"أَمَّا بَعْدُ فَإِذَا جَائَكَ كِتَابِيْ هٰذَا فَاسْمَعْ بَيِّنَةَ حَامِلِه، فَإِنْ ثَبَتَ لَهُ حَقٌّ، فَادْفَعْ إِلَيْهِ حَقَّهُ"

تَرجَمَہ: "جب میرا یہ خط آپ کے پاس پہنچے تو فوری طور پر اس خط کو لانے والے کی بات سننا، اگر یہ سچا ہو تو فوری طور پر اس کا حق دلانا اور اس میں ایک لمحہ کے لیے بھی کوتاہی نہ ہو۔"

پھر اس خط پر مہر لگا دی اور اسے پکڑا دیا۔ جب وہ شخص واپس جانے لگا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

ذرا ٹھہریئے! آپ بہت دور سے آئے ہیں، بلاشبہ اس سفر پر آپ کا خرچ آیا ہوگا، نئے کپڑے پرانے ہو گئے ہوں گے، ہوسکتا ہے کھانا وغیرہ ختم ہو جانے کی وجہ سے آپ کی سواری ہلاک ہو جائے۔

پھر آپ نے مکمل حساب لگا کر گیارہ دینار اس کو دیئے اور فرمایا:

وہاں جا کر لوگوں کو بتا دینا جس پر بھی کوئی ظلم ہوا ہو وہ فوراً اپنی فریاد مجھ تک پہنچائے، اس میں بالکل کوئی کوتاہی نہ کرے تاکہ ہر مظلوم کی فوری طور پر مدد کی جائے۔

تیسرا واقعہ

تیسرے واقعہ کے بیان کرنے والے عابد، زاہد زیاد بن میسرہ مخزومی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں:

مجھے میرے آقا عبداللہ بن عیاش نے اپنے کسی ضروری کام کے لیے مدینہ منورہ سے دمشق بھیجا، تاکہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ کام کرا سکوں۔

کیوں کہ میرے امیر المؤمنین کے ساتھ اس وقت سے بڑے ہی اچھے تعلقات تھے جب وہ مدینہ کے گورنر ہوا کرتے تھے۔ جب میں وہاں گیا تو کیا دیکھا کہ ایک کاتب ان کے پاس بیٹھا کچھ تحریر کر رہا ہے۔

جب میں کمرے کی دہلیز پر پہنچا تو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ" کہا۔

انہوں نے جواب میں "وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ" کہا۔

پھر میں آگے بڑھا، مجھے شرمندگی ہوئی کیوں کہ میں نے سلام کرتے ہوئے امیر المؤمنین نہیں کہا تھا، جب میں بالکل آپ کے قریب ہوا تو دوبارہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ" کہا۔

آپ نے فرمایا: زیاد میں نے پہلے ہی تمہارے سلام کا جواب دیا تھا اب دوبارہ سلام کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

میں جواب میں خاموش رہا۔ اس وقت کاتب لوگوں پر ڈھائے گئے مظالم کی داستانیں پڑھ کر سنا رہا تھا جو ڈاک کے ذریعے بصرہ سے موصول ہوئی تھیں۔

مجھے فرمایا: زیاد بیٹھو! میں اس کام سے فارغ ہو جاؤں۔

میں دروازے کی دہلیز پر ہی بیٹھ گیا۔

کاتب پڑھ کر سنا رہا تھا اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی غم و افسوس سے ٹھنڈی آہیں بھر رہے تھے۔

جب کاتب تمام خط سنا چکا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی جگہ سے اٹھے، میرے پاس آئے، دروازے کی دہلیز پر میرے سامنے بیٹھے، میرے گھٹنوں پر اپنے ہاتھ رکھے اور فرمایا:

"هَنِيْئًا لَكَ يَا زِيَادُ......"

تَرجَمَہ: "زیاد! تمہارے آنے سے بڑی خوشی ہوئی۔"

"لَقَدِ اسْتَدْفَأْتَ بِمِدْرَعَتِكَ، وَاسْتَرَحْتَ مِمَّا نَحْنُ فِيْهِ."

ترجمہ: ''تم نے آج بڑا اچھا گرم لباس پہنا ہوا ہے۔ اس سردی کے موسم میں خوب مزا دیتا ہوگا۔''

''وَكَانَتْ عَلَيَّ مَدْرَعَةُ صُوْفٍ''

ترجمہ: ''(زیاد کہتے ہیں) اس وقت میں نے اون کا لباس پہنا ہوا تھا۔''

پھر آپ مدینہ کے نیک اور بزرگ لوگوں کا حال پوچھنے لگے، ایک ایک کا نام لے کر حال دریافت کیا، پھر آپ نے مدینہ منورہ کے ان کاموں کے متعلق پوچھا جو انہوں نے اپنی گورنری کے دور میں کیے تھے۔

میں نے ہر وہ بات بتا دی جس کا انہوں نے مجھ سے سوال کیا تھا۔

پھر آپ نے ایک لمبی سانس لی اور فرمایا:

''يَا زِيَادُ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا وَقَعَ فِيْهِ عُمَرُ؟''

ترجمہ: ''اے زیاد! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس وقت عمر بن عبد العزیز کس مصیبت کا شکار ہے؟''

''فَقُلْتُ: إِنِّيْ لَأَرْجُوْلَكَ فِيْ ذٰلِكَ خَيْرًا وَأَجْرًا''

ترجمہ: ''میں نے کہا: میں تو اس بارے میں آپ کے لیے اللہ سے بھلائی اور اجر وثواب کی امید رکھتا ہوں۔''

''فَقَالَ هَيْهَاتَ ثُمَّ بَكٰى حَتّٰى رَثَيْتُ لَهُ''

ترجمہ: ''فرمایا بہت افسوس ہے، پھر آپ رونے لگے اور میں تسلی دینے لگا۔''

میں نے کہا: امیر المؤمنین، اپنی صحت کا خیال رکھیے! میں آپ کے لیے بہتری کی امید رکھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: اے زیاد! جو تم امید باندھے ہوئے ہو وہ بہت دور کی بات ہے۔ پھر فرمایا:

''لَقَدْ أَصْبَحَ فِيْ وُسْعِيْ أَنْ أَشْتِمَ وَلَا أُشْتَمُ......''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ مقام دیا ہے کہ میں دوسروں کو برا بھلا کہہ سکوں اور مجھے کوئی بھی میرے سامنے گالی نہ دے سکے۔''

''وَأَنْ أَضْرِبَ وَلَا أُضْرَبُ......''

ترجمہ: ''میں جس کی چاہوں پٹائی کر سکوں اور مجھے کوئی مار نہ سکے۔''

''وَأَنْ أُؤْذِيَ النَّاسَ وَلَا يُؤْذِيْنِيْ أَحَدٌ''

ترجمہ: ''میں لوگوں کو اذیت پہنچا سکوں اور مجھے کوئی تکلیف نہ دے سکے۔''

یہ کہا اور زار و قطار رونے لگے اور میں انہیں دلاسہ دینے لگا۔ جب میں واپس جانے لگا تو آپ نے مجھے

میرے آقا کے نام ایک خط دیا جس میں یہ مطالبہ تھا کہ وہ مجھے اپنے پاس سے بیچ دے۔

پھر آپ نے اپنے تکیئے کے نیچے سے بیس دینار نکالے مجھے دیئے اور فرمایا: یہ بوقتِ ضرورت خرچ کر لینا۔ اگر بیت المال میں تمہارا کوئی حق ہوتا تو میں وہ بھی ضرور تمہیں دیتا۔

میں نے وہ بیس دینار لینے سے انکار کیا۔

آپ نے فرمایا: یہ لے لو میں تمہیں بیت المال سے نہیں دے رہا بل کہ اپنی جیب کے خرچے سے دے رہا ہوں۔

میں نے پھر بھی لینے سے انکار کیا، لیکن آپ نے بہت اصرار کیا یہاں تک کہ مجھے وہ دینار لینے پڑے۔

جب میں واپس مدینہ پہنچا اور امیر المؤمنین کا خط اپنے آقا کو دیا، تو انہوں نے خط کھولا اور پڑھا اور مجھے بتایا کہ امیر المؤمنین تمہیں مجھ سے خرید کر آزاد کرنا چاہتے ہیں بھلا میں کیوں نہ تمہیں آزاد کر دوں۔ اور پھر انہوں نے مجھے آزاد کر دیا۔

فوائد و نصائح

❶ اس واقعہ سے ہمیں ایک سبق یہ ملتا ہے کہ دنیوی نعمتیں، منصب اور عہدہ ملنے پر ہمیں جنت کی حقیقی نعمتوں سے بے نیاز نہیں ہونا چاہئے بل کہ جنت اور اس کی نعمتوں کی بھی آرزو اور خواہش کرنا چاہئے۔

جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کو خلافت کا کتنا بڑا عہدہ ملا، لیکن اس عہدہ کے ملنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

”اب میرا دل آخرت کے سب سے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہونا چاہتا ہے اور وہ جنت ہے۔“

لہٰذا ہمیں جنت اور اس کی نعمتوں کی تمنا کرنا چاہئے، کیوں کہ اس دنیا کی جتنی نعمتیں ہیں وہ ساری فانی ہیں جب کہ جنت اور اس کی نعمتیں ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں۔

❷ دوسرا سبق اس واقعہ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ مظلوم کی ہر ممکن مدد کرنی چاہئے اور کسی پر ظلم نہیں کرنا چاہئے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

”ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ.“[1]

تَرجَمہ: تین دعائیں مقبول ہیں جن میں کوئی شک نہیں، مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا اور والد کی دعا بیٹے

---

[1] ترمذی، اَبْوَابُ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ، بَابُ مَاجَاءَ فِيْ دُعَاءِ الْوَالِدَيْنِ: ۱۲/۲

کے لیے۔

یعنی ''مظلوم کی دعا'' سے مراد یہ ہے کہ جو اس کی مدد و نصرت کرے یا اس کو تسلی دے اور اس کو سہولت فراہم کرے اور پھر جب مظلوم اس کے حق میں دعا کرتا ہے تو وہ دعا قبول ہو جاتی ہے۔

لہٰذا ہمیں مظلوم کی مدد کرنی چاہیے جس طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کی مدد کی اور اسے گیارہ دینار دے کر فرمایا:

''وہاں جا کر لوگوں کو بتا دینا جس پر بھی کوئی ظلم ہوا ہو وہ فوراً اپنی فریاد مجھ تک پہنچا دے۔''

نوٹ: ایک کتاب ''مظلوم کی آہ'' جو کہ بیت العلم ٹرسٹ سے شائع ہوئی ہے، اس کتاب کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت مفید ہوگا۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ظلم کی نفرت دل میں پیدا ہوگی اور ظلم کرنے والوں کے عبرت ناک انجام سے نصیحت حاصل ہوگی اور خود بھی ظلم کرنے سے بچنے اور دوسروں کو بھی بچانے کا جذبہ پیدا ہوگا۔

مُذاکرہ

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ حکمرانی کے ذریعے کیا حاصل کرنا چاہتے تھے؟

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ پورا کرنے پر کوئی واقعہ بیان کیجیے؟

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے زیاد کو جو خط لکھ کر دیا اس میں کیا لکھا تھا؟

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے عدن کے گورنر عروہ بن محمد کو جو خط لکھ کر بھیجا اس میں کیا لکھا تھا؟

حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ

علی بن حسین بن علی

"مَا رَأَيْتُ قُرَيْشِيًّا أَفْضَلَ مِنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ" (الزهری)

ترجمہ: "میں نے علی بن حسین سے بہتر کسی قریشی کو نہیں دیکھا۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں ترس آنا

لوگ قیدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے پلک جھپکتے ہی انہیں خرید لیا اور رقم بیت المال میں جمع کرادی، ان میں سے صرف ایران کے بادشاہ "یزدجرد" کی بیٹیاں باقی رہ گئیں۔

وہ ساری عورتوں میں انتہائی خوب صورت اور چاند جیسا روشن چہرہ تھیں، جب انہیں فروخت کرنے کے لیے پیش کیا گیا تو ذلت ورسوائی کے مارے ان کی آنکھیں زمین میں گڑ گئیں۔

حسرت و آرزو اور انکساری و مصیبت کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، انہیں دیکھ کر حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے دل میں ترس آگیا اور یہ خیال آیا کہ کاش! انہیں وہ شخص خریدے جو ان سے حسنِ سلوک سے پیش آئے۔

اور اس میں حیران ہونے کی بھی کوئی بات نہیں اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

"(اِرْحَمُوْا ثَلَاثَةً: عَزِيْزَ قَوْمٍ ذُلَّ)......"[1]

ترجمہ: "تین قسم کے لوگوں پر ترس کھایا کرو، ان میں سے ایک شکست خوردہ قوم کے معزز افراد پر ترس کھانا بھی شامل ہے۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا: اے امیر المؤمنین: بادشاہ کی بیٹیوں سے دوسرے لوگوں کی طرح سلوک نہیں ہونا چاہیے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ سچ کہتے ہیں لیکن اس کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

---

[1] كَنْزُ الْعُمَّال، رَقْمُ الْحَدِيْث: ۴۳۲۹۲، ۱۵/۳۵۰

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ایک تو ان کی قیمت زیادہ لگائیں دوسرا ان کو اختیار دے دیں کہ جس پر یہ راضی ہو جائیں ان کے ہاتھ انہیں دے دیا جائے اور ان پر بالکل کوئی زبردستی نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بات کو منظور کرلیا۔

ان میں سے ایک نے حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پسند کیا۔

دوسری نے حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اور تیسری جسے حسن و جمال کی وجہ سے ''ملکۂ خواتین'' کہا جاتا تھا اس نے اپنے لیے نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند کیا۔

بیٹے کی پیدائش

تھوڑے ہی عرصہ بعد ''ملکۂ خواتین'' نے اپنی دلی رغبت کی وجہ سے اسلام قبول کرلیا، یہ دینِ حق کی راہ پر چلنے لگیں، غلامی سے آزاد کردی گئیں۔

کنیز سے آزاد بیوی کا باعزت مقام حاصل کیا، پھر انہوں نے سوچا کہ ماضی کی تمام شرکیہ یادیں بھلا دی جائیں انہوں نے اپنا نام (شاہ زنداں) سے بدل کر ''غزالہ'' رکھ لیا۔

غزالہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے نصیب میں بہترین شوہر آئے، بڑی ہی خوش گوار زندگی بسر ہونے لگی، مہینے لمحوں میں گزرنے لگے۔

اب ایک ہی دلی خواہش باقی رہ گئی تھی کہ انہیں چاند سا بیٹا نصیب ہو جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کردی، ان کے ہاں ایک چاند سے چہرہ والے بیٹے نے جنم لیا۔

برکت کے لیے ان کا نام دادا کے نام پر علی رکھا گیا، لیکن غزالہ رحمہا اللہ تعالیٰ کے لیے یہ خوشی چند لمحات سے زیادہ دیکھنا نصیب نہ ہوئی کیوں کہ یہ اپنے بیٹے کو جنم دیتے ہی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

اس نومولود کی پرورش ونگہداشت کنیز کے سپرد کی گئی، جنہوں نے ان کو ماں جیسا پیار دیا، ان پر اپنی محبت کو اس طرح نچھاور کیا جس طرح کوئی ماں اپنے اکلوتے بیٹے سے پیار کرتی ہے، اور ان کی اس طرح پرورش کی کہ یہ نومولود بڑے ہو کر ان ہی کو اپنی حقیقی ماں سمجھنے لگے۔

حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ تعالیٰ جب بڑے ہوئے تو علم کی طرف شوق و رغبت سے متوجہ ہوئے۔

پہلا مدرسہ گھر تھا اور یہ کتنا اچھا مدرسہ تھا۔

پہلے استاد ان کے والد حضرت حسین بن علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا تھے اور یہ کتنے عظیم استاد تھے، دوسرا مدرسہ رسولِ اعظم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی مسجد تھی۔

مسجدِ نبوی میں ان دنوں صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین عظام رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کی چہل پہل تھی۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور تابعین عظام رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی بڑی ہی دلی رغبت کے ساتھ پھولوں جیسے نونہال بیٹوں کو کلامِ الٰہی پڑھایا کرتے تھے اور اس میں غور وفکر کی تلقین کرتے۔

حدیثِ رسول ان کے سامنے بیان کرتے اور اس کے مقاصد سمجھاتے۔ رسولِ اعظم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی سیرت اور غزوات کے واقعات بیان کرتے، مختلف شعراء کے اشعار پڑھ کر سناتے، پھر ان کے مطلب بیان کرتے اور ان کے دلوں میں حُبِ الٰہی، خوف الٰہی اور تقویٰ کا چراغ روشن کرتے۔ اس طرح یہ نونہال باعمل علماء اور باکردار راہ نما بن کر ابھرے۔

قرآنی علوم سے محبت

حضرت علی بن حسین رَحِمَہُ اللہُ عَلَیْہِمَا کے دل میں قرآنی علم نے گھر کرلیا اور اس کے سوا کسی اور علم کی طرف دل راغب ہی نہ ہوا۔ قرآن مجید کے وعدہ و وعید (وہ آیتیں جن کے ذریعے خوش کیا جاتا اور ڈرایا جاتا ہے) کی وجہ سے ان کے جسم میں لرزہ طاری ہوجاتا۔

جب قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں جنت کا تذکرہ ہوتا تو دل شوق و رغبت سے اس کو حاصل کرنے کی تمنا کرتا، اور جب قرآن مجید کی ایسی آیت پڑھتے جس میں جہنم کا تذکرہ ہوتا، تو ایک گرم اور لمبی سانس لیتے، انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے جہنم کی آگ کا دہکتا ہوا شعلہ ان کے قریب آگیا ہے۔

جب حضرت علی بن حسین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی جوانی اور علم کو حاصل کر چکے تو مدینہ کے لوگوں کو، ایک ایسے جوان ملے جو بنو ہاشم کے جوانوں میں عبادت اور تقویٰ میں مثالی شان رکھنے والے، عزت و مرتبہ اور اخلاق و کردار میں سب سے بڑھ کر، نیکی و بردباری میں سب سے آگے، اعلیٰ مقام پر پہنچے تھے۔

ان کی عبادت اور تقویٰ کا یہ حال تھا کہ وضو اور نماز کے درمیان ان کے بدن میں کپکپی طاری ہوجاتی، جب اس سلسلے میں ان سے بات کی جاتی تو فرماتے:

تم پر بڑا افسوس ہے!

"کَأَنَّکُمْ لَا تَدْرُوْنَ إِلٰی مَنْ أَقُوْمُ!"

تَرْجَمَۃ: "کیا تم جانتے نہیں کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں۔"

"وَلَا تَعْلَمُوْنَ مَنْ أُرِيْدُ أَنْ أُنَاجِيَ!"

تَرجَمَہ: "کیا تم جانتے نہیں کس کے ساتھ میں سرگوشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

سجاد کا لقب

اس ہاشمی نوجوان کی نیکی، تقویٰ اور عبادت گزاری سے متاثر ہو کر لوگوں نے انہیں زین العابدین کے نام سے پکارنا شروع کر دیا، اور اسی نام سے آپ مشہور ہو گئے، یہاں تک کہ لوگ ان کے اصلی نام کو بھول گئے۔ ان کے زیادہ سجدوں اور دنیا کی بے نیازی کی وجہ سے اہل مدینہ نے انہیں "سجادؔ" (زیادہ سجدے کرنے والا) کا لقب دے دیا۔

ان کے دل کی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے لوگوں نے انہیں پاک طبیعت کہنا شروع کر دیا۔

حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا اس بات پر یقین تھا کہ:

"عبادت کا مغز دعا ہے۔"

وہ بیت اللہ کے پردے سے چمٹ کر گھنٹوں رب العٰلمین کی بارگاہ میں دعائیں کرتے، بیت اللہ کے ساتھ کتنی ہی مرتبہ چمٹ کر انہوں نے یہ دعا کی۔

"رَبِّ! لَقَدْ أَذَقْتَنِيْ مِنْ رَّحْمَتِكَ مَا أَذَقْتَنِيْ ......"

تَرجَمَہ: "اے اللہ! تو نے اپنی بے حساب رحمت مجھ پر نازل کی۔"

"وَأَوْلَيْتَنِيْ مِنْ إِنْعَامِكَ مَا أَوْلَيْتَنِيْ......"

تَرجَمَہ: "مجھ پر انعام واکرام کی بے انتہا بارش کی۔"

"فَصِرْتُ أَدْعُوْكَ اٰمِنًا مِنْ غَيْرِ وَجَلٍ......"

تَرجَمَہ: "میں بلا خوف وخطر تیرے دربار میں التجا کرتا ہوں۔"

"وَأَسْأَلُكَ مُسْتَأْنِسًا مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ......"

تَرجَمَہ: "محبت وعشق کی بنا پر تجھ سے سوال کرتا ہوں، تیری بارگاہ سے مزید رحمت کا طلب گار ہوں۔"

تیرے حقوق کی ادائیگی کے لیے مجھے ہمت وطاقت عطا فرما۔

"رَبِّ! إِنِّيْ أَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ تَوَسُّلَ مَنِ اشْتَدَّتْ فَاقَتُهُ إِلٰى رَحْمَتِكَ ...... وَضَعُفَتْ قُوَّتُهُ عَنْ أَدَاءِ حُقُوْقِكَ ......"

تَرجَمَہ: ''اے میرے رب! میں تیرا سہارا لیتا ہوں اس آدمی کے سہارا لینے کی طرح جس کو تیری رحمت کی طرف سے بے انتہا سخت ضرورت پڑی ہو، اور جس کی قوتِ برداشت تیرے حقوق کی ادائیگی سے جواب دے چکی ہو۔''

''فَاقْبَلْ مِنِّيْ دُعَاءَ الْغَرِيْقِ الْغَرِيْبِ الَّذِيْ لَا يَجِدُ لِإِنْقَاذِهٖ إِلَّا أَنْتَ يَا أَكْرَمَ الْأَكْرَمِيْنَ''

تَرجَمَہ: ''اے اپنی مخلوق پر کرم کرنے والے! میں تجھ سے اس بے چارے گہرے پانی میں ڈوبنے والے کی مانند مانگتا ہوں، جسے کنارے لگنے کے لیے تیرے سوا کوئی سہارا نظر نہ آتا ہو۔''

تین خوبیاں

حضرت طاوس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ، بیت اللہ کے سائے میں ایک پریشان آدمی کی طرح کھڑے سخت بیمار کی طرح کراہ رہے ہیں، محتاج کی طرح دعا کر رہے ہیں، حضرت طاوس بن کیسان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کھڑے انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ انہوں نے رونا بند کر دیا، دعا سے فارغ ہوئے تو آپ آگے بڑھے اور حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے کہا:

اے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے فرزند! میں نے آج آپ کی حالت دیکھی ہے، آپ میں تین خوبیاں ایسی پائی جاتی ہیں جو آپ کو اندیشے سے بچالیں گی۔

حضرت زین العابدین رحمۃ علیہ نے پوچھا، اے طاوس وہ کون سی خوبیاں ہیں؟

آپ نے فرمایا:

''إِحْدَاهُنَّ أَنَّكَ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ......''

تَرجَمَہ: ''ایک تو آپ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے نواسے ہیں۔''

''وَالثَّانِيَةُ: شَفَاعَةُ جَدِّكَ لَكَ''

تَرجَمَہ: ''دوسری آپ کو اپنے نانا کی شفاعت حاصل ہوگی۔''

''وَالثَّالِثَةُ: رَحْمَةُ اللّٰهِ''

تَرجَمَہ: ''اور تیسری اللہ تعالیٰ کی رحمت آپ کے ساتھ ہوگی۔''

انہوں نے فرمایا:

اے طاوس! قرآن مجید کی یہ آیت سننے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ، میری رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ

رشتہ داری مجھے فائدہ نہ دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

❶ ﴿فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ﴾[1]

تَرْجَمَۃ: "جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن لوگوں کے درمیان کوئی حسب نسب کام نہ آئے گا۔"

جہاں تک میرے نانا کی شفاعت (سفارش) کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد میرے سامنے ہے:

❷ ﴿وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾[2]

تَرْجَمَۃ: "اور شفاعت (سفارش) اسی کی کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوں۔"

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تعلق ہے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

❸ ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾[3]

تَرْجَمَۃ: "بے شک اللہ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔"

تقویٰ اور اللہ کے خوف نے حضرت زین العابدین رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ میں بہت سی خوبیاں پیدا کر دیں۔ وہ شرافت، نرمی و بردباری کے عادی تھے، ان کے مثالی اخلاق و اوصاف کے بہترین تذکروں سے سیرت و تاریخ کے صفحات روشن ہیں۔ حضرت حسن بن حسن رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ بیان کرتے ہیں:

میرے اور میرے چچا زاد بھائی زین العابدین کے درمیان ایک مرتبہ اختلاف پیدا ہوگیا، میں ان کے پاس گیا، وہ مسجد میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، غصے میں آ کر میں نے جو منہ میں آیا انہیں کہہ دیا، لیکن وہ میری کڑوی کسیلی باتیں خاموشی سے سنتے رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔

میں غصے کا بھرپور اظہار کر کے چلا گیا۔ رات کو میرے دروازے پر کسی نے دستک دی، میں یہ دیکھنے کے لیے اٹھا کہ اس وقت میرے دروازے پر کون ہوسکتا ہے؟

میں نے دیکھا کہ زین العابدین کھڑے ہیں، مجھے اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ اب اپنا بدلہ لینے آئے ہیں لیکن انہوں نے فرمایا:

"يَا أَخِيْ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فِيْمَا قُلْتَ لِيْ، فَغَفَرَ اللّٰهُ لِيْ..... وَ إِنْ كُنْتَ غَيْرَ صَادِقٍ، فَغَفَرَ اللّٰهُ لَكَ"

تَرْجَمَۃ: "میرے بھائی آج صبح جو تم نے میرے بارے میں کہا ہے، اگر اس میں تم سچے ہو تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے۔ اور اگر تم ان باتوں میں سچے نہیں ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے۔"

یہ کہہ کر مجھے سلام کیا اور واپس چلے گئے۔ میں نے انہیں روکا اور معافی چاہی کہ آئندہ میں کوئی ایسی

[1] مؤمنون: ۱۰۱ [2] انبیاء: ۲۸ [3] اعراف: ۵۶

بات نہیں کروں گا، جس سے آپ کو تکلیف پہنچے، بھائی مجھے معاف کر دیجیے۔

ان کا دل نرم ہو گیا اور فرمایا:

"وَأَنْتَ فِيْ حِلٍّ مِمَّا قُلْتَ لِيْ"

تَرجَمَۃ: "کوئی بات نہیں میرے بارے میں آپ کو بات کرنے کا حق پہنچتا ہے۔"

حلم و بردباری

مدینے کا ایک باشندہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی مسجد سے باہر نکلے، میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا، میں بغیر کسی وجہ کے انہیں گالیاں دینے لگا۔

لوگ یہ سن کر مجھ پر برس پڑے۔ مجھے لوگوں سے ڈر لگا، قریب تھا کہ وہ میرا قیمہ بنا دیتے، حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے لوگوں کی طرف دیکھا اور فرمایا: رک جاؤ!

تو وہ سب رک گئے، جب آپ نے مجھے کانپتے ہوئے دیکھا تو بہت نرمی سے میری طرف متوجہ ہوئے، مجھے دلاسہ دینے لگے تاکہ میرا خوف جاتا رہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

"لَقَدْ سَبَبْتَنَا بِمَا عَلِمْتَ، وَمَا سُتِرَ عَنْكَ مِنْ أُمُوْرِنَا أَكْبَرُ

ثُمَّ قَالَ لِيْ: أَلَكَ حَاجَةٌ نُعِيْنُكَ عَلَيْهَا؟"

تَرجَمَۃ: "تم نے مجھے برا بھلا کہا ان کمیوں کوتاہیوں پر جو تم جانتے ہو، لیکن جو کمیاں کوتاہیاں تم نہیں جانتے وہ اس سے زیادہ ہیں۔ پھر مجھ سے پوچھا: کیا تمہاری کوئی ایسی ضرورت ہے جسے پورا کر کے ہم تمہاری مدد کر سکیں۔"

میں شرمندہ ہوا اور کچھ کہہ نہ سکا۔

جب انہوں نے میری شرم ساری کو دیکھا تو اپنی قیمتی چادر اتار کر مجھ پر ڈال دی اور ایک ہزار درہم مجھے عنایت فرمائے۔

میں یہ حسن سلوک دیکھ کر پکار اٹھا:

واقعی آپ نواسۂ رسول (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) ہیں۔

ایک غلام کہتا ہے:

میں زین العابدین علی بن حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا غلام تھا۔ ایک مرتبہ انہوں نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا، میں نے تاخیر کر دی، جب میں ان کے پاس آیا تو انہوں نے بڑے غصے سے کوڑا پکڑا اور میری پٹائی

شروع کر دی۔ میں رونے لگا، مجھے غصہ بھی بہت آیا۔ آپ نے اس سے پہلے کسی کو بھی نہیں مارا تھا۔

میں نے کہا:

اے علی بن حسین! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، ایک تو آپ مجھ سے خدمت لیتے ہیں، میں آپ کے حکم کے مطابق ہر کام پوری محنت سے کرتا ہوں، اوپر سے آپ میری پٹائی کرتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

میری یہ بات سن کر رو پڑے اور فرمایا:

ابھی مسجدِ نبوی میں جاؤ، دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا کرو۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ......"

تَرجَمَہ: "اے اللہ! علی بن حسین کو معاف کر دے۔"

اگر آج آپ یہ کام کریں گے تو میری غلامی سے آزاد ہوں گے۔

میں مسجد گیا نماز پڑھی اور دعا کی، جب میں گھر واپس لوٹا تو آزاد تھا۔

دنیا کے مال کو آخرت کی کام یابی کا ذریعہ بنانا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو بڑی وافر مقدار میں مال و دولت اور رزق عطا فرمایا تھا۔ تجارت میں انہیں بہت نفع ہوتا تھا، زراعت (کھیتی باڑی) میں بھی بڑا نفع ہوتا۔ یہ دونوں کام آپ کے نوکر چاکر سرانجام دیا کرتے تھے، لیکن اس دولت مندی نے ان کے اندر غرور وتکبر پیدا نہیں کیا۔

البتہ دنیا کے مال کو انہوں نے آخرت کی کام یابی کا ذریعہ بنایا۔ ان کی دولت ہر لحاظ سے ان کے لیے مفید و کارآمد ثابت ہوئی۔ چھپے ہوئے انداز میں صدقہ وخیرات کرنا انہیں بہت پسند تھا۔

جب رات کا اندھیرا چھا جاتا، تو یہ اپنی کمزور کمر پر آٹے کے تھیلے اٹھاتے اور مدینے کے ان ضرورت مندوں کے گھر، چپکے سے چھوڑ آتے جو عزت وغیرت کی وجہ سے لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے تھے۔ (حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) یہ کام انجام دینے کے لیے رات کے اندھیرے میں اس وقت نکلتے جب لوگ سوئے ہوئے ہوتے۔

مدینہ منورہ میں بہت سے لوگ خوش حالی سے زندگی بسر کر رہے تھے جنہیں یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ، ان کے پاس اتنی زیادہ مقدار میں رزق کہاں سے آتا ہے؟

جب حضرت زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ تعالیٰ فوت ہوگئے اور ان لوگوں کے پاس آٹا آنا بند ہوا، تب پتہ چلا کہ یہ کہاں سے آرہا تھا۔

جب حضرت زین العابدین رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کو غسل دینے کے لیے تختے پر لٹایا گیا، غسل دینے والوں نے پیٹھ پر کالا نشان دیکھا تو کہنے لگے: یہ کیا ہے؟

انہیں بتایا گیا کہ یہ نشان آٹے کی بوریاں اٹھانے کی وجہ سے پڑا ہے، جو وہ مدینے کے تقریباً ایک سو گھروں میں پہنچایا کرتے تھے۔ آج اتنی بڑی سخاوت کرنے والے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ کا اپنی زندگی میں ایک ہزار غلام آزاد کرنا

حضرت زین العابدین علی بن حسین رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ اپنے غلاموں کو اس کثرت اور سخاوت سے آزاد کر دیا کرتے تھے کہ، اس کا چرچا (شہرت) مشرق و مغرب میں سفر کرنے والے مسافروں تک پہنچ چکا تھا۔

ان کا یہ کارنامہ لوگوں کے وہم و گمان سے بڑھ کر تھا، کوئی عام انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ یہ ہر اس غلام کو آزاد کر دیا کرتے تھے جو ان سے حسن سلوک (اچھے برتاؤ) سے پیش آتا، اس کی آزادی اس کے حسن سلوک کا بدلہ ہوتی۔

یہ اس غلام کو بھی آزاد کر دیا کرتے تھے جو نافرمانی کرتا اور پھر توبہ کر لیتا۔ اسے اپنی توبہ کے بدلے آزادی مل جاتی۔ ان کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار غلام آزاد کئے۔ یہ اپنے کسی غلام یا کنیز سے ایک سال سے زیادہ خدمت نہیں لیا کرتے تھے۔

عید الفطر کی رات یہ بہت زیادہ غلاموں کو آزاد کیا کرتے تھے، ان سے یہ مطالبہ کیا کرتے کہ وہ قبلہ رخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ"

تَرجَمَہ: "اے اللہ! علی بن حسین کو معاف کر دے۔"

اس طرح انہیں دوہری (دگنی) خوشی نصیب ہوتی، ایک خوشی عید کی اور دوسری خوشی غلاموں کی آزادی کی۔

لوگوں کے دلوں میں آپ کے لیے محبت

حضرت زین العابدین علی بن حسین رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ کی محبت لوگوں کے دلوں میں گھر چکی تھی، لوگ انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، لوگوں کے دلوں میں ان کا بہت بڑا مرتبہ تھا۔ گویا یہ لوگوں کے بے تاج بادشاہ تھے، ان کے دور میں یہ مقام کسی اور کو حاصل نہ تھا۔

لوگ ان سے سچی محبت کرتے تھے، ان کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آتے، لوگوں کا ان سے بڑا ہی

گہرا تعلق تھا۔ لوگوں کی نظریں ہر دم ان کی تلاش میں رہتی تھیں، گھر سے نکلتے ہوئے یا گھر میں داخل ہوتے ہوئے، مسجد جاتے ہوئے یا مسجد سے واپس آتے ہوئے لوگ ان کی زیارت کی سعادت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

فرزدق کا آپ کی شان میں اشعار کہنا

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہشام بن عبدالملک حج کے لیے مکہ معظمہ آئے، اس وقت وہ ولی عہد (بادشاہ کے نائب) تھے۔ وہ طواف کرنا اور حجرِ اسود کو چومنا چاہتے تھے۔ حفاظتی دستے نے ''ہٹو بچو'' کا نعرہ لگاتے ہوئے لوگوں کو ہٹا کر ان کے لیے راستہ بنانا شروع کر دیا، لیکن لوگوں میں سے ایک شخص نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں اور نہ ہی ان کے لیے راستہ بنایا، بل کہ وہ یہ کہہ رہا تھا:

''فَالْبَيْتُ بَيْتُ اللّٰهِ......''

تَرْجَمَۃ: ''یہ گھر اللہ کا ہے۔''

''وَالنَّاسُ جَمِيْعًا عَبِيْدُهٗ''

تَرْجَمَۃ: ''تمام لوگ اس کے بندے ہیں۔''

اسی دوران دور سے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' اور ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ'' کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لوگ نظریں جما کر اس طرف دیکھنے لگے، کیا دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے ہجوم (رش) میں ایک خوب صورت اور روشن چہرے والا شخص احرام باندھے بڑے ہی اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کی جانب چلا آ رہا ہے۔ اس کی پیشانی پر سجدوں کا نشان ظاہر ہے، لوگ محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے لیے راستہ بنا رہے ہیں اور اسے محبت وعقیدت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں۔ وہ شخص حجرِ اسود تک پہنچا اور اسے بڑے ہی سکون کے ساتھ چوما۔

ہشام بن عبدالملک کے خادموں میں سے ایک شخص نے ہشام بن عبدالملک سے پوچھا: یہ کون ہے، جس کی لوگ اس انداز میں عزت واحترام کر رہے ہیں؟

ہشام نے کہا: میں اسے نہیں جانتا۔

دنیائے عرب کا مشہور شاعر فرزدق وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا اگر ہشام اس کو نہیں جانتے تو کیا ہوا میں تو اسے جانتا ہوں تمام دنیا اسے جانتی ہے۔

یہ حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے بیٹے علی ہیں جنہیں لوگ زین العابدین کے نام سے جانتے ہیں۔ پھر فرزدق نے ان کی شان میں یہ اشعار کہے:

هٰذَا الَّذِيْ تَعْرِفُ الْبَطْحَاءُ وَطْأَتَهٗ
وَالْبَيْتُ يَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ

ترجمہ: ”یہ وہ شخص ہے جن کے قدموں کی آہٹ کو وادیٔ بطحاء جانتی ہے۔ بیت اللہ بھی ان کو جانتا ہے اور حل وحرم بھی انہیں جانتے ہیں۔“

هٰذَا ابْنُ خَيْرِ عِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمُ
هٰذَا التَّقِيُّ النَّقِيُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ

ترجمہ: ”یہ اللہ کے بندوں میں سب سے بہتر انسان کے نواسے ہیں۔ یہ متقی، پرہیز گار، پاک صاف اور ممتاز انسان ہیں۔“

هٰذَا ابْنُ فَاطِمَةٍ إِنْ كُنْتَ جَاهِلَهٗ
بِجَدِّهٖ أَنْبِيَاءُ اللّٰهِ قَدْ خُتِمُوْا

ترجمہ: ”یہ فاطمہ زہرا کے پوتے ہیں اگر تو نہیں جانتا تو سن لے ان کے نانا خاتم الانبیاء عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہیں۔“

فَلَيْسَ قَوْلُكَ ("مَنْ هٰذَا") بِضَائِرِهٖ
اَلْعَرَبُ تَعْرِفُ مَنْ أَنْكَرْتَ وَالْعَجَمُ

ترجمہ: ”تیرا کہنا (کہ یہ کون ہے) انہیں کوئی نقصان نہیں دے گا تو انہیں اگر نہیں جانتا عرب و عجم تو انہیں جانتے ہیں۔“

كِلْتَا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا
يَسْتَوْكِفَانِ، وَلَا يَعْرُوهُمَا عَدَمُ

ترجمہ: ”ان کے دونوں ہاتھ بڑے سخی ہیں، لوگ ان کی سخاوت سے خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں، ان کے ہاتھ نہ دینا تو جانتے ہی نہیں۔“

سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ، لَا تُخْشٰى بَوَادِرُهٗ
يَزِيْنُهٗ اثْنَانِ، حُسْنُ الْخُلْقِ وَالشِّيَمُ

ترجمہ: ”یہ نرم طبیعت ہیں ان کو غصہ بالکل نہیں آتا دو خوبیوں نے ان کو آراستہ کیا ہے (۱) حسن اخلاق (۲) نرم طبیعت۔“

مَا قَالَ ("لَا") قَطُّ إِلَّا فِيْ تَشَهُّدِهٖ
لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهُ نَعَمُ

ترجمہ: "تشہد کے علاوہ ان کی زبان پر لا نہیں آتا اگر تشہد نہ ہوتا تو یہ لا بھی نعم ہوتا۔"

عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْإِحْسَانِ فَانْقَشَعَتْ
عَنْهَا الْغَيَاهِبُ وَالْإِمْلَاقُ وَالْعَدَمُ

ترجمہ: "ان کے احسانات لوگوں پر عام ہیں جن کی وجہ سے اندھیریاں اور غربت ختم ہوگئیں۔"

إِذَا رَأَتْهُ قُرَيْشٌ قَالَ قَائِلُهَا
إِلٰى مَكَارِمِ هٰذَا يَنْتَهِي الْكَرَمُ

ترجمہ: "جب قریش نے انہیں دیکھا تو اس کا ایک شخص پکار اٹھا یہ وہ شخص ہیں جن پر حسنِ اخلاق ختم ہوگئے۔"

يُغْضِيْ حَيَاءً وَيُغْضٰى مِنْ مَهَابَتِهٖ
فَمَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِيْنَ يَبْتَسِمُ

ترجمہ: "یہ حیا کی وجہ سے اپنی نظریں نیچے رکھتے ہیں اور لوگ ان کے رعب سے نگاہیں جھکا لیتے ہیں، جب تک یہ مسکراتے نہیں کسی کو بات کرنے کی جرات نہیں ہوتی۔"

بِكَفِّهٖ خَيْزُرَانٌ رِيْحُهٗ عَبِقٌ
مِنْ كَفِّ أَرْوَعَ، فِيْ عِرْنِيْنِهٖ شَمَمُ

ترجمہ: "ان کی ہتھیلیاں ریشم کی طرح نرم ہیں اور ان سے کستوری کی خوشبو آتی ہے۔"

مُشْتَقَّةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ نَبْعَتُهٗ
طَابَتْ مَغَارِسُهٗ وَالْخِيْمُ وَالشِّيَمُ

ترجمہ: "ان کے والد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں ان کا حسب ونسب اور ان کے اخلاق وعادات کس قدر عمدہ ہیں۔"

اللہ تعالیٰ آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے راضی ہوگیا۔

حضرت زین العابدین ہر اس شخص کے لیے نمونہ تھے جو پوشیدہ اور علانیہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے، اس کے ثواب کی امید کرتے ہوئے اپنے آپ کو بچا بچا کر رکھتا ہے۔

فوائد و نصائح

❶ اس واقعہ سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ لوگوں سے نرمی سے پیش آنے اور ان پر احسان کرنے سے، اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں محبت ڈال دیتے ہیں۔ اس لیے ہمیں بھی لوگوں کے ساتھ نرمی اور احسان کا معاملہ کرنا چاہئے۔

❷ سخاوت کرنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ بہت پسند فرماتے ہیں۔

(الف) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''سخاوت جنت میں ایک درخت ہے۔ پس جو شخص سخی ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا جس کے ذریعہ سے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور بخل جہنم کا ایک درخت ہے جو شخص بخیل ہوگا وہ اس کی ایک ٹہنی پکڑ لے گا، یہاں تک کہ وہ ٹہنی اس کو جہنم میں داخل کر کے رہے گی۔''[1]

جنت تک پہنچنے کا کتنا آسان راستہ حدیث شریف میں بتایا گیا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہئے کہ ہم خوب سخاوت کریں، غریبوں، فقیروں اور محتاجوں کی مدد کریں۔ جو چیزیں ہمارے استعمال میں نہیں ہیں وہ تو ان کو ضرور دے دیں جیسے پرانے کپڑے، بیگ، کتابیں وغیرہ۔

اس سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوں گے اور ہمارے لیے نعمتیں بڑھا دیں گے کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے (آسمان سے) اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے، اے اللہ! خرچ کرنے والے کو (اس کا) بدلہ عطا فرما، دوسرا دعا کرتا ہے، اے اللہ! روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر۔''[2]

حضرت زین العابدین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بہت زیادہ خرچ کرنے والے تھے، غریبوں، فقیروں محتاجوں کی چھپ چھپ کر مدد کرتے تھے تاکہ ان کو بھی پتہ نہ چلے کہ ہماری کون مدد کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی بہترین عادت نصیب فرمائے۔ آمین

---

[1] مشکوۃ، کتاب الزکوۃ، باب الإنفاق الخ: ۱/۱۶۷

[2] بخاری، کتاب الزکاۃ، باب قول اللہ الخ: ۱/۱۹۴

مُذاکرہ

سُوال: کیا آپ جانتے ہیں حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد ماجد اور والدہ ماجدہ کون ہیں؟

سُوال: حضرت طاوس رحمہ اللہ تعالیٰ کے جواب میں حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا؟

سُوال: حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کے حلم و بردباری کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

سُوال: فرزدق شاعر نے حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعریف میں جو اشعار کہے ہیں وہ زبانی بیان کیجئے۔

حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

"لَقَدْ تَفَانٰی أَبُوْمُسْلِمٍ فِی الْعِبَادَةِ حَتّٰی صَارَ يَقُوْلُ: لَوْ رَأَيْتُ الْجَنَّةَ عِيَانًا أَوِ النَّارَ عِيَانًا مَا كَانَ عِنْدِيْ مُسْتَزَادٌ" (عثمان بن ابی عاتکہ)

تَرجَمَہ: "ابو مسلم خولانی عبادت میں اس قدر لگ چکے تھے کہ وہ یہ کہا کرتے تھے اگر میں جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں یا جہنم کو دیکھ لوں پھر بھی اس سے زیادہ عبادت نہ کرسکوں۔"

اسود عنسی کا دعویٰ نبوت

عرب کے جزیرے میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ "حِجَّةُ الْوِدَاعِ" سے واپس آتے ہی شدید بیمار ہوگئے ہیں۔

اسود عنسی شیطان کے بہکاوے میں آگیا اور اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہوئے ارادہ کیا کہ، یمن میں اپنی قوم کو یقین دلاؤں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے، قوم اس کی باتوں میں آگئی اور کافی لوگ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے۔

اسود عنسی مضبوط، توانا، بہت گناہ گار اور انتہائی درجے کا شرارتی تھا، اس نے زمانہ جاہلیت میں علم نجوم میں مہارت پیدا کرلی تھی اور یہ اپنے دور کا بہت بڑا جادوگر تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ اس کی گفتگو بہت واضح اور صاف ہوتی، اس کا بیان نہایت موثر ہوتا، یہ بڑا ہوشیار چالاک تھا۔ لوگوں کو ہم نوا (اپنا ساتھی) بنانے کا فن اسے خوب آتا تھا، عام لوگوں کو بیان سے اپنی طرف مائل کرلیتا اور قریبی لوگوں کو قیمتی تحفے دے کر اپنا بنالیتا۔ یہ جب بھی لوگوں کے سامنے آتا تو اپنے چہرے پر کالے رنگ کا خول چڑھا کر آتا تاکہ لوگوں پر اس کی دہشت بیٹھے۔

یمن میں اسود عنسی کی دعوت اس تیزی سے پھیلی جیسے خشک گھاس میں آگ پھیلتی ہے۔ سب سے پہلے اس کے قبیلے نے اس کا بھرپور ساتھ دیا۔ یہ قبیلہ ان دنوں یمن میں تمام قبائل سے بڑا اور طاقت ور تھا۔ نئے نئے جھوٹ گھڑنے کی مہارت اور ذہین و چالاک پیروکاروں (یعنی اس کے ماننے والوں) نے اس کی جھوٹی نبوت میں چمک پیدا کی۔

اس نے لوگوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ آسمان سے فرشتہ وحی لے کر اس کے پاس آتا ہے اور اسے غیب کی خبریں دیتا ہے۔ اس نے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے بہت سے طریقے ایجاد کر رکھے تھے۔

اس نے اپنے جاسوس ہر جگہ پھیلا رکھے تھے تاکہ لوگوں کے چھپے ہوئے حالات اور مشکلات کا مشاہدہ کریں اور اسے ان کے رازوں سے آگاہ کرتے رہیں۔

جاسوس پہلے لوگوں کی مشکلات معلوم کرتے، پھر ان کی دلی خواہشوں کو جان کر انہیں اسود عنسی سے پناہ اور مدد طلب کرنے کے لیے تیار کرتے۔ جو شخص بھی اسود عنسی کے پاس فریاد لے کر جاتا جاسوس اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اسود عنسی کو اس کی مشکلات کی خبر دے دیتے۔

جونہی فریاد لے کر آنے والا سامنے آتا اور ابھی وہ سوچ ہی رہا ہوتا کہ میں کس طرح فریاد کروں، اس دوران اسود عنسی بڑے پر اعتماد لہجے میں اس سے مخاطب ہوتا اور کہتا:

تم فلاں جگہ سے آئے ہو...... تمہیں یہ مشکل درپیش ہے...... تم مجھے یہ بات کہنا چاہتے ہو۔ وہ ایسے عجیب وغریب انداز میں گفتگو کرتا کہ فریاد لے کر آنے والے تعجب سے انگلیاں دانتوں میں دبا لیتے اور ان کی عقلیں حیران رہ جاتیں۔

تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی شہرت بڑی تیزی سے ہر طرف پھیل گئی، بہت سے لوگ اس کے فرماں بردار بن گئے۔

ان شیطان صفت لوگوں کے ذریعے پہلے اس نے صنعاء پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لیا، پھر صنعاء کو مرکز بنا کر دوسرے علاقوں پر چڑھائی کی، یہاں تک کہ حضرموت سے طائف کے درمیان کا پورا علاقہ اس کے قبضے میں ہو گیا۔ اور بحرین اور عدن کے درمیانی علاقے بھی اس کے زیرِ اثر آ گئے۔

اسود عنسی کا مسلمانوں پر ظلم

جب اسود عنسی کے پاؤں جم گئے، کافی تعداد میں علاقے اور لوگ اس کے تابع ہو گئے تو اس نے اپنے ان مخالفوں کو سزا دینے کے لیے تیزی سے اقدامات کیے۔ اس کے مخالف وہ لوگ تھے۔

"مِمَّنْ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ اِيْمَانًا رَاسِخًا بِدِيْنِهِ الْقَوِيْمِ......".

ترجمہ: "جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین پر مضبوط ایمان ہونے کی دولت سے نوازا تھا۔"

"وَيَقِيْنًا ثَابِتًا بِنَبِيِّهِ الْكَرِيْمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ......"

ترجمہ: "جنہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر پکا یقین تھا۔"

اور اللہ و رسول عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سے سچی محبت تھی۔ اور جو حق کی تبلیغ اور باطل سے مقابلہ کرنے کو اپنے لیے فخر سمجھتے تھے۔

اس گم راہ نے بڑی سختی اور ظالمانہ انداز میں پکڑ دھکڑ شروع کر دی اور انہیں عبرت ناک سزائیں دینے لگا۔

ان عظیم شخصیات میں حضرت عبداللہ بن ثوب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سرفہرست ہیں جو ابو مسلم خولانی کے نام سے مشہور تھے۔

حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اپنے دین و ایمان میں بڑے سچے اور مضبوط تھے اور اعلانِ حق میں غیرت مند اور جرات مند تھے۔

انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا تھا، دنیا اور اس کی زیب و زینت سے منہ پھیر لیا تھا، زندگی کی خوشیوں سے بالکل بے رغبتی اختیار کر لی تھی، اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے دین کی تبلیغ کے لیے وقف کر دی تھی۔ اور انہوں نے اپنی فانی دنیا کو آخرت کی خاطر بیچ دیا تھا۔ لوگوں کے دلوں میں ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ تبھی لوگ انہیں بزرگ متقی اور مستجاب الدعوات (وہ آدمی جس کی دعائیں قبول ہوتی ہیں) سمجھتے تھے۔

آپ کا اسود عنسی کی نبوت کا اقرار نہ کرنا

اسود عنسی نے حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو ایسی عبرت ناک سزا دینے کا فیصلہ کیا جس سے تمام مخالفین کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور وہ مخالفت سے باز آ جائیں۔

اس نے حکم دیا کہ صنعاء کے ایک کھلے میدان میں لکڑیاں اکٹھی کی جائیں، انہیں آگ لگا دی جائے اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیا جائے کہ، وہ فقیہ یمن ابو مسلم خولانی کی توبہ اور اسود عنسی کی نبوت کے اقرار کا خوب صورت منظر دیکھنے کے لیے میدان میں جمع ہو جائیں۔

جب میدان میں لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے پیر رکھنے کی جگہ خالی نہ رہی تو اسود عنسی مقررہ وقت پر ایسے رعب کے ساتھ آیا کہ مریدوں، حفاظتی دستوں اور لشکر کے جرنیلوں نے اسے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا، وہ اس چبوترے پر رکھی گئی عالی شان کرسی پہ بیٹھا، جو آگ کے سامنے خاص طور پر اس کے لیے رکھی گئی تھی۔

حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کو بیڑیوں میں جکڑ کر اس کے سامنے لایا گیا۔ لوگ یہ ہیبت ناک منظر بڑے ہی تعجب سے دیکھ رہے تھے، ہر کوئی تعجب سے منہ کھولے ہوئے تھا، اس جھوٹے مکار اور سرکش نے ان کی طرف بڑے تکبر سے دیکھا، پھر بھڑکتی ہوئی آگ کی طرف دیکھا، پھر حضرت ابو مسلم خولانی

رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا:

"أَتَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ؟"

تَرْجَمَۃ: "کیا تم اقرار کرتے ہو کہ (حضرت) محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟"

"قَالَ: نَعَمْ أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهُ......

وَأَنَّهُ سَيِّدُ الْمُرْسَلِيْنَ، وَأَنَّهُ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ أَيْضًا."

تَرْجَمَۃ: "آپ نے فرمایا: ہاں! میں بالکل یہی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، وہ سید المرسلین اور خاتم الانبیاء ہیں (یعنی تمام رسولوں کے سردار اور آخری نبی ہیں)۔"

اسود عنسی نے تیوری چڑھا کر اور اپنا مکروہ چہرہ ان کی آنکھوں کے قریب لا کر کہا:

"وَتَشْهَدُ أَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ؟"

تَرْجَمَۃ: "کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟"

"فَقَالَ: إِنَّ فِيْ أُذُنَيَّ صَمَمًا، فَلَا أَسْمَعُ مَا تَقُوْلُ"

تَرْجَمَۃ: "آپ نے فرمایا: میرے کانوں میں بہرہ پن اتر آیا ہے جو تم کہتے ہو وہ بات میں سن نہیں پا رہا۔"

"فَقَالَ (الْأَسْوَدُ): إِذَنْ أَقْذِفُكَ فِيْ هٰذِهِ النَّارِ"

تَرْجَمَۃ: "اسود عنسی نے کہا: میں تمہیں اس آگ میں پھینک دوں گا۔"

حضرت ابومسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اگر تم مجھے اس آگ میں پھینک دو گے جو لکڑیوں سے جلائی گئی ہے، تو میں اس کے ذریعے قیامت کے دن اس آگ سے بچ جاؤں گا جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، جس پر ایسے سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ تعالیٰ کا ہر حکم مانتے ہیں اور ایک لمحے کے لیے بھی نافرمانی نہیں کرتے۔

یہ بات سن کر اسود نے کہا: میں تیرے بارے میں جلد بازی نہیں کروں گا، میں تجھے موقع دیتا ہوں تاکہ تیری عقل ٹھکانے آ جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے پھر یہ سوال دہرایا۔

کیا تو گواہی دیتا ہے کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں؟

آپ نے فرمایا: ہاں میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں دین برحق دے کر بھیجا اور آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر رسالت ختم کر دی۔

اسود کو بہت غصہ آیا اس نے کہا:

کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟

حضرت ابو مسلم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے کہا:

کیا میں نے تجھے پہلے نہیں کہہ دیا تھا کہ تیری اس بات کو میرے کان سننے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔

یہ جواب سن کر اور حضرت ابو مسلم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے چین و اطمینان کو دیکھ کر اسود عنسی غصے سے آگ بگولہ ہو گیا۔

اس نے ارادہ کیا ہی تھا کہ انہیں آگ میں پھینکنے کا حکم دے اتنے میں اس کا ایک قریبی ساتھی آگے بڑھا اور کان میں یہ بات کہی:

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ یہ شخص پاکیزہ دل، مستجاب الدعوات ہے۔

یاد رکھیے! اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کو ہرگز ذلیل و رسوا نہیں کیا کرتا، اگر آج آپ نے اسے آگ میں پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے بچا لیا تو اسی لمحے آپ کی عزت مٹی میں مل جائے گی اور لوگ اسی میدان میں آپ کی نبوت کو جھٹلا دیں گے۔ اگر آگ نے اسے جلا دیا تو لوگوں کی نظروں میں اس کی عزت و مرتبہ مزید بڑھ جائے گا۔ لوگ اسے شہیدوں کی صف میں لا کھڑا کریں گے۔

میری مانیں اس کو چھوڑ کر اس پر احسان کریں، اسے ملک بدر کر دیں اور اپنی جان چھڑائیں۔ اسود عنسی نے اپنے چیلے کا مشورہ مانتے ہوئے حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو فوراً ملک سے نکل جانے کا حکم دیا۔

حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مدینے کا رخ کیا، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت کا شوق دل میں ابھر رہا تھا۔ یہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی زیارت سے پہلے ہی ایمان لا چکے تھے، دل آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت کے لیے بے چین تھا لیکن یہ ابھی مدینے کی حدود میں پہنچے ہی تھے کہ انہیں نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے انتقال اور حضرت صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے خلیفہ بننے کی اطلاع ملی تو انہیں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی وفات پر دلی صدمہ ہوا۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے ملاقات

حضرت ابو مسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ مدینہ منورہ پہنچے اور مسجدِ نبوی جانے کا ارادہ کیا۔ مسجد نبوی کے قریب پہنچ کر اپنی اونٹنی کو دروازے کے پاس باندھ دیا، حرمِ نبوی میں داخل ہوئے۔

روضۂ رسول پر سلام عرض کیا، پھر مسجد کے ایک ستون کی آڑ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔
جب نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے قریب آئے اور فرمایا:
''مِمَّنِ الرَّجُلُ؟''
ترجمہ: ''تم کون ہو کہاں سے آئے ہو؟''
''فَقَالَ: مِنَ الْيَمَنِ''
ترجمہ: ''عرض کیا: یمن سے آیا ہوں۔''
''فَقَالَ: مَا فَعَلَ اللّٰهُ بِصَاحِبِنَا الَّذِيْ سَجَرَ لَهٗ عَدُوُّ اللّٰهِ النَّارَ، فَأَنْجَاهُ اللّٰهُ مِنْهَا؟''
ترجمہ: ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ہمارے ان ساتھی کا کیا بنا جنہیں جلانے کی خاطر اللہ کے دشمن نے آگ بھڑکائی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دے دی؟''
''فَقَالَ: هُوَ بِخَيْرٍ مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةٍ......''
ترجمہ: ''آپ نے عرض کیا: وہ اللہ کے فضل وکرم سے خیر وعافیت سے ہے۔''
''فَقَالَ عُمَرُ: نَشَدْتُكَ اللّٰهَ أَلَسْتَ هُوَ؟!''
ترجمہ: ''حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہیں وہ تم ہی تو نہیں ہو؟''
عرض کیا: ہاں وہ میں ہی ہوں۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی پیشانی کو چوما اور فرمایا:
کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور تمہارے دشمن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
انہوں نے عرض کیا: نہیں! مجھے کچھ پتہ نہیں، جب سے میں نے یمن کو چھوڑا ہے مجھے کوئی خبر نہیں۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:
اللہ تعالیٰ نے اسے دوسرے مؤمنوں کے ہاتھوں قتل کرا دیا ہے، اس کی حکومت ختم ہو گئی اور اس کے پیروکار دینِ اسلام کی طرف لوٹ آئے۔
انہوں نے عرض کیا:
اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے میری آنکھیں اس کے عبرت ناک انجام سے ٹھنڈی کیں اور اس کی جادوگری سے دھوکہ کھانے والے اہلِ یمن کو اسلام کا دامن تھامنے کی توفیق عطا کی۔
''فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ: وَأَنَا أَحْمَدُ اللّٰهَ الَّذِيْ أَرَانِيْ فِيْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ مَنْ فُعِلَ بِهٖ كَمَا فُعِلَ

بِخَلِيْلِ الرَّحْمٰنِ أَبِيْنَا إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ"

تَرجَمہ: ''حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا: میں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں جس نے حضرت محمد صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی امت میں سے ایک ایسے شخص کی زیارت کا موقع عطا کیا جن کے ساتھ حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ جیسا سلوک کیا گیا۔''

پھر ان کا ہاتھ پکڑا اور حضرت صدیقِ اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے پاس لے گئے، سلام عرض کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے انہیں اپنے اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے درمیان بٹھا لیا، اور دونوں حضرات، حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے اسود عنسی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ غور سے سننے لگے۔

حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے مدینہ منورہ میں کافی عرصہ قیام کیا اور مسجد نبوی کے ہو کر رہے۔ "رِیَاضُ الْجَنَّۃُ" میں جی بھر کر نمازیں پڑھیں، جلیل القدر صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے علم حاصل کیا جن میں سے حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابوعبادہ بن صامت، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عوف بن مالک اشجعی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سرِفہرست ہیں۔

پھر حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سرزمینِ شام کی طرف چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ شام کے سرحدی علاقے میں قیام کر کے اس لشکرِ اسلام میں شمولیت اختیار کی جائے جو روم کے خلاف مقابلے میں تیار کھڑا ہے۔ اس طرح اللہ کی راہ میں جہاد اور مجاہدین کی دیکھ بھال کا اجر و ثواب حاصل کیا جائے۔

جب حضرت معاویہ بن ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کثرت کے ساتھ ان کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور ان دونوں شخصیات کے درمیان بعض اوقات ایسے واقعات پیش آتے جن سے ان کی اونچی شان میں اور ترقی ہو جاتی۔

حضرت امیر المومنین رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو نصیحت

ایک مرتبہ حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے دربار میں آئے، دیکھا کہ آپ ایک بھری مجلس کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں اور حکومت کے افراد، لشکر کے جرنیلوں اور ریاست کے معزز لوگوں نے آپ کے اردگرد ڈھیرا ڈال رکھا ہے۔ لوگ بہت زیادہ ادب کر رہے ہیں۔

حضرت ابومسلم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ یہ منظر دیکھ کر بہت گھبرائے، ڈر ہوا کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ یہ

رتبہ وعزت دیکھ کر کہیں آپے سے باہر نہ ہو جائیں یہ سوچ کر آپ نے بآواز بلند کہا۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَجِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

لوگ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا ابومسلم! امیر المؤمنین کہو!

آپ نے ان کی بات کی کوئی پرواہ نہ کی دوبارہ پھر یہ کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَجِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ.

لوگوں نے کہا اے ابومسلم امیر المؤمنین کہو!

آپ نے ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے پھر یہی جملہ دہرایا۔ جب لوگوں نے حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو سختی سے روکنے کا ارادہ کیا اور ابھی انہیں پکڑا ہی تھا کہ حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:

ابومسلم کو چھوڑ دو! جو بات یہ کہہ رہے ہیں میں اس کا مفہوم سمجھتا ہوں۔

حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی طرف متوجہ ہوئے اور عرض کیا:

"إِنَّمَا مَثَلُكَ بَعْدَ أَنْ وَلَّاكَ اللّٰهُ أَمْرَ النَّاسِ كَمَثَلِ مَنِ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا وَأَوْكَلَ إِلَيْهِ أَمْرَ غَنَمِهِ، وَجَعَلَ لَهُ الْأَجْرَ عَلٰى أَنْ يُّحْسِنَ رَعْيَهَا، وَيَحْفَظَ أَبْدَانَهَا، وَيُوَفِّرَ أَصْوَافَهَا وَأَلْبَانَهَا ...... فَإِنْ هُوَ قَامَ بِمَا عُهِدَ إِلَيْهِ حَتّٰى تَكْبُرَ الصَّغِيْرَةُ وَتَسْمَنَ الْعَجْفَاءُ وَتَصِحَّ السَّقِيْمَةُ ..... أَعْطَاهُ أَجْرَهُ، وَزَادَهُ"

تَرْجَمَہ: "خلافت سنبھالنے کے بعد آپ کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے کسی شخص کو مزدور رکھا ہو، اپنی بھیڑ بکریاں اس کے حوالے کر دی ہوں اور وہ اپنے مزدور کو اس کے کام کے حساب سے مزدوری دیتا ہو۔ اگر اس نے بکریوں کو اچھے طریقے سے چرایا، ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جس سے ان کی اون اور دودھ میں بہت اضافہ ہوا، اس کی مسلسل حفاظت سے چھوٹی بکریاں بڑی ہو گئیں، دبلی پتلی موٹی تازی ہو گئیں، بیمار تندرست ہو گئیں۔ ظاہر ہے مالک خوش ہو کر مزدور کو زیادہ مزدوری دے گا۔"

"وَإِنْ هُوَ لَمْ يُحْسِنْ رَعْيَهَا وَغَفَلَ عَنْهَا حَتّٰى هَلَكَتْ عِجَافُهَا، وَهَزِلَتْ سِمَانُهَا، وَضَاعَتْ أَصْوَافُهَا وَأَلْبَانُهَا... مَنَعَ الْأَجْرَ عَنْهُ، وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَعَاقَبَهُ. فَاخْتَرْ لِنَفْسِكَ مَافِيْهِ خَيْرُكَ وَأَجْرُكَ"

تَرْجَمَہ: "لیکن اگر اس نے اچھی طرح بکریوں کی دیکھ بھال نہ کی، ان کے بارے میں ایسی غفلت برتی کہ دبلی پتلی بکریاں ہلاک ہو گئیں، موٹی کم زور ہو گئیں، ان کے بدنوں سے اون جھڑ

گئی، کمزوری کی وجہ سے دودھ ختم ہوگیا، تو ظاہر ہے یہ صورتِ حال دیکھ کر مالک مزدور کو مزدوری نہیں دے گا بل کہ اس سے ناراض ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ اسے سزا بھی دے۔ آپ اپنے لیے وہ طریقہ اختیار کیجیے جس میں آپ کے لیے خیر و برکت ہو اور اجر و ثواب بھی۔"

حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے نگاہیں جھکائی ہوئی تھیں، یہ نصیحت کی باتیں سن کر اپنا سر اوپر اٹھایا اور فرمایا:

"جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الرَّعِيَّةِ خَيْرًا يَا أَبَا مُسْلِمٍ، فَمَاعَلِمْنَاكَ إِلَّا نَاصِحًا لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهِ، وَلِعَامَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ"

تَرْجَمَہ: "اے ابومسلم! اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری اور رعایا کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے آپ واقعی لوگوں کو اخلاص کے ساتھ نصیحت کرنے والے ہیں۔"

حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے دمشق کی مرکزی مسجد میں جمعہ پڑھا، امیر المؤمنین حضرت معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ خطبہ دے رہے تھے۔ وہ عوام کے سامنے نہر کی کھدائی کے منصوبے کا تذکرہ کررہے تھے تاکہ لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی مہیا کیا جاسکے۔

حضرت ابومسلم نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ آج یا کل انتقال کرجائیں گے۔ دو گز زمین کا چھوٹا سا ٹکڑا آپ کا گھر ہوگا۔ اگر وہاں اچھا عمل لے کر جائیں گے تو آپ کے لیے یہ گھر باغ و بہار ہوگا اگر خالی ہاتھ چلے گئے تو اسے چٹیل میدان پائیں گے۔

اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی پناہ میں رکھے، کیا آپ خلافت سنبھالنے کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ نہریں کھودی جائیں اور مال اکٹھا کیا جائے؟

خلافت تو حق پر عمل کرنے کے لیے، عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق لوگوں کی قیادت کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

اے امیر المؤمنین! اگر وہ چشمہ صاف ہو جہاں سے پانی نکل کر نہر میں آتا ہے تو پھر نہر میں آکر پانی کے گدلا ہوجانے کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ آپ ہمارے لیے پانی کے اصل چشمے کی طرح ہیں، لہٰذا آپ خود صاف شفاف رہنے کی کوشش کرتے رہیے۔

اے امیر المؤمنین! اگر آپ نے کسی ایک شخص پر بھی کوئی ظلم کیا تو وہ ظلم آپ کے عدل و انصاف کو بھی لے ڈوبے گا۔

"فَإِيَّاكَ وَالظُّلْمَ ...."

تَرجَمہ: ''ظلم سے ہمیشہ بچتے رہئے۔''

''فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ''

تَرجَمہ: ''یاد رکھیے! ظلم قیامت کے دن بہت سارے اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔''

حضرت ابومسلم خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصیحت آموز گفتگو کو ختم کیا ہی تھا کہ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر سے نیچے اترے، حضرت ابومسلم رحمہ اللہ تعالیٰ سے گلے ملے اور فرمایا:

اے ابومسلم! اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے واقعی نصیحت کا حق ادا کردیا۔

غصہ شیطان کی طرف سے ہے

ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دینا شروع ہی کیا تھا (صورتِ حال یہ تھی کہ لوگوں کو دو ماہ سے بیت المال میں سے ان کا حق ادا نہیں کیا گیا) اتنے میں حضرت ابومسلم خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ ذرا غصے کے انداز میں بولے:

اے امیر المؤمنین! یہ مال نہ آپ کا ہے اور نہ آپ کے ماں باپ کا۔ آپ نے لوگوں کا حق کیوں روک رکھا ہے؟

یہ بات سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا، لوگ گھبرا اٹھے۔ آپ نے فرمایا: اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہنا، پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر سے نیچے اترے، وضو کیا اور دل پر پانی کے چھینٹے مارے۔ پھر منبر پر چڑھے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

ابومسلم نے ابھی ابھی کہا تھا کہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ میرے ماں باپ کا۔ سنو! ابومسلم نے بالکل سچ کہا۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

''اَلْغَضَبُ مِنَ الشَّيْطَانِ...... وَالشَّيْطَانُ مِنَ النَّارِ...... وَالْمَاءُ يُطْفِئُ النَّارَ ...... فَإِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَغْتَسِلْ''[1]

تَرجَمہ: ''غصہ شیطان کی طرف سے آتا ہے اور شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ پانی آگ کو بجھاتا ہے۔ جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو وہ نہا لیا کرے۔''

[1] حِلْيَةُ الْأَوْلِيَاءِ، أَبُوْ مُسْلِمٍ خَوْلَانِيْ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى: ۱۷۷۶، ۱۵۲/۲

اور پھر فرمایا لوگو: اپنے حقوق آج بیت المال سے وصول کر لینا۔

حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے یہ حق بات کہنے میں بڑے ہی بے باک تھے۔

اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے راضی ہو۔ آپ نے حق بات کی طرف رجوع کرنے کا ایک مثالی نمونہ پیش کیا۔

فوائد ونصائح

❶ ہمیں اس واقعہ سے ایک سبق یہ ملا کہ مسلمان کو ہر حالت میں اپنے دین و ایمان پر قائم رہنا چاہئے، چاہے کتنے ہی مشکل سے مشکل حالات ہوں۔ جس طرح حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسود عنسی کذاب کی بات ماننے سے بالکل انکار کر دیا، حالاں کہ اس نے اُن کو آگ میں ڈلوانے کی پوری تیاری کی ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی پوری حفاظت فرمائی اور اسود عنسی کذاب کے شر سے انہیں نجات عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر وقت اور ہر حال میں عافیت سے رکھے اور ہر طرح کی آزمائش سے بچائے۔

❷ اسی طرح اس واقعہ سے ایک سبق یہ بھی ملا کہ ہمیں حق بات کہنے کی عادت بنانی چاہئے۔ اور اس میں حکمت کا انداز اختیار کرنا چاہئے۔

❸ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ ہمیں حق بات کی طرف فوراً رجوع کر کے اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔

سُؤال: حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا اصل نام کیا تھا؟

سُؤال: اسود عنسی کون تھا؟

سُؤال: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو اسود عنسی کذاب کے شر سے کیسے بچایا؟

سُؤال: کیا آپ کو وہ نصیحتیں یاد ہیں جو حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے کہی تھیں؟

سُؤال: وہ کون سی حدیث ہے جو حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے حضرت ابومسلم خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی نصیحت کے وقت بیان کی تھی؟

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ تعالیٰ

(حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے)

"كَانَ سَالِمٌ ثِقَةً، كَثِيْرَ الْحَدِيْثِ، عَالِيًا فِي الرِّجَالِ، وَرِعًا" (ابن سعد)

ترجمہ: "حضرت سالم عالم باعمل، قابل اعتماد، کثرت سے حدیث روایت کرنے والے بلند مرتبہ اور متقی انسان تھے۔"

"لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ فِيْ زَمَانِ سَالِمِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ أَشْبَهَ مِنْهُ بِمَنْ مَضٰى مِنَ الصَّالِحِيْنَ فِي الزُّهْدِ، وَالْفَضْلِ، وَالْعَيْشِ" (الامام مالك)

ترجمہ: "زہد، تقویٰ، شرافت اور خوش حالی میں سالم بن عبداللہ جیسا ان کے دور میں اور کوئی نہ تھا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مالِ غنیمت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں مدینہ منورہ میں اس مالِ غنیمت کا ڈھیر لگا ہوا تھا جو ایران کے آخری بادشاہ یزدجرد کی سلطنت کے خاتمے پر مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا۔

اس میں ایرانی بادشاہوں کے ہیرے، جوڑے اور تاج بھی تھے موتیوں سے آراستہ لباس اور یاقوت و مرجان سے مزین کی گئی ایسی تلواریں بھی تھیں جو اس سے پہلے کسی نے دیکھی نہیں تھیں۔ بیش قیمت خزانوں کے علاوہ ایرانی قیدیوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھی مدینے میں لائی گئی، اس سے پہلے نہ تو اتنے قیدی مدینہ منورہ میں دیکھے گئے اور نہ ہی سیاسی اعتبار سے مدینے کی اتنی بڑی شان و شوکت کا مشاہدہ کیا گیا۔ ان قیدیوں میں شاہِ ایران یزدجرد کی تین حسین و جمیل بیٹیاں بھی تھیں۔

ان میں سے ایک بیٹی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے شوہر کے طور پر پسند کیا اور ان سے حضرت زین العابدین رحمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے۔

دوسری نے حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنا شوہر منتخب کیا اور ان سے حضرت قاسم رحمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے جو سات فقہائے مدینہ میں سے ایک تھے۔

اور تیسری نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنے لیے منتخب کیا۔ ان سے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ پیدا ہوئے جو ہو بہو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

طرح تھے۔ آیئے اب ہم آپ کو حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی زندگی کے بارے میں بتاتے ہیں۔

حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی پرورش

حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اور نبوت کی مہکتی ہوئی اور وحی کی روشنی سے دمکتی ہوئی فضاؤں میں پرورش پانے لگے۔ اپنے زاہد، عابد، روزہ دار اور تہجد گزار والد کی نگرانی میں تربیت حاصل کی اور حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے اخلاق و کردار کو اپنایا۔

والدِ محترم نے ان میں ان کے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت زیادہ تقویٰ اور عقل مندی کی علامتیں دیکھیں، ان کے طرزِ عمل سے اسلام کی صفات و خصوصیات کا مشاہدہ کیا اور قرآنی اخلاقیات پر انہیں عمل کرتے ہوئے دیکھا تو ان کے دل میں اپنے بیٹے سے محبت بڑھ گئی۔

وہ ان سے بہت محبت کیا کرتے تھے اور اسی محبت کی بنا پر آپ نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلائی۔ چناں چہ پہلے آپ نے خود ان کو حدیث کا علم سکھلایا جو آپ کے سینے میں محفوظ تھا، دینِ الٰہی میں تدبر (غور وفکر) کا عادی بنایا اور کتابِ الٰہی کے علم سے بیٹے کا سینہ منور کیا، پھر مزید علم حاصل کرنے کے لیے مسجدِ نبوی میں بھیج دیا۔

مسجدِ نبوی ان دنوں بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے آباد تھی۔ جب بھی اس نوجوان نے مسجدِ نبوی کے کسی کونے کی طرف قدم بڑھایا اپنے سامنے ایک ایسے صحابیٔ رسول کو دیکھا جو علمِ نبوت کی روشنیوں سے جگمگا رہے ہوتے۔

جس طرف بھی انہوں نے اپنی نظر اٹھائی یا کان لگایا تو اس طرف خیر و برکت ہی کو دیکھا اور نیکی ہی کی بات سنی۔ آپ کو جلیل القدر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ میں سے حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابو ہریرہ حضرت ابورافع، حضرت ابولبابہ، حضرت زید بن خطاب اور اپنے والدِ محترم حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے علم حاصل کرنے کا موقع میسر آیا، اس طرح آپ مسلمانوں کی ایک عظیم شخصیت بن گئے اور تابعین کرام رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ کے سردار کہلائے۔

مدینہ منورہ کے علماء میں سے ایک آپ بھی تھے جن کی طرف مسلمان دینی و دنیاوی مشکل ترین مسائل دریافت کرنے کے لیے رجوع کیا کرتے تھے۔ تمام گورنروں کا اپنے قاضیوں کو یہ حکم تھا کہ جب بھی کوئی مقدمہ ان کے سامنے لایا جائے تو اس کا فیصلہ دینے سے پہلے مدینہ منورہ کے علماء کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

جب قاضیوں کے پاس کوئی مقدمہ لایا جاتا تو پہلے سب مل کر اس پر غور کرتے پھر علماء کی رائے کے مطابق اس کا فیصلہ دیتے۔

وہ گورنر قابلِ رشک اور خوش بخت سمجھا جاتا، لوگ اس سے دلی محبت کرتے اور خلیفۃ المسلمین کے نزدیک قابلِ اعتماد تصور کیا جاتا، جو ہر کام پورا کرنے کے لیے حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے مشورہ کرتا اور ان کی باتوں کو ترجیح دیتا۔

جو گورنر حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مشورے کو تسلیم نہ کرتا تو مدینہ منورہ کے رہنے والے اس کے خلاف ہو جاتے۔ جیسا کہ یزید بن عبدالملک کے دورِ خلافت میں عبدالرحمٰن بن ضحاک مدینے کا گورنر بنا۔

ظلم کا انجام

حضرت حسین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی بیٹی حضرت فاطمہ رَحِمَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی بیوہ ہو گئیں (اللہ ان کی روح کو جنت میں تر و تازہ رکھے) اور اپنی اولاد کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں۔

گورنر ابن ضحاک نے ان سے شادی کرنے کا پیغام بھیجا۔

حضرت فاطمہ بنت حسین رَحِمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہَا نے فرمایا:

"وَاللّٰهِ مَا أَبْغِي الزَّوَاجَ، وَلَقَدْ قَعَدْتُ عَلٰى بَنِيَّ، وَوَقَفْتُ نَفْسِيْ عَلَيْهِمْ"

تَرجَمَہ: "اللہ کی قسم! میں شادی کا ارادہ نہیں رکھتی۔ میں تو ساری عمر اپنی اولاد کی پرورش و تربیت میں گزار دوں گی۔"

اس کی طرف سے اصرار جاری رہا اور آپ بدستور انکار کرتی رہیں۔ لیکن انکار کا انداز ہلکا رہا تاکہ اس کے شر سے محفوظ رہا جائے۔

جب اس نے مسلسل انکار سنا تو غصے میں آ کر کہا:

اگر تم نے میرا مطالبہ تسلیم نہ کیا تو میں تمہارے بڑے بیٹے پر تشدد کروں گا اور اس پر کوئی الزام لگا کر اسے کوڑوں سے عبرت ناک سزا دوں گا۔

یہ سن کر آپ بہت گھبرائیں اور حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے مشورہ کیا۔

انہوں نے فرمایا: خلیفۃ المسلمین یزید بن عبدالملک کو گورنر کے خلاف یہ شکایت لکھ کر بھیج دے اور اس خط میں رسول اقدس ﷺ سے اپنی رشتہ داری اور اہلِ بیت میں سے ہونے کا تذکرہ ضرور کرنا۔ انہوں نے یہ مشورہ سنتے ہی خط لکھا اور ایک قاصد (پیغام پہنچانے والا) کو یہ خط دے کر دمشق روانہ کر دیا۔

قریب تھا کہ یہ قاصد خط لے کر دمشق کی طرف روانہ ہوتا کہ خلیفۃ المسلمین یزید بن عبدالملک نے مدینہ منورہ میں بیت المال کے ذمہ دار ابنِ ہرمز کو پیغام بھیجا کہ وہ حساب لے کر پہلی فرصت میں دمشق پہنچے۔

ابن ہرمز نے اہل مدینہ کے حقوق ادا کر کے انہیں الوداع کہا اور دمشق کی طرف روانہ ہوتے ہوئے حضرت فاطمہ رَحِمَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی کو سلام عرض کیا اور کہا:

میں دمشق جا رہا ہوں کوئی میرے لائق خدمت ہو تو ضرور بتایئے میں اس خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھوں گا۔

حضرت فاطمہ رَحِمَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

ہاں امیر المؤمنین کو اپنے گورنر کے کرتوت (شرارتیں) بتا دینا اور انہیں یہ بھی کہہ دینا کہ اسے علمائے مدینہ کی عزت و حرمت کا خیال بھی نہیں اور خاص طور پر حضرت سالم بن عبداللہ کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔

یہ سن کر ابن ہرمز گھبرا گیا اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا کہ میں جاتے ہوئے کس مصیبت میں پھنس گیا، اب گورنر ابن ضحاک کے خلاف یہ شکایت خلیفہ کے دربار میں کس طرح پیش کروں گا۔

اگر بتاؤں تو مشکل، نہ بتاؤں تو مشکل ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔'' (فارسی کا محاورہ ہے بوقتِ مجبوری بولا جاتا ہے)۔

بیت المال کا ذمہ دار ابن ہرمز اسی دن پہنچا جس دن حضرت فاطمہ بنت حسین رَحِمَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی کا قاصد خط لے کر پہنچا تھا۔ جب ہرمز خلیفہ کے پاس پہنچا تو خلیفہ نے مدینہ کے حالات دریافت کیے، حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اور دیگر علمائے مدینہ کا حال پوچھا اور کہا:

کوئی اور قابل ذکر خبر ہو یا کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو جس کا ہمارے علم میں آنا ضروری ہو تو بتایئے؟

ابن ہرمز نے حضرت فاطمہ بنت حسین رَحِمَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی کی شکایت کا کوئی تذکرہ نہ کیا اور نہ ہی حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی گورنر کے متعلق کوئی بات بتائی، ابھی وہ خلیفہ کے پاس بیٹھا حساب دکھلا ہی رہا تھا کہ دربان نے حاضر ہو کر کہا:

''أَصْلَحَ اللّٰهُ الْأَمِيرَ.....''

تَرْجَمَہ: ''اللہ امیر المؤمنین کی حفاظت فرمائے اور ہمارے سروں پر آپ کا سایہ قائم ہو۔''

دروازے پر حضرت فاطمہ بنتِ حسین رَحِمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہَا کا قاصد ملاقات کی اجازت چاہتا ہے!

یہ سن کر ابن ہرمز کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا وہ بولا:

''أَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَ الْأَمِيرِ''

تَرجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین کو لمبی زندگی عطا فرمائے۔''

(حضرت) فاطمہ بنت حسین نے مجھے بھی آپ کے نام ایک پیغام دیا تھا۔

جب خلیفہ نے اس کی بات سنی تو غصے سے نیچے اترے اور کہا:

''أَلَمْ أَسْأَلْكَ عَنْ شُئُوْنِ الْمَدِيْنَةِ وَأَخْبَارِهَا؟!......''

تَرجَمَہ: ''جب میں نے مدینے کے حالات پوچھے تو تو نے یہ اتنی اہم خبر مجھے کیوں نہ بتائی! اور اسے کیوں چھپائے رکھا؟''

اس نے بھول جانے کا بہانہ پیش کیا۔

قاصد کو اندر آنے کی اجازت دی گئی تو خلیفہ نے خط لیا، اور کھول کر پڑھنا شروع کیا، غصے سے چہرہ اور آنکھیں سرخ ہونے لگیں، زمین پر چھڑی مارتے ہوئے کہنے لگے:

''ابن ضحاک کی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خاندان والوں کے ساتھ یہ جرأت اور پھر حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی نصیحت کو بھی قبول کرنے کے لائق نہیں سمجھا۔''

پھر غضب ناک آواز میں کہا:

''هَلْ مِنْ رَجُلٍ يُسْمِعُنِيْ صَوْتَهٗ وَهُوَ يُعَذَّبُ فِي الْمَدِيْنَةِ، وَأَنَا عَلٰى فِرَاشِيْ هٰذَا فِيْ (دِمَشْقَ)؟''

تَرجَمَہ: ''کیا مدینہ میں کوئی ایسا شخص ہے جو اس (کم بخت) کو ایسی دردناک سزا دے کہ اس کی چیخ و پکار مجھے یہاں دمشق میں اپنے بستر پر لیٹے ہوئے سنائی دے؟''

تو ان سے کہا گیا کہ ''جی ہاں امیر المؤمنین! ایک شخص موجود ہے جس کا نام عبدالواحد بشر نضری ہے۔ وہ آج کل طائف میں رہائش پذیر ہے۔''

یہ سن کر خلیفہ نے فرمایا:

''ہاں اللہ کی قسم! وہ واقعی اس منصب کے لائق ہے۔''

پھر ایک کاغذ منگوایا اور اپنے ہاتھ سے اسے یہ خط لکھا:

''مِنْ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَزِيْدِ بْنِ عَبْدِ الْمَلِكِ إِلٰى عَبْدِ الْوَاحِدِ بْنِ بِشْرٍ النَّضْرِيِّ

السَّلَامُ عَلَيْكَ ......

أَمَّا بَعْدُ...... فَإِنِّيْ قَدْ وَلَّيْتُكَ الْمَدِيْنَةَ، فَإِذَا جَائَكَ كِتَابِيْ هٰذَا فَتَوَجَّهْ إِلَيْهَا، وَاعْزِلْ عَنْهَا ابْنَ الضَّحَّاكِ ......

وَافْرِضْ عَلَيْهِ غَرَامَةً مِقْدَارُهَا أَرْبَعُوْنَ أَلْفَ دِيْنَارٍ ......
وَعَذِّبْهُ حَتّٰى أَسْمَعَ صَوْتَهُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ"

تَرجَمَہ: "امیر المؤمنین یزید بن عبدالملک کی جانب سے عبدلواحد بن بشر نضری کی طرف۔
تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ حمد وسلام کے بعد......
میں نے تمہیں مدینے کا گورنر مقرر کیا ہے۔
جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو فوزا مدینہ پہنچ کر ابن ضحاک کو معزول کر دینا (یعنی گورنری کے عہدے سے ہٹا دینا)۔ اس پر چالیس ہزار دینار جرمانہ عائد کرنے کے علاوہ اس قدر سخت سزا دینا کہ اس کی چیخ وپکار مجھے یہاں سنائی دے۔"

ڈاکیئے نے سرکاری خط لیا اور مدینے کے راستے طائف کی طرف بڑی تیزی سے سفر شروع کر دیا، جب یہ ڈاکیہ مدینے پہنچا تو گورنر ابن ضحاک کے پاس نہیں گیا اور نہ ہی اسے سلام کیا۔

گورنر کو کھٹکا محسوس ہوا، ڈاکیئے کی طرف پیغام بھیجا اور اسے اپنے گھر بلایا، اس سے آنے کا سبب پوچھا؟ اس نے کچھ بتانے سے انکار کیا۔ گورنر نے اپنے بستر کی چادر کا ایک کونہ اٹھایا اور کہا: دیکھو یہ تھیلی دیناروں سے بھری ہوئی ہے، اس میں ہزار دینار ہیں، اگر تم مجھے اپنے آنے کا مقصد بتا دو اور یہ بتا دو کہ اس خط میں کیا لکھا ہوا ہے تو میں یہ راز کسی کو نہیں بتاؤں گا اور یہ ہزار دینار بھی تمہارے ہو جائیں گے۔ اس نے لالچ میں آ کر بتا دیا۔

گورنر نے مال اس کے حوالے کر دیا اور کہا کہ صرف تین راتیں آپ یہاں ٹھہر جائیں اس کے بعد آپ طائف روانہ ہو جائیں جہاں جانے کا آپ کو سرکاری طور پر حکم دیا گیا ہے۔

ابن ضحاک نے اپنی سواری تیار کی اور فوراً مدینہ سے دمشق کی طرف روانہ ہوا جب وہاں پہنچا تو سب سے پہلے خلیفۃ المسلمین کے بھائی حضرت مسلمہ بن عبدالملک کے گھر گیا۔ یہ بڑے بلند اخلاق، نرم طبیعت اور سخی تھے ان سے مل کر کہا: "جناب میں آپ سے مدد چاہتا ہوں۔"

فرمایا: "گھبرایئے نہیں کیا ہوا؟"

کہا: "امیر المؤمنین ایک لغزش کی بنا پر مجھ سے انتقام لینے پر تلے ہوئے ہیں۔"

حضرت مسلمہ اپنے بھائی یزید کے پاس گئے اور فرمایا:

"امیر المؤمنین! میں ایک ضروری کام سے آپ کے پاس آیا ہوں۔"

خلیفہ یزید بن عبدالملک نے کہا: "آپ کا ہر کام ہوگا بشرط یہ کہ ابن ضحاک کے بارے میں نہ ہو۔"

انہوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں تو اس کے لیے آیا ہوں۔''

خلیفہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔''

انہوں نے پوچھا: ''اس کا گناہ کیا ہے؟''

خلیفہ نے کہا: ''اس نے فاطمہ بنت حسین رحمہا اللہ تعالیٰ کو ڈانٹا ہے، انہیں دھمکیاں دی ہیں اور پھر حضرت سالم بن عبداللہ کی نصیحت کو بھی نہیں مانا۔ مدینہ کے تمام شعراء اس کی ہجو (برائی) میں شعر کہہ رہے ہیں، تمام صلحاء وعلماء اس کے عیوب کا تذکرہ کر رہے ہیں۔''

یہ سن کر مسلمہ فرمانے لگے: ''اگر یہ بات ہے تو پھر میں سفارش نہیں کرتا آپ جیسے چاہیں فیصلہ کریں۔''

خلیفہ یزید بن عبدالملک نے کہا: ''اسے آپ حکم دیں کہ فوراً مدینہ واپس چلا جائے، میری نظروں کے سامنے نہ آئے اور وہاں جاتے ہی نئے گورنر کو اختیارات حوالے کر دے تاکہ آنے والے گورنر اس سے عبرت حاصل کریں۔''

مدینہ والے نئے گورنر کے مقرر ہونے پر بہت خوش ہوئے اور انہیں یہ دیکھ کر بے انتہا خوشی ہوئی کہ نیا گورنر ہر کام حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر اور حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مشورے سے کرتا ہے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت یزید بن عبدالملک کو مبارک باد ہو کہ انہوں نے یہ فیصلہ فرما کر تاریخ میں اپنا نام اجاگر کر لیا۔

ہر ضرورت صرف اور صرف اللہ ہی سے مانگنا

حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں زندگی بسر کی، ان دنوں مدینہ طیبہ میں مال و دولت کی جو کثرت تھی اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ہر طرف سے رزق بڑی کثرت کے ساتھ یہاں پہنچ رہا تھا۔

خلفائے بنی اُمیہ مدینہ منورہ میں اسباب اور مال و دولت زیادہ ہونے میں انسانی تصورات سے بھی بڑھ کر دل چسپی لیتے، لیکن حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کی طرح دنیا کی طرف محبت کی نظروں سے نہ دیکھا۔ انہوں نے اس فانی ساز وسامان کی کوئی پرواہ نہ کی، لوگوں کے مال سے ہمیشہ دور رہے تاکہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے اسے حاصل کیا جا سکے۔ ان کی اس دنیا سے بے رغبتی دراصل آخرت کی کامیابی حاصل کرنے کی امید پر تھی۔

خلفائے بنو اُمیہ نے انہیں بہت زیادہ مال ودولت دینے کی کوشش کی لیکن انہوں نے دنیا کو حقیر سمجھتے ہوئے مال و دولت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ایک سال خلیفہ سلیمان بن عبدالملک حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے۔ جب انہوں نے طوافِ قدوم (یعنی جب حاجی احرام باندھ کر مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر سب سے پہلے جو طواف کرتا ہے اسے طوافِ قدوم کہتے ہیں) شروع کیا تو انہوں نے حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو دیکھا کہ وہ کعبہ کی طرف رخ کئے ہوئے خضوع خشوع (عاجزی) سے بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔

خلیفہ جب طواف سے فارغ ہوئے، انہوں نے دو رکعت سنت ادا کی پھر اس طرف کا رخ کیا جہاں حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ بیٹھے تھے۔ لوگوں نے راستہ بنایا یہاں تک کہ وہ حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی جانب گھٹنے سے گھٹنہ ملا کر بیٹھ گئے۔ اور حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ دنیا سے بے نیاز ذکر الٰہی میں مشغول تھے۔ انہیں کچھ خبر نہ تھی کہ میرے پہلو میں کون آ بیٹھے ہیں۔

خلیفہ منتظر نگاہوں سے حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو دیکھنے لگے کہ کب تلاوت اور رونے کا سلسلہ ختم ہو تا کہ وہ حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے بات کر سکیں۔

جب فرصت کا لمحہ آیا تو خلیفہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے ابوعمر: "السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته."

آپ نے فرمایا: "وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته."

خلیفہ نے بڑی ہی آہستہ اور نرم آواز میں کہا:

"سَلْنِيْ حَاجَةً أَقْضِهَا لَكَ يَا أَبَا عُمَرَ"

تَرجَمَہ: "ابوعمر! کوئی ضرورت ہو تو بتائیں تا کہ میں اسے پورا کروں۔"

"فَلَمْ يُجِبْهُ سَالِمٌ بِشَيْءٍ"

تَرجَمَہ: "(حضرت سالم خاموش رہے اور) انہیں کوئی جواب نہ دیا۔"

خلیفہ نے سمجھا شاید انہیں سنائی نہیں دیا تھوڑا اور آگے بڑھے اور کہا:

"میرا دل چاہتا ہے کہ آپ مجھ سے کسی ضرورت کے پورا کرنے کا مطالبہ کریں۔ مجھے آپ کا وہ کام کرتے ہوئے دلی خوشی ہوگی۔"

حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

"وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَسْتَحِيْ أَنْ أَكُوْنَ فِيْ بَيْتِ اللّٰهِ جَلَّ وَعَزَّ، ثُمَّ أَسْأَلَ أَحَدًا غَيْرَهُ"

ترجمہ: ”اللہ کی قسم! مجھے شرم آتی ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر کسی اور سے مانگوں۔“

خلفیہ یہ جواب سن کر شرمندہ ہوئے اور خاموش ہوگئے لیکن اسی جگہ بیٹھے رہے۔ جب نماز ادا کر لی گئی اور حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اٹھ کر اپنی سواری کی طرف جانے لگے تو ان کے گرد بہت سے لوگ جمع ہوگئے۔

ایک آپ سے حدیثِ رسول علیہ الصلاۃ والسلام پوچھ رہا ہے۔

دوسرا کوئی دینی معاملے میں فتویٰ دریافت کر رہا ہے۔

تیسرا کسی دنیاوی معاملے میں نصیحت حاصل کر رہا ہے۔

چوتھا دعا کے لیے عرض کر رہا ہے۔

اس بھیڑ میں خلیفۃ المسلمین سلیمان بن عبدالملک بھی تھے۔ لوگوں نے جب انہیں دیکھا تو ان کے لیے راستہ بنایا۔ وہ حضرت سالم بن عبداللہ رحمہما اللہ تعالیٰ کے قریب ہوکر کان میں کہنے لگے:

اب ہم مسجد حرام سے باہر آچکے ہیں اپنی کوئی ضرورت بتائیں تاکہ میں اسے پورا کروں۔

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ سے پوچھا:

”مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا أَمْ مِنْ حَوَائِجِ الْآخِرَةِ؟“

ترجمہ: ”کوئی دنیا کی ضرورت پیش کروں یا آخرت کی؟“

”فَارْتَبَكَ الْخَلِيْفَةُ وَقَالَ: بَلْ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْيَا ......“

ترجمہ: ”خلیفہ نے تھوڑی سی خاموشی کے بعد کہا: کوئی دنیا کی ضرورت بتائیں۔“

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”إِنِّيْ لَمْ أَطْلُبْ حَوَائِجَ الدُّنْيَا مِمَّنْ يَمْلِكُهَا: فَكَيْفَ أَطْلُبُهَا مِمَّنْ لَا يَمْلِكُهَا؟“

ترجمہ: ”میں دنیا کی ضروریات اس سے نہیں مانگتا جو ان کا حقیقی مالک ہے۔ بھلا میں اس سے کیسے مانگوں جو ان کا مالک ہی نہیں۔“

میرا اللہ بن مانگے میری تمام ضرورتیں پوری کرتا ہے۔

خلیفہ ایک مرتبہ پھر شرمندہ ہوئے انہیں سلام کیا اور یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گئے:

”اے آلِ خطاب! زہد و تقویٰ نے تمہیں کس قدر صبر کرنے والا بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس قدر بے غرض اور غنی کر دیا ہے۔“

اس سے پہلے ولید بن عبدالملک نے حج کیا، جب لوگ میدان عرفات سے واپس پلٹے تو خلیفۃ المسلمین مزدلفہ میں حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملے۔ وہ احرام کی حالت میں تھے، انہیں سلام کیا اور

درجات کی بلندی کی دعا دی۔ ان کے جسم کی طرف دیکھا تو ان کے پھرتیلے اور طاقت ور جسم کو دیکھتے ہی رہ گئے جو احرام کی وجہ سے پورا ڈھانپا ہوا نہیں تھا۔

فرمایا: ''ابو عمر! بڑا خوب صورت جسم ہے کیا کھاتے ہو؟''

فرمایا: ''روٹی اور تیل، کبھی گوشت مل جائے تو وہ بھی کھا لیتا ہوں۔''

خلیفہ نے تعجب سے کہا: ''بس روٹی اور تیل پر گزارہ چلتا ہے!!!''

فرمایا: ''ہاں۔''

خلیفہ نے پوچھا: ''کیا تم اسے شوق سے کھاتے ہو؟''

فرمایا: ''اگر بھوک نہیں ہوتی تو میں اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتا، جب خوب بھوک لگتی ہے تو بڑی چاہت اور شوق سے کھاتا ہوں۔''

آپ کا حجاج بن یوسف کا حکم ماننے سے انکار

حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جس طرح زہد و تقویٰ میں اپنے دادا حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مشابہت رکھتے تھے بالکل اسی طرح حق بات کہنے میں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے تھے خواہ کتنے ہی نامناسب حالات کیوں نہ ہوں وہ حق بات کہنے میں بالکل نہیں ڈرتے تھے۔

ایک مرتبہ مسلمانوں کے کسی کام کے لیے حجاج بن یوسف کے پاس گئے۔ حجاج نے خوش آمدید کہا اور بڑی عزت و اکرام سے پیش آیا، تھوڑی ہی دیر بعد حجاج کے پاس کچھ لوگ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے لائے گئے، جن کے بال اجڑے ہوئے تھے، جسم پر گرد و غبار تھا، چہرے زرد ہو چکے تھے۔

حجاج نے حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی طرف دیکھا اور کہا:

یہ باغی اور فسادی لوگ ہیں ان کا خون بہانا جائز ہے۔ پھر حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو تلوار دی اور کہا اس پہلے کھڑے ہوئے شخص کی گردن پر تم وار کرو۔

حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے تلوار حجاج کے ہاتھ سے لی اور اس شخص کی طرف قدم بڑھایا، لوگ بڑے غور سے یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ آپ کیا کرتے ہیں؟

جب اس شخص کے سامنے جا کر کھڑے ہوئے تو اس سے پوچھا:

''کیا تم مسلمان ہو؟''

اس نے کہا: ''ہاں میں مسلمان ہوں! لیکن آپ کو اس سوال سے کیا غرض؟ جو آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ

اسے پورا کریں۔

حضرت سالم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے اس سے پوچھا: ''کیا تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے؟''

اس شخص نے کہا: ''میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میں مسلمان ہوں پھر آپ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز پڑھی ہے!!! آپ کا کیا خیال ہے کہ کوئی مسلمان نماز چھوڑ سکتا ہے؟''

حضرت سالم نے کہا:

''میں نے تم سے پوچھا ہے کیا تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے؟''

اس شخص نے بڑی بے باکی سے کہا:

''اللہ آپ کو ہدایت دے میں نے کہا کہ ہاں میں نے نماز پڑھی ہے، میری آپ سے یہ گزارش ہے کہ جو اس ظالم نے حکم دیا ہے وہ کر گزریں! ورنہ اس کی سختی اور ظلم وتشدد کا آپ کو سامنا کرنا پڑے گا۔''

حضرت سالم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ حجاج کی طرف پلٹے اور تلوار اس کے سامنے پھینک دی اور فرمایا:

''یہ شخص اقرار کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے۔ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اقدس صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

''(مَنْ صَلّٰى صَلَاةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ)''[1]

تَرْجَمَۃ: ''جس نے صبح کی نماز ادا کی وہ اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے۔''

پھر فرمایا: ''میں ایسے شخص کو قتل نہیں کروں گا جو اللہ کی حفاظت میں آچکا ہو۔'' حجاج نے غضب ناک انداز میں کہا:

ہم اسے صبح کی نماز چھوڑنے پر قتل نہیں کرتے۔ ہم اسے اس جرم میں قتل کرنا چاہتے ہیں کہ اس نے خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان بن عفان رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے قتل میں مدد کی۔ ہمارے نزدیک یہ جرم گردن مارنے کے قابل ہے۔

حضرت سالم رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''لوگوں میں مجھ سے اور تم سے بڑھ کر ایسی شخصیت موجود ہے جو عثمان رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے خون کا بدلہ لے سکتی ہے۔''

حجاج خاموش ہو گیا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس مجلس میں حاضر ایک شخص مدینہ منورہ پہنچا اور اس نے حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا کو ان کے

---

[1] كَنْزُ الْعُمَّالِ، رَقْمُ الْحَدِيْثِ: ۱۹۳۱۲، ۷/۱۵۱

بیٹے حضرت سالم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا واقعہ سنایا۔ ابھی وہ سنانے ہی لگا تھا کہ آپ فوراً بول پڑے: ''میرے بیٹے سالم نے حجاج کے حکم کا کیا کیا؟؟''

اس نے کہا کہ (حضرت) سالم نے اس انداز میں اس کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔

یہ سن کر آپ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

''كَيِّسٌ كَيِّسٌ......

عَاقِلٌ عَاقِلٌ......''

تَرجَمَہ: ''میرا بیٹا واقعی بہت عقل مند ہے۔ میرا بیٹا واقعی بہت عقل مند ہے۔''

حضرت امیر المؤمنین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا خط

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی طرف خط لکھا۔ تحریر کرتے ہیں۔

''أَمَّا بَعْدُ...... فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ابْتَلَانِيْ بِمَا ابْتَلَانِيْ بِهٖ مِنْ وَلَايَةِ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ عَنْ غَيْرِ مَشْوَرَةٍ مِنِّيْ وَلَا طَلَبٍ.

فَأَسْأَلُ اللّٰهَ الَّذِيْ ابْتَلَانِيْ بِهٰذَا الْأَمْرِ أَنْ يُعِيْنَنِيْ عَلَيْهِ.

فَإِذَا جَائَكَ كِتَابِيْ هٰذَا: فَابْعَثْ لِيْ بِكُتُبِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَأَقْضِيَتِهٖ، وَسِيْرَتِهٖ .....

فَإِنِّيْ عَازِمٌ عَلٰى أَنْ أَتَّبِعَ سِيْرَتَهٗ ......

وَأَسِيْرَ عَلٰى نَهْجِهٖ إِنْ أَعَانَنِي اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ ...... وَالسَّلَامُ''

تَرجَمَہ: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے خلافت کے تخت امتحان میں مبتلا کر دیا ہے۔ نہ کسی نے مجھ سے مشورہ کیا اور نہ کبھی میں نے اس کا مطالبہ کیا۔ میری اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس امتحان میں میری مدد کرے۔ جب میرا یہ خط آپ تک پہنچے تو مجھے وہ تمام تحریری فیصلے جو حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اپنے دورِ خلافت میں کیے تھے بھیج دینا اور ان کی سیرت کے واقعات آپ کے پاس تحریری موجود ہوں تو وہ بھی بھیج دینا۔ میں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور ان کا طریقہ اختیار کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ مجھے توفیق عطا فرمائے۔''

خط کا جواب

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جوابی خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا۔

"أَمَّا بَعْدُ...... فَقَدْ جَائَنِي كِتَابُكَ الَّذِي تَذْكُرُ فِيهِ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ ابْتَلَاكَ بِإِمْرَةِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ غَيْرِ طَلَبٍ مِنْكَ وَلَامَشْوَرَةٍ...... وَأَنَّكَ تُرِيْدُ أَنْ تَسِيْرَ بِسِيْرَةِ عُمَرَ فَلَا يَفُتْكَ أَنَّكَ فِي زَمَانٍ غَيْرِ زَمَانِ عُمَرَ ......

وَأَنَّهُ لَيْسَ فِي رِجَالِكَ مَنْ يُمَاثِلُ رِجَالَ عُمَرَ ......

وَلٰكِنْ اِعْلَمْ أَنَّكَ إِنْ نَوَيْتَ الْحَقَّ وَأَرَدْتَهُ: أَعَانَكَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، وَأَتَاحَ لَكَ عُمَّالًا يَقُوْمُوْنَ لَكَ بِهِ ......

وَأَتَاكَ بِهِمْ مِنْ حَيْثُ لَا تَحْتَسِبُ ......

فَإِنَّ عَوْنَ اللّٰهِ لِلْعَبْدِ عَلٰى قَدْرِ نِيَّتِهِ......

فَمَنْ تَمَّتْ نِيَّتُهُ فِي الْخَيْرِ تَمَّ عَوْنُ اللّٰهِ لَهُ، وَمَنْ قَصَّرَتْ نِيَّتُهُ نَقَصَ مِنْ عَوْنِ اللّٰهِ لَهُ بِقَدْرِ نَقْصِ نِيَّتِهِ......

وَ إِذَا نَازَعَتْكَ نَفْسُكَ إِلٰى شَيْءٍ مِمَّا لَا يُرْضِي اللّٰهَ جَلَّ وَعَزَّ: فَاذْكُرْ مَنْ كَانَ قَبْلَكَ مِنْ ذَوِي السُّلْطَانِ الَّذِيْنَ سَبَقُوْكَ إِلَى الرَّحِيْلِ عَنْ هٰذِهِ الدُّنْيَا......

وَسَلْ نَفْسَكَ كَيْفَ تَفَقَّأَتْ عُيُوْنُهُمُ الَّتِي كَانُوْا يَشْهَدُوْنَ بِهَا اللَّذَّاتِ، وَكَيْفَ تَمَزَّقَتْ بُطُوْنُهُمُ الَّتِي كَانُوْا لَا يَشْبَعُوْنَ بِهَا مِنَ الشَّهَوَاتِ ......

وَكَيْفَ صَارُوْا جِيَفًا لَوْ تُرِكَتْ إِلٰى جَانِبِ مَسَاكِنِنَا وَلَمْ تُوَارِهَا أَكَامُ الْأَرْضِ: لَضَجَجْنَا مِنْ رِيْحِهَا

وَلَمَسَّنَا الضُّرُّ مِنْ نَتْنِهَا

وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَبَرَكَاتُهُ"

ترجمہ: "آپ کا خط مجھے موصول ہوا حالات سے واقفیت ہوئی آپ نے لکھا ہے کہ آپ کی اپنی خواہش اور مشورہ کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکومت دے کر آزمائش میں مبتلا فرمایا ہے، تو فکر نہ فرمائیں، اسی طرح آپ نے لکھا کہ آپ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت اپنانا چاہتے ہیں (تو اس بارے میں گزارش یہ ہے کہ) آپ کو یہ بات اچھی طرح ذہن میں بٹھا لینی چاہئے کہ آپ جس

دور سے گزر رہے ہیں وہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے دور سے مختلف ہے۔

آپ کے ساتھ وہ لوگ نہیں ہیں جو حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے ساتھ تھے لیکن یہ بات خوب اچھی طرح جان لیں! آپ نے حق بات کہنے اور اس پر عمل کرنے کی نیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ یقیناً آپ کی مدد کرے گا۔ آپ کے پاس بھی ایسے لوگ آئیں گے جو آپ کا ہاتھ بٹائیں گے۔ اور ایسے ایسے لوگ آپ کے معاون بنیں گے کہ جن کا آپ کو وہم وگمان بھی نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد اس کی نیت کے مطابق کرتا ہے۔ جس کی نیت خیر و بھلائی میں کامل ہو اور خالص ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد بھی مکمل اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

جس کی نیت میں خرابی اور کوتاہی ہو اس کی مدد بھی اسی حساب سے ہوتی ہے۔ اگر کبھی آپ کا دل کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہو جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو تو اپنے سے پہلے اُن بادشاہوں کو یاد کر لیا کریں جو دنیا سے جا چکے ہیں۔

اپنے دل سے یہ سوال کیا کریں کہ! ''اُن کی وہ آنکھیں کس طرح پھوڑی گئیں جو لذتوں اور عیش سے لطف اندوز ہوا کرتی تھیں۔''

ان کے وہ پیٹ قبر میں کس طرح پھٹے ہوں گے جو خواہشات ولذات سے سیر نہیں ہوا کرتے تھے۔

ان کے مردہ جسموں کو اگر ہمارے گھروں کے قریب لا کر کھلے عام رکھ دیا جائے اور مٹی میں دبایا نہ جائے تو ان کی بو سے ہمارا جینا حرام ہو جائے۔

''والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔''

وفات

حضرت سالم بن عبداللہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی پوری زندگی تقویٰ اور ہدایت کے ساتھ گزری۔ دنیا کے مال و دولت اور عیش وعشرت سے ہمیشہ دور رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہر قدم پر سامنے رکھا، سادہ کھانا کھایا، کھردرا لباس پہنا، روم کی جنگ میں لشکر اسلام کے ساتھ ایک سپاہی کی حیثیت سے حصہ لیا۔

بہت خوش دلی سے مسلمانوں کی ضرورتیں پوری کرتے۔ ان کے ساتھ ہمیشہ ایسی شفقت سے پیش آتے جیسے ماں اولاد سے محبت اور شفقت سے پیش آتی ہے۔

۱۰۶ھ کو جب اللہ کو پیارے ہوئے تو مدینے کے ہر فرد پر رنج وغم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ان کی وفات کی خبر نے ہر فرد کے دل میں غم کا شعلہ بھڑکا دیا۔ ہر آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ تمام لوگ دوڑے دوڑے ان کے

جنازے کے پیچھے ہو لیے اور دفن تک حاضر رہے۔ خلیفہ ہشام بن عبدالملک مدینہ میں موجود تھے۔ وہ بھی نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔

جب انہوں نے لوگوں کی بھیڑ دیکھی، جنازے میں شریک لوگوں کی پریشانی کا حال دیکھا تو ان کو بہت رشک ہوا۔ وہ اپنے دل سے سوال کرنے لگے: اگر خلیفۃ المسلمین فوت ہو جائے تو کیا لوگ اسی ذوق وشوق سے جنازے کو کندھا دینے کے لیے گھروں سے نکل آئیں گے!!؟

جنازے سے فارغ ہو کر خلیفہ ہشام بن عبدالملک نے مدینہ کے گورنر ابراہیم بن ہشام مخزومی کو کہا: اہل مدینہ پر یہ ذمہ داری ڈالیں کہ وہ سرحدوں کی حفاظت کے لیے چار ہزار افراد روانہ کریں۔

حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قبر کو اللہ تعالیٰ تر و تازہ رکھے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

فوائد و نصائح

حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے واقعہ میں یہ بات جگہ جگہ پڑھنے میں آتی ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری میں گزاری، دنیا کے مال و دولت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا اس پر صبر و شکر کے ساتھ گزارہ کیا اور کبھی دنیا کی چیزوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ دیکھا۔

ہمیں بھی اپنی زندگی کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ گزارنا چاہئے اور دنیا کے عارضی لطف اور مزے کے بجائے آخرت کے ہمیشہ ملنے والے لطف اور مزے کی فکر کرنی چاہئے۔

ہمیں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو کچھ دیا ہے اور جتنا دیا ہے اسی میں ہمارے لیے بہتری ہے لہٰذا اس پر صبر و شکر کرنا چاہئے۔

مذاکرہ

سُؤال: حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق و کردار کن کے مشابہ تھے؟

سُؤال: حجاج بن یوسف کے سامنے حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ کی بے باکی پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا فرمایا؟

سُؤال: حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ کو حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے کیا مشورہ دیا؟

سُؤال: کیا آپ کو وہ حدیث یاد ہے جو حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجاج بن یوسف کے سامنے بیان فرمائی تھی؟

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

امیرِ اندلس

"الغَافِقِيُّ صُوْرَةٌ صَادِقَةٌ لِمُوْسَى بْنِ نُصَيْرٍ، وَطَارِقِ بْنِ زِيَادٍ، فِيْ عُلُوِّ الهِمَّةِ وَسُمُوِّ الْمَقْصَدِ"
(المورخون)

تَرْجَمَۃ: "عبدالرحمٰن غافقی، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد کی طرح سچے، باہمت اور بلند مرتبہ شخص تھے۔"

کیا اب اس علاقے میں کوئی تابعی موجود ہے؟

پانچویں خلیفہ راشد امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے سے پہلے خلیفہ سلیمان بن عبدالمالک کو دفن کرنے کے بعد خلافت کی ذمہ داری سنبھالتے ہی حکومت کے عہدہ داروں کا جائزہ لیا۔ ان میں سے چند ایک کو معزول کردیا (عہدے سے ہٹادیا) اور ان کی جگہ مناسب افراد کو مقرر کیا۔

ان میں سے حضرت سمح بن مالک خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو اندلس اور فرانس کے گردو نواح (آس پاس) کے فتح کئے ہوئے علاقوں کا گورنر مقرر کیا۔ وہ نئے منصب پر فائز ہوتے ہی ایسے افراد کے انتخاب میں غور کرنے لگے، جو سچے، مخلص، وفادار اور سخی ہوں اور جرات و بہادری والے نظر آتے ہوں۔ انہوں نے اس حوالے سے اپنے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا اب اس علاقے میں کوئی تابعی موجود ہیں؟

تمام ساتھیوں نے مل کر کہا: جی ہاں!

امیر محترم! ایک جلیل القدر تابعی حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ غافقی زندہ ہیں۔ وہ بڑے عالم و فاضل قرآن و حدیث کے ماہر سمجھ دار، میدانِ جہاد کے ایک تجربہ کار جرنیل اور شوقِ شہادت کا بے انتہا جذبہ رکھتے ہیں۔ ایک عظیم مجاہد کی طرح زندگی کے دن اطمینان سے گزار رہے ہیں۔ انہیں دنیاوی مال و دولت اور عہدہ و بڑائی سے بالکل کوئی دل چسپی نہیں۔ انہیں جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کی زیارت کا شرف حاصل ہوا ہے۔ ان سے علم حاصل کرنے کی سعادت ملی اور انہوں نے اُن کے نقشِ قدم پر چل کر زندگی گزاری ہے۔

امیرِ اندلس سے ملاقات

امیرِ اندلس حضرت سمح بن مالک خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو

ملاقات کے لیے دعوت دی۔

آپ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کا والہانہ استقبال کیا، محبت بھرے انداز میں خوش آمدید کہا، اپنے پاس بٹھایا، دینی مسائل دریافت کیے، مشکل سیاسی مسائل کو حل کرنے کے لیے مشورہ طلب کیا۔ ان سے بات کرنے پر انہیں پتہ چلا کہ یہ عظیم شخصیت تو اس سے کہیں بڑھ کر ہیں جوان کے متعلق بتایا گیا تھا۔

انہیں اپنی صلاحیتوں کی بنیاد پر کسی بڑے اہم عہدے پر فائز ہونا چاہئے۔ یہ خیال آتے ہی انہیں اندلس کے بڑے عہدے پر فائز ہونے کی پیش کش کردی، یہ سن کر حضرت عبدالرحمٰن غافقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

امیر محترم! میں ایک عام اور معمولی آدمی ہوں۔ یہاں میں صرف سرحدی علاقے میں پہرہ دینے کی غرض سے آیا ہوں تاکہ دشمن کو مسلمانوں کے ملک پر قبضہ کرنے سے روکا جاسکے۔ میں تو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کا طالب ہوں۔ میں نے اللہ کے پیغام کی سربلندی کے لیے تلوار کو تھاما ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں آپ کا اس وقت تک سائے کی طرح ساتھ دوں گا جب تک آپ اللہ اور رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اطاعت گزار رہیں گے۔ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں گا، مجھے کسی عہدے یا سرداری سے کوئی غرض نہیں اور نہ ہی میرے دل میں اس قسم کا کوئی شوق ہے۔

فرانس کی فتح

تھوڑے ہی عرصے بعد حضرت سمح بن مالک خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرانس کو فتح کرکے اسے اسلامی حکومت کا حصہ بنانے کا پختہ ارادہ کرلیا تاکہ یہاں سے یورپ کے جنوب ومشرق میں واقع اہم ترین ممالک رومانیہ، البانیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ، ترکی اور یونان تک پہنچنے کا راستہ بنادیا جائے اور اس طرح قسطنطنیہ پر قبضہ کرکے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق بہترین لشکر اور بہترین امارت کا اعزاز حاصل کیا جائے۔

اس عظیم مقصد میں کامیابی کے لیے ضروری تھا کہ فرانس کے بہت بڑے اہم ترین شہر ''اربونہ'' کو فتح کیا جائے۔ اربونہ فرانس کا بہت بڑا سرحدی شہر تھا، دفاعی اعتبار سے اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ جب مسلمان نیربون (فرانس کا ایک شہر ہے) کے پہاڑ پر سے نیچے کی طرف اترتے تو سب سے پہلے شہر اربونہ ہی سامنے آتا تھا۔ اس شہر کو سرزمینِ فرانس کا دروازہ تصور کیا جاتا تھا۔ مملکت فرانس سے دل چسپی رکھنے والوں کے نزدیک شہر اربونہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی حکمت و دانائی

حضرت سمح بن مالک خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اربونہ شہر کا گھیرا ڈالا۔ اس کے رہنے والوں سے کہا: تم اسلام قبول کرلو ورنہ جزیہ (ٹیکس) دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

اہلِ اربونہ کو یہ بات بڑی بھاری گزری۔ انہوں نے جزیہ دینے سے صاف انکار کردیا۔ لشکرِ اسلام نے ان پر پے در پے سخت حملے شروع کردیئے، اہلِ اربونہ نے بھی بے دریغ توپ کے گولے برسانے شروع کردیئے۔ ایک گولہ حضرت سمح بن مالک خولانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے بدن میں لگا جس سے چکرا کر گھوڑے سے گر پڑے اور گرتے ہی شہید ہوگئے۔

جب مسلمانوں نے اپنے جرنیل کو خون میں لت پت دیکھا تو ان پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مجاہدوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہونے لگا تو لشکرِ اسلام کے ایک عظیم و جوان مردِ بہادر اور نڈر سپاہی نے (جو آگے چل کر عسکری تاریخ کے عظیم جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے نام سے مشہور ہوئے) آگے بڑھ کر پورے لشکر کو سنبھالا۔

حکمت و دانائی اور ذہانت و تجربہ سے لشکر کی قیادت کا فریضہ نہایت ہی اچھے طریقے سے انجام دیا اور پورے لشکر کو بچا کر واپس ہسپانیہ لے جانے میں کامیاب ہوگئے، تاکہ دوبارہ تازہ دم ہو کر اور پوری تیاری کے ساتھ فرانس پر حملہ کیا جائے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ اندھیری رات میں چاند کے چہرے سے کالے بادل کیسے ہٹے؟

اندھیرے راستوں میں روشنی کیسے آئی؟

تھکے ہوئے لوگوں کو فانوس کی روشنی سے اپنی آنکھوں کو چمکانے کا کس طرح موقع میسر آیا؟

سخت دھوپ اور پیاس سے تڑپتے ہوئے افراد کو اپنی جان بچانے کے لیے ٹھنڈا پانی کیسے دکھائی دیا؟

درحقیقت انہیں زندگی کی امید عظیم جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی صورت میں دکھائی دی اور تمام مجاہدین نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

جب مسلمانوں نے یورپ میں قدم رکھا تو یہ لڑائی ان کے لیے پہلا گہرا زخم تھی، لیکن حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنی بے انتہا سمجھ داری، کشادہ دلی، سخاوت اور محتاط انداز کو کام میں لاتے ہوئے اس شکست کے گہرے زخم کو بھرنے کے لیے بہت اہم کردار ادا کیا۔

اسلامی افواج کو پیغام

فرانس میں لشکرِ اسلام کو پیش آنے والی شکست کی خبروں سے مملکت اسلامیہ کے دارالخلافہ دمشق میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی اور عظیم بہادر جرنیل حضرت سمح بن مالک خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی شہادت کا بدلہ لینے کے لیے دارالخلافہ دمشق سے ہسپانیہ میں اسلامی افواج کے نام پیغام جاری کیا گیا۔

تمام فوج پہلی فرصت میں حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کرے، انہیں اپنا امیر تسلیم کرے۔ انہیں مرکزِ اسلام کی جانب سے پورے اندلس کا امیر نامزد کردیا گیا ہے اور اسی طرح سرزمین فرانس کے فتح کیے ہوئے علاقوں کے اختیارات بھی انہی کے سپرد کردیے گئے۔ اور انہیں اختیار دے دیا گیا کہ اپنی مرضی کے مطابق جس طرح مناسب سمجھیں آگے جانے کا منصوبہ ترتیب دیں۔

اندلس کی ذمہ داری

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اندلس کے اختیارات سنبھالتے ہی لشکرِ اسلام کے ہر سپاہی کے دل میں خود اعتمادی، وقار، خودداری، طاقت اور غلبہ حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کرنے کی تحریک شروع کی، تاکہ بڑی کامیابی حاصل کرنے کے لیے راستہ ہموار کیا جائے جو اندلس میں مسلمانوں کے قائدین موسیٰ بن نصیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے لے کر حضرت سمح بن مالک خولانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ تک پیشِ نظر تھا۔ ان بہادر قائدین نے لشکرِ اسلام کا جھنڈا فرانس سے اٹلی، جرمنی اور قسطنطنیہ تک لہرا دیا اور بحرِ ابیض متوسط کو بحیرہ اسلامیہ میں بدل دیا اور اس کا نام بحرِ روم کے بجائے بحرِ شام رکھ دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ بڑے عقل مند، جرأت مند، متقی پرہیزگار، اور ارادے کے پکے تھے۔ بڑے سے بڑے مقابلے میں فتح حاصل کرنے کے لیے وہ اللہ کی طرف متوجہ ہونے پر یقین رکھتے تھے۔ انہیں اس بات پر پختہ یقین تھا کہ کوئی قوم اس وقت تک دشمن پر غلبہ نہیں حاصل کرسکتی جب تک وہ اندرونی اعتبار سے محفوظ نہ ہو۔

انہوں نے پورے اندلس کا دورہ کیا اور ہر شہر میں اعلان کروا دیا کہ، اگر میری حکومت میں کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچی ہو یا اس پر حکومت کے کسی آدمی یا عام آدمی نے کوئی ظلم کیا ہو تو اس کی شکایت مجھ تک ضرور پہنچائے، میں اس مظلوم کی ضرور مدد کروں گا۔

یاد رہے کہ مسلمان اور ذِمی (ذمی اس آدمی کو کہتے ہیں جو مسلمانوں کے ملک میں ٹیکس دے کر رہتا ہو)

دونوں بلا روک ٹوک اپنی شکایت امیرِ اندلس تک پہنچا سکتے ہیں۔ پھر انہوں نے ایک ایک شکایت کا بغور جائزہ لیا۔

بلا تاخیر حق دار کو اس کا حق دے دیا گیا۔ مظلوم کی مدد کی گئی۔ کم زور کو طاقت ور کے مقابلے میں ترجیح دی گئی اور وہ تمام گرجے جو نصاریٰ سے زبردستی چھین لیے گئے تھے واپس کیے گئے۔

وہ تمام عمارتیں جو رشوت سے بنائی گئی تھیں انہیں گرادیا گیا، پھر حکومت کے عہدہ داروں کا جائزہ لیا، جس کی خیانت ثابت ہوئی اس کو عہدے سے ہٹا دیا اور اس کی جگہ کسی دوسرے عقل مند دیانت دار اور باصلاحیت افسر کی تقرری کا حکم دے دیا۔

جوں ہی کسی شہر میں آتے تمام باشندوں کو ایک مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیتے۔ نماز سے فارغ ہوکر لوگوں کو خطاب کرنے کے لیے کھڑے ہوتے، انہیں جہاد کی ترغیب دیتے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا اور اجر و ثواب حاصل کرنے کی تلقین کرتے۔

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اندلس کے امیر بنتے ہی اپنی کہی ہوئی باتوں کو سچا ثابت کیا۔ امیدوں کو نیک اعمال سے باندھ دیا، ذمہ داری سنبھالتے ہی فوج کو ہتھیاروں سے لیس کرنے کی طرف توجہ دی، اور اسی طرح پہاڑوں کی چوٹیوں پر مورچوں کو درست کرنے کا کام شروع کیا، قلعہ بنانے میں دل چسپی لی، دریاؤں اور نہروں پر پل بنائے۔

سب سے بڑا پل اندلس کے دارالحکومت قرطبہ کے دریا پر تعمیر کیا گیا۔ سیلاب سے شہر کو بچانے کے لیے دریا کے کنارے پختہ بند تعمیر کیے گئے۔ یہ پل اس دور میں دنیا کے عجائبات میں شمار اور فنِ تعمیر کا شاہکار تصور کیا جانے لگا۔ اس پل کی لمبائی آٹھ سو گز، بلندی ساٹھ گز اور چوڑائی بیس گز ہے۔ اس میں اٹھارہ عدد ڈاٹیں ڈالیں گئیں اور اس کے انیس ستون بنائے گئے۔

عوام وخواص سے رابطہ

امیرِ اندلس حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جس شہر میں داخل ہوتے لشکر کے قائدین اور قوم کے سرداروں سے ضرور ملاقات کرتے۔ ان کی باتیں غور سے سنتے اور ان کی تجاویز پر عمل کرنے کے لیے لکھ دیتے۔ ان کی نصیحت بھری گفتگو سے فائدہ حاصل کرتے، ان مجالس میں یہ بولتے کم تھے اور دوسروں کی سنتے زیادہ تھے۔ اسی طرح آپ مسلمان اور ذمی دونوں طبقوں کے اہم ترین شخصیات سے ملاقات کرتے اور سرزمینِ اندلس میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ رہنے کی پوری کوشش کرتے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن غافقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرانس کے ایک اہم شخص کو بلایا۔ اس سے مختلف مسائل پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے پوچھا کہ: ''آپ کے جرنیل شارل مارٹل کا کیا حال ہے؟

نہ وہ خود ہمارے مقابلے میں آنے والے ریاست کے سرداروں کا ساتھ دیتا ہے اور نہ ان کے خلاف ہمارا ساتھ دیتا ہے؟''

اس نے عرض کیا: ''امیرِ محترم! آپ ہمارے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے ہر وعدے کو پورا کیا۔ اب ہمارا بھی یہ فرض ہے کہ آپ سے ہر بات سچ سچ کہہ دیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں۔''

بلاشبہ آپ کے عظیم قائد موسیٰ بن نصیر نے کمالِ حکمت اور جرأت سے تمام ہسپانیہ پر قبضہ کرلیا اور پھر برنیہ کے پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہ پہاڑ اندلس اور ہمارے خوب صورت ملک کے درمیان حائل ہیں ریاستوں کے سربراہ اور حکام ہمارے حکمران شارل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہا:

''جناب عالی! یہ کیسی رسوائی ہمارے مقدر میں آئی ہے۔ اس سے تو ہماری نسلوں کو ہمیشہ کے لیے شکست ہوتی رہے گی۔ ہم پہلے مسلمانوں کے بارے میں سنا کرتے تھے کہ وہ صرف مغرب کی جانب سے ہم پر حملہ کریں گے لیکن انہوں نے مشرق کی جانب سے ہم پر چڑھائی کی، سارے ہسپانیہ کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

جو کچھ بھی اس میں تھا اس پر مکمل قابض ہوگئے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھی انہوں نے قبضہ جما لیا حالاں کہ وہ تعداد میں تھوڑے ہیں، ان کے پاس ہتھیار بھی پرانے ہیں، ان میں سے اکثر کے پاس زرہ بھی نہیں جس پر تلوار کا وار روک سکیں۔ نہ ہی عمدہ گھوڑے ہیں جن پر سوار ہوکر میدانِ جنگ میں آسانی سے اتر سکیں۔''

ان کی باتیں سن کر ہمارے حکمران نے کہا: ''میں نے اس صورت حال پر بہت غور کیا ہے۔ بڑی سوچ و فکر کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس قوم کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ یہ پانی کی رَو کی طرح آگے بڑھ رہی ہے، اس کے راستہ میں جو بھی آئے گا اسے تنکے کی طرح بہا کر لے جائے گی، یہ قوم ایک ہی عقیدے اور اعلیٰ مقاصد والی ہے۔ یہ دونوں خوبیاں کسی بھی قوم کو عروج کی چوٹی پر پہنچانے کے لیے کافی ہیں۔

ایمان وصداقت اس قوم کے لیے زرہوں اور گھوڑوں کی جگہ کام دیتے ہیں۔

میری رائے ہے کہ انہیں اپنی دھن میں آگے بڑھنے دو!

مالِ غنیمت سے اپنی تجوریاں بھر لینے دو!

اپنے لیے بڑے گھروں اور محلات پر قبضہ جما لینے دو!

ان کے لیے کنیزوں اور خدام کی چہل پہل ہو لینے دو!

اس کے بعد ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ قیادت حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے پر حاوی ہونے کی کوشش کریں گے۔ جب اس قوم پر ایسا وقت آئے گا تو پھر بڑی آسانی سے اور تھوڑی سی کوشش سے ان پر قابو پایا جاسکے گا۔"

یہ باتیں سن کر حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ٹھنڈی سانس لی اور نماز میں مشغول ہوگئے۔

سرحدی علاقے کے امیر کی بغاوت

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ مسلسل دو سال تک ایک بڑی جنگ میں شرکت کے لیے بھرپور تیاری میں مصروف رہے۔ لشکر ترتیب دیئے، لشکروں کو اسلحے سے لیس کیا، ہر ایک کی ہمت بڑھائی، دلوں میں حوصلے اور حوصلوں میں جان پیدا کی۔

انہوں نے افریقہ کے امیر سے بہادر اور جذبہ جہاد اور شوق شہادت سے سرشار فوج بھیجنے کا مطالبہ کیا اور سرحدی علاقے کے امیر عثمان بن ابی نسعہ کو پیغام بھیجا کہ مسلسل حملوں سے دشمن کو آگے بڑھنے سے روکے رکھیں۔

لیکن سرحدی امیر عثمان کے خیالات ہی کچھ اور تھے۔ اس کا سینہ کینے، بغض اور حسد سے بھرا ہوا تھا۔ وہ اس عظیم ہمت والے رہبر اور اعلیٰ مقاصد والے امیر کو حسد و بغض کی نگاہ سے دیکھتا، اور ہر وہ کام کرتا جس سے اس کی اپنی شہرت میں اضافہ ہو اور دوسروں کی گم نامی کا باعث ہو۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک حملے میں صوبہ اکتیانیہ کے حکمران کی بیٹی اسے ہاتھ لگی اس کا نام "مینین" تھا۔ وہ نازک مزاج گویا پری تھی وہ حسن و جمال کا ایک نادر نمونہ تھی۔ نہایت خوب صورت ہونے کے ساتھ ساتھ اسے شہزادی ہونے کا بھی اعزاز حاصل تھا۔ عثمان بن ابی نسعہ کے دل کو شہزادی کی محبت نے جکڑ لیا اور اس کے دل پر چھاگئی۔ اس نے عثمان بن ابی نسعہ کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر اپنے باپ سے ملا دیا اور اس سے یہ تحریری معاہدہ کیا کہ وہ ان کے علاقے کی طرف پیش قدمی نہیں کرے گا۔

جب اسے امیرِ اندلس حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا اکتانیہ کے حکمران کے زیر کمان علاقے پر حملہ کرنے کا حکم ملا تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

"وَبَاتَ حَيْرَانَ لَا يَدْرِيْ مَاذَا يَفْعَلُ؟"

تَرجَمَہ: "وہ حیران اور پریشان ہوگیا، اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا کہ اب کیا کرے۔"

سوچ و بچار کے بعد اس نے امیرِ اندلس کی خدمت میں لکھا:

''آپ اپنے حکم پر نظر ثانی کریں کیوں کہ میرے لیے اکتانیہ کے حکمران کے ساتھ کیا گیا پہلے سے معاہدہ توڑنا مشکل ہے۔''

یہ خط دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ غصے سے مشتعل ہوگئے اور اس کی طرف یہ پیغام دے کر قاصد بھیجا۔

''ایک فرنگی کے ساتھ اپنے امیر کی اجازت کے بغیر جو معاہدہ کیا اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ میرے حکم کو تمہارے لیے بغیر کسی بہانے وعذر کے ماننا نہایت ضروری ہے۔''

عثمان بن ابی نسعہ کو یقین ہوگیا کہ یہاں کوئی حربہ کام نہیں آسکتا۔ اس نے اکتانیہ کے سربراہ کو صورت حال سے آگاہ کردیا اور یہ پیغام دیا کہ احتیاطی تدابیر اختیار کرے۔

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے جو عثمان کی حرکات وسکنات پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سرحدی امیر کی اسلامی حکومت کے دشمن کے ساتھ ملاقات اور اس کے ساتھ معاہدے کا راز فاش کردیا۔

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے تجربہ کار مجاہدین کا ایک قافلہ اس کو سزا دینے کے لیے روانہ کیا اور انہیں حکم دیا کہ ''عثمان کو زندہ یا مردہ حالت میں میرے پاس لایا جائے۔''

بغاوت کا انجام

مجاہدین کا قافلہ عثمان بن ابی نسعہ کی چھاؤنی میں داخل ہوا لیکن اسے قافلے کی آمد کا پہلے سے علم ہوچکا تھا۔ وہ اپنی فرانسیسی بیوی اور باڈی گارڈ عمٹے کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا۔

وہ اپنی حسین وجمیل بیوی ''مینین'' کو ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتا تھا۔ اس کی دنیا آباد ہی اس کے دم سے تھی۔ اسلامی لشکر اس کے پیچھے ہولیا اور تھوڑی ہی دور جاکر اسے اور اس کے تمام ساتھیوں کو گھیرے میں لے لیا۔

اس نے اپنا اور اپنی بیوی کا دفاع اس طرح کیا جس طرح خونخوار شیر اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے دفاع کرتا ہے۔ وہ اپنی بیوی کے لیے ڈھال بن کر لشکر کے سامنے کھڑا ہوگیا اور آخرکار زخموں سے چور ہوکر نیچے گر پڑا اور نیچے گرتے ہی دم توڑ گیا۔ اس کے جسم پر تیر اور نیزوں کے بے شمار زخم لگ چکے تھے۔ اس کا سر جسم سے الگ کرلیا گیا۔ بیوی کو گرفتار کرکے حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

ان کی نظر جب شہزادی پر پڑی تو نظریں جھکالیں اور غیرت ایمانی سے اپنا چہرہ دوسری طرف پھیرلیا اور اسے مالِ غنیمت کے ساتھ دارالحکومت دمشق بھیج دیا۔ وہاں یہ فرانسیسی شہزادی اموی خلیفہ سے نکاح کے بعد اپنی زندگی کے دن گزارنے لگی۔

اسلامی لشکر کی صفات

سوزی نامی ایک انگریز شاعر اسلامی لشکر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"جُمُوْعٌ لَا تُحْصٰی......"

تَرْجَمَہ: "یہ وہ عظیم الشان لشکر ہے جس نے اندلس فتح کرلینے کے بعد یورپ پر چڑھائی کی۔"

"مِنْ عَرَبٍ، وَبَرْبَرٍ، وَرُوْمٍ خَوَارِجَ...... وَفُرْسٍ، وَقِبْطٍ، وَتَتَرٍ، قَدِ انْضَوَوْا جَمِيْعًا تَحْتَ لِوَاءٍ وَاحِدٍ......"

تَرْجَمَہ: "جس میں عرب، بربر، رومی، تاتاری، ایک جھنڈے تلے یک جان دکھائی دیتے تھے سچا اور پکا عقیدہ سب کو ایک لڑی میں پروئے ہوا تھا۔"

"يَجْمَعُهُمْ إِيْمَانٌ ثَائِرٌ، رَاسِخُ الْفُتُوَّةِ ......
وَحَمِيَّةٌ مُتَلَظِّيَةٌ كَالشَّرَرِ، وَأُخُوَّةٌ مُذْهِلَةٌ لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ الْبَشَرِ"

تَرْجَمَہ: "ایمانی غیرت میں اسلامی اخوت اور دینی جذبے سے سرشار انسانوں کی قابل رشک جماعت یورپ کی سرزمین نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ (میدان جنگ میں فتح حاصل کرلینے کے بعد لشکر اسلام کا جرنیل ایک عام سپاہی کی مانند اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین رکھتا اور فتح کے نشے میں سرشار ہونے کی بجائے اللہ کے حضور سجدۂ شکر بجالانے کو ترجیح دیتا)۔"

"وَلَمْ يَكُنْ قَادَتُهُمْ أَقَلَّ مِنْهُمْ ثِقَةً بِالنَّصْرِ بَعْدَ أَنْ ثَمِلُوْا بِحُمَيَّا الظَّفَرِ......"

تَرْجَمَہ: "لشکر میں شامل تمام سپاہی دشمن پر غلبہ حاصل کرلینے کے باوجود غرور وتکبر کی بجائے عاجزی وانکساری کا مظاہرہ کرتے۔"

"وَاخْتَالُوْا بِتِلْكَ الْقُوَّةِ الْقَوِيَّةِ الَّتِيْ لَا يَقِفُ أَمَامَهَا شَيْءٌ"

تَرْجَمَہ: "میدانِ جنگ میں انتہائی جدوجہد اور دشمنوں سے مقابلے کے باوجود وہ ہر وقت تازہ دم ہی دکھائی دیتے۔"

"وَأَيْقَنُوْا أَنَّ جُيُوْشَهُمْ لَا يُمْكِنُ أَنْ يُلِمَّ بِهَا الْكَلَالُ......"

تَرْجَمَہ: ''کبھی ان کی مستقل مزاجی میں ذرہ برابر بھی کوئی تھرتھراہٹ پیدا نہ ہوتی۔ ان کی طاقت، جرأت اور بہادری ہمت کی تھی۔''

''وَاٰمَنُوْا بِأَنَّهَا حَيْثُمَا تَحَرَّكَتْ مَشٰى فِيْ رِكَابِهَا النَّصْرُ وَالْغَلَبُ ......

وَأَنَّهَا سَتَنْدَفِعُ دَائِمًا اِلَى الْأَمَامِ ......

حَتّٰى يُصْبِحَ الْغَرْبُ الْمَغْلُوْبُ كَالشَّرْقِ ......''

تَرْجَمَہ: ''اس بات پر ان کا کامل یقین تھا کہ جب بھی وہ دشمن کی طرف حملہ کے لیے آگے بڑھیں گے، اللہ تعالیٰ کی مدد اور تائید ان کے ساتھ ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو جو طاقت اور صلاحیت ملی ہے، وہ ہمیشہ انہیں آگے بڑھنے میں مدد دے گی یہاں تک کہ یورپی علاقے مشرقی علاقہ جات کی طرح ہو جائیں گے۔''

انگریز شاعر لکھتا ہے کہ:

''يُطَأْطِئُ الرَّأْسَ إِجْلَالًا لِاسْمِ مُحَمَّدٍ......''

تَرْجَمَہ: ''میں نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا ہے کہ محمد ﷺ کے نام پر مسلمانوں کے سر عقیدت سے جھک جاتے ہیں۔''

''وَحَتّٰى يَنْهَضَ الْحَاجُّ مِنْ أَقَاصِي الْمُتَجَمِّدِ......

إِلٰى أَنْ يَطَأَ بِأَقْدَامِ الْإِيْمَانِ الرِّمَالَ الْمُحْرِقَةَ......

اَلْمُنْتَشِرَةَ عَلٰى صَحْرَاءِ الْعَرَبِ......

وَيَقِفَ فَوْقَ صُخُورِ مَكَّةَ الصَّلْدَةِ......''

تَرْجَمَہ: ''یہ قابلِ رشک مظاہرہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ ایک مسلمان (ایمانی جذبے کے ساتھ) حج کرنے کے لیے قطبِ شمالی کی ٹھنڈی فضاؤں سے نکلتا ہے، جذبۂ ایمان سے سرشار عرب کی تپتی ہوئی ریت پر قدم رکھ کر اسے اپنے نصیب پر بے حد خوشی ہے اور مکہ معظمہ کی گرم ترین چٹانوں پر ٹھہرنا اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا ہے۔''

بالکل اس شاعر نے ٹھیک ہی کہا ہے، یہ اسلامی لشکر ان کے خوب صورت علاقوں میں اس لیے گئے تھے تاکہ ان کے آباؤ اجداد کو گم راہی کی اندھیری سے نکال کر ہدایت کی روشنی کی طرف لے آئیں۔

یہ ایمان کے جذبے سے سرشار مجاہدین صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام سنانے کے لیے ان دور دراز علاقوں تک پہنچے۔ انہوں نے جس طرف بھی منہ کیا پانی کے بہت تیز بہاؤ کی طرح فتنوں کو بہا کر لے گئے۔ اس بہادر لشکر

میں حجاز، نجد، یمن، بل کہ جزیرہ نمائے عرب کی ہر جگہ کے لوگ شریکِ سفر تھے۔
ان میں بربر بھی تھے جنہیں اسلام نے سربلند کردیا تھا وہ کوہِ اٹلس کی چوٹی سے تعلق رکھتے تھے۔
ان میں ایرانی بھی تھے جنہوں نے ایران کے بادشاہوں کی پوجا پاٹ کو چھوڑ کر دینِ توحید کو اپنے سینوں سے لگالیا تھا اور وہ صراطِ مستقیم پر چلنے لگے تھے۔
ان میں رومی بھی تھے جو کفر و شرک کے اندھیرے اور جہالت کو چھوڑ کر زمین و آسمان کے نور یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف آئے اور وہ دینِ حق کا دامن تھام کر امن و سکون کی زندگی بسر کرنے لگے۔
ان میں قبطی بھی تھے جنہوں نے روم کے بادشاہوں کی بندگی کا پھندا اپنی گردنوں سے اتار دیا تھا اور اسلام کی پناہ گاہ میں آکر اپنے آپ کو خوش حال سمجھنے لگے۔
اس لشکر میں گورے بھی تھے کالے بھی، عربی بھی تھے اور عجمی بھی لیکن وہ سب اسلام کی سچائی میں کندن (خالص سونا) بن چکے تھے اور وہ اللہ کے فضل و کرم سے آپس میں بھائی بھائی بن چکے تھے۔
جیسا کہ شاعر نے حقیقت پسندانہ (بالکل صحیح) تبصرہ کیا ہے۔ واقعی ان کا اصل مقصد اہلِ یورپ کو دائرہ اسلام میں داخل کرنا تھا۔ انہوں نے مشرق والوں کو مشرف بہ اسلام کیا تھا۔
وہ روئے زمین کے تمام انسانوں کے سروں کو ہر جگہ جھکانے کے بجائے ایک اللہ کے سامنے جھکا دینا چاہتے تھے۔
ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کا نور یورپ کی تمام وادیوں میں عام ہوجائے۔
اسلام کے سورج کی کرنیں یورپ کے اندھیروں کو روشنی میں بدل دیں۔ اسلامی عدل و انصاف کی برکات کو ہر عام و خاص میں پہنچا دیا جائے۔
انہوں نے پکا ارادہ کر رکھا تھا کہ ان لوگوں کے خوب صورت اور نرم و نازک جسم کو جہنم کی آگ سے بچایا جائے اور اس عظیم مقصد کے لیے انہوں نے اپنی جانوں کے نذرانے بھی پیش کیے۔
اب ذرا اس عظیم الشان اسلامی لشکر اور اس کے جوان مرد و بہادر جرنیل حضرت عبد الرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی دل آویز داستان بھی سن لیجئے۔
ہوا یہ کہ اکتانیہ کے بادشاہ کو اپنے داماد عثمان بن ابی نسعہ کے قتل اور اپنی حسین و جمیل اور لاڈلی بیٹی کے انجام کا علم ہوا تو وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ لڑائی کا نقارہ بج چکا ہے۔ اسے یقین ہوگیا کہ اسلامی لشکر کا جرنیل ہمارے علاقے پر حملہ آور ہونے کے لیے صبح آیا یا شام۔
اس نے اپنی سرزمین کے چپے چپے کی حفاظت کرنے کا بندوبست شروع کردیا۔ اپنی مملکت اور رعایا کے

دفاع کے لیے تیاری شروع کردی، اسے یہ اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں مجھے قیدی بنا کر دمشق نہ بھیج دیا جائے۔ جیسے میری بیٹی کو وہاں پہنچایا گیا ہے۔

یا پھر میرا سر پلیٹ میں رکھ کر دمشق کے بازاروں میں عبرت کے طور پر گھمایا نہ جائے جیسا کہ مجھ سے پہلے ہسپانیہ کے حکمران کا سر کاٹ کر دمشق کے بازاروں میں نیزے کی نوک پر رکھ کر لہرایا گیا تھا اور لوگوں نے حیرت و تعجب اور نفرت کے ملے جلے جذبات سے اس کا مشاہدہ کیا۔

آرل شہر کی فتح

''جنگِ تولوز'' میں عظیم جرنیل حضرت سمح بن مالک خولانی رحمہ اللہ تعالیٰ شہید ہوگئے۔ ان کی شہادت سے مسلمانوں کو دلی صدمہ پہنچا۔ بے انتہا غم اور پریشانی کی وجہ سے مجاہدین کی صفوں میں کم زوری کے آثار نمایاں دکھائی دینے لگے۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے آرل شہر کے باشندوں نے جزیہ ادا کرنے سے صاف انکار کردیا اور مسلمانوں کے حکمران کی اطاعت کرنے سے صاف مکر گئے۔

جب عظیم جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رحمہ اللہ تعالیٰ لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے آرل شہر کی چار دیواری کے پاس پہنچے۔ وہاں یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ شاہِ اکتانیہ اپنے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لیے موجود ہے۔ پھر دونوں لشکر آمنے سامنے آئے، دونوں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی۔

اسلامی جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میدانِ جنگ میں اپنے ایسے جوان اتارے جنہیں موت اس طرح پیاری تھی جس طرح دشمن کو زندگی پیاری ہوتی ہے۔ ان کے زور دار حملوں سے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔

مجاہدین نے دیکھتے ہی دیکھتے دشمن کی صفوں کو چیر ڈالا۔ دیوانہ وار لڑتے ہوئے اور دشمن کی گردنیں اڑاتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ دشمن پسپا ہوا اور مجاہدین کو بہت سا مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ شاہِ اکتانیہ موقع پا کر جان بچاتا ہوا بقیہ لشکر لے کر میدان سے بھاگ نکلا تاکہ دوبارہ پوری تیاری کے ساتھ لشکرِ اسلام کا مقابلہ کرسکے۔

اس نے سوچا یہ کوئی آخری جنگ نہیں ابھی تو جنگ کی ابتداء ہے۔ ''جان بچی تو لاکھوں پائے'' بہتر یہی ہے کہ فی الحال مسلمانوں کی تلواروں سے اپنی گاجر، مولی جیسی نرم و نازک گردنیں بچائی جائیں۔ آگے کیا ہوتا ہے پھر دیکھا جائے گا۔ ہم دوبارہ ایسے نڈر ہو کر میدان میں آئیں گے کہ مسلمانوں کو پتہ لگ جائے گا۔ چلو یہاں سے جان بچا کر بھاگو۔ چلو شاباش جلدی چلو ورنہ حشر برپا ہوجائے گا۔

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بہادر لشکر کے ہم راہ دریائے جارون کو عبور کیا اور صوبہ

اکتانیہ کو دائیں اور بائیں اطراف سے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ پھر کیا تھا کہ شہر اور بستیاں مجاہدین کے گھوڑوں کے سموں تلے مسلی گئیں، جیسے چیونٹیاں مسلی جاتی ہیں۔ علاقوں کے علاقے اس طرح فتح ہونے لگے جس طرح موسمِ خزاں کی تیز آندھی کے دوران درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

اس مقابلے میں مسلمانوں کے ہاتھ مالِ غنیمت اتنی وافر مقدار میں لگا جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ ہی کسی کانوں نے کبھی کوئی ایسی خبر سنی ہوگی۔

شاہِ اکتانیہ دوسری دفعہ لشکرِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں اترا، پھر دوبارہ دونوں لشکروں کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن مجاہدین نے تھوڑے ہی عرصے بعد انہیں عبرت ناک شکست سے دو چار کردیا۔ ایک ہی دفعہ میں دشمن کے چھکے چھڑا دیے اور انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

کچھ قتل ہوئے، کچھ قیدی، جو باقی بچے وہ دم دبا کر بھاگ گئے۔ پھر لشکرِ اسلام نے صوبہ اکتانیہ کے مرکزی شہر بوردو کی طرف پیش قدمی کی۔ یہ شہر صوبے کا دارالحکومت تھا، امیرِ لشکر نے اس شہر پر ایسا زوردار حملہ کیا جو پہلے خوف ناک حملوں سے کسی طرح کم نہ تھا۔ حملہ آوروں نے انتہائی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا۔ اس محفوظ اور مشہور شہر کو بھی اسلامی لشکر نے فتح کرلیا۔ شہر کے حاکم کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس شہر سے مسلمانوں کو بہت سا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔

فرانس کے مشہور و معروف شہر بوردو کی فتح بہت سے دوسرے شہروں کی فتح کا سبب بنی۔ جن میں لیون، بیزانسون اور سانس شہر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ آخری شہر فرانس کے دارالحکومت پیرس سے کوئی سو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

چند مہینوں میں جنوبی فرانس کا نصف حصہ جب عظیم جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے ہاتھوں فتح ہوا، تو پورے یورپ میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک بے چینی کی لہر دوڑ گئی، اور پورا یورپ خوف و ہراس سے کانپ اٹھا۔

فرنگیوں نے اس خطرناک و اذیت ناک صورت حال کو دیکھ کر آنکھیں کھول لیں۔ اپنی حفاظت کے لیے جگہ جگہ اعلان کردیا گیا۔ ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب سے اپیل کی گئی کہ مشرق سے آنے والے اس خطرناک طوفان کے آگے بند باندھنے کے لیے جو کچھ ساز و سامان ہو لے کر میدان میں نکل آئیں۔

اہل یورپ کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ اگر تلواریں جواب دے جائیں تو اپنے سینے تان لیں، جنگی اسلحہ ختم ہوجائے تو اپنے جسموں کو ڈھال بنالیں۔

پورا یورپ لشکرِ اسلام کے ساتھ مقابلے کے لیے باہر نکل آیا اور پوری قوم جنرل شارل مارٹل کے جھنڈے

تلے جمع ہوگئی، تا کہ مشرق کی جانب سے آنے والے مسلمانوں کے طوفانی لشکر کو روکا جا سکے۔

لشکرِ اسلام تور شہر تک پہنچ چکا تھا جو سارے فرانس میں شہری آبادی، تعمیری اور تاریخی اعتبار سے بہت مشہور ومعروف تھا۔ اس شہر کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ اس میں بڑا وسیع وعریض اور فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ایک گرجا بھی تھا جس میں بے شمار آثارِ قدیمہ کے نمونے رکھے ہوئے تھے۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے کے لیے آتے تھے۔

مجاہدین نے اس شہر کے گرد بھی گھیرا تنگ کردیا۔ محاصرے کے بعد اس شہر کی حالت ایسی ہوگئی کہ جیسے کسی کی گردن میں طوق ڈال دیا جاتا ہے اور اس پر موت کی کیفیت طاری ہونے لگتی ہے۔ تھوڑے عرصے بعد شہر فتح کرلیا گیا اور فرانسیسی جرنیل شارل مارٹل افسوس سے ہتھیلیاں ملتا رہ گیا۔

سن ۱۱۴ھ میں ماہِ شعبان کے آخری عشرے میں عظیم جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رحمہ اللہ تعالیٰ لشکرِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے بواتیہ شہر پر حملہ آور ہوئے۔ یورپی جرنیل شارل مارٹل ایک بہت بڑے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے مقابلے میں آیا۔ دونوں فوجوں میں ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی جس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ معرکہ "بِلَاطِ الشُّهَدَاءُ" کے نام سے مشہور ہوا۔

اسلامی لشکر پے در پے فتح وکامرانی حاصل کرتا ہوا عزم وہمت اور جرأت وشجاعت کی بلندی پر پہنچا ہوا تھا، لیکن اس کی کمر بہت زیادہ مالِ غنیمت کے بوجھ سے دبی جارہی تھی۔ حضرت عبدالرحمٰن غافقی رحمہ اللہ تعالیٰ اس صورت حال سے بہت پریشان تھے۔ ان کے نزدیک یہ صورت حال اسلامی لشکر کے لیے بہت خطرناک تھی۔ انہیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ لڑائی کے وقت مجاہدین کے دل مالِ غنیمت میں الجھے ہوئے نہ رہ جائیں۔ اس سے ان کے خیالات منتشر رہیں گے۔ ان کی ایک آنکھ دشمن پر ہوگی اور دوسری مالِ غنیمت پر۔

انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ مجاہدین کو حکم دیں کہ وہ مالِ غنیمت کو چھوڑ دیں، لیکن یہ اندیشہ لاحق ہوگیا کہ کہیں اس طرح ان کے دلوں میں بے چینی پیدا نہ ہو جائے اور اس کے نتائج اچھے برآمد نہ ہوں۔ اس قیمتی خزانے سے ہاتھ کھینچتے ہی انہیں زبردست دھچکا لگے گا۔ بڑی سوچ بچار کے بعد انہوں نے چھاؤنی کے پیچھے خیمے بنوا کر سارا مالِ غنیمت اس میں رکھ کر پہرا لگادیا تا کہ لڑائی شروع کرنے سے پہلے ہر مجاہد کا ذہن اس طرف سے مطمئن ہو جائے۔

دونوں بڑے لشکر ایک دوسرے کے سامنے چند دن تک اس طرح خاموشی سے کھڑے رہے جس طرح دو پہاڑ آمنے سامنے کھڑے ہوں۔ ہر لشکر اپنے دشمن کی طاقت سے خوف زدہ تھا اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے پہلے لمبی سوچ بچار میں مبتلا تھا کہ آگے بڑھنے کا کیا نتیجہ ہوگا۔

اسی صورتِ حال میں جب بہت وقت گزر گیا تو حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اپنے لشکر کے سپاہیوں کے سینوں میں جرأت وشجاعت اور غیرت و ہمت کے حوصلے جگائے۔ دشمن پر حملے میں پہل کرنے کو ترجیح دی۔ انہیں اپنی خوش نصیبی اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کی بنیاد پر فتح کی امید تھی۔

حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی شہادت

لشکرِ اسلام کے عظیم جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرنگی لشکر پر یوں جھپٹے جیسے بھوکا شیر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے، لیکن فرنگی لشکران کے سامنے ایک ٹھوس چٹان کی مانند ڈٹا رہا۔

لڑائی کا پہلا دن بغیر کسی ہار جیت کے گزر گیا۔ میدانِ جنگ میں لڑنے والوں کے ہاتھ سوائے اندھیرے کے کچھ نہ آیا۔

دوسرے روز لڑائی شروع ہوئی، مسلمانوں نے فرنگیوں پر سخت حملے کیے لیکن بے فائدہ ثابت ہوئے۔ یہ لڑائی مسلسل سات دن اسی طرح جاری رہی۔

آٹھویں دن مسلمانوں نے ایک زور دار حملہ کیا۔ دشمن کی صفوں میں دراڑ پیدا کردی، جس سے فتح و نصرت اس طرح دکھائی دی جس طرح رات کے آخری حصہ میں صبح کی روشنی دکھائی دیتی ہے۔ اس وقت فرنگی لشکر نے موقع پاکر ان خیموں پر حملہ کردیا جن میں مالِ غنیمت محفوظ کیا گیا تھا۔

جب مسلمانوں نے دیکھا کہ مالِ غنیمت پر دشمن قابض ہونا چاہتا ہے تو اکثر مجاہد اس کی حفاظت کے لیے پلٹے جس سے مجاہدین کی صفوں میں دراڑ پیدا ہوگئی۔

بَلَاطُ الشُّہَدَاءِ کے دن مسلمانوں نے اپنی سنہری امیدوں پر پانی پھیر لیا۔ اس میں غزوۂ اُحد کی تاریخ دہرائی گئی۔

یہ قدرت کا قانون ہے جس میں کسی بھی دور میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

اس دن لشکرِ اسلام کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا وہ عظیم جرنیل حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی شہادت کا سانحہ ہے۔

جنگ بَلَاطُ الشُّہَدَاءِ کی غم ناک خبریں اسلامی حکومت کے ہر فرد کے لیے عبرت ناک ثابت ہوئیں جن سے ان کے دل لرز گئے ہر شہر، بستی اور گھر میں پریشانی کا عالم تھا، اسلامی حکومت کے جسم پر یہ ایک ایسا گہرا زخم تھا جس کی تکلیف اس وقت تک محسوس کی جاتی رہے گی جب تک روئے زمین پر ایک مسلمان بھی باقی ہے۔

آپ یہ خیال دل میں نہ لائیں کہ یہ چوٹ صرف مسلمانوں کے دل پر ہی لگی ہے، بل کہ فرنگی دانشور بھی

اس میں برابر کے شریک ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کی کامیابی ان کے لیے ایک بڑی مصیبت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی جس میں سرزمین فرنگ کے تمام انسان مبتلا ہوئے، اور یورپین تہذیب وتمدن کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔

فرانس کا مشہور ومعروف دانشور اور ادیب لکھتا ہے۔

"لَوْلَا انْتِصَارُ جَيْشِ شَارْلَ مَارْتِلْ الهَمَجِيِّ عَلَى الْعَرَبِ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ فَرَنْسَا لَمَا وَقَعَتْ بِلَادُنَا فِيْ ظُلُمَاتِ الْقُرُوْنِ الْوُسْطٰى......

وَلَمَا أُصِيْبَتْ بِفَظَائِعِهَا

وَلَا كَابَدَتِ الْمَذَابِحَ الْأَهْلِيَّةَ الَّتِيْ دَفَعَ إِلَيْهَا التَّعَصُّبُ الدِّيْنِيُّ الْمَذْهَبِيُّ......

نَعَمْ، لَوْلَا ذٰلِكَ الْاِنْتِصَارُ الْوَحْشِيُّ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ بُوَاتِيِهْ لَظَلَّتْ إِسْبَانِيَا تَنْعَمُ بِسَمَاحَةِ الْإِسْلَامِ"

تَرْجَمَۃ: "اگر فرانس میں جنرل شارل مارٹل کا لشکر مسلمانوں پر غلبہ حاصل نہ کرتا تو ہمارا ملک تاریکی میں نہ ڈوبتا، اور نہ ہی مذہبی تعصب سے یورپین معاشرے میں قتل وغارت عام ہوتی۔ اگر بواتیہ شہر میں مسلمانوں پر یورپین لشکر کو فتح حاصل نہ ہوتی تو ہسپانیہ اسلام کی نعمت سے فیض یاب ہوتا، اور تہذیب وتمدن کے اعتبار سے آٹھ صدیاں پیچھے نہ رہتا۔"

ایک انگریز دانش ور لکھتا ہے کہ ہمارے غلبے کے متعلق مختلف خیالات کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم علم، فنون اور صنعت وتجارت میں مسلمانوں کے غلام ہیں۔ ہم کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمان انسانی زندگی کے درجہ کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔

یہ اس دور کی بات ہے جب انگریز قوم تہذیب وتمدن سے ناآشنا تھی اور جاہلیت کے اندھیروں میں زندگی کی گاڑی کو کسی طرح دھکیل رہی تھی اور اب مسلمان اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں ہم اس زمانے میں کھڑے تھے بل کہ سچی بات تو یہ ہے کہ آج ہماری ترقی ملت اسلامیہ کی وجہ ہی سے ہے۔

فَوَائِدُ وَنَصَائِحُ

ہم میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ شیطان جن راستوں سے انسان پر حملہ کرتا ہے ان راستوں کا علم رکھے اور ان سے بچنے کے طریقے معلوم کرے، تو یاد رکھنا چاہئے۔

شیطان انسان کو بدنگاہی کے ذریعے بہکانے کی کوشش کرتا ہے، جس طرح سرحدی علاقے کے امیر کو ایک خاتون پر نظر ڈال کر گمراہ کر دیا، لہٰذا ہمیں اپنی نظروں کی خوب حفاظت کرنا چاہئے اور نظروں کی حفاظت کے لیے تین کام کرنے ہوں گے۔

❶ بدنگاہی کے نقصانات کو سوچنا ہوگا اس کے لیے ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔
① نظر کی حفاظت ② روح کی بیماریاں اور ان کا علاج ③ بدنظری کا علاج۔

❷ دوسرا کام صبح و شام ایک کونے میں بیٹھ کر دھیان کے ساتھ ذکر کیا جائے۔

❸ تیسرا کام یہ کریں کہ روزانہ تلاوتِ قرآن کریم کی ترتیب بنا لیں۔ اور ہو سکے تو روزانہ ایک پارہ کی تلاوت کر لیا کریں یا پھر جس مقدار میں بھی سہولت ہو اتنا پڑھ لیا کریں اور کوشش کریں کہ تلاوت روزانہ ہوا کرے۔

سُؤال: حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کو کس وجہ سے امیر بننا پڑا؟
سُؤال: سرحدی امیر عثمان بن نسعہ نے امیر حضرت عبدالرحمٰن غافقی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے حکم کی کیوں مخالفت کی؟
سُؤال: سوزی نامی انگریز شاعر نے اسلامی لشکر کا کن الفاظ میں تبصرہ کیا؟
سُؤال: فرانسیسی ادیب نے معرکہ بلاط الشہداء میں اسلامی لشکر کی شہادت پر کن تاثرات کا اظہار کیا؟

حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ

اصحمہ بن ابجر

"لَمَّا مَاتَ النَّجَاشِيُّ كُنَّا نَتَحَدَّثُ أَنَّهُ لَا يَزَالُ يُرٰى عَلٰى قَبْرِهٖ نُوْرٌ" (عائشۃ ام المؤمنین رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہا)

ترجمہ: "جب نجاشی کی وفات ہوئی تو ہم یہ باتیں کر رہے تھے کہ اس کی قبر پر ہمیشہ انوار کی تجلیات دیکھی جائیں گی۔"

آپ کے والد کا قتل اور چچا کا حکمران بننا

حبشہ کے حکمران نجاشی کا شمار تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں بھی ہوتا ہے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی۔

تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ میں اس لیے کہ ان کی ملاقات ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ہوئی جو قریشِ مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ کر مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے تھے۔

اور صحابی کا درجہ اس لیے حاصل ہے کہ ان کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خط وکتابت ہوئی تھی۔

جب یہ فوت ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی جب کہ کسی اور کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ نماز جنازہ نہیں پڑھائی۔

آپ کا نام اصحمہ بن ابجر تھا اور نجاشی کے لقب سے مشہور ومعروف تھے۔

حبشہ کے سرداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارے حکمران کا صرف ایک ہی بیٹا اصحمہ ہے جو ابھی بچہ ہے، اگر ہمارا حکمران فوت ہوگیا تو دستور کے مطابق یہ بچہ ہمارا حکمران بن جائے گا جو ہماری سلطنت برباد کر دے گا۔

اگر ہم اس حکمران کو قتل کر دیں اور اس کے بھائی کو اپنا حکمران بنالیں تو بہت بہتر ہوگا کیوں کہ اس کے بارہ بیٹے ہیں۔ اس طرح طویل مدت تک وہ ایک دوسرے کے بعد حکمران بنتے رہیں گے اور اپنے باپ کی زندگی میں ہی اس کے دست وبازو بنے رہیں گے۔

شیطان انہیں اکساتا رہا اور مسلسل ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہا، یہاں تک کہ انہوں نے اپنے حکمران کو قتل کر دیا اور اس کے بھائی کو اپنا حکمران بنالیا۔

ملک بدری کا فیصلہ

باپ کے قتل ہوجانے کے بعد اصحمہ اپنے چچا کی نگرانی میں پرورش پانے لگے جب ان کی دانش مندی کے اثرات واضح ہونے لگے اور ان کی دل کش خوبیاں نمایاں ہونے لگیں تو چچا کا دل ان کی طرف کھنچنے لگا اور وہ انہیں اپنے بیٹوں پر ترجیح دینے لگے۔

شیطان کے ورغلانے سے حبشی سرداروں کے دلوں میں خیال پیدا ہوا کہ ہمارا یہ حکمران اس نوجوان کی طرف مائل ہوتا دکھائی دیتا ہے، اگر اس نے حکومت کی باگ ڈور اس نوجوان کے سپرد کردی تو یہ ہم سے بری طرح اپنے باپ کا انتقام لے گا، ہوسکتا ہے یہ اپنے باپ کے بدلے ہم سب کو قتل کرادے۔ اس اندیشے کی بنا پر یہ حبشی سردار اپنے بادشاہ کے پاس گئے اور کہنے لگے:

''بادشاہ سلامت ہم بہت پریشان ہیں، ہمارا دل صرف ایک ہی صورت میں مطمئن ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ اس نوجوان کو قتل کردیں یا اسے ملک سے نکال دیں کیوں کہ یہ جوان ہوتا جارہا ہے، ہمیں اندیشہ ہے کہ یہ حکومت کی باگ ڈور سنبھال لے گا اور حکمران بنتے ہی ہم سے اپنے باپ کا انتقام لے گا۔''

بادشاہ یہ بات سنتے ہی غصے سے آگ بگولہ ہوگیا اور کہا:

''بِئْسَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ...... لَقَدْ قَتَلْتُمْ أَبَاهُ بِالْأَمْسِ، وَتَطْلُبُوْنَ مِنِّيْ أَنْ أَقْتُلَهُ الْيَوْمَ!!......

وَاللّٰهِ لَا أَفْعَلُ''

تَرْجَمَہ: ''تم بہت برے لوگ ہو! پہلے تم نے اس کے باپ کو قتل کیا اور اب اس معصوم کے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑ گئے ہو! کچھ شرم کرو! کچھ حیا کرو! اللہ کی قسم! میں یہ جرم ہرگز نہیں کروں گا۔''

''فَقَالُوْا: إِذَنْ نَأْخُذُهُ، وَنَرْمِيْ بِهٖ خَارِجَ بِلَادِنَا......''

تَرْجَمَہ: ''سرداروں نے کہا: اگر تم ہماری بات نہیں مانو گے تو ہم خود اسے پکڑ کر ملک سے نکال دیں گے۔''

حبشہ کے سرداروں کا یہ انداز دیکھ کر بادشاہ خوف زدہ ہوگیا اور بھتیجے کو اپنے دل پر پتھر رکھ کر ملک سے نکالنے پر مجبور ہوگیا۔

وطن واپسی کا فیصلہ

ابھی اصحمہ کو ملک سے نکالے ہوئے دن کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ ایک ایسا ہولناک واقعہ پیش آیا جو

ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ ہوا یہ کہ آسمان پر کالے بادل چھا گئے، بجلی کڑ کنے لگی، اچانک آسمانی بجلی بادشاہ پر گری اور اس نے اس کے جسم کو جلا کر راکھ کر دیا اور وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔

حبشی سرداروں نے بادشاہ کے بیٹوں کی طرف رجوع کیا تاکہ وہ ان میں سے کسی کو اپنا بادشاہ بنالیں، لیکن ان میں سے کسی میں بھی یہ ذمہ داری سنبھالنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی۔ بڑی مایوسی ہوئی اور یہ صورت حال دیکھ کر سب پریشان ہوئے اور سر پکڑ کر بیٹھ گئے کہ اب کیا ہوگا؟

دن بدن حالات بگڑنے لگے۔ آس پاس کے حکمرانوں کو حبشہ کی گرتی ہوئی حالت کا پتہ چلا تو اس پر قبضہ کرنے کا سوچنے لگے۔ ان نازک حالات میں حبشہ کے بعض عقل مند لوگوں نے مشورہ دیا کہ جب تک ملک بدر کئے ہوئے نوجوان اصحمہ کو واپس لاکر تخت پر نہیں بٹھایا جائے گا ملک کے حالات بہتر نہیں ہوں گے۔ اگر اپنا ملک حبشہ بچانا چاہتے ہو تو انہیں ڈھونڈ کر واپس لانا ہوگا۔

حبشی قوم کے چند افراد ان کی تلاش میں نکلے بڑی کوشش اور محنت کے بعد ان تک پہنچنے میں کام یاب ہوئے۔

بڑی منت سماجت کر کے انہیں واپس اپنے وطن آنے پر آمادہ کیا۔ واپس لاکر تاج ان کے سر پر رکھا، انہیں اپنا بادشاہ بنایا اور انہیں نجاشی کے لقب سے پکارنے لگے۔

مسلمانوں کی حبشہ کی طرف ہجرت

نجاشی حبشہ کے بادشاہ بنے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دینِ حق دے کر حضرت محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا۔ اسلام قبول کرنے میں پہل کرنے والے اور ہدایت پانے والے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے لگے، قریش انہیں دردناک سزائیں دینے لگے اور انہیں نقصان پہنچانے لگے۔

جب مکہ مکرمہ کی زمین کشادہ ہونے کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور مشرکین نے ان پر تکالیف و مصائب کے ایسے کوڑے برسائے جن سے مضبوط پہاڑ بھی لرز اٹھیں۔ تو رسولِ اقدس ﷺ نے اپنے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یہ مظلومانہ حالت دیکھ کر ارشاد فرمایا:

”إِنَّ فِي أَرْضِ الْحَبَشَةِ مَلِكًا لَا يُظْلَمُ أَحَدٌ عِنْدَهُ...... فَالْحَقُوْا بِبِلَادِهِ، وَلُوْذُوْا بِحِمَاهُ، حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ فَرَجًا، وَيُهَيِّئَ لَكُمْ مِنْ ضِيْقِكُمْ مَخْرَجًا“

تَرْجَمَہ: ”سرزمینِ حبشہ کے بادشاہ ایسے رحم دل اور منصف مزاج ہیں کہ ان کے ہاں کسی پر ظلم نہیں

کیا جاتا۔تم وہاں چلے جاؤ، ان کے ہاں جا کر پناہ لے لو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے راہیں کشادہ کردے اورتمہارے لیے تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دے۔“

اس طرح پہلے مرحلے میں اسّی (۸۰) افراد پر مشتمل مہاجرین کا قافلہ حبشہ روانہ ہوا جن میں چند خواتین بھی شامل تھیں۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر امن و چین اور سکون کا سانس لیا۔ وہاں وہ تقویٰ اور عبادت میں مشغول ہونے لگے۔ انہیں کوئی اندیشہ نہ تھا کہ کوئی ان کے ایمان میں زہر گھولے اور عبادت سے روکے۔

قریش کا نجاشی کے دربار میں دو آدمی بھیجنا

قریش کو جب پتہ چلا کہ اسّی (۸۰) افراد پر مشتمل مسلمانوں کا قافلہ حبشہ میں امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے تو وہ آپس میں مشورے کرنے لگے کہ کسی طرح ان کا کام تمام کیا جائے یا انہیں مکہ مکرمہ واپس لایا جائے۔

قریش نے نجاشی کی طرف اپنے دو ایسے آدمی بھیجے جو حکمت و دانائی اور سیاسی سوجھ بوجھ میں مہارت رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک عمرو بن عاص اور دوسرا عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا (اور قریش نے) ان کے ساتھ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے لیے سرزمین حجاز کے بہترین قیمتی تحائف کافی مقدار میں بھیجے۔

جب یہ دونوں حبشہ پہنچے تو نجاشی سے پہلے انہوں نے ان کے وزیروں سے ملاقات کی اور ہر ایک کی خدمت میں قیمتی تحائف پیش کیے، اور انہیں بتایا کہ تمہاری سرزمین میں ہمارے ہاں سے چند دیوانے آئے ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے، اور قوم کی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔

آپ سے گزارش ہے کہ جب ہم بادشاہ سلامت سے بات کریں تو آپ بھی ہماری تائید کرتے ہوئے انہیں مشورہ دیں کہ وہ ان لوگوں کو بغیر پوچھ گچھ کیے ہمارے سپرد کر دیں، کیوں کہ ہماری قوم کے سردار ان کی سوچ و فکر اور ان کے دین کے بارے میں خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ دونوں نے وہاں کے قومی رواج اور آداب کے مطابق ان کے سامنے سجدہ کیا۔

نجاشی نے انہیں خوش آمدید کہا کیوں کہ ان کے عمرو بن عاص کے ساتھ پہلے سے دوستانہ تعلقات تھے۔ پھر دونوں نے ان کی خدمت میں قیمتی تحائف اور سردارانِ قریش کا پیغام پیش کیا، خاص طور پر قریشی سردار ابوسفیان کی جانب سے خیریت کا پیغام پہنچایا جس سے نجاشی بہت خوش ہوئے، انہیں تحائف بہت پسند آئے، ان دونوں کو اپنے پاس بٹھایا، خاطر تواضع کی۔

جب خوش گوار انداز میں وہ بادشاہ کے قریب ہوئے تو ان دونوں نے یہ بات کی:

''بادشاہ سلامت! آپ کی ریاست میں ہمارے پاس سے چند شر پسند لوگ آ کر ابھی ابھی آباد ہوئے ہیں جنہوں نے ہمارا دین بھی چھوڑ دیا ہے اور آپ کے دین کو بھی نہیں اپنایا۔ وہ ایک ایسے نئے دین پر عمل کرتے ہیں جس کو نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ، ہماری قوم کے سرداروں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ ہم آپ کی خدمت میں یہ گزارش پیش کریں کہ ان افراد کو ہمارے حوالے کردیں۔ انہوں نے جو نیا دین ایجاد کیا ہے اور جو ایک نیا فتنہ پیدا کیا ہے اس کے بارے میں ان کی قوم ہی خوب اچھی طرح جانتی ہے۔''

یہ باتیں سن کر نجاشی نے اپنے سرداروں کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔ سب نے بیک زبان ہو کر کہا:

''بادشاہ سلامت! یہ سچ کہتے ہیں، ہم اس دین سے واقف نہیں ہیں جسے انہوں نے ایجاد کیا ہے۔ یہ جانیں اور ان کی قوم۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں واپس بھیج دیا جائے تاکہ یہ فتنہ کہیں ہمارے ملک میں نہ پھیل جائے۔''

نجاشی نے گرج دار آواز میں کہا:

''نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، میں اس وقت تک انہیں کسی کے سپرد نہیں کروں گا جب تک خود ان سے بات نہ کرلوں اور ان کے دین کے بارے میں دریافت نہ کرلوں۔ اگر ان کی نیتوں میں فتور اور ارادوں میں شر ہوگا تو انہیں ان کی قوم کے سپرد کردوں گا۔ اور اگر یہ لوگ خیر و بھلائی پر ہوں گے تو میں دل و جان سے ان کی حمایت کروں گا اور جب تک وہ یہاں رہنا چاہیں گے انہیں ہر طرح کا تحفظ اور سہولت مہیا کروں گا۔''

پھر وہ کہنے لگے: ''میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو کبھی نہیں بھول سکتا جس نے مجھے اس سرزمین کا حکمران بنایا ہے اور مجھے مکاروں کی مکاری سے اور باغیوں کی بغاوت سے ہر طرح محفوظ رکھا ہے۔''

صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کی نجاشی کے دربار میں حاضری

نجاشی نے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کو ملاقات کے لیے دعوت دی تو وہ خوف زدہ ہوگئے، آپس میں مشورے کرنے لگے کہ اگر بادشاہ نے ہمارے دین کے بارے میں سوال کیا تو کیا جواب دیں گے؟

آخر طے پایا کہ ہم وہی کچھ کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

ہم بے خوف ہو کر اس پیغام کا اعلان کریں گے جو نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اپنے رب کی جانب سے لے کر آئے ہیں۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نجاشی کے دربار میں گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں قریش کے نمائندے عمرو بن

عاص اور عبداللہ بن ربیعہ بھی موجود ہیں اور درباری لباس پہنے ہوئے تخت کے دائیں بائیں باادب اپنے سامنے کھلی ہوئی کتابوں پر سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ دربار میں مکمل سناٹا چھایا ہوا ہے۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ دربار میں داخل ہوئے، سلام کیا اور مجلس کے آخر میں جہاں جگہ خالی تھی وہیں بیٹھ گئے۔

عمرو بن عاص نے ان کی طرف دیکھ کر کہا:

"مَالَكُمْ لَا تَسْجُدُوْنَ لِلْمَلِكِ؟"

تَرْجَمَۃ: "تم نے بادشاہ سلامت کے سامنے سجدہ کیوں نہیں کیا۔"

"فَقَالُوْا: إِنَّنَا لَا نَسْجُدُ إِلَّا لِلّٰهِ"

تَرْجَمَۃ: "صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ نے جواب دیا کہ ہم اللہ جل جلالہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے۔"

نجاشی نے بڑے تعجب سے اپنے سر کو حرکت دی اور ان کی طرف نرمی سے دیکھتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"مَا هٰذَا الَّذِيْ اسْتَحْدَثْتُمُوْهُ لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ دِيْنٍ، وَفَارَقْتُمْ بِسَبَبِهٖ دِيْنَ قَوْمِكُمْ، وَلَمْ تَدْخُلُوا فِيْ دِيْنِيْ؟!"

تَرْجَمَۃ: "آپ نے وہ کون سا نیا دین ایجاد کرلیا ہے کہ جس کی وجہ سے اپنی قوم کے دین کو چھوڑ دیا ہے اور میرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے؟"

حضرت جعفر بن ابی طالب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے بات کرنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"أَيُّهَا الْمَلِكُ، إِنَّنَا لَمْ نَسْتَحْدِثْ لِأَنْفُسِنَا دِيْنًا، وَ إِنَّمَا جَاءَ نَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ بِدِيْنِ الْهُدٰى وَالْحَقِّ وَأَخْرَجَنَا مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّوْرِ......

فَلَقَدْ كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنُسِيْءُ الْجِوَارَ، وَيَبْطِشُ الْقَوِيُّ مِنَّا بِالضَّعِيْفِ.

وَلَقَدْ بَقِيْنَا عَلٰى حَالِنَا تِلْكَ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُوْلًا مِنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهٗ.

وَنَثِقُ بِصِدْقِهٖ وَأَمَانَتِهٖ وَعِفَّتِهٖ: فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ، وَأَمَرَنَا بِعِبَادَتِهٖ وَتَوْحِيْدِهٖ......

وَحَضَّنَا عَلٰى إِقَامِ الصَّلَاةِ وَ إِيْتَاءِ الزَّكَاةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَأَنْ نَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُهٗ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ.

كَمَا أَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيْثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ

عَنِ الْمَحَارِمِ وَصَوْنِ الدِّمَاءِ......

وَنَهَانَا عَنْ إِتْيَانِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّوْرِ وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيْمِ......

فَصَدَّقْنَاهُ وَآمَنَّا بِرِسَالَتِهِ وَاتَّبَعْنَا مَاجَاءَ بِهِ......

وَجَعَلْنَا نَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، وَحَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا وَأَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا.

فَمَا كَانَ مِنْ قَوْمِنَا إِلَّا أَنْ عَدَوْا عَلَيْنَا وَأَنْزَلُوْا بِنَا أَشَدَّ الْعَذَابِ لِيَفْتَنُوْنَا عَنْ دِيْنِنَا وَيَرُدُّوْنَا إِلٰى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ بَعْدَ أَنْ عَبَدْنَا الْوَاحِدَ الدَّيَّانَ.

فَلَمَّا قَهَرُوْنَا، وَظَلَمُوْنَا، وَضَيَّقُوْا عَلَيْنَا، وَحَالُوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِيْنِنَا. رَغِبْنَا فِي اللُّجُوْءِ إِلٰى جِوَارِكَ، وَالإِقَامَةِ فِيْ دِيَارِكَ

وَاخْتَرْنَاكَ عَلٰى مَنْ سِوَاكَ، وَرَجَوْنَا أَلَّا نُظْلَمَ عِنْدَكَ"

تَرْجَمَۃ: ''بادشاہ سلامت! ہم نے اپنے لیے کوئی نیا دین ایجاد نہیں کیا بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی جانب سے ایک ایسا طرزِ زندگی لے کر آئے ہیں جو ہدایت اور حق پر قائم ہے، جس نے ہمیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالا۔

ہم جاہل قوم تھے، بے حیائی والی زندگی گزارتے تھے، پڑوسی کے حقوق ادا نہیں کرتے تھے، ہم میں سے طاقت ور کمزور کو کچلتا تھا، ہم ان تمام گناہوں میں بری طرح ملوث تھے۔

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک رسول بھیجا جن کے خاندان کو ہم جانتے تھے، جن کی صداقت، امانت اور پاک دامنی کا ہم دل سے اقرار کرتے تھے، انہوں نے ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی اور ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی عبادت کریں۔

اس کے علاوہ ہمیں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور رمضان کے روزے رکھنے کی ترغیب دی، اور ہمیں یہ تلقین کی کہ پتھروں اور بتوں کی پوجا کو بالکل چھوڑ دیں۔

اسی طرح ہمیں سچ بولنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، پڑوسیوں سے حسن سلوک سے پیش آنے، حرام سے بچنے اور خون ریزی سے بچنے کا حکم دیا، ساتھ ہی ساتھ انہوں نے ہمیں بے حیائی کے کام کرنے جھوٹ بولنے اور یتیم کا مال کھانے سے منع کیا۔

یہ دیکھ کر ہم نے سچے دل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا اعتراف کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے لگے۔

ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے لگے جس کا کوئی شریک نہیں، ہم نے ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا جسے آپ ﷺ نے ہمارے لیے حرام قرار دیا تھا، اور ہر اس چیز کو حلال سمجھا جسے آپ ﷺ نے ہمارے لیے حلال قرار دیا تھا، تو اس بنا پر ہماری قوم ہماری دشمن بن گئی اور ہمیں دردناک سزا دینے لگی، تاکہ وہ ہمیں دین سے ہٹا دے اور پھر سے ہمیں بتوں کا پجاری بنادے۔ جب کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، جب انہوں نے ہم پر ظلم وستم کی انتہا کردی، ہم پر زندگی کو تنگ کردیا، ہمارے اور دین کے درمیان رکاوٹ بننے لگے تو ہم پناہ حاصل کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ کا انتخاب ہم نے صرف اس لیے کیا کہ یہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

نجاشی نے حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ سے پوچھا:

''هَلْ مَعَكَ شَيْءٌ مِمَّا جَاءَ بِهِ نَبِيُّكُمْ عَنْ رَبِّهِ؟''

ترجمہ: ''کیا آپ کے پاس اس پیغام کا کوئی نمونہ ہے جو آپ کے نبی ﷺ اپنے رب کی طرف سے لائے ہیں؟''

انہوں نے فرمایا: ''ہاں!''

نجاشی نے کہا: ''وہ مجھے بھی سنایئے۔''

حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ نے سورہ مریم کی درج ذیل ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں۔

﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۖ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝﴾ [1]

ترجمہ: ''اور (اے نبی ﷺ) اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو جب کہ وہ اپنے لوگوں

[1] مريم: ١٦ - ٢٤

سے الگ ہوکر شرقی جانب تنہا بیٹھ گئی تھیں، اور پردہ ڈال کر ان سے چھپ بیٹھی تھیں، اس حالت میں ہم نے ان کے پاس اپنی روح (یعنی فرشتے) کو بھیجا اور وہ ان کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہوگیا، مریم یکایک بول اٹھیں کہ اگر آپ کوئی خدا ترس آدمی ہیں تو میں آپ سے خدائے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ انہوں نے کہا میں تو آپ کے رب کا بھیجا ہوا ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ آپ کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں، مریم نے کہا ہاں کیسے لڑکا ہوگا جب کہ مجھے کسی بشر (انسان) نے چھوا تک نہیں اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں۔ فرشتے نے کہا ایسا کرنا میرے لیے بہت آسان ہے اور ہم یہ اس لیے کریں گے کہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے نشانی بنائیں اور اپنی طرف سے ایک رحمت بنائیں اور یہ کام ہوکر رہے گا، مریم کو اس بچے کا حمل ہوگیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دور کے مقام پر چلی گئیں، پھر زچگی کی تکلیف نے انہیں ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا وہ کہنے لگیں کاش! میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا۔ فرشتے نے نیچے سے ان کو پکار کر کہا غم نہ کرو آپ کے رب نے آپ کے نیچے ایک چشمہ جاری کردیا ہے۔''

یہ آیات سن کر نجاشی رونے لگے یہاں تک کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

دربار کے تمام حاضرین بھی یہ کلام سن کر رونے لگے، آنسوؤں سے ان کے سامنے کھلے ہوئے صحیفے اور کتابیں بھیگ گئیں۔

نجاشی نے عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی عبداللہ بن ربیعہ کی طرف دیکھا اور کہا:

''یہ پیغام جو ابھی ہمیں پڑھ کر سنایا گیا ہے اور وہ پیغام جو عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام لے کر آئے تھے دونوں کا اصل ایک ہی ہے۔''

پھر ان سے کہا:

''اللہ کی قسم! میں ان پاکیزہ اور نیک لوگوں کو آپ کے حوالہ نہیں کرسکتا اور نہ ہی جب تک میں زندہ ہوں کوئی مجھے اس کام کے لیے ورغلا سکتا ہے۔''

یہ بات کہی اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر درباری بھی اٹھ کر کھڑے ہوئے اور مجلس برخاست ہوگئی۔

دوسری سازش

عمرو بن عاص یہ صورتِ حال دیکھ کر پریشان ہوگئے اور اپنے ساتھی سے کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! کل میں

نجاشی سے ضرور ملوں گا اور انہیں ایسی بات بتاؤں گا جس سے ان مسلمانوں کے کئے دھرے پر پانی پھر جائے گا۔''

ساتھی کچھ نرم دل تھا۔ اس نے کہا: ''عمرو! ایسا نہ کرو! آخر وہ ہمارے ہی رشتہ دار ہیں، کیا ہوا اگر آج ہمارے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہوگئے ہیں جس کی بنا پر انہوں نے ہماری مخالفت کی ہے۔ چھوڑو جانے دو۔
اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں نجاشی کو ضرور بتاؤں گا کہ یہ لوگ حضرت عیسٰی بن مریم عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو بندہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے بڑی صفائی کے ساتھ اس بات کو آپ سے چھپائے رکھا ہے۔ یہ حضرت عیسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر تہمت ہے جس کے یہ مرتکب ہوئے ہیں۔''
دوسرے دن عمرو بن عاص نجاشی کے پاس گیا اور کہا: ''بادشاہ سلامت ان لوگوں نے آپ کو ایک بات سنادی اور ایک بات چھپائے رکھی۔ یہ لوگ حضرت عیسٰی بن مریم عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ایک بندہ ہیں۔''
یہ بات سن کر نجاشی نے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو اپنے پاس بلایا اور دریافت کیا: ''حضرت عیسٰی بن مریم عَلَیْہِمَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟''
حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''ہم حضرت عیسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے متعلق وہی کچھ کہتے ہیں جو نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ہمیں بتایا ہے۔''
نجاشی نے کہا: ''وہ آپ کے پاس کیا پیغام لائے ہیں، حضرت عیسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بارے میں انہوں نے آپ کو کیا بتایا ہے؟''
حضرت جعفر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:
''وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو پاک دامن حضرت مریم عَلَیْہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی طرف القا کیا گیا ہے۔''
نجاشی نے کہا: ''اللہ کی قسم! حضرت عیسٰی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ بالکل ایسے ہی ہیں جس کا اظہار آپ نے کیا ہے ان میں اور آپ کی بات میں ذرا برابر بھی فرق نہیں۔''
یہ صورتِ حال دیکھ کر دربار میں موجود بڑے بڑے معززین جلنے لگے اور کھسر پھسر کرنے لگے کہ نجاشی نے آج یہ کیا عجیب انداز اختیار کیا ہے؟
نجاشی نے ان کی طرف غضب ناک انداز میں دیکھا اور کہا: ''تمہیں کیا پتہ سچائی یہی ہے جس کا اظہار آج یہاں ہوا ہے۔''

پھر حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے کہا: ''میرے اس ملک میں امن، سکون اور آرام سے رہو! جو تمہیں ستائے گا نقصان اٹھائے گا۔ یقیناً جو تمہیں ستائے گا نقصان اٹھائے گا۔

مجھے کوئی سونے کا پہاڑ دے کر یہ کہے کہ میں تمہیں کوئی تکلیف پہنچاؤں تو میں اس پیش کش کو ٹھکرا دوں گا اور تمہیں کوئی ذرہ برابر بھی تکلیف دینے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گا۔''

پھر اپنے دربان سے کہا: ''عمرو بن عاص اور اس کے ساتھی کو تمام تحائف لوٹا دو! مجھے ان کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے میرا ملک مجھے اس لیے نہیں لوٹایا تھا کہ اب میں لوگوں سے تحائف کی صورت میں رشوت لینا شروع کردوں۔''

نجاشی کا قبولِ اسلام

حبشہ کے وزیر لوگوں میں یہ بات پھیلانے لگے کہ نجاشی نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے اور دوسرے دین کو اپنا لیا ہے۔ وہ عام لوگوں کو اس پر ابھارنے لگے کہ ''اس سے تعلق ناطہ توڑ دو۔'' حبشی اس آواز پر جمع ہونے لگے اور انہوں نے ان کی بیعت ختم کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔

نجاشی نے حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو اس نئی صورت حال سے آگاہ کیا۔

ان کے لیے کشتیاں تیار کرائیں اور کہا: ''اب میری قوم مخالفت پر آگئی ہے اگر مجھے ان کے مقابلے میں شکست ہوگئی تو تم ان کشتیوں پر سوار ہوکر جہاں چاہو چلے جانا اور اگر میں کامیاب ہوگیا تو پھر آپ عزت و اکرام سے یہیں رہنا۔

پھر نجاشی نے ہرن کا باریک چمڑا منگوایا اور اس پر یہ لکھا:

''أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَخَاتَمُ رُسُلِهٖ وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيْسٰى عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَرُوْحُهٗ وَكَلِمَتُهُ الَّتِيْ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ.''

تَرْجَمَۃ: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے ۔ کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور اس کے آخری رسول ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ (علیہ الصلاۃ والسلام) اس کے بندہ اس کے رسول اور اس کی روح اور کلمہ ہیں، جنہیں اللہ نے مریم (علیہا الصلوٰۃ والسلام) کی طرف القا کیا۔''

پھر یہ چمڑا اپنے سینے پر باندھ لیا اور اس کے اوپر جبہ پہن لیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ان لوگوں کی طرف

چل دیئے جنہوں نے آپ کے خلاف بغاوت شروع کر رکھی تھی۔

جب ان کے پاس پہنچے تو بلند آواز سے ان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اے حبشہ کے رہنے والو! میرے کردار کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے میں نے اپنی زندگی کے دن تم میں کیسے گزارے؟''

سب نے کہا: ''بہت اچھے دن گزارے۔ آپ کے اخلاق، کردار پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔''

نجاشی نے کہا: ''تو پھر آپ نے میرے خلاف یہ کیا ہنگامہ کھڑا کیا ہے؟''

انہوں نے کہا: ''آپ نے ہمارا مذہب چھوڑ دیا ہے کیوں کہ آپ کا خیال ہے کہ عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ انسان ہیں۔''

نجاشی نے کہا اچھا تم بتاؤ: ''عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

سب نے بیک زبان ہو کر کہا: ''وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔''

نجاشی نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ان خیالات کا اظہار کیا جو چمڑے پر لکھ کر سینے پر باندھا ہوا تھا۔ اور بآوازِ بلند یہ کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ ہو بہو یہی کچھ ہیں اس سے زیادہ نہیں۔'' یہ باتیں سن کر سب لوگ خوش ہوگئے مجمع بکھر گیا اور سب راضی خوشی گھروں کو واپس لوٹ گئے۔

نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے خطوط

نجاشی اور قوم کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات کا نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو علم ہوا تو رنجیدہ دل ہوئے، لیکن مہمان مہاجرین کے ساتھ نجاشی کے حسن سلوک سے بہت خوش ہوئے، اور اس سے بڑھ کر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو اس بات پر خوشی ہوئی کہ نجاشی نے اسلام قبول کرلیا ہے اور قرآنی تعلیمات کو مان لیا ہے۔ اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور نجاشی کے درمیان تعلقات خوش گوار اور گہرے ہوتے گئے۔

سن ۷ ہجری کے پہلے مہینے میں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے چھ سربراہان مملکت کو خطوط لکھ بھیجے جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت پیش کی گئی۔ ان خطوط میں ایمان کی خوبیوں اور کفر و شرک کے خطرناک نتائج کو واضح کیا گیا۔ خطوط پہنچانے کے لیے چھ تجربہ کار صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تعَالیٰ عَنْہُمْ کا انتخاب کیا گیا۔

ان صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تعَالیٰ عَنْہُمْ میں سے ہر ایک نے اس علاقے کی زبان سے آگاہی حاصل کی جہاں انہوں نے سفارت کے فرائض سرانجام دینے تھے، پھر یہ فریضہ ادا کرنے کے لیے ایک ہی دن روانہ ہوئے ان

میں سے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ کے حکمران نجاشی کے پاس گئے۔

حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نجاشی کے دربار میں پہنچے اور ان کو سلام کیا۔ انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے سلام کا جواب دیا اور انہیں خوش آمدید کہا۔

جب دربار میں موجود تمام ارد گرد کھڑے لوگ بیٹھ گئے تو انہوں نے نجاشی کی خدمت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پیش کیا۔ انہوں نے خط کو انتہائی عقیدت کے ساتھ کھولا دیکھا کہ اس میں آپ نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے۔

نجاشی نے انتہائی محبت وعقیدت سے خط کو اپنی آنکھوں سے لگایا اور خط کے احترام میں اپنے تخت سے نیچے اتر آئے اور پھر مجلس میں اپنے اسلام کے قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔

"اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ" کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے انہوں نے کھلم کھلا سب کے سامنے یہ بات کہی!

اگر حالات سازگار ہوتے تو میں ابھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتا آپ کا دیدار کرتا آپ کے قدموں میں بیٹھتا۔

پھر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جوابی خط لکھا جس میں اپنے اسلام قبول کرنے کی کارگزاری لکھی۔

پھر حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دوسرا خط نجاشی کو دیا جس میں ابوسفیان بن حرب کی بیٹی رملہ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا پیغام تھا۔

اُمّ المؤمنین (اُمّ حبیبہ) رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ابتدائی داستان بڑی غم ناک ہے لیکن اس داستان کا انجام بڑا خوش گوار ہے۔

آیئے ذرا اس داستان کی جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قصہ

حضرت رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے اباجان (قریش کے سردار) کے خداؤں (یعنی بتوں) کا انکار کر دیا تھا۔ یہ اور ان کا خاوند عبید اللہ بن جحش ایک اللہ پر ایمان لے آئے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق کر دی۔

قریش نے ان دونوں میاں بیوی کو بہت تنگ کرنا شروع کر دیا وہ انہیں اذیت ناک سزائیں دینے لگے۔

یہاں تک کہ ان کا مکہ میں رہنا دشوار ہوگیا۔ یہ بھی اس قافلے میں شریک ہوگئے جو اپنے ایمان اور جان کو بچانے کے لیے حبشہ کے حکمران نجاشی کے پاس جا کر رہنے لگا تھا۔ انہیں بھی وہاں وہی امن وسکون اور چین نصیب ہوا تھا جو دوسرے مہاجرین کو ہوا تھا۔

حضرت اُمّ حبیبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا نے یہ سمجھا کہ اب مشکل کی گھڑیاں ختم ہوگئیں، سکھ چین کا دور شروع ہوگیا لیکن تقدیر نے اپنے دامن میں کیا چھپا رکھا ہے؟ اور مستقبل میں ایک ایسا ہولناک واقعہ رونما ہونے والا ہے جو انہیں غم گین وحیران کر کے رکھ دے گا اس کا انہیں وہم وگمان ہی نہ تھا۔

ہوا یہ کہ ان کا خاوند عبیداللہ بن جحش مرتد ہوگیا اس نے عیسائیت قبول کرلی، اسلام اور اہل اسلام کا مذاق اڑانے لگا۔

شراب خانوں کا رخ کیا، بہت زیادہ شراب پینے لگا۔ شراب کی اسے ایسی عادت پڑی کہ کبھی اس کا دل ہی نہ بھرتا۔

حضرت اُمّ حبیبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا کے سامنے اب تین صورتیں تھیں۔ پہلی یہ کہ خاوند کی بات مانتے ہوئے عیسائیت قبول کرلیں۔ اس سے دنیا کی رسوائی اور آخرت کا عذاب لازم آتا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ مکہ مکرمہ میں اپنے والد کے گھر واپس چلی جائیں جو کہ شرک اور کفر کا گڑھ تھا۔

اور تیسری صورت یہ تھی کہ طلاق لے کر حبشہ میں اکیلی ہی صبر وشکر کے ساتھ حالات کا مقابلہ کریں جب کہ چھوٹی بیٹی حبیبہ بھی ان کی گود میں تھی۔

آخر کار اللہ تعالیٰ کی رضا کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہوئے بھلے دنوں کی امید پر انہوں نے حبشہ میں ہی رہنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے نکاح

حضرت اُمّ حبیبہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْھَا کی دکھ بھری زندگی ابھی زیادہ نہیں گزری تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد خاوند نشے کی حالت میں چل بسا۔ عدت کے دن پورے ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشی اور خوش حالی کے حالات آئے۔

ایک روز صبح کے وقت ابھی سورج کی چمکیلی کرنوں نے صحن میں روشنی کی ہی تھی کہ گھر کے دروازے پر دستک ہوئی، دروازہ کھول کر دیکھا نجاشی کی باندی ابرہہ کھڑی مسکرا رہی ہیں۔ مسکراتے ہوئے سلام عرض کیا اور ساتھ ہی یہ پیغام دیا:

''بادشاہ سلامت نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ خوش خبری دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے لیے بیوی کے طور پر منتخب کیا ہے اور نکاح کے لیے بادشاہ سلامت کو وکیل مقرر کیا ہے۔ آپ اپنی طرف سے جسے چاہیں وکیل بنا دیں۔

یہ خبر سن کر حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور فرطِ مسرت سے انہیں خیر و برکت کی دعائیں دینے لگیں۔ ''اللہ تعالیٰ تمہیں خوش رکھے! تمہارے نصیب جاگتے رہیں، جیتی رہو، خوش رہو، آباد رہو، ہمیشہ خوشیاں تمہارے ساتھ رہیں۔''

پھر کہا: ''میری طرف سے خالد بن سعید بن عاص وکیل ہوں گے وہ میرے قریبی رشتہ دار ہیں۔''

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کی مجلس میں شرکت کے لیے حبشہ میں مقیم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نجاشی کے محل میں جمع ہوئے۔ سب کے وہاں اکٹھا ہونے پر حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر حاضرین کو آگاہ کرتے ہوئے یہ کہا:

''رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ اُمّ حبیبہ کے نکاح کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اہتمام کیا جائے، اس لیے آپ حضرات کو یہاں دعوت دی گئی ہے تاکہ آپ اس خوشی کی تقریب میں شریک ہوں اور میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کے فرائض انجام دیتے ہوئے چار سو دینار مہر مقرر کیا ہے۔''

پھر حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی، اللہ کی مدد طلب کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کیا اور کہا: ''اللہ تعالیٰ اپنے رسول اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے ان کی رفیقہ حیات کو باعث برکت بنائے اور ان کی خوش نصیبی پر میں انہیں مبارک باد دیتا ہوں۔''

حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بحری بیڑے میں سے دو کشتیاں تیار کیں اور ان پر اُمّ المؤمنین اُمّ حبیبہ بنت ابی سفیان ان کی بیٹی حبیبہ اور حبشہ میں پناہ گزین صحابہ اور ان حبشی باشندوں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مدینہ منورہ روانہ کیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔

حبشہ کے مسلمانوں کا دلی شوق تھا کہ وہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں، ان سے فیض حاصل کریں اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ اس قافلے کا امیر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقرر کیا گیا۔

اس موقع پر اُمّ المؤمنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں بطور تحفہ وہ تمام قیمتی عطر پیش کیے گئے جو نجاشی کی بیگمات کی ملکیت تھے۔ قیمتی تحائف رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے امیر قافلہ کے سپرد کیے گئے۔

ان تحائف میں تین عمدہ اور خوب صورت چھڑیاں تھیں۔ ان میں سے ایک چھڑی رسول اقدس ﷺ نے اپنے لیے رکھ لی دوسری حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کو دے دی اور تیسری حضرت علی بن ابی طالب رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کو عنایت کردی۔

بسا اوقات حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ وہ چھڑی پکڑ کر آگے آگے چلتے جو آپ ﷺ نے اپنے لیے رکھ لی تھی۔ رسولِ اقدس ﷺ اور حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ دورانِ سفر اس چھڑی کو استعمال کرتے۔ جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں اس سے قبلے کا تعین کرنے کے لیے لکیر لگاتے۔ عیدین اور نمازِ استسقاء (بارش طلب کرنے کی نماز) کے وقت ساتھ لے جاتے۔

حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ یہ چھڑی تھامے کئی مرتبہ صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کے آگے آگے بھی چلے، حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کے دورِ خلافت میں حضرت بلال رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُ کے ہاتھ میں یہی چھڑی ہوا کرتی تھی۔ اس کے بعد یہ سعد قرظی کے پاس چلی گئی۔

نجاشی نے نبی اکرم ﷺ کو سونے کی ایک انگوٹھی بطور تحفہ دی لیکن آپ نے یہ انگوٹھی اپنی نواسی امامہ بنت زینب رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہَا کو پہنا دی۔

حضرت نجاشی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کی وفات

فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ پہلے حضرت اصحمہ نجاشی رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ رسول اقدس ﷺ نے وفات کی خبر سن کر صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عَنْہُمْ کو نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے بلایا اور فرمایا:

"(إِنَّ أَخَاكُمْ (أَصْحَمَةَ) النَّجَاشِيَّ قَدْ تُوُفِّيَ فَصَلُّوْا عَلَيْهِ)

ثُمَّ أَمَّهُمْ: فَصَلُّوْا عَلَيْهِ صَلَاةَ الْغَائِبِ.

مَعَ أَنَّ الرَّسُوْلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لَمْ يُصَلِّ عَلَى غَائِبٍ قَبْلَ النَّجَاشِيِّ، وَلَا بَعْدَهُ"

تَرْجَمَہ: "تمہارے بھائی اصحمہ نجاشی وفات پاگئے ہیں۔ آپ نے امامت کی اور سب نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ اور حضور ﷺ نے حضرت نجاشی کے علاوہ نہ پہلے کسی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی نہ بعد میں۔"

"رَضِيَ اللّٰهُ عَنْ (أَصْحَمَةَ) النَّجَاشِيِّ، وَأَرْضَاهُ......"

تَرْجَمَہ: "اللہ تعالیٰ اصحمہ نجاشی سے راضی ہوگیا اور اللہ نے انہیں راضی کردیا اور سدا بہار جنتوں

میں جگہ عطا کی۔"

انہوں نے مظلوم مسلمانوں کی مدد کی، خوف زدہ اہلِ ایمان کی امید بڑھائی اور ان کا حوصلہ بلند کیا۔ اس خدمت سے محض اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنا مقصود تھا۔

سُوال: حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کا اصل نام کیا تھا؟

سُوال: حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کے بادشاہ بننے کا واقعہ بیان کیجیے؟

سُوال: عمرو بن عاص کے سوال "نئے دین کی ایجاد" کے جواب میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نجاشی کے سامنے کیا خطبہ دیا؟

سُوال: کیا اُمّ المومنین حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی غم ناک داستان آپ کو یاد ہے؟

سُوال: حضرت نجاشی رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا تھا؟

حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ

"لَمْ يَكُنْ هُنَاكَ أَحَدٌ أَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ بَعْدَ الصَّحَابَةِ مِنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، ثُمَّ يَلِيهِ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ"

(ابوبکر بن داود)

ترجمہ: "صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد ابوالعالیہ سے بڑھ کر قرآن کا کوئی دوسرا عالم دیکھائی نہ دیتا تھا ان کے بعد سعید بن جبیر کا نام آتا ہے۔"

حضرت رفیع بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ جن کی کنیت ابوالعالیہ ہے، ملت اسلامیہ میں ایسے لوگ کم پیدا ہوتے ہیں۔

آپ علماء اور محدثین کے امام تھے تابعین میں کتاب اللہ اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے عالم، قرآن کریم کے علوم اور اس کے مطلب ومفہوم کی گہرائی تک پہنچنے میں سب سے بڑھ کر صلاحیت اور مہارت رکھنے والے تھے۔

آیئے! ان کی داستان سے چند اوراق ملاحظہ کریں۔

حضرت رفیع بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ کے حالات

حضرت رفیع بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ ایران میں پیدا ہوئے، وہیں پلے بڑھے اور جوان ہوئے، جب مسلمانوں نے ایران کی طرف رخ کیا تاکہ اس کے باشندوں کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر اسلام کی روشنی سے آشنا کردیں تو اس وقت حضرت رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ جوان تھے۔

اس جنگ میں اسلامی لشکر کو غلبہ حاصل ہوا اور بہت سے ایرانی گرفتار ہوئے ان جنگی قیدیوں میں حضرت رفیع بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے۔ اس گرفتاری کی برکت سے ان کو اسلام کی خوبیوں سے واقفیت ہوئی اور انہوں نے گہری نظر سے بت پرستی اور اللہ کی عبادت دونوں پر غور کیا۔ ایرانی قیدی بڑی تیزی سے اسلام قبول کرنے لگے، قرآن مجید کو سمجھنے میں دل چسپی لینے لگے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے سیراب ہونے لگے۔

حضرت رفیع بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ اس دور کی ایک جھلک بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں اور میری قوم کے چند افراد مجاہدین کے ہاتھوں قید ہوئے۔ بصرہ چھاؤنی میں مسلمانوں کی قید میں غلامی کے دن گزار رہے تھے، تھوڑے ہی عرصے کے بعد ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن حکیم کو زبانی یاد کرنا شروع کر دیا، ہم میں سے کچھ لوگ اپنے مالکوں کو ٹیکس ادا کرتے تھے اور دوسرے ان کی خدمات پر مامور تھے۔ میں بھی ان میں شامل تھا۔

ہم قرآن کریم ہر رات ختم کرلیا کرتے تھے لیکن جب ہمیں اس میں مشکل پیش آنے لگی تو ہم دو راتوں میں ختم کرنے لگے، جب یہ بھی دشوار ہوگیا تو تین راتوں میں ختم کرتے لیکن جب ہمیں یہ بھی مشکل محسوس ہونے لگا تو ہم نے اس کا بعض صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) سے تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا:

''ہفتے میں ایک مرتبہ قرآن مجید مکمل کرلیا کرو۔ اس کے بعد ہم رات کو قرآن حکیم بھی پڑھتے اور آرام بھی کرتے۔''

حضرت رفیع بن مہران رحمہ اللہ تعالیٰ بنوتمیم کی ایک متقی، پرہیزگار، دانش مند، اور رحم دل خاتون کے غلام تھے۔

دن میں ان کے گھریلو کام بھی کرتے اور آرام بھی کرتے، فراغت کے وقت لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے، دن کا کچھ حصہ دینی علوم حاصل کرنے میں گزارتے۔

غلامی سے آزادی

ایک روز جمعہ کے دن حضرت رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی تسلی سے وضو کیا پھر اپنی آقا سے باہر جانے کی اجازت طلب کی۔

آقا نے پوچھا: ''کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

کہا: ''مسجد جانا چاہتا ہوں''

آقا نے پوچھا: ''کون سی مسجد جانا چاہتے ہو؟''

کہا: ''جامع مسجد جانے کا خیال ہے۔''

آقا نے کہا: ''چلئے میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔''

دونوں گھر سے نکلے ایک ساتھ مسجد میں داخل ہوئے۔ حضرت رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کو قطعاً معلوم نہ تھا کہ ان کی آقا آج ان کے ساتھ مسجد کیوں آئی ہے۔

جب مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئی۔ امام منبر پر خطبہ دینے کے لیے بیٹھ گئے تو حضرت رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ

کی مالکہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بلند کیا اور کہا:

''لوگو! گواہ رہنا میں نے اپنے اس غلام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کردیا ہے۔
میں اس عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی، ثواب اور اپنے گناہوں کی معافی چاہتی ہوں۔''

پھر ان کی طرف دیکھتے ہوئے یہ دعا کی:

''اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَدَّخِرُهُ عِنْدَكَ لِيَوْمٍ لَا يَنْفَعُ فِيْهِ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ......''

تَرجَمَہ: ''اے اللہ! میں اس عمل کو تیرے ہاں اس دن کے لیے ذخیرہ بناتی ہوں جس دن نہ مال فائدہ دے گا نہ ہی اولاد۔''

نمازِ جمعہ ختم ہونے کے بعد حضرت رفیع بن مہران رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ غلامی سے آزاد ہو کر اپنی نئی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور معزز آقا (خاتون) اپنے گھر واپس آ گئی۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے ملاقات اور تحصیلِ علم

حضرت رفیع بن مہران رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اسی روز مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا، چند روز بعد حضرت صدیق اکبر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت رفیع بن مہران رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، اس طرح انہیں حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو قرآن حکیم سنانے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔

حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ قرآن و حدیث کا علم حاصل کرنے میں مکمل طور پر مصروف ہو گئے۔

ان تابعین کرام رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالیٰ سے احادیث سنتے جو بصرہ میں رہتے تھے، لیکن ان کا دلی شوق یہ تھا کہ حدیث سننے میں اس سے بڑھ کر مضبوط واسطہ اختیار کیا جائے۔

اس لیے وہ اکثر و بیشتر مدینہ منورہ کا سفر اختیار کرتے تاکہ وہاں موجود صحابہ کرام سے رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ براہ راست احادیثِ رسول عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ سننے کا شرف حاصل کیا جائے۔ اس طرح انہیں حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابی بن کعب حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوہریرہ، اور حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے حدیث کا علم حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے علمِ حدیث حاصل کرنے کے لیے مدینہ منورہ میں

موجود صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ کو ہی کافی نہ سمجھا، بل کہ دیگر مقامات پر بھی پہنچے جہاں اصحاب رسول عَلَیْہِ الصَّلاۃُ وَالسَّلامُ موجود تھے، جب انہیں پتہ چلتا کہ کسی دور دراز مقام پر علمی شخصیت موجود ہے تو وہ ان کی زیارت کے لیے سفر کا سامان باندھتے۔ خواہ کتنا ہی کٹھن راستہ ہوتا اس پر چلنے کے لیے تیار ہوجاتے۔ جب منزل پر پہنچتے سب سے پہلے اس شخص کے پیچھے نماز ادا کرتے۔

جب یہ دیکھتے کہ وہ شخص نماز صحیح انداز سے ادا نہیں کررہا تو اپنے دل میں سوچتے کہ جو شخص نماز میں سستی کرتا ہے وہ دیگر فرائض میں اور زیادہ سست ہوگا، پھر وہ اپنی چھڑی پکڑتے اس سے ملاقات کیے بغیر واپس لوٹ جاتے۔

ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت ابوالعالیہ رفیع بن مہران رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ علم کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوگئے، علمی میدان میں اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر فوقیت لے گئے۔ ان کے متعلق ایک ساتھی نے کہا:

''میں نے ایک روز ابوالعالیہ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا، پانی کے قطرے ان کے چہرے اور ہاتھوں سے موتیوں کی طرح گر رہے تھے۔ طہارت و پاکیزگی کی وجہ سے ان کے تمام اعضاء چمک رہے تھے۔ میں نے انہیں سلام عرض کرتے ہوئے کہا: اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

انہوں نے کہا:

''لَیْسَ الْمُتَطَهِّرُوْنَ الَّذِیْنَ یَتَطَهَّرُوْنَ بِالْمَاءِ مِنَ الدَّرَنِ......

وَ إِنَّمَا هُمُ الَّذِیْنَ یَتَطَهَّرُوْنَ بِالتَّقْوٰی مِنَ الذُّنُوْبِ.''

تَرْجَمَہ: ''بھائی جان! پاکیزہ وہ نہیں ہوتے جو پانی سے اپنی میل کچیل صاف کرتے ہیں، حقیقت میں پاکیزہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو گناہوں سے بچتے ہیں۔''

میں نے ان کی بات پر دھیان دیا اور یہ محسوس کیا کہ وہ سچ کہتے ہیں اور میں غلطی پر ہوں۔ میں نے کہا:

''اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے اور آپ کے علم و فہم میں اضافہ فرمائے۔''

حضرت ابوالعالیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اکثر و بیشتر لوگوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دلاتے اور انہیں علم کے راستے پر لانے کے لیے غور و فکر کرتے رہتے۔

وہ کہا کرتے تھے:

''رَوِّضُوْا أَنْفُسَكُمْ عَلٰی تَلَقِّي الْعِلْمِ، وَأَكْثِرُوْا مِنَ السُّؤَالِ عَنْهُ''

تَرْجَمَہ: ''لوگو! علم حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو فرماں بردار بناؤ اور مسائل دریافت کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ سوال کیا کرو۔''

"وَاعْلَمُوْا أَنَّ الْعِلْمَ لَا یَخْفِضُ جَنَاحَیْهِ لِمُسْتَحٍ، أَوْ مُتَکَبِّرٍ"

تَرجَمہ: "اور یہ بات ذہن نشین کرلو کہ علم اپنے پروں کو شرمیلے اور متکبر (شخص) کے سامنے نہیں بچھاتا۔"

"فَالْمُسْتَحِيْ لَا یَسْأَلُ لِحَیَائِهٖ"

تَرجَمہ: "شرمیلا اپنی شرم وحیا کی وجہ سے سوال نہیں کرتا۔"

"وَالْمُتَکَبِّرُ لَا یَسْأَلُ لِکِبْرِیَائِهٖ"

تَرجَمہ: "متکبر اپنے تکبر اور فخر کی وجہ سے مسائل دریافت نہیں کرتا۔"

حضرت رفیع بن مہران رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے شاگردوں کو علم حاصل کرنے، اس کے احکامات پر عمل کرنے اور بدعت کرنے والوں سے الجھنے سے منع کیا کرتے تھے۔

وہ فرمایا کرتے تھے: "قرآن سیکھو، جب تم قرآن کا علم حاصل کرلو تو پھر اس سے بے رغبتی اختیار نہ کرو۔

سیدھے راستے کو لازم پکڑو، یاد رکھو! اسلام ہی سیدھا راستہ ہے۔

نفس کی خواہشات سے بچ کر رہو، وہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کردیں گی۔

صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُم کے طرزِ زندگی سے نہ پھرو۔"

طلبہ کو حفظ قرآن کا آسان طریقہ سمجھاتے ہوئے فرمایا کرتے تھے: "قرآن حکیم کی پانچ پانچ آیات زبانی یاد کیا کرو! اس طرح تمہارے ذہنوں پر بوجھ نہیں پڑے گا۔ یہ طریقہ قرآن مجید حفظ کرنے کے لیے آسان ہے۔"

سمجھانے کا انداز

حضرت ابوالعالیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی صرف معلم ہی نہیں تھے بل کہ وہ ایک بہترین سرپرست بھی تھے، وہ اپنے شاگردوں کو علم، حق تعالیٰ کی معرفت اور دین وعقل کی دولت سے مالا مال کردیتے تھے، ان کو اچھی نصیحتیں کرتے تھے۔

نصیحت آموز گفتگو کرتے ہوئے اکثر اوقات دو چیزوں کا ملا کر تذکرہ کرتے، مثال کے طور پر ان کی گفتگو کا انداز یہ ہوتا۔

"إِنَّ اللّٰهَ قَضٰی عَلٰی نَفْسِهٖ أَنَّ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ هَدَاهُ......"

تَرجَمہ: "بلاشبہ اللہ نے خود اپنے اوپر لازم قرار دیا ہے کہ جو اس پر ایمان لایا اللہ نے اسے ہدایت

دی۔"

جیسا کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔

﴿وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ﴾[1]

تَرجَمَۂ: "اور جو اللہ پر ایمان لاتا ہے تو وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے۔"

"وَأَنَّ مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْهِ كَفَاهُ......"

تَرجَمَۂ: "اور جس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا وہ اس کے لیے کافی ہوا۔"

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ﴾[2]

تَرجَمَۂ: "اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔"

"وَأَنَّ مَنْ أَقْرَضَهٗ جَازَاهُ....."

تَرجَمَۂ: "اور حقیقت یہ ہے کہ جس نے اسے قرضہ دیا وہ اسے بدلہ دیتا ہے۔"

جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافاً كَثِيْرَةً ؕ﴾[3]

تَرجَمَۂ: "ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پس اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے۔"

"وَأَنَّ مَنْ دَعَاهُ أَجَابَهٗ......"

تَرجَمَۂ: "اور جس نے اللہ سے دعا کی اس نے اس کی دعا کو قبول کیا۔"

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾[4]

تَرجَمَۂ: "ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں۔"

وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے:

"اللہ کی اطاعت اختیار کرو اور اطاعت گزاروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ نافرمانی سے بچو اور اللہ کی نافرمانی کرنے والوں سے بھی دور رہو، پھر نافرمانوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو! اگر وہ چاہے انہیں عذاب دے یا چاہے انہیں بخش دے۔

[1] تغابن: ۱۱ [2] طلاق: ۳ [3] بقرة: ۲۴۵ [4] بقرة: ۱۸۶

وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:
جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو کہ وہ اپنی بڑائی بیان کرتے ہوئے ہر ایک سے یہ کہتا پھرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دشمنی کرتا ہوں۔ میں ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے گناہوں سے بچتا ہوں۔ تو تم اس کی بات کی طرف دھیان نہ دیا کرو کیوں کہ مخلص لوگ اپنی نیکی کا ڈھنڈورا نہیں پیٹا کرتے۔"

جنگی کاروائیاں آپ کا محبوب مشغلہ

حضرت ابوالعالیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی صرف عالم، عامل اور واعظ ہی نہ تھے بل کہ وہ میدانِ جہاد کے شہ سوار بھی تھے۔

وہ مجاہدین کے شانہ بشانہ جہاد کے میدانوں میں اپنا قیمتی وقت گزارا کرتے تھے، یا دشمن کی سرحد پر پہرے دار کی حیثیت سے فرائض سرانجام دیا کرتے تھے۔ انہوں نے جہاد کے لیے مشرق و مغرب کا سفر اختیار کیا۔ سرزمینِ شام میں روم کی لڑائی میں شریک ہوئے۔

اور اسی طرح ایران، ترکی اور روس میں لڑی گئی جنگوں میں شریک ہوئے۔ یہ پہلی عظیم الشان شخصیت ہیں جنہوں نے ان علاقوں میں اذان کی آواز بلند کی۔

وہ خود فرماتے ہیں:
"جب حضرت علی اور امیر معاویہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے درمیان جنگ اپنے عروج پہ تھی میں اس وقت چاق و چوبند تھا، جنگی کاروائیوں میں حصہ لینا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوا، میدان میں آیا دیکھا کہ دونوں طرف سے نعرۂ تکبیر کی آوازیں گونج رہی ہیں، شور و غل اور چیخ و پکار کا عالم یہ ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی۔ میرے دل میں آیا کہ اب کیا کروں؟ کس کے خلاف لڑوں؟ کس پر ہتھیار سے وار کروں؟ دونوں طرف اپنے ہی بھائی ہیں۔ اپنے ہی پیارے ہیں، مسلمان ہیں، مؤمن ہیں یہ خیال آتے ہی واپس گھر لوٹ آیا۔"

آپ کا صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ہاں مقام و مرتبہ

حضرت ابوالعالیہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کو زندگی بھر اس بات کا افسوس ہی رہا کہ انہیں رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت اور ملاقات کا شرف حاصل نہ ہوسکا۔ اس کی تلافی کے لیے ان کی کوشش یہ رہتی کہ ان صحابہ کرام

رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ کی خدمت میں حاضری دی جائے جنہیں رسولِ اقدس صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ حضرت ابو العالیہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی انہیں ترجیح دیتے اور ان سے محبت کرتے۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ بھی ان کے ساتھ ترجیحی سلوک کرتے اور محبت سے پیش آتے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا کو جب حضرت علی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے بصرہ کا گورنر بنایا تو یہ حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کے پاس گئے، انہوں نے انہیں والہانہ انداز میں خوش آمدید کہا اور اپنی دائیں طرف تخت پر بٹھایا۔ اس وقت مجلس میں قریشی سردار بھی موجود تھے۔ وہ ایک دوسرے کی طرف ترچھی آنکھوں سے دیکھنے لگے، آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:

''دیکھا عبداللہ بن عباس نے اس غلام کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا ہے جب کہ ہم نیچے عام لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہیں۔''

جب حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا نے انہیں آپس میں اشارے کرتے اور باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ آپس میں کیا باتیں کر رہے ہیں چناں چہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''إِنَّ الْعِلْمَ يَزِيْدُ الشَّرِيفَ شَرَفًا، وَيَرْفَعُ قَدْرَ أَهْلِهٖ بَيْنَ النَّاسِ، وَيُجْلِسُ الْمَمَالِيْكَ عَلَى الْأَسِرَّةِ''

تَرجَمہ: ''علم معزز انسان کی عزت میں اضافہ کرتا ہے اور لوگوں میں اس کا مرتبہ مزید بلند ہو جاتا ہے اور غلاموں کو تخت نشین بنا دیتا ہے۔''

خادمِ رسول عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ سے حضرت ابوالعالیہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی کے بڑے گہرے تعلقات تھے۔

ایک روز حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے انہیں سیب دیا۔ آپ نے ان کے ہاتھ سے سیب لیا اور اسے چومنا شروع کر دیا اور بار بار یہ فرمانے لگے: ''یہ کیسا پیارا سیب ہے جس نے ان ہاتھوں کو چھوا ہے جو ہاتھ رسولِ اقدس صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کے ہاتھوں سے لگے۔''

قرآن مجید سے عشق

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت ابوالعالیہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اللہ کی راہ میں جہاد کا ارادہ کیا، مجاہدین کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہی ہوئے ہی تھے کہ پاؤں میں شدید درد ہونے لگا، آہستہ آہستہ درد میں اضافہ

ہونے لگا، طبیب کو بلایا گیا، انہوں نے جائزہ لیتے ہوئے کہا:

''انہیں ایک ایسی بیماری لگ چکی ہے جو اندر سے گوشت کو ختم کیے جا رہی ہے۔ اندیشہ ہے کہ اگر اس کو یہیں قابو نہ کیا گیا تو پورے جسم میں پھیل جائے گی۔ بہتر ہے کہ ٹانگ کاٹ دی جائے تاکہ بیماری آگے نہ پھیلے۔''

حضرت ابوالعالیہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مجبوراً ٹانگ کاٹنے کی اجازت دے دی۔

طبیب نے چمڑا کاٹنے اور ہڈی چیرنے یعنی آپریشن کے آلات منگوا لیے اور کہا:

''جناب اگر آپ چاہیں تو کوئی نشہ آور دوائی پلا دیں تاکہ آپ کو زیادہ تکلیف محسوس نہ ہو؟''

آپ نے فرمایا:

''اگر میں اس سے بہتر طریقہ آپ کو بتاؤں تو؟''

طبیب نے پوچھا وہ کیا؟

آپ نے فرمایا:

کسی ایسے قاری صاحب کو بلاؤ جو بہت عمدہ انداز میں قرآن حکیم کی تلاوت کرتے ہوں۔ وہ میرے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا شروع کر دیں، جب تم دیکھو کہ میرا چہرہ سرخ ہو چکا ہے، آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ چکی ہیں، پلکوں نے جھپکنا چھوڑ دیا ہے تو پھر تم اپنا کام شروع کر دینا۔ جس طرح چاہو ٹانگ کاٹ دینا۔

طبیب نے ایسے ہی کیا۔ جب تلاوت سنتے سنتے ان پر وہ کیفیت طاری ہوگئی تو طبیب نے ٹانگ کاٹ دی، جب ہوش آیا تو طبیب نے پوچھا:

''آپ کو ٹانگ کاٹتے وقت تکلیف نہیں ہوئی؟''

فرمانے لگے: ''اللہ کی محبت کی ٹھنڈک میری رگ رگ میں پہنچ چکی تھی۔ جس کی وجہ سے مجھے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ ہڈی کاٹنے والی آری کی حرارت کو کتاب اللہ کی لذت اور مٹھاس نے ختم کر دیا تھا۔''

پھر انہوں نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ کو پکڑا اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگے:

''إِذَا لَقِيْتُ رَبِّيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَسَأَلَنِيْ: هَلْ مَشَيْتُ بِكِ مُنْذُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً إِلٰى مُحَرَّمٍ؟......

أَوْ مَسَسْتُ بِكِ غَيْرَ مُبَاحٍ؟......''

تَرْجَمَۃ: ''قیامت کے روز جب میں اپنے رب سے ملوں گا میرا رب مجھ سے پوچھے گا: کیا میں چالیس سال کے عرصے میں تیرے ساتھ کسی حرام کام کی طرف چل کر گیا؟''

"لَأَقُوْلَنَّ: لَا
وَأَنَا صَادِقٌ فِيْمَا أَقُوْلُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ"

تَرْجَمَۃ: "میں یہ جواب دوں گا کہ بالکل نہیں! اور اللہ کے فضل وکرم سے میں اپنی اس بات میں سچا ہوں گا۔"

وفات

حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ، خوفِ خدا، آخرت کی تیاری، اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق کا یہ عالم ہوگیا کہ انہوں نے اپنے لیے کفن تیار کروایا۔ ہر مہینے وہ ایک دن کفن پہنتے پھر اسے اتار کر کے رکھ دیتے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں تن درستی کی حالت میں تقریباً سترہ مرتبہ وصیت لکھی، اور وصیت لکھتے وقت اپنی زندگی کے آخری لمحات کا تذکرہ بھی کر دیتے، جب اپنی طرف مقرر کردہ وقت آتا تو وصیت نامہ دیکھتے۔ اس میں چند ایک تبدیلیاں کر دیتے یا اسے بالکل بدل دیتے۔ گناہوں اور دنیاوی گندگیوں سے پاک اپنے رب کی رحمت کے امیدوار، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا شوق دل میں بسائے ہوئے ماہ شوال سن ۹۳ ہجری کو وہ اپنے رب سے جا ملے "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ."

مُذاکرہ

سُؤال: کیا آپ کو پتہ ہے حضرت رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ ایک غلام تھے ان کی آقا نے انہیں آزاد کرتے وقت کیا دعا کی تھی؟

سُؤال: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے رؤساءِ قریش کے کھسر پھسر کے وقت کیا جواب دیا تھا؟

سُؤال: حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کون سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے براہ راست احادیث کی سماعت کی؟

سُؤال: قرآن کریم حفظ کرنے کا کون سا طریقہ حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ تعالیٰ بچوں کو بتاتے تھے؟

سُؤال: ان کی ٹانگ کاٹنے کا کیا عجیب واقعہ ہے بتائیے؟

حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

قبیلہ بن تمیم کے سردار

"إِنَّ الْأَحْنَفَ بْنَ قَيْسٍ بَلَغَ الشَّرَفِ وَالسُّؤْدَدِ مَا لَا تَنْفَعُهُ الْوَلَايَةُ وَلَا يَضُرُّهُ الْعَزْلُ" (زیاد ابن ابیہ)

تَرْجَمَہ: "احنف بن قیس عزت، شرف اور سرداری کے اس بلند و بالا مقام پر فائز ہیں کہ انہیں نہ اقتدار کوئی فائدہ دیتا ہے اور نہ ہی گوشہ نشینی کوئی نقصان پہنچاتی ہے۔"

حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے سامنے جرأت مندانہ گفتگو

دمشق میں موسم بہار اپنے پورے عروج پر تھا، سرسبز و شاداب گھنے باغات کے درخت لہلہا رہے تھے۔ تر و تازہ پھولوں سے فضا مہک رہی تھی، حضرت امیر المؤمنین معاویہ بن ابوسفیان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا کے شاہی محل میں آنے والے مہمانوں کے استقبال کی تیاریاں ہو رہی تھیں، دربار سجا دیا گیا، حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی بہن اُمّ حکم پردے کے پیچھے کھڑی ہوگئیں تاکہ مجلس میں بیان ہونے والی احادیثِ رسول کو سن سکیں اور اہلِ مجلس کی آپس کی گفتگو سن سکیں۔

یہ چوں کہ بڑی دانش مند، بلند ہمت اور تیز فہم خاتون تھیں۔ انہیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ان کے بھائی لوگوں کو دربار میں ان کے مرتبہ کے مطابق حکم دیں گے۔ سب سے پہلے صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ، پھر تابعین رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اور ان کے بعد درجہ بدرجہ اہلِ علم اور اہلِ حسب و نسب افراد کو بٹھایا جائے گا۔

لیکن اُمّ حکم نے دیکھا کہ ان کے بھائی سب سے پہلے ایک ایسے شخص کا استقبال کر رہے ہیں جو بظاہر معمولی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اُمّ حکم نے سنا کہ ان کے بھائی مہمان سے کہہ رہے ہیں کہ جنگِ صفین میں ایک مرتبہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ علی بن ابی طالب (رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ) کی صفوں میں شامل ہیں یہ منظر میرے لیے ناگوار ثابت ہوا۔ بھائی کی بات سنتے ہی مہمان نے کہا:

"اللہ کی قسم اے معاویہ! وہ دل جس میں آپ کے خلاف نفرت کے اثرات تھے وہ آج بھی ہمارے سینوں میں دھڑک رہے ہیں۔ وہ تلواریں جو ہم نے آپ کے خلاف لہرائی تھیں آج بھی ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ اگر آپ لڑائی کی طرف ایک انچ بڑھو گے تو ہم ایک بالشت بڑھیں گے، اگر آپ لڑائی کی طرف چلو گے تو

ہم اس کی طرف دوڑیں گے۔

اللہ کی قسم! ہم آج آپ سے کوئی عطیہ یا تحائف وصول کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور نہ ہی ہمارے دلوں میں آپ کے ظلم وستم کا کوئی ذرہ برابر خوف ہے۔

ہم تو صرف اتحاد و اتفاق اور آپس میں بھائی چارے کی فضا پیدا کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔"

یہ کڑوی کسیلی باتیں بہت سخت لہجے میں انہوں نے کیں اور غصہ کی حالت میں ہونٹوں کو ہلاتے ہوئے دربار سے باہر نکل گئے۔

یہ منظر دیکھ کر اُمّ حکم سے نہ رہا گیا، انہوں نے تھوڑا سا پردہ ہٹایا تا کہ اس شخص کو دیکھ سکیں جو امیر المؤمنین کے سامنے اینٹ کا جواب پتھر سے دے رہے ہیں اور ایک کی دو سنا رہے ہیں۔

کیا دیکھتی ہیں کہ ایک چھوٹے قد، کمزور جسم، چھوٹے سر، ٹیڑھی ٹھوڑی، دھنسی ہوئی آنکھیں اندر کی طرف مڑے ہوئے پاؤں والے ایک ایسے شخص جن کے جسم کے ہر ایک جوڑ میں کوئی نہ کوئی ظاہری عیب ضرور ہے۔ اُمّ حکم نے اپنے بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: "امیر المؤمنین! یہ کون ہیں جو خلیفہ کو ان کے گھر ڈانٹ پلا رہے ہیں اور جلی کٹی سنا رہے ہیں؟"

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ٹھنڈی آہ بھری اور فرمایا:

"یہ وہ شخص ہیں کہ جب یہ غضبناک ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بنو تمیم کے ایک لاکھ افراد بغیر سوچے سمجھے غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں، انہیں یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ یہ شخص ناراض کیوں ہوئے ہیں؟

یہ بنو تمیم کے سردار احنف بن قیس ہیں۔ یہ سرزمین عرب کے معزز شخص اور پے در پے فتوحات حاصل کرنے والے جری بہادر ہیں۔"

آیئے حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ کی داستان زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔

ہجرت سے تین سال پہلے قیس بن معاویہ سعدی کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام ضحاک رکھا گیا۔ ان کے دونوں پاؤں اندر کی جانب ٹیڑھے تھے جس کی وجہ سے لوگ انہیں احنف کے نام سے پکارنے لگے، رفتہ رفتہ یہ لقب ان کے اصلی نام پر غالب آ گیا۔

حضرت احنف کے والد حضرت قیس اپنی قوم بنو تمیم میں کسی اعلیٰ رتبے پر فائز نہیں تھے بل کہ یہ متوسط درجے کے ایک باوقار شخص تھے، حضرت احنف رحمہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش نجد کے مغربی جانب ایک بستی میں ہوئی۔ ابھی یہ چلنے کے قابل بھی نہیں ہوئے تھے۔ کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔

نوجوانی میں ہی ان کے دل کو اسلام کی روشنیوں نے منور کردیا۔

آپ کا قوم کے سامنے جرأت مندانہ مظاہرہ

رسول اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اپنی وفات سے چند سال پہلے اپنے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ میں سے ایک مبلغ کو حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی قوم کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرنے کے لیے بھیجا۔

اس مبلغ نے قوم کو ایمان قبول کرنے کی دعوت دی اور اس کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کیں۔ قوم خاموش تماشائی بنی رہی اور حاضرین ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بھی وہاں موجود تھے انہوں نے جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:

"يَا قَوْمُ مَالِيَ أَرَاكُمْ مُتَرَدِّدِيْنَ تُقَدِّمُوْنَ رِجْلاً وَتُؤَخِّرُوْنَ رِجْلاً؟!......"

تَرْجَمَہ: "اے میری قوم! میں تمہیں کیسے شک و شبہے میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ایک قدم آگے بڑھاتے ہو اور دوسرے ہی قدم پیچھے ہٹتے نظر آتے ہو۔"

"وَاللّٰهِ إِنَّ هٰذَا الْوَافِدَ عَلَيْكُمْ لَوَافِدُ خَيْرٍ......

وَ إِنَّهُ يَدْعُوْكُمْ إِلٰى مَكَارِمِ الْأَخْلَاقِ، وَيَنْهَاكُمْ عَنْ مَلَائِمِهَا ......"

تَرْجَمَہ: "اللہ کی قسم! یہ تمہارے پاس آنے والے خیر و برکت کا پیغام لے کر آئے ہیں۔ تمہیں اچھے اخلاق اپنانے کی تلقین کرتے ہیں اور ناجائز کاموں سے روکتے ہیں۔"

"وَوَاللّٰهِ مَا سَمِعْنَا مِنْهُ إِلَّا حُسْنًا......"

تَرْجَمَہ: "اور اللہ کی قسم! آج تک ہم نے ان کی زبان سے خیر کے کلمات ہی سنے ہیں۔"

"فَأَجِيْبُوْا دَاعِيَ الْهُدٰى، تَفُوْزُوْا بِخَيْرِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ"

تَرْجَمَہ: "ہدایت کے مبلغ کی بات مانو! دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل کرلو گے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد وہ سب لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد بنوتمیم کے بزرگ رسول اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ گئے لیکن حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نوعمری کی وجہ سے اس مبارک وفد میں شامل نہ ہوسکے، اس طرح آپ کو رسول اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے صحابی ہونے کا شرف تو حاصل نہ ہوسکا البتہ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی خوش نودی، رضا اور دعا کی سعادت حاصل کرنے سے محروم نہ رہے۔

خوش خبری

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک روز بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ ایک شخص جن کے ساتھ میری پہلے ... ن پہچان تھی۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا:

''کیا میں آج آپ کو خوش خبری نہ سناؤں؟''

میں نے کہا: ''کیوں نہیں، سناؤ!''

انہوں نے فرمایا: ''آپ کو یاد ہے کہ جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا میں قوم کو اللہ تعالیٰ کا دین قبول کرنے کی دعوت دینے لگا، تو سارے لوگ شک وشبہے میں پڑ گئے۔

کیا آپ کو یاد ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے کیا باتیں کیں تھیں؟

میں نے کہا: ''ہاں! مجھے سب یاد ہیں۔''

انہوں نے کہا: ''میں نے واپس جا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کا تذکرہ کیا اور آپ کی سب باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر ارشاد فرمایا:

''(اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْأَحْنَفِ)''

تَرجَمہ: ''اے اللہ! احنف بن قیس کو بخش دے۔''

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں:

''قیامت کے دن بخشش کی امید سب اعمال سے زیادہ مجھے اس دعا کی بنا پر ہوگی جو رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے فرمائی تھی۔ بلاشبہ یہ میرے لیے دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔''

اسلام پر پختہ یقین

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کو پیارے ہوگئے اور مسیلمہ کذاب جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرتے ہوئے مقابلہ کے لیے میدان میں آ گیا۔ کچھ لوگ اس سے متاثر ہوکر مرتد بھی ہوگئے۔ ایک روز حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے چچا مُتَشَمِّس کے ہم راہ مسیلمہ سے ملاقات کرنے کے لیے گئے، حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ اس وقت جوان تھے۔ حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ خود بیان کرتے ہیں: ''جب ہم

دونوں ملاقات کرنے کے بعد اس کے گھر سے نکلے تو چچا نے مجھ سے پوچھا: ''احنف! اس شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟۔''

میں نے بروقت جواب دیا: ''جھوٹا مکار چال باز، دھوکہ باز، اللہ تعالیٰ اور عام لوگوں کا مجرم ہے مجھے یہ شیطان کا چیلہ اور بہت برا شخص دکھائی دیا۔''

یہ تلخ تبصرہ سن کر چچا نے مسکراتے ہوئے کہا: ''اگر میں مسیلمہ کو تمہاری یہ باتیں بتادوں کیا تمہارے دل میں کوئی کھٹکا محسوس نہیں ہوگا؟۔''

احنف نے کہا: ''بتاؤ! بتاؤ! میں بھی اس کے سامنے آپ کو قسم دے کر پوچھوں گا کہ کیا آپ بھی مسیلمہ کذاب کے بارے میں وہی خیالات نہیں رکھتے جو خیالات میرے ہیں۔''

اس طرح چچا اور بھتیجا اسلام پر پختہ یقین رکھتے ہوئے اور مسیلمہ کو مذاق بناتے ہوئے اپنی راہ چل دیئے۔

استاد کی بردباری

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ کا نوعمری میں ہی پکا عزم اور یقین اختیار کر لینے سے شاید آپ حیران ہو جائیں اور آپ کو یہ انداز عجیب وغریب لگے، لیکن آپ کا تعجب اس وقت ختم ہو جائے گا اور حیرانگی جاتی رہے گی، جب آپ بنو تمیم کے ان ابھرتے ہوئے نوجوان کو پہچان لیں گے۔

یہ سمجھ داری، ذہانت، عقل مندی، نظر کی گہرائی اور پاکیزہ فطرت میں، زمانہ میں اکیلے تھے۔ اور بچپن سے اپنی قوم کے بزرگوں کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے، ان کی مجالس میں حاضری دیتے، ان کے اجتماعات میں شریک ہوتے اور اپنی قوم کے حکماء اور دانش وروں کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھا کرتے۔

ایک روز انہوں نے اپنے بارے میں کہا: ''ہم قیس بن عاصم منقری رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں بار بار حاضری دیا کرتے تھے تاکہ ہم ان سے صبر و بردباری کا درس لیں، علماء کی مجلس میں بار بار شریک ہوتے تاکہ ان سے علم حاصل کریں۔''

ان سے دریافت کیا گیا: ''آپ کے استاد کی بردباری کس درجے کی تھی؟''

انہوں نے بتایا:

''میں نے ایک روز انہیں دیکھا، آپ گھر کے صحن میں کسی کام کے لیے تیار بیٹھے اور اپنی قوم کے چند افراد سے گفتگو کر رہے ہیں۔ میں نے سلام کیا اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ ہم نے شور وغل سنا۔ ہم نے

دیکھا کہ آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جس کے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے اور دوسری طرف ایک لاش لا کر رکھ دی گئی، ان کو بتایا گیا کہ یہ آپ کے بھائی کا بیٹا ہے اور یہ جو لاش پڑی ہے یہ آپ کے فلاں بیٹے کی ہے جس کو اس نے قتل کر دیا ہے، ہم اسے پکڑ کر آپ کے پاس لائے ہیں۔

اللہ کی قسم! آپ نے یہ سن کر نہ ہی اپنا پٹکا کھولا اور نہ ہی گفتگو کا سلسلہ ختم کیا۔''

پھر آپ نے قاتل بھتیجے کی طرف دیکھا اور فرمایا:

''میرے بھائی کے بیٹے! تو نے اپنے چچا کے بیٹے کو قتل کر دیا ہے، اپنے ہاتھ سے قطع رحمی کی ہے اور اپنے تیر کا وار اپنے اوپر ہی کر دیا ہے۔''

پھر آپ نے اپنے دوسرے بیٹے سے کہا: ''بیٹے! اپنے چچا زاد بھائی کے ہاتھ کھول دو اور اس کی والدہ کو سو اونٹنیاں دیت کے طور پر پیش کرو! وہ بے چاری مظلوم ہے رنجیدہ ہے، غم زدہ اور پریشان حال ہے۔''

حضرت احنف رحمہ اللہ تعالیٰ کے اساتذہ

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تعلیم حاصل کی ان میں سرفہرست حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ آپ کی مجالس میں یہ حاضر ہوئے آپ کے قیمتی بیانات سنے، آپ کے فیصلوں اور احکامات کو یاد کیا۔ یہ مدرسۂ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذہین و عقل مند اور لائق و قابل شاگرد تھے۔ ان پر اپنے استاد کی گہری نظر تھی۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھا گیا:

''آپ کی طبیعت میں یہ وقار اور حکمت و دانائی کے آثار کیسے پیدا ہوئے؟''

فرمایا: ''ان باتوں سے جو میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانِ مبارک سے سنیں۔''

آپ نے فرمایا:

''مَنْ مَزَحَ اسْتُخِفَّ بِهٖ......''

✧ جس نے مذاق کیا وہ اس کی وجہ سے ذلیل ہوا۔

''وَمَنْ أَكْثَرَ مِنْ شَيْءٍ عُرِفَ بِهٖ......''

✧ جس میں کوئی چیز زیادہ پائی جاتی ہے وہ اسی کے حوالے سے معاشرے میں معروف و مشہور ہو جاتا ہے۔

''وَمَنْ كَثُرَ كَلَامُهٗ كَثُرَ سَقَطُهٗ......''

✧ جو زیادہ بولتا ہے وہ لغزشیں کرتا ہے۔

''وَمَنْ كَثُرَ سَقَطُهٗ قَلَّ حَيَاؤُهٗ ...''

✧ جو زیادہ لغزشیں کرے اس میں حیا کم ہو جاتی ہے۔

"وَمَنْ قَلَّ حَیَاؤُہٗ قَلَّ وَرَعُہٗ......"

✧ جس میں حیا کم ہو جاتی ہے اس میں تقویٰ کم ہو جاتا ہے۔

"وَمَنْ قَلَّ وَرَعُہٗ مَاتَ قَلْبُہٗ......"

✧ اور جس میں تقویٰ کم ہو جائے اس کا دل مر جاتا ہے۔

حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی قوم کے سردار بن گئے حالاں کہ وہ حسب و نسب کے اعتبار سے ان پر فوقیت نہیں رکھتے تھے۔

اور نہ ہی مال و دولت کی وجہ سے ان پر فوقیت رکھتے تھے۔

پوچھنے والوں نے ان سے راز کی بات پوچھی: "اے ابو بحر! قوم کس قسم کے شخص کو اپنا سردار بناتی ہے؟"

فرمایا: "جس میں چار خوبیاں ہوں۔ وہ کسی رکاوٹ کے بغیر اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔"

آپ سے دریافت کیا گیا۔ "وہ خوبیاں کون سی ہیں؟"

فرمایا:

"مَنْ كَانَ لَہٗ دِیْنٌ یَحْجُزُہٗ......
وَحَسَبٌ یَصُوْنُہٗ......
وَعَقْلٌ یُرْشِدُہٗ......
وَحَیَاءٌ یَمْنَعُہٗ......"

❶ "جس کا دین قدم قدم پر اسے روکتا ٹوکتا ہو۔

❷ جس کا حسب و نسب اس کی حفاظت کرتا ہو۔

❸ جس کی عقل و دانش اس کی راہ نمائی کرتی ہو۔

❹ جس کی حیا اسے برے کاموں سے روکتی ہو۔"

حضرت احنف کا حلم و بردباری

حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا شمار عرب کے ان معروف و مشہور بردبار لوگوں کی فہرست میں ہو گیا جن کا تذکرہ ضرب المثل کے طور پر کیا جاتا تھا۔

ان کی بردباری کا واقعہ بھی سن لیں۔

ایک مرتبہ عمرو بن اہتم نے کسی شخص کو اس بات پر ابھارا کہ وہ انہیں گالیاں دے جس سے ان کی ہوائیاں اڑ جائیں۔ لیکن حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ گالیاں سن کر بالکل خاموش رہے۔ جب گالی دینے والے نے دیکھا کہ یہ شخص خاموش ہیں اور کوئی جواب ہی نہیں دے رہے تو وہ انگوٹھا منہ میں لے کر اسے کاٹنے لگا اور کہنے لگا۔

''ہائے افسوس، اللہ کی قسم! انہوں نے مجھے کوئی جواب اس لیے نہیں دیا کہ ان کے نزدیک تو ایک تنکے کے برابر بھی میری حیثیت نہیں۔ ہائے میں نے یہ کیا کیا؟''

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ بصرہ شہر کے باہر اکیلے چلے جا رہے تھے ایک شخص اچانک ان کے سامنے آیا، اس نے لگاتار گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ اور جلی کٹی سنانے لگا۔ آپ گالیاں سن کر بے مزا ہونے کی بجائے خاموشی سے نگاہیں جھکائے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

جب یہ دونوں، لوگوں کے کچھ قریب پہنچے تو اچانک اس شخص کی طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے: ''جو گالیاں باقی رہتی ہیں وہ بھی دے دو! جو طعنے تم دینا چاہتے ہو دے دو! ابھی موقع ہے پیارے ورنہ اگر ذرا آگے بڑھے اور میری قوم نے تمہاری یہ گالیاں سن لیں تو لوگ تمہاری چمڑی ادھیڑ دیں گے۔''

عبادت میں مشغولیت

حلم و بردباری کے علاوہ حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ عبادت گزار، کثرت سے روزے رکھنے والے، رات کو لمبا قیام کرنے والے اور لوگوں سے بے نیازی کا مظاہرہ کرنے والے تھے۔

جب رات اپنی تاریکی ہر طرف پھیلا دیتی تو اپنا چراغ روشن کرتے اور اپنے قریب رکھ کر محراب میں کھڑے ہو کر نماز شروع کر دیتے۔ یہ بیمار کی طرح آہیں بھرتے اور یہ عمل محض اللہ کے عذاب کے ڈر اور اس کی ناراضگی کے خوف کی وجہ سے ہوتا۔

جب انہیں محسوس ہوتا کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا ہے یا کوئی ان کا عیب ظاہر ہو گیا ہے تو اپنی انگلی چراغ کی لو کے قریب کرتے اور اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہتے:

''حَسِّ یَا أُحَنَفُ......

مَا حَمَلَكَ عَلٰی أَنْ فَعَلْتَ كَذَا یَوْمَ كَذَا؟''

تَرجَمَہ: ''احنف! ذرا تو اس آگ کی شدت اور گرمی کو محسوس تو کر۔ تو نے اس جرم کا آخر ارتکاب کیوں کیا؟''

"وَيْحَكَ يَا أَحْنَفُ إِذَا كُنْتَ لَا تُطِيقُ الْيَوْمَ لَهَبَ الْمِصْبَاحِ، وَلَا تَصْبِرُ عَلٰى حَرِّهٖ:
فَكَيْفَ تُطِيقُ غَدًا لَهَبَ جَهَنَّمَ، وَتَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُ؟!......"

تَرجَمَہ: "احنف! تجھ پر افسوس ہے اگر تو چراغ کے اس چھوٹے سے شعلے کی گرمی برداشت نہیں کرسکتا، اس کی حرارت کو صبر و تحمل سے سہہ نہیں سکتا تو قیامت کے دن جہنم کے شعلوں کو کیسے برداشت کر سکے گا؟"

"اے اللہ! اگر تو مجھے بخش دے تو تیرا یہ کرم ہے اور اگر تو مجھے عذاب میں مبتلا کر دے تو واقعی میں اس سزا کا مستحق ہوں۔"

اللہ تعالیٰ حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے راضی ہوگیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی راضی کر دیا۔ وہ بلاشبہ زمانے کی بہار تھے اور لوگوں میں نایاب ہیرا تھے۔

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ

(فاروقی شاگردی کے دوران)

"إِنَّ هٰذَا الْغُلَامَ وَاللّٰهِ هُوَ السَّيِّدُ وَ إِنَّهُ سَيِّدُ أَهْلِ الْبَصْرَةِ" (عمر بن الخطاب)
ترجمہ: "اللہ کی قسم! یہ لڑکا اہلِ بصرہ کا سردار دکھائی دیتا ہے۔"

آپ کی حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے عمدہ گفتگو

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا ابتدائی دور ہے۔ بنوتمیم کے بہادر اور تجربہ کار جنگ جو تیز رفتار گھوڑوں پر بیٹھے، تیز اور چمکیلی تلواریں کندھوں پر لٹکائے ہوئے علاقہ احساء اور نجد میں واقع بصرہ چھاؤنی کی جانب کوچ کرنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔

وہاں عظیم جرنیل حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط ملا، جس میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے لشکر سے دس ایسے نیک دل، صاحبِ تدبیر، بہادر اور جنگی آزمائش میں پورے اترنے والے مجاہد منتخب کر کے میرے پاس بھیجیں تاکہ میں ان سے لشکر کے حالات معلوم کر سکوں اور ان سے تسلی بخش مشورہ لے سکوں۔

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دس عمدہ، بہتر اور قابلِ رشک افراد منتخب کیے اور انہیں مدینہ منورہ امیر المؤمنین کی خدمت میں روانہ کر دیا جن میں حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ بھی شامل تھے۔

وفد امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کو خوش آمدید کہا، اپنے پاس بٹھایا اور ان کی اور لوگوں کی ضروریات کے بارے میں دریافت کیا۔ وفد کے ارکان کہنے لگے:

"امیر المؤمنین! جہاں تک عام لوگوں کا تعلق ہے آپ ان کے سربراہ ہیں ہم تو اپنے بارے میں آپ سے بات کریں گے۔"

پھر اس کے بعد ہر ایک نے اپنے مطالبات امیر المؤمنین کی خدمت میں پیش کیے۔

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب سے آخر میں بات کی کیوں کہ وہ سب سے کم عمر تھے۔

انہوں نے اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

''امیر المؤمنین! جس لشکرِ اسلام نے مصر پر چڑھائی کی وہ وہاں کی سرسبز وشاداب زمین اور فرعون کے عالی شان بنگلوں پر قابض ہوگیا۔

اور جو لوگ سرزمین شام میں داخل ہوئے وہ عیش وعشرت کے ساتھ روم کے بادشاہوں کے محلات میں زندگی بسر کرنے لگے۔

اور جن لوگوں نے ایران کا رخ کیا وہ میٹھے پانی کے دریاؤں، سرسبز وشاداب باغات اور ایران کے بادشاہوں کے عالی شان محلات سے لطف اندوز ہونے لگے۔

لیکن ہماری قوم جس نے بصرہ میں پڑاؤ ڈالا، انہوں نے سیم تھور کی ماری ہوئی زمین پر ڈیرے ڈالے۔ نہ کبھی وہاں کی مٹی خشک ہوتی ہے اور نہ ہی وہاں کبھی کوئی سبزا اگتا ہے۔ اس کے ایک طرف نمکین سمندر ٹھاٹیں مارتا ہے اور دوسری طرف بے رونق صحرا کا ایک طویل سلسلہ ہے۔

امیر المؤمنین! آپ کی خدمت میں میری یہ مؤدبانہ گزارش ہے کہ ان لوگوں کے نقصان کی تلافی کی جائے، ان کی زندگی خوش گوار بنائی جائے۔

بصرہ کے گورنر کو آپ یہ حکم دیں کہ وہ ان کے لیے ایک نہر کھودیں جس کے میٹھے پانی سے یہ لوگ فائدہ اٹھائیں۔ اپنے جانوروں کو پانی پلائیں اور اس سے کھیتی باڑی بھی کریں جس سے ان کے حالات ٹھیک ہوجائیں گے۔ وہاں رہنے والے تمام خاندانوں کی حالت سنور جائے گی۔ اس طرح اشیاء کی قیمتیں بھی کم ہوجائیں گی۔ اس سے انہیں جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری میں مدد ملے گی۔''

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس نوجوان کو رشک بھری نگاہ سے دیکھتے ہوئے وفد سے فرمایا: ''کیا تم نے بھی ایسی عمدہ گفتگو کی؟ اللہ کی قسم! یہ قوم کے سردار دکھائی دیتے ہیں۔''

پھر امیر المؤمنین نے وفد کے ارکان کو تحائف سے نوازا اور جب حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تعالیٰ کو تحائف پیش کیے گئے تو انہوں نے بڑے ادب واحترام سے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! ہم اس بے رونق صحرا کو پار کرکے آپ کے پاس انعامات اور تحائف وصول کرنے کے لیے حاضر نہیں ہوئے، مجھے ان تحائف سے کوئی دل چسپی نہیں۔ مجھے تو صرف اپنی قوم کی پریشان حالی کی فکر ہے۔

اگر آپ ان کی مشکل حل کردیں تو بس یہی کافی ہے، میرے لیے یہی سب سے بڑا تحفہ ہے۔ یہ بات سن کر امیر المؤمنین کو اور زیادہ تعجب ہوا۔''

فرمایا: "یہ نوجوان اہلِ بصرہ کا سردار دکھائی دیتے ہیں۔"

جب مجلس ختم ہوئی، وفد کے ارکان اپنی اپنی سواریوں کی جانب جانے کے لیے تیار ہوئے تاکہ وہاں رات بسر کریں۔ امیر المؤمنین نے تمام افراد کے تھیلوں کا بغور جائزہ لیا۔ آپ نے ایک تھیلا دیکھا کہ جس میں بہت عمدہ کپڑا رکھا ہوا ہے اور اس کا ایک کونہ تھیلے سے باہر لٹکا ہوا ہے آپ نے پوچھا:

"یہ کس کا ہے؟"

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: "امیر المؤمنین یہ میرا ہے۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: "یہ کتنے میں خریدا ہے؟"

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: "آٹھ درہم میں۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر بڑے ہی نرم لہجے میں ارشاد فرمایا:

"هَلاَّ اكْتَفَيْتَ بِوَاحِدٍ، وَوَضَعْتَ فَضْلَةَ مَالِكَ فِيْ مَوْضِعٍ تُعِينُ بِهِ مُسْلِمًا؟"

ترجمہ: "کیا آپ کے لیے ایک چادر کافی نہ تھی۔ اور یہ دوسری چادر خریدنے میں جو رقم آپ نے خرچ کی کیا اس سے اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مدد نہیں کر سکتے تھے؟"

پھر فرمایا:

"خُذُوْا مِنْ أَمْوَالِكُمْ مَا يُصْلِحُ شَأْنَكُمْ ......"

ترجمہ: "اپنے مال میں سے اتنا خرچ کیا کرو جتنا آپ کے لیے بہتر ہو۔"

"وَضَعُوا الْفُضُوْلَ فِيْ مَوَاضِعِهَا: تُرِيْحُوْا أَنْفُسَكُمْ وَتَرْبَحُوْا......"

ترجمہ: "زائد مال کو مناسب جگہ پر خرچ کیا کرو۔ اس سے خوش حالی آئے گی۔ اور آپ کی اجتماعی زندگی میں بہار آ جائے گی۔"

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ نصیحت آموز باتیں سن کر نگاہیں جھکالیں اور کوئی بات نہ کی۔

حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ کو ایک سال کے لیے روک لینا

امیر المؤمنین نے وفد کو واپس بصرہ روانہ ہونے کا حکم صادر فرمایا لیکن حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ کو ایک سال کے لیے اپنے پاس روک لیا۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھ گئے تھے کہ تمیمی نوجوان میں بہت زیادہ ذہانت،

بہترین اندازِ بیان، بلند ہمتی اور قدرتی صلاحیتیں موجود ہیں۔ آپ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے دل میں یہ رغبت پیدا ہوئی کہ اس نوجوان کی تربیت ان کی نگرانی میں ہو، یہ جلیل القدر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمْ سے تربیت حاصل کریں، ان کی صحبت میں دین کا علم حاصل کریں۔

امیر المؤمنین یہ چاہتے تھے کہ اس نوجوان کو حکومتی اختیارات دینے سے پہلے خوب اچھی طرح تیار کرلیا جائے۔

حضرت فاروقِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ مسلم معاشرے کے ذہین اور صاف بولنے والے افراد کے بارے میں اپنے دل میں زیادہ اندیشہ محسوس کیا کرتے تھے۔

آپ فرمایا کرتے تھے:

"وَ اِذَا فَسَدُوْا كَانَ ذَكَاؤُهُمْ وَبَالاً عَلَى النَّاسِ"

تَرجَمَہ: "جب ان میں فساد پیدا ہوجاتا ہے تو ان کی ذہانت لوگوں کے لیے وبال بن جاتی ہے۔"

جب ایک سال مکمل ہوگیا تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے فرمایا:

میں نے مختلف طریقوں سے آپ کو اچھی طرح آزمایا! مجھے آپ میں خیر و بھلائی ہی دیکھائی دی۔ میں نے آپ کے ظاہر کو اچھا دیکھا اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کا باطن بھی ظاہر کی طرح ہوجائے۔ پھر انہیں جنگ میں شمولیت کے لیے ایران روانہ کیا اور کمانڈر حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے نام خط دیا جس میں یہ تحریر تھا۔

احنف بن قیس کو اپنے قریب رکھنا ان سے مشورہ لیتے رہنا اور ان کی باتوں کو غور سے سننا۔

حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فارس پہنچ کر جہاد میں شریک ہوگئے۔ جرأت و بہادری کی مثالیں قائم کیں، دن بدن ان کا نیزہ بلند ہونے لگا اور چمکنے لگا۔ انہوں نے اپنی قوم بنوتمیم کے ساتھ مل کر دشمن کا بھرپور مقابلہ کیا۔ ان کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے تستر شہر فتح کروادیا جو ایرانی بادشاہ کی حکومت کا قیمتی موتی سمجھا جاتا تھا اور ہرمزان گرفتار ہوا۔

ہرمزان کی گرفتاری اور قبولِ اسلام

ہرمزان ایرانی فوج کا ایک بہادر، نڈر اور تجربہ کار کمانڈر تھا اور یہ غیرت وحمیت میں دوسرے کمانڈروں سے بڑھ کر طاقت ور، عزمِ راسخ (پکے ارادے) میں سب سے بڑھ کر تیز اور جنگی تدبیروں میں سب سے زیادہ

ہوشیار تھا۔

لشکرِ اسلام کی کام یابیوں نے اکثر و بیشتر اسے صلح پر مجبور کیا، لیکن جب اسے اپنی کام یابی کا معمولی سا احساس بھی ہوتا تو یہ صلح کا معاہدہ فوراً توڑ دیتا۔

جب لشکرِ اسلام نے تستر شہر کو گھیرے میں لے لیا، ہرمزان ایک محفوظ قلعے میں داخل ہو کر کہنے لگا:

"میرے پاس سو تیر ہیں جب تک یہ تیر میرے ہاتھ میں ہیں تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ تم جانتے ہو کہ میں ایک تجربہ کار تیرانداز ہوں، میرا نشانہ کبھی غلط نہیں جاتا، تم مجھے اس وقت تک گرفتار کرنے میں کام یاب نہیں ہوسکتے جب تک میں تمہارے سو آدمی زخمی یا موت کے گھاٹ نہ اتار دوں۔"

مجاہدین نے اس کی باتیں سن کر کہا:

"تم چاہتے کیا ہو؟"

اس نے کہا: "میں تمہارے خلیفہ عمر بن خطاب کے حکم کے مطابق عمل کرنے کے لیے تیار ہوں وہ جو بھی میرے ساتھ سلوک کرنا چاہیں مجھے منظور ہے۔"

مجاہدین نے کہا: "ٹھیک ہے تمہارا مطالبہ ہمیں منظور ہے۔"

یہ سن کر ہرمزان نے تیروں بھری ترکش زمین پر پھینک دی اور گردن جھکائے قلعے سے نیچے اتر آیا، مجاہدین نے اسے گرفتار کرلیا اور اسے چند بہادروں کی نگرانی میں مدینے روانہ کردیا جن کے سربراہ خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ مقرر کیے گئے۔

مجاہدین کا وفد ہرمزان کو لیے امیر المؤمنین کو فتح کی خوش خبری سنانے مدینے کی جانب روانہ ہوا۔

بیت المال میں جمع کرانے کے لیے ان کے پاس مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ بھی تھا۔

جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو ہرمزان کو اس کی اصلی ہیئت (صورت) میں تیار کیا۔

اسے قیمتی ریشم کے کپڑے پہنا دیئے گئے جن پر سونے کے دھاگوں سے گل کاری کی گئی تھی۔ اس کے سر پر ایک ایسا تاج رکھ دیا گیا جس پر موتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، کندھے پر ایک ایسی قیمتی اور خوب صورت چھڑی لٹکا دی گئی جس پر موتی، یاقوت، ہیرے، اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

جب یہ وفد اسے لے کر مدینہ میں داخل ہوا تو بچے اور بوڑھے جمع ہوگئے۔ اور وہ سب قیدی کا لباس دیکھ کر حیران ہوگئے۔

وفد کے افراد ہرمزان کو لے کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر گئے، آپ وہاں موجود نہ تھے۔ آپ کے بارے میں پوچھا تو انہیں یہ بتایا گیا کہ دوسرے وفد کو ملنے کے لیے مسجد تشریف لے گئے ہیں۔

یہ مسجد کی طرف گئے۔ دیکھا کہ آپ وہاں بھی موجود نہیں، امیر المؤمنین کی تلاش میں جتنی دیر ہو رہی تھی لوگوں کا جمگھٹا بڑھ رہا تھا۔

ان کی حیرت کی اس وقت کوئی انتہا نہ رہی جب چند کھیلتے ہوئے معصوم بچوں نے ان سے کہا:

''آپ کا کیا حال ہے؟

آپ بڑی پریشانی سے کبھی ادھر کبھی ادھر جا رہے ہیں کیا آپ لوگ کہیں امیر المؤمنین کو تلاش تو نہیں کر رہے؟''

انہوں نے کہا: ''ہاں! ہم ان ہی کو تلاش کر رہے ہیں۔''

بچوں نے بتایا کہ وہ مسجد کی دائیں جانب درخت تلے اپنی چادر رکھے آرام فرما ہیں۔

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کوفہ سے آئے ہوئے وفد کی ملاقات کے لیے گھر سے نکلے آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے چادر اتاری اپنے سر تلے رکھی اور سو گئے۔

وفد ہرمزان کو لے کر مسجد کی دائیں طرف چلا، جب دیکھا کہ ''خلیفۃ المسلمین'' سو رہے ہیں تو خاموشی سے آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے پاس بیٹھ گئے اور اپنے قیدی کو بھی وہاں قریب ہی بٹھالیا۔

ہرمزان عربی نہیں جانتا تھا اس کے خواب و خیال ہی میں نہیں تھا کہ سامنے سونے والے شخص امیر المؤمنین عمر بن خطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ ہیں۔ البتہ اس نے یہ بات سن رکھی تھی کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سادہ زندگی بسر کرتے ہیں، دنیا کی زیب و زینت سے بچتے ہیں۔

لیکن یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ فاتحِ روم اور ایران کے بادشاہ کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دینے والے مسجد کے ایک کونے میں بغیر کوئی حفاظتی اقدامات کئے ہوئے زمین پر ہی آرام کی نیند سو رہے ہوں گے۔

جب اس نے قوم کو خاموش باادب بیٹھے ہوئے دیکھا تو یہ خیال کیا کہ یہ نماز کی تیاری کر رہے ہیں اور خلیفہ کی آمد کے منتظر ہیں۔ حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ دے رہے ہیں اور آپس میں گفتگو کو ختم کرنے کا کہہ رہے ہیں۔ کہ کہیں حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی آنکھ نہ کھل جائے اور آرام میں خلل پیدا نہ ہو، ایک سال ان کی صحبت میں رہتے ہوئے انہیں اس بات کا علم تھا کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ رات کو بہت کم سوتے ہیں۔

رات بھر یا محراب میں کھڑے اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، یا پھر رعایا کے حالات معلوم کرنے بھیس بدل کر مدینے کی گلیوں میں گشت کرتے ہیں، یا مسلمانوں کے گھروں کی چوکیداری کرنے کے لیے چکر

لگاتے ہیں۔

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ کے بار بار منع کرنے اور لوگوں کو بار بار اشارہ کرنے سے ہرمزان کچھ ہوشیار ہوا۔ اس نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا وہ فارسی جانتے تھے۔

''یہ سونے والا شخص کون ہے؟''

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا: ''یہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔''

یہ سن کر ہرمزان دہشت زدہ ہو کر کہنے لگا: ''کیا یہ عمر ہیں؟! ان کا دربان کہاں ہے؟''

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا: ''ان کا کوئی چوکیدار یا دربان نہیں ہے!''

ہرمزان نے کہا: ''ان کو تو نبی ہونا چاہئے۔''

حضرت مغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''یہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نقش قدم پر چلتے ہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔''

لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا آوازیں بلند ہونے لگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیدار ہو گئے، اٹھ کر بیٹھے، لوگوں کی طرف حیران ہو کر دیکھا، ایرانی جرنیل کو دیکھا، سورج کی روشنی میں اس کے سر پر چمکتا دمکتا ہوا تاج دیکھا اور اس کے ہاتھ میں ایسی چھڑی دیکھی جو نگاہوں کو حیران کر رہی تھی۔ اسے غور سے دیکھا اور فرمایا: کیا یہ ہرمزان ہے؟

حضرت احنف بن قیس رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا: جی ہاں امیر المؤمنین! یہ ہرمزان ہی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لباس پر سونے، چاندی موتی، یاقوت اور ریشم کا جڑاؤ دیکھا۔

پھر آپ نے اس سے منہ پھیرتے ہوئے کہا:

''أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ ...... وَأَسْتَعِيْنُ بِهِ عَلَى الدُّنْيَا''

ترجمہ: ''میں جہنم کی آگ سے اللہ کے حضور پناہ مانگتا ہوں اور دنیوی امور میں اللہ کی مدد کا طلب گار ہوں۔''

''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَذَلَّ هٰذَا وَأَشْيَاعَهُ لِلْإِسْلَامِ''

ترجمہ: ''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس (ہرمزان) کو اور اس کے پیروکاروں کو اسلام کے آگے جھکا دیا۔''

پھر فرمایا:

''يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ تَمَسَّكُوْا بِهٰذَا الدِّيْنِ''

تَرْجَمَہ: ''مسلمانو! دین کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔''

''وَاهْتَدُوْا بِهَدْيِ نَبِيِّكُمُ الْكَرِيْمِ''

تَرْجَمَہ: ''اور اپنے نبی کریم کے نقش قدم پر چلتے رہو۔''

''وَلَا تُبْطِرَنَّكُمُ الدُّنْيَا فَإِنَّهَا غَرَّارَةٌ''

تَرْجَمَہ: ''تمہیں دنیا کہیں چیر پھاڑ کے نہ رکھ دے یہ دنیا بڑی دھوکہ باز ہے۔''

جب امیر المؤمنین گفتگو سے فارغ ہوئے تو حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے آپ کو فتح کی خوش خبری سنائی اور اس جنگ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملنے والے مالِ غنیمت کی اطلاع دیتے ہوئے عرض کیا:

''امیر المؤمنین! ہرمزان نے خود گرفتاری پیش کی ہے اور اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آپ جو حکم صادر فرمائیں گے وہ بغیر کسی اگر مگر کے اسے مان لے گا، آپ اس سلسلے میں اس کے ساتھ بات فرمالیں۔''

آپ نے فرمایا:

''جب تک تم اس کا فاخرانہ لباس جس پر سونے چاندی کا جڑاؤ کیا گیا ہے اتار نہیں دیتے میں اس سے بات نہیں کروں گا، یہ تکبر اور فخر کا مظاہرہ مجھے قطعاً پسند نہیں۔''

انہوں نے اس کا سارا زیور اور تاج اتار دیا اور چھڑی اس کے ہاتھ سے لے لی اور کھردرا لباس پہنا دیا۔

پھر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اس کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا:

''ارے ہرمزان! دھوکہ باز، بدعہدی اور بے وفائی کی ہلاکت اور اللہ کے حکم کے انجام کو تم کس انداز میں دیکھتے ہو؟''

ہرمزان نے اپنی شکست مانتے ہوئے کہا:

''اے عمر! ہم اور تم زمانہ جاہلیت میں ایک جیسے تھے، اللہ نہ ہمارے ساتھ تھا اور نہ تمہارے ساتھ، لہٰذا اس دور میں ہم نے تم پر غلبہ پالیا، پھر جب تم نے اسلام قبول کرلیا، اللہ نے تمہارا ساتھ دیا اور تم ہم پر غالب آگئے۔''

یہ بات سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے فرمایا:

''تمہارے ہم پر غالب آنے کی ایک وجہ یہ تھی جو تم نے بیان کی اور ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ اس وقت تمہاری صفوں میں اتحاد تھا اجتماعیت پائی جاتی تھی اور ہم مختلف صفوں میں بٹے ہوئے تھے۔''

پھر ان کی طرف ترش روئی سے دیکھا اور تلخ لہجے میں فرمایا:

''اے ہرمزان! بار بار ہمارے ساتھ بدعہدی اور بے وفائی کا تمہارے پاس کیا جواب ہے؟''

ہرمزان نے کہا: ''اندیشہ ہے کہ آپ مجھے قتل کردیں گے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''ایسی بات نہیں تم محفوظ ہو یہاں تک کہ تم مجھے حقیقت واقعہ سے آگاہ کردو گے۔''

جب ہرمزان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے یہ بات سنی تو کچھ مطمئن ہوا۔

اس نے کہا: ''مجھے پیاس لگی ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا: ''کہ اسے پانی پلاؤ۔''

اس کے لیے پانی ایک گندے پیالے میں لایا گیا۔

اس نے پیالے کو غور سے دیکھا اور کہا:

''میں پیاس سے مرتو سکتا ہوں لیکن اس جیسے برتن میں پانی پینا میرے بس میں نہیں۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا:

''ایسے برتن میں پانی لاؤ جو اسے پسند ہو۔''

جب اس نے برتن کو پکڑا تو اس کا ہاتھ کانپنے لگا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا: ''کیا ہوا؟''

اس نے کہا: ''میں ڈرتا ہوں کہ ابھی پانی کا گھونٹ میرے گلے سے نیچے نہیں اترا ہوگا کہ مجھے قتل کردیا جائے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''لَا بَأْسَ عَلَيْكَ حَتّٰى تَشْرَبَهَا''

تَرجَمَۃ: ''آرام سے پانی پیو، پانی پینے کے دوران تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔''

لیکن اس کے باوجود ہرمزان کے ہاتھ سے برتن نیچے گر گیا اور پانی زمین پر بہہ گیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

''اس کے لیے اور پانی لاؤ، اس کے لیے قتل اور پیاس کو اکٹھا نہ کرو۔''

ہرمزان نے کہا: ''مجھے پانی کی کوئی طلب نہیں رہی۔ میں امان چاہتا ہوں اللہ کے لیے مجھے قتل نہ کیا جائے!''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

''میں تو تمہیں نہیں چھوڑوں گا، میرے نزدیک تمہاری سزا قتل ہے۔''
ہرمزان نے کہا: ''آپ نے تو مجھے امان دے دی ہے؟''
حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:
''تم جھوٹ بولتے ہو۔''
حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: ''امیر المؤمنین! یہ سچ کہتا ہے، آپ اسے امان دے چکے ہیں۔''
حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا:
''اے انس! بڑے افسوس کی بات ہے بھلا میں آپ کے بھائی براء بن مالک کے قاتل کو امان دے سکتا ہوں؟ صد افسوس! یہ ایک جلیل القدر صحابی ''مجزأة بن ثور'' کا بھی قاتل ہے۔''
حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:
''امیر المؤمنین آپ نے ان سے یہ فرمایا تھا کہ جب تک تم میری بات کا جواب نہیں دو گے تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔''
''اور آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب تک تم پانی نہیں پی لیتے تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔''
حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بیان کی تائید کی۔
حاضرین نے بھی اقرار کیا کہ امیر المؤمنین ہرمزان کو امان دے چکے ہیں۔
حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ہرمزان کی طرف غصہ کی حالت میں دیکھا اور فرمایا:
''تم نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ اللہ کی قسم، میں کسی مسلمان کے حق میں دھوکہ کھانا برداشت نہیں کرسکتا۔''
یہ بات سن کر ہرمزان نے اسلام قبول کرلیا۔
حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ان کی تسلی کے لیے دو ہزار درہم عطا کیے۔

درست تجزیہ

ایرانیوں کا بار بار معاہدہ توڑنا، موقع ملتے ہی لشکرِ اسلام پر ان کا پلٹنا جھپٹنا حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے لیے بے قراری اور بے چینی کا باعث بنا ہوا تھا، اس وفد کے ارکان کو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اکٹھا کیا جو ہرمزان کو لے کر آئے تھے۔ ان سے فرمایا:
''کیا مسلمان بھی ذمیوں کو تکلیف دیتے ہیں اور ان سے برا سلوک کرتے ہیں، ان پر ظلم وستم کرتے ہیں؟؟

وفد میں شامل تمام احباب نے کہا:

''امیر المؤمنین! اللہ کی قسم ہمیں معلوم نہیں کہ کسی نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی ہو یا ان سے کوئی بدعہدی کی ہو، یا انہیں کسی معاہدے میں دھوکہ دیا ہو۔''

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: تو پھر جب بھی انہیں (یعنی ذمیوں کو) فرصت ملتی ہے کوئی موقع ان کے ہاتھ لگتا ہے تو یہ تم پر حملہ آور کیوں ہوجاتے ہیں حالاں کہ تمہارے اور ان کے درمیان امن کا معاہدہ طے پاچکا ہوتا ہے؟''

وفد نے جو جواب دیا اس سے حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی تسلی نہ ہوئی۔ اس موقع پر حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔

''امیر المؤمنین! اجازت ہو تو میں آپ کو حقیقت حال بتادوں۔''

آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: ''ہاں بتایئے! آپ کی کیا معلومات ہیں؟''

عرض کیا: ''امیر المؤمنین! آپ نے ہمیں سرزمین ایران پر مکمل آزادی کے ساتھ حکومت کرنے سے روک رکھا ہے، آپ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے قبضے میں ان کی زمینیں اور شہر تو رکھیں لیکن شاہ ایران زندہ ہیں ملک بدستور قائم ہے، وہ ہم سے بار بار فرصت ملتے ہی لڑتے ہیں، تاکہ ہمارے قبضے سے اپنی زمین اور گھر آزاد کرالیں۔ جب بھی ہمارے ساتھ معاہدہ کرنے والے ذمیوں کو کہیں سے کوئی امداد ملتی ہے یا انہیں کامیابی و کامرانی کی امید دکھائی دیتی ہے تو یہ سارے مل کر ہمارے مقابلے میں تیار ہوکر آجاتے ہیں۔

امیر المؤمنین! ایک ملک میں دو بادشاہ ایک ساتھ نہیں رہ سکتے یہ فطرت کے خلاف ہے، لازمی طور پر ایک اپنے دشمن کو ملک سے نکالے گا۔

اگر آپ ہمیں اس ملک میں پورے اختیار کے ساتھ جنگ کی اجازت دے دیں یہاں تک کہ ہم شاہِ ایران کی حکومت کا خاتمہ کردیں تو اس سے ایرانی رعایا کی امیدیں ختم ہوجائیں گی، ان کا جوش و جذبہ جاتا رہے گا۔ ہمارا راستہ صاف ہوجائے گا اور ہر قسم کا فتنہ دب جائے گا۔''

''حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ چند منٹ کے لیے گہری سوچ میں پڑ گئے پھر آپ نے سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا: احنف نے بالکل درست تجزیہ کیا ہے۔ آج میرے سامنے صحیح معنوں میں یہ راز کھلا ہے کہ ایرانی قوم بار بار وعدہ خلافی کیوں کرتی ہے۔''

حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے اس واضح اور بہترین تذکرے نے تاریخ کا رخ موڑ دیا۔

سُؤَال: حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا اصل نام کیا تھا؟

سُؤَال: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے لیے دعا کیوں فرمائی؟

سُؤَال: وہ نصیحتیں آپ کو یاد ہیں جو حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے سنیں؟

سُؤَال: اپنی قوم کا سردار کیسے بنا جا سکتا ہے؟ حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی زبانی بتائیے؟

سُؤَال: ایرانیوں کی بدعہدی کا حضرت احنف بن قیس رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے کیا تجزیہ کیا؟

حضرت امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

(کی زندگی کے سرسبز وشاداب لمحات)

"لَمْ أَرَ أَعْقَلَ وَلَا أَفْضَلَ وَلَا أَوْرَعَ مِنْ أَبِيْ حَنِيْفَةَ" (یزید بن هارون)

تَرْجَمَۃ: "ان جیسا دانشور، معزز اور متقی و پرہیزگار میں نے کوئی اور نہیں دیکھا۔"

"كَانَ أَبُوْحَنِيْفَةَ النُّعْمَانُ شَدِيْدَ الذَّبِّ عَنْ حُرُمَاتِ اللّٰهِ......" (الامام ابویوسف)

تَرْجَمَۃ: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں دیکھ کر حضرت امام ابوحنیفہ کا رنگ شدت سے بدل جاتا تھا۔"

تعارف

خوش شکل، میٹھے لہجے والے، درمیانہ قد، نہ زیادہ لمبے اور نہ ہی زیادہ چھوٹے، دیکھنے والا رشک بھری نگاہوں سے دیکھتا ہی رہ جاتا۔ لباس بہت عمدہ اور صاف ستھرا پہنتے، عمدہ عطریات کا استعمال بڑی کثرت اور اہتمام سے کرتے، جن راہوں سے گزرتے لوگ انہیں دیکھے بغیر خوشبو ہی سے پہچان جاتے کہ اس راہ سے حضرت کا گزر ہوا ہے۔

ان اوصاف سے آراستہ عظیم شخصیت کا نام نعمان بن ثابت ہے جو ابوحنیفہ کنیت اور امام اعظم سے مشہور ہوئے، جنہوں نے سب سے پہلے فقہ کے مسائل سمجھائے اور عمدہ انداز میں مسائل کی وضاحت کی اور دینی نکات سے لوگوں کو متعارف کرایا۔

امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے بنوامیہ کا آخری اور بنوعباس کا ابتدائی دور حکومت دیکھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ان حکمرانوں کے دور میں زندگی بسر کی جو علماء کے قدردان تھے۔ انہیں حکومت کی جانب سے کافی مقدار میں مالی وسائل مہیا کئے جاتے جن سے ان کی گزر بسر خوش حالی سے ہوتی اور انہیں تلاش روزگار کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔

لیکن امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے غیرت کا قابل رشک مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی عزت اور علمی وقار کو سامنے رکھا اور اپنی مالی حالت کو حکومت کا محتاج نہ ہونے دیا۔ انہوں نے پوری زندگی خود کما کر کھایا اور ان کی یہی کوشش رہی۔

"يَدُهُ هِيَ الْعُلْيَا دَائِمًا......"

تَرجَمَہ: "ان کا ہاتھ ہمیشہ بلند رہے۔"

کیوں کہ دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

دنیا سے بے رغبتی

ایک مرتبہ حکمرانِ وقت منصور نے ملاقات کے لیے امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو اپنے دربار میں بلایا۔ جب آپ وہاں پہنچے تو انہوں نے شاہانہ انداز سے استقبال کیا، عزت واکرام کے ساتھ اپنے ساتھ بٹھایا، دین و دنیا کے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ جب ملاقات کے بعد آپ واپس جانے لگے تو انہوں نے عزت، اکرام اور ادب کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے ایک تھیلی پیش کی جس میں تیس ہزار درہم تھے۔ حالاں کہ منصور بخل کے اعتبار سے بہت مشہور تھے۔

امام صاحب نے ارشاد فرمایا:

امیر المؤمنین! میں بغداد میں اجنبی ہوں۔ یہ مال سنبھالنے کے لیے میرے پاس جگہ نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ ضائع ہو جائے گا، آپ اسے اپنے پاس بیت المال میں سنبھال لیں جب مجھے ضرورت ہوگی میں آپ سے لے لوں گا۔

منصور نے آپ کی دلی رغبت کا احترام کرتے ہوئے وہ مال امانت کے طور پر بیت المال میں رکھ دیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے ہی عرصے بعد امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ اللہ کو پیارے ہو گئے، وفات کے وقت ان کے گھر سے لوگوں کی امانتیں اتنی مقدار میں موجود تھیں جن کی مالیت اس سے کہیں زیادہ تھی جو حاکم وقت منصور کے پاس بیت المال میں امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے لیے محفوظ تھی۔

منصور کو جب اس صورت حال کا پتہ چلا تو انہوں نے آہ بھر کر کہا: اللہ تعالیٰ ابوحنیفہ پر اپنی رحمت کی بارش برسائے انہوں نے ہمارا عطیہ قبول کرنا گوارا ہی نہیں کیا۔

اس میں کوئی حیرانی کی بات نہیں کیوں کہ امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا موقف یہ تھا کہ انسان جو خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتا ہے وہ زیادہ پاکیزہ، عمدہ اور دل پسند کھانا ہوتا ہے۔

ہم امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی زندگی کا مشاہدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ آپ نے امورِ تجارت کے لیے وقت مخصوص کر رکھا تھا۔ آپ ریشم اور اس سے تیار کردہ کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔ عراق کے مختلف شہروں میں تجارتی کام خوب چلتا تھا۔ ان کی ایک مشہور و معروف منڈی بھی تھی جس میں خرید و فروخت کے

لیے لوگوں کی بڑی تعداد پہنچتی تھی۔

وہاں پوری صداقت و امانت سے لین دین ہوتا۔ لوگ بڑے اطمینان سے سودا سلف خریدتے۔ کسی کو کوئی ڈر اور خوف نہ ہوتا اور نہ ہی کوئی خطرہ محسوس کرتا۔ لوگوں کو منڈی میں خریدنے کے لیے اعلیٰ اور نفیس چیزیں ملتی تھیں۔

تجارت سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو خاطر خواہ نفع حاصل ہوتا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کافی مقدار میں مال و دولت میسر آتا۔ حلال کماتے اور اپنے مال کو اس کی اصلی جگہ خرچ کرتے۔

یہ بات مشہور تھی کہ جب سال پورا ہو جاتا تو آپ تجارت سے حاصل ہونے والے تمام منافع کا حساب لگاتے، اپنے ذاتی اخراجات کے لیے مال رکھنے کے بعد باقی مال سے علماء، محدثین، فقہاء اور طلباء کے لیے ضروری اشیاء، خوراک اور لباس خریدتے اور کچھ جیب خرچ کے لیے انہیں نقد رقم فراہم کرتے ہوئے فرماتے:

"هٰذِهٖ أَرْبَاحُ بِضَائِعِكُمْ أَجْرَاهَا اللّٰهُ لَكُمْ عَلٰى يَدَيَّ"

"یہ مال تمہارا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے میرے ہاتھ سے تمہارے مال میں منافع عطا کیا ہے۔ (اللہ کی قسم! میں اپنے مال سے تمہیں کچھ نہیں دے رہا۔ یہ اللہ کا خاص فضل ہے جو میرے ذریعہ آپ تک پہنچ رہا ہے)۔"

"فَمَا فِيْ رِزْقِ اللّٰهِ حَوْلٌ لِّأَحَدٍ غَيْرِ اللّٰهِ"

تَرجَمَہ: "اللہ کے رزق میں اللہ کے سوا کسی کو کوئی اختیار نہیں۔"

سخاوت اور فیاضی

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی فیاضی اور سخاوت کی خبریں مشرق و مغرب میں پھیل چکی تھیں، خاص طور پر اپنے ہم مجلس اور ساتھیوں پر بہت زیادہ خرچ کیا کرتے تھے۔

ایک روز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہم مجلس منڈی میں آئے اور انہوں نے کہا:

"إِنِّيْ بِحَاجَةٍ إِلٰى ثَوْبِ خَزٍّ يَا أَبَا حَنِيفَةَ"

تَرجَمَہ: "اے ابوحنیفہ! مجھے ریشم کا کپڑا چاہیے۔"

"فَقَالَ لَهٗ أَبُوْ حَنِيفَةَ: مَا لَوْنُهٗ؟

فَقَالَ: كَذَا وَكَذَا"

تَرجَمَہ: "امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے پوچھا: کس رنگ کا کپڑا درکار ہے؟ انہوں نے رنگ

کے بارے میں وضاحت کی۔''

''فَقَالَ: اِصْبِرْ حَتّٰی یَقَعَ لِیْ فَاٰخُذَهٗ لَکَ''

تَرْجَمَہ: ''آپ نے فرمایا: صبر کرو اس رنگ کا کپڑا ملتے ہی آپ کے لیے محفوظ کرلوں گا۔''

ایک ہفتہ گزر جانے کے بعد وہی کپڑا ملا تو آپ لے کر اپنے ساتھی کے گھر گئے۔ اور ان سے کہا:

''قَدْ وَقَعَتْ لِیْ حَاجَتُكَ ...... وَأَخْرَجَ إِلَيْهِ الثَّوْبَ''

تَرْجَمَہ: ''لیجئے! آپ کی پسند کے مطابق کپڑا مل گیا ہے۔''

انہوں نے دیکھا تو بہت پسند آیا۔

''كَمْ أَدْفَعُ لِغُلَامِكَ ثَمَنَهٗ؟''

تَرْجَمَہ: ''پوچھا آپ کے غلام کو کتنی قیمت پیش کروں؟''

''فَقَالَ: دِرْهَمًا''

تَرْجَمَہ: ''فرمایا: صرف ایک درہم!''

انہوں نے بڑے تعجب سے پوچھا: ''صرف ایک درہم؟''

آپ نے فرمایا: ''ہاں!''

انہوں نے کہا: ''آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں۔''

آپ نے فرمایا: ''مذاق نہیں کر رہا دراصل میں نے یہ اور اس کے ساتھ دوسرا کپڑا بیس دینار ایک درہم کا خریدا تھا، دوسرے کپڑے سے میرے پیسے پورے ہو گئے ہیں یہ باقی رہ گیا تھا، آپ سے ایک درہم کا مطالبہ س لیے کر رہا ہوں کہ میں اپنے ساتھیوں سے منافع نہیں لیا کرتا۔''

ایک بوڑھی عورت نے امام صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ سے ریشم کا کپڑا مانگا۔ آپ نے وہ کپڑا ان کے لیے نکالا۔

انہوں نے کہا: ''میں ایک عمر رسیدہ عورت ہوں اشیاء کی قیمتوں کا مجھے علم نہیں، برائے مہربانی آپ مجھے تھوڑے سے منافع پر کپڑا دے دیں۔''

آپ نے فرمایا: ''میں نے دو تھان ایک ساتھ خریدے تھے۔ ایک تھان فروخت کرنے سے مجھے چار درہم کم پوری رقم مل گئی ہے۔ آپ یہ دوسرا تھان صرف چار درہم دے کر لے جائیں۔ میں آپ سے کوئی منافع نہیں چاہتا۔''

ایک روز آپ کے پاس ایک ساتھی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ملاقات کے لیے آئے۔ جب سب لوگ

چلے گئے تو آپ نے ان سے کہا:

''مصلّیٰ اٹھائیں اس کے نیچے جو کچھ ہے وہ لے لیں۔''

اس شخص نے مصلّیٰ اٹھایا دیکھا کہ اس کے نیچے ایک ہزار درہم پڑے ہیں۔

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''یہ اپنے پاس رکھیں اپنے لیے نیا عمدہ لباس تیار کریں۔''

انہوں نے کہا: ''میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔''

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ان سے کہا: ''اگر اللہ نے آپ پر اپنا فضل و کرم کیا ہے اور اپنی نعمتوں سے نوازا ہے تو ان نعمتوں کے آثار کہاں ہیں،؟ آپ ان نعمتوں کو استعمال کیوں نہیں کرتے؟

کیا آپ تک رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کی یہ حدیث نہیں پہنچی:

''إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُحِبُّ أَنْ يَّرٰى أَثَرَ نِعْمَتِهٖ عَلٰى عَبْدِهٖ''[1]

تَرْجَمَہ: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ اپنی نعمت کے آثار اپنے بندے پر دیکھے۔''

آپ کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنی حالت کو سنواریں تاکہ آپ کو دیکھ کر آپ کے کسی ساتھی کو تکلیف نہ ہو۔''

امامِ اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی اپنے اہلِ خانہ پر خرچ کرتے تو اتنی ہی مقدار میں مساکین، فقراء اور حاجت مندوں کے لیے صدقہ کرتے۔

جب کبھی خود کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اتنی ہی قیمت کے کپڑے مساکین کو سلوا کر دیتے، جب آپ کے سامنے کھانا رکھا جاتا تو آپ اتنی ہی مقدار میں یا اس سے دوگنا کھانا مساکین میں تقسیم کر دیتے۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر کبھی دورانِ گفتگو انہوں نے قسم کھالی تو وہ اس کے بدلے ایک درہم اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتے۔

آپ نے اپنے اوپر یہ لازم کر لیا تھا کہ اگر گفتگو کرتے ہوئے زبان سے قسم کے کلمات نکل جاتے اور قسم بھی سچی ہو تو اس کے بدلے میں سونے کا ایک دینار اللہ کی راہ میں خرچ کرتے۔

دیانت داری

حضرت حفص بن عبدالرحمان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ تجارت میں امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے شریک تھے، امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ ''انہیں ریشم کا ساز و سامان دے کر عراق کے بعض شہروں کی طرف روانہ کیا کرتے

[1] كَنْزُ الْعُمَّالِ، رَقْمُ الْحَدِيْثِ: ١٧١٧٠، ٦/٢٧٣

تھے۔

ایک مرتبہ کافی مقدار میں سامان دے کر بھیجا اور انہیں بتا دیا کہ: ''فلاں فلاں کپڑا داغی ہے جب آپ اسے فروخت کریں تو خریدار کو اس عیب سے آگاہ کردیں۔''

حضرت حفص بن عبدالرحمان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے تمام سامان بیچ دیا اور خریداروں کو ناقص کپڑوں کے بارے میں بتانا بھول گئے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی کہ ان خریداروں کے نام یاد آجائیں جنہوں نے ناقص کپڑا خریدا ہے، لیکن وہ پوری کوشش کے باوجود ان کے نام یاد کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

جب امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو صورت حال کا علم ہوا اور ان لوگوں کو پہچاننے میں ناکامی کا پتہ چلا تو بڑے بے چین ہوگئے۔ جب تک آپ نے اس پورے مال کی قیمت اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر دی دلی اطمینان نصیب نہ ہوا۔

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ خوش اخلاق، اچھا برتاؤ کرنے والے، بردبار اور خوش مزاج تھے۔ آپ کے پاس بیٹھنے والا سعادت حاصل کرتا۔

آپ کا مخالف بھی غیر حاضری میں آپ کو اچھے الفاظ سے یاد کرتا۔

آپ کے ایک قریبی ساتھی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کو حضرت سفیان ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے یہ بات فرماتے ہوئے سنا:

''يَا أَبَا عَبْدِاللّٰهِ، مَا أَبْعَدَ أَبَا حَنِيفَةَ عَنِ الْغِيْبَةِ!!......''

تَرجَمَہ: ''اے ابوعبداللہ! امام ابوحنیفہ غیبت سے بہت نفرت کیا کرتے تھے۔''

میں نے کبھی ان کو اپنے دشمن کے خلاف بھی برا بھلا کہتے ہوئے نہیں سنا۔ حضرت سفیان ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا:

''إِنَّ أَبَا حَنِيفَةَ أَعْقَلُ مِنْ أَنْ يُسَلِّطَ عَلٰى حَسَنَاتِهِ مَا يَذْهَبُ بِهَا''

تَرجَمَہ: ''امام ابوحنیفہ بڑے سمجھ دار تھے۔ وہ کسی ایسے عمل کو اپنی نیکیوں پر غالب نہیں آنے دیتے تھے جو ان پر پانی پھیر دے۔ (اپنے نیک اعمال کی خوب حفاظت فرماتے تھے)۔''

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ لوگوں سے بہت محبت اور الفت کرتے تھے اور ہمیشہ ان سے خوش گوار تعلقات کی امید رکھتے تھے۔

آپ کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ کوئی اجنبی آپ کے پاس آکر بیٹھ جاتا اور جب وہ اٹھ کر جانے لگتا تو آپ اس سے آمد کا مقصد ضرور دریافت کرتے۔

اگر وہ فقیر ہوتا تو آپ اس کی مالی مدد کرتے، اگر وہ بیمار ہوتا تو اس کی تیمارداری کرتے، اگر وہ ضرورت مند ہوتا تو آپ اس کی ضرورت کو پورا کرتے۔ یہاں تک کہ اس کا دل جیت لیتے اور وہ دعائیں دیتا ہوا جاتا۔

عبادت میں مشغولیت

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر و بیشتر دن کو روزہ رکھتے اور رات کو عبادت میں مصروف رہتے۔

قرآن حکیم کو بڑی محبت اور چاہت کے ساتھ پڑھتے۔ یوں معلوم ہوتا کہ آپ قرآن حکیم کے بڑے گہرے دوست ہیں۔ سحری کے وقت استغفار کرتے۔ کثرت عبادت کا اصلی سبب یہ تھا کہ ایک دن انہوں نے لوگوں میں سے چند افراد کو یہ کہتے ہوئے سن لیا تھا کہ یہ شخص بڑے عبادت گزار ہیں، رات بھر عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ جب آپ نے اپنے بارے میں یہ بات سنی تو فرمانے لگے:

''کہ میرا عمل تو لوگوں کے جذبات کے مطابق نہیں ہے، کیوں نہ میں ویسا ہی بن جاؤں جیسا لوگ میرے بارے میں خیال ظاہر کرتے ہیں۔''

اور انہوں نے عزم کر لیا کہ میں زندگی بھر اپنے سر کے نیچے تکیہ نہیں لوں گا۔ پھر ان کی یہ عادت بن گئی کہ رات کا بیشتر حصہ وہ عبادت میں صرف کرتے۔

جب رات ہو جاتی اور لوگ نیند کے مزے لینے لگتے تو آپ عمدہ لباس پہنتے، داڑھی میں کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے پھر محراب میں قیام، رکوع اور سجدے کی حالت میں رات کا اکثر حصہ گزار دیتے۔ کبھی گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگتے اور کبھی یہ آیت بار بار پڑھتے جاتے:

﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ ۝﴾

تَرْجَمَہ: ''بل کہ قیامت کی گھڑی ان کے وعدے کے وقت ہے اور قیامت بڑی سخت اور کڑی چیز ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کے ڈر سے زار و قطار ایسا روتے جس سے دل لرز جاتے۔ خوف خدا سے روتے ہوئے بعض اوقات ایسی ہچکی بندھتی جس سے عام آدمی رو پڑے۔

آپ کے بارے میں یہ بات بھی مشہور ہے کہ چالیس سال تک آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے اور اس عرصے میں ایک مرتبہ بھی خلل پیدا نہیں ہوا۔

آپ نے جس جگہ وفات پائی اس جگہ سات ہزار مرتبہ قرآن کریم کو ختم کیا ہے۔

[1] قمر: ۴۶

اور جب آپ سورۂ "زِلزَال" پڑھتے تو آپ کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی، دل خوف سے تھر تھر کانپنے لگتا اور اپنی داڑھی کو پکڑ کر یہ کہتے:

"يَا مَنْ يَّجْزِيْ بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ خَيْرٍ خَيْرًا......"

تَرْجَمَہ: "اے ذرہ برابر نیکی کا بہترین بدلہ دینے والے!"

"وَيَا مَنْ يَجْزِيْ بِمِثْقَالِ ذَرَّةٍ شَرٍّ شَرًّا......"

تَرْجَمَہ: "اے ذرہ برابر شر کی سزا دینے والے!"

"أَجِرْ عَبْدَكَ النُّعْمَانَ مِنَ النَّارِ......"

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! اپنے بندے نعمان کو جہنم کی آگ سے بچا لینا۔"

"وَبَاعِدْ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مَا يُقَرِّبُهٗ مِنْهَا......"

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! اپنے بندے کو ان برائیوں سے دور کر دے جو جہنم کے قریب کرنے کا باعث بنتی ہیں۔"

"وَأَدْخِلْهُ فِيْ وَاسِعِ رَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"

تَرْجَمَہ: "یا ارحم الراحمین! اپنی رحمت کے وسیع سائے میں اپنے بندے کو داخل کر دے۔"

علم میں مہارت

ایک روز امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی، امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے پاس آئے وہاں چند ساتھی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ملاقات کر کے واپس چلے گئے تو امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے ساتھیوں سے پوچھا:

"کیا تم جانتے ہو یہ شخص کون ہیں؟"

سب نے کہا: "نہیں ہم تو نہیں جانتے۔"

آپ نے فرمایا: "یہ نعمان بن ثابت ہیں۔"

"یہ وہ شخص ہیں کہ اگر یہ اس ستون کو کہہ دیں کہ یہ سونے کا ہے تو اسے ثابت کرنے کے لیے ایسے دلائل دیں گے کہ سننے والے کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔ وہ دلائل سن کر تسلیم کر لے گا کہ واقعی یہ سونے کا ہی ہے۔"

امام مالک رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی قوتِ دلائل سمجھ داری اور ہوش یاری کو کوئی بڑھا چڑھا کر بیان نہیں کیا۔

تاریخ و سِیَر کی کتابوں میں ایسے واقعات درج ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے مدمقابل کو دلائل سے ایسا عاجز کرتے کہ وہ بات کرنے کے قابل ہی نہ رہتا۔

کوفہ میں ایک ایسا گم راہ شخص رہتا تھا جسے بعض لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس کی باتیں غور سے سنا کرتے تھے۔ اس نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا: (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) عثمان بن عفان حقیقت میں یہودی تھا۔ اور وہ اسلام قبول کرنے کے بعد بھی یہودی ہی رہا۔

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے جب یہ بات سنی تو ان کو بہت غصہ آیا۔ آپ فوراً اس کے پاس پہنچے، اس سے ملاقات کی اور فرمایا:

''میں آج ایک خاص کام کے لیے آیا ہوں۔''

اس نے کہا: خوش آمدید! ''فرمایئے کیا کام ہے، آپ کا حکم سر آنکھوں پر آپ فرمائیں آپ جیسے معزز انسان کی بات کو قبول کرنا سعادت ہے۔''

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ آپ کی بیٹی کا نکاح میں اپنے فلاں ساتھی سے کردوں کیا آپ کو منظور ہے؟''

اس نے فوراً کہا: ''کیوں نہیں! کیوں نہیں!

لیکن منگیتر کا ذرا تعارف تو کرائیں کہ وہ کون ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''وہ بڑا مال دار اور اپنی قوم میں اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، بڑا سخی ہے کھلے ہاتھ کا مالک ہے، حافظِ قرآن ہے، تہجد کا پابند ہے، اللہ کے خوف کی وجہ سے آہ و زاری میں مشغول رہتا ہے۔''

اس نے اتنی تعریف سن کر کہا:

''بس بس اتنا ہی کافی ہے ایسا شخص ہی میرا داماد بننے کے قابل ہے۔''

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس کے خوش گوار مزاج کو دیکھتے ہوئے فرمایا:

''میری یہ بات ذرا غور سے سنیں اس میں ایک برائی بھی ہے۔''

اس نے چونک کر کہا: ''وہ کیا؟''

آپ نے فرمایا:

''وہ شخص یہودی ہے۔''

یہ بات سن کر وہ شخص اچھل گیا اور کہنے لگا: ''ارے یہودی ہے۔''

''اے ابوحنیفہ! کیا آپ میری بیٹی یہودی کے نکاح میں دینا چاہتے ہیں، اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا،

میں اپنی بیٹی کی شادی کسی یہودی کے ساتھ کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا خواہ اس میں زمانے بھر کی خوبیاں جمع کیوں نہ ہو جائیں۔''

امام صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا:

''اب کیوں اچھلتے ہو، اپنی بیٹی کا یہودی کے ساتھ نکاح کرنے سے کیوں اتنا بدکتے ہو، تمہیں یہ کہتے ہوئے ذرا بھی شرم نہ آئی کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک ایک کرکے اپنی دو بیٹیوں کی شادی ایک یہودی سے کردی، کچھ شرم کرو حیا کرو۔''

وہ شخص یہ باتیں سن کر کانپنے لگا۔ اور فوراً پکار اٹھا:

''الٰہی میری توبہ! مجھے بخش دے! یہ بری بات جو میری زبان سے نکلی یہ جھوٹ اور بہتان جو میں نے باندھا الٰہی! مجھے معاف کردے۔ بلاشبہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔''

وفات

جب موت کا وقت قریب آیا تو آپ نے وصیت کی:

''مجھے پاکیزہ جگہ میں دفن کیا جائے! ایسی جگہ میں دفن نہ کیا جائے جو کسی سے زبردستی لی گئی ہو۔''

جب آپ کی وصیت حاکمِ وقت منصور تک پہنچی تو انہوں نے کہا:

''امام صاحب کی زندگی بھی قابل رشک اور ان کی موت بھی قابل رشک ہے۔

انہوں نے نہ اپنی زندگی میں ہمیں انگلی اٹھانے کا کبھی موقع دیا اور نہ موت کے وقت۔ اللہ ان پر رحم فرمائے اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔''

امام اعظم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے یہ بھی وصیت کی کہ مجھے حسن بن عمارہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی غسل دیں۔

وصیت کے مطابق انہوں نے بڑے اہتمام سے غسل دیا اور کہا:

''اے ابوحنیفہ! اللہ آپ پر رحم فرمائے! اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔

اور ان کارناموں کی بنا پر بخش دے جو آپ نے دین کی سربلندی کے لیے انجام دیئے، مسلسل تیس سال تک روزے رکھتے رہے۔ آپ کے بعد آنے والے تمام فقہاء نے آپ ہی کی پیروی کی۔''

اللہ آپ کی قبر پر رحمت کی بارش برسائے، آسمان آپ کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

فوائد ونصائح

ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی چوبیس گھنٹہ کی زندگی حضور ﷺ کے طریقوں کے مطابق گزاریں۔ جس طرح عبادات مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ میں حضور ﷺ کے طریقوں کی پابندی ضروری ہے، اسی طرح معاملات (خرید وفروخت) میں بھی حضور ﷺ کے طریقوں کی پابندی ضروری ہے۔

اگر ہم کوئی چیز بیچتے ہیں اور اس میں عیب ہے تو وہ عیب خریدار کو بتا دینا چاہئے، تاکہ اگر وہ شخص اس عیب کے ساتھ اس کو خریدنا چاہتا ہے تو خرید لے، ورنہ چھوڑ دے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ بَاعَ عَيْبًا لَمْ يُبَيِّنْهُ لَمْ يَزَلْ فِيْ مَقْتِ اللّٰهِ، وَلَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تَلْعَنُهُ"[1]

تَرْجَمَہ: "یعنی جو شخص عیب دار چیز فروخت کرے، اور اس عیب کے بارے میں وہ خریدار کو نہ بتائے کہ اس کے اندر یہ خرابی ہے تو ایسا شخص مسلسل اللہ کے غضب میں رہے گا اور ملائکہ ایسے آدمی پر مسلسل لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔"

لہٰذا ہمیں عیب بتائے بغیر کوئی چیز نہیں بیچنی چاہئے تاکہ ہم حرام کھانے سے بچ جائیں اور ہمارے مال میں برکت رہے، جیسے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے شریکِ کاروبار حفص بن عبدالرحمٰن سے فرمایا تھا کہ فلاں فلاں کپڑے میں عیب ہے آپ عیب بتائے بغیر نہ بیچیں لیکن جب حفص بن عبدالرحمٰن نے پورا کپڑا بیچ دیا اور عیب بتانا بھول گئے تو امام صاحب نے اس کا سارا نفع صدقہ کر دیا۔

سُؤال: امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا کاروبار کرتے تھے؟

سُؤال: امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے دوست کو کیا نصیحت کی؟

سُؤال: امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے چالیس سال تک عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی اس کی وجہ کیا ہوئی تھی؟

سُؤال: امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے انتقال پر حاکمِ وقت خلیفہ منصور نے کیا کہا؟

[1] ابنُ مَاجَه، اَبْوَابُ التِّجَارَاتِ، بَابُ مَنْ بَاعَ عَيْبًا فَلْيُبَيِّنْهُ: ص ۱٦٢

ماخذ ومراجع

نوٹ: ہر واقعہ کا حوالہ بقیدِ صفحہ وجلد تو اصل عربی کتاب "صُوَرٌ مِنْ حَيَاةِ التَّابِعِيْن" میں مؤلف رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا تفصیلی حوالوں کے لیے وہاں رجوع فرمالیں، ہم یہاں صرف ان کتابوں کے نام ذکر کرتے ہیں جن سے یہ واقعات لیے گئے ہیں۔

① اِبْنُ الْأَثِيْر
② أَخْبَارِ أَصْبَهَانْ
③ أَخْبَارُ الْقُضَاةِ
④ اَلْإِسْتِيْعَابُ
⑤ أُسْدُ الْغَابَةِ
⑥ اَلْإِصَابَةُ
⑦ اَلْأَغَانِيْ
⑧ أَمَالِي الْمُرْتَضٰى
⑨ أَنْسَابُ الْأَشْرَافِ
⑩ اَلْبِدَايَةُ وَالنِّهَايَةُ
⑪ اَلْبَدْءُ وَالتَّارِيْخُ
⑫ اَلْبَيَانُ الْمُغْرِبُ
⑬ اَلْبَيَانُ وَالتَّبْيِيْنُ
⑭ اَلتَّاجُ
⑮ تَارِيْخُ الْإِسْلَامِ
⑯ تَارِيْخُ الْبُخَارِيْ
⑰ تَارِيْخُ بَغْدَادْ
⑱ تَارِيْخُ خَلِيْفَهِ بْنِ خَيَّاطْ
⑲ اَلتَّارِيْخُ الصَّغِيْرُ
⑳ تَارِيْخُ الطَّبَرِيْ
㉑ تَارِيْخُ الْفَسوِيْ
㉒ تَارِيْخُ مَدِيْنَةْ
㉓ تَذْكِرَةُ الْحُفَّاظِ
㉔ اَلتَّهْذِيْبُ
㉕ تَهْذِيْبُ التَّهْذِيْبِ
㉖ تَهْذِيْبُ الْأَسْمَاءِ وَاللُّغَاتِ
㉗ ثِمَارُ الْقُلُوْبِ
㉘ جَذْوَةُ الْمُقْتَبِسْ
㉙ اَلْجَرْحُ وَالتَّعْدِيْلُ
㉚ جَمْهَرَةُ أَنْسَابِ الْعَرَبِ
㉛ اَلْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ
㉜ حِلْيَةُ الْأَوْلِيَاءِ
㉝ ذَلَاصَةُ تَذْهِيْبِ الْكَمَالِ
㉞ دَائِرَةُ الْمَعَارِفِ

۳۵ ذَيْلُ الذَّيْلِ
۳۶ رَغْبَةُ الْأَمِلِ فِيْ شَرْحِ الْكَامِلِ
۳۷ سَمْطُ اللَّآلِيْ
۳۸ سِيَرُ اَعْلَامِ النُّبَلَاءِ
۳۹ سِيْرَةُ عُمَرِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ لِلْآجُرِيْ
۴۰ سِيْرَةُ عُمَرِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ لِابْنِ الْجَوْزِيْ
۴۱ سِيْرَةُ عُمَرِ بْنِ عَبْدِالْعَزِيْزِ لِابْنِ عَبْدِالْحَكَمِ
۴۲ اَلسِّيْرَةُ النَّبَوِيَّةُ
۴۳ شَذَرَاتُ الذَّهَبِ
۴۴ شَرْحُ الْمُقَامَاتِ
۴۵ صِفَةُ الصَّفْوَةِ
۴۶ طَبَقَاتُ الْحُفَّاظِ
۴۷ طَبَقَاتُ خَلِيْفَه بِنْ خَيَّاطْ
۴۸ طَبَقَاتُ الْفُقَهَاءِ
۴۹ طَبَقَاتُ الْقُرَّاءِ
۵۰ اَلطَّبَقَاتُ الْكُبْرٰى
۵۱ طَبَقَاتُ الْمُفَسِّرِيْنَ
۵۲ اَلْعِبَرُ
۵۳ اَلْعِقْدُ الثَّمِيْنِ
۵۴ اَلْعِقْدُ الْفَرِيْد
۵۵ غُرَرُ الْخَصَائِصِ
۵۶ غَزَوَاتُ الْعَرَبِ
۵۷ فَوَاتُ الْوُفَيَاتُ
۵۸ اَلْكَامِلُ
۵۹ كِتَابُ الزُّهْدِ
۶۰ كِتَابُ الْوَفَيَاتِ
۶۱ كَرَامَاتُ الْاَوْلِيَاءِ
۶۲ اَلْكُنٰى
۶۳ اَللُّبَابُ
۶۴ مِرْآةُ الْجِنَانِ
۶۵ مَجْمَعُ الزَّوَائِدْ
۶۶ اَلْمَعَارِفُ
۶۷ اَلْمُحَبَّر
۶۸ اَلْمَعْرِفَةُ وَالتَّارِيْخُ
۶۹ مِيْزَانُ الْاَعْمَالِ
۷۰ اَلنُّجُوْمُ الزَّاهِرَةِ
۷۱ نُزْهَةُ الْخَاطِرِ
۷۲ نَفْحُ الطِّيْبِ
۷۳ نُكَتُ الْهِمْيَانِ
۷۴ اَلْوَافِيْ بِالْوَفِيَاتِ
۷۵ وَفِيَاتُ الْاَعْيَانِ
۷۶ عُلَمَاءُ الْاَنْدُلُسِ